JAMIA FAROOQIA KARACHI

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات

کتاب الوقف

باب مایتعلق بنفس الوقف

(نفسِ وقف کا بیان)

باب في استبدال الوقف وبيعه

(وقف کو بدلنے اور اس کی بیع کا بیان)

باب ولایۃ الوقف

(تولیتِ وقف کا بیان)

باب أحکام المساجد

(مسجد کے احکام کا بیان)

الفصل الأول في بناء المسجد وتعميرها

(مسجد کے بنانے اور اس کی تعمیر کا بیان)

الفصل الثاني في مسجد الضرار

(مسجدِ ضرار کا بیان)

الفصل الثالث في المحراب والمنبر والمنارة

(محراب، منبر اور مینارہ کا بیان)

الفصل الرابع في بيع المسجد وأوقافه

(مسجد اور اس کے سامان کو بیچنے کا بیان)

الفصل الخامس في المسجد القديم

(پرانی مسجد کا بیان)

الفصل السادس في التوسيع في المسجد

(مسجد میں توسیع کرنے کا بیان)

الفصل السابع في التصرف والتعمير في المسجد

(مسجد میں تصرف وتعمیر کرنے کا بیان)

الفصل الثامن في انتقال المسجد و أمتعته

(مسجد اور اس کے سامان کو منتقل کرنا)

الفصل التاسع في إقامة المدرسة في المسجد

(مسجد میں مدرسہ قائم کرنا)

الفصل العاشر في إجارة متاع المسجد

(مسجد کے سامان کو کرایہ پر دینا)

الفصل الحادي عشر في استعمال أشياء المسجد
(مسجد کی اشیا کو استعمال کرنے کا بیان)

الفصل الثاني عشر في صرف مال المسجد إلى غيره
(مسجد کے پیسے دوسری جگہ استعمال کرنا)

الفصل الثالث عشر في صرف المال الحرام في المسجد
(مسجد میں حرام مال صَرف کرنا)

الفصل الرابع عشر في صرف مال الكافر في المسجد
(مسجد میں کافر کے مال کو صَرف کرنا)

الفصل الخامس عشر في جمع التبرعات للمسجد بطريق الاكتتاب
(مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے کا بیان)

الفصل السادس عشر في بناء المسجد في ملك الغير
(غیر کی زمین پر مسجد تعمیر کرنا)

باب اٰداب المسجد

(آدابِ مسجد کا بیان)

الفصل الأول فيما يستحب في المسجد ومايكره

(مسجد میں مستحب اور مکروہ کاموں کا بیان)

الفصل الثاني في دخول الجنب والحائض في المسجد

(مسجد میں جنبی اور حائضہ کے داخل ہونے کا بیان)

الفصل الثالث في إدخال الأشياء المنتنة في المسجد

(مسجد میں بدبودار چیزوں کے داخل کرنے کا بیان)

الفصل الرابع في زخرفة المساجد والكتابة عليها
(مسجد کے نقش ونگار اور اس پر لکھنے کا بیان)

الفصل الخامس في الحفلات للوعظ والأناشيد في المسجد
(مسجد میں وعظ ونظم کی محفلوں کا بیان)

باب المتفرقات

باب المصلیٰ
(عیدگاہ کا بیان)

باب في أحكام المقابر

(قبرستان کے احکام کا بیان)

باب مایتعلق بالمدارس

(مدارس کا بیان)

الفصل الأول في مصارف المدرسة واستبدالها
(مدرسہ کے مصارف اور اس کو بدلنے کا بیان)

الفصل الثاني في بيع وقف المدرسة والتصرف فيه
(مدرسہ کا فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنے کا بیان)

الفصل الثالث في وظائف المدرسين
(مدرسین کی تنخواہوں کا بیان)

الفصل الرابع في المبعوثين والتبرعات
(مدارس کے سُفراء اور چندہ کے احکام)

باب المتفرقات

کتاب الشرکة والمضاربة

(شرکت اور مضاربت کا بیان)

كتاب الإجارة

باب الإجارة الصحيحة

(اجارۂ صحیحہ کا بیان)

باب الإجارة الفاسدة

(اجارۂ فاسدہ کا بیان)

باب أجرة الدلال والسمسار

(دلالی کی اجرت کا بیان)

باب في فسخ الإجارة

(اجارہ کو فسخ کرنے کا بیان)

باب الاستئجار على الطاعات

الفصل الأول في الاستئجار على التلاوة وإهداء ثوابها للميت

(تلاوت اور ایصالِ ثواب پر اجرت لینے کا بیان)

الفصل الثاني في الاستئجار على الإمامة والأذان

(امامت اور اذان کی اجرت لینے کا بیان)

الفصل الثالث في الاستئجار على ختم التراويح

(ختمِ تراویح پر اجرت لینے کا بیان)

الفصل الرابع في الاستئجار على الوعظ

(وعظ وخطابت پر اجرت لینے کا بیان)

الفصل الخامس في الاستئجار على التعويذ

(تعویذ پر اجرت لینے کا بیان)

باب الاستئجار على المعاصي

(ناجائز کاموں پر اجرت لینے کا بیان)

كتاب المزارعة

(مزارعت کا بیان)

كتاب الغصب

(غصب کا بیان)

کتاب البیوع

باب البیع الصحیح

(بیعِ صحیح کا بیان)

باب البیع الباطل والفاسد والمکروہ

الفصل الأول في البیع الباطل

(بیعِ باطل کا بیان)

الفصل الثاني في البيع الفاسد

(بیعِ فاسد کا بیان)

الفصل الثالث في البيع المكروه

(بیع مکروہ کا بیان)

باب حطّ الثمن وزيادته نقداً ونسيئةً

(نقد اور ادھار میں قیمت کے اتار چڑھاؤ کا بیان)

فصل في سُلفة الثمن في البيع

(بیعانہ کا بیان)

باب المتفرقات

باب بيع الحقوق المجردة

(حقوقِ مجردہ کی بیع کا بیان)

باب مایتعلق بالحصص

(حصص کی خرید وفروخت)

فصل في بيع الاستجرار

(بیعِ استجرار کا بیان)

فصل في بيع الفضولي

(بیع فضولی کا بیان)

باب الإقالة

(اقالہ کا بیان)

باب المرابحة والسلم

الفصل الأول في المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

الفصل الثاني في السلم

(بیع سلم کا بیان)

فصل في الاحتكار

(ذخیرہ اندوزی کا بیان)

باب الصرف

(نقدی کی بیع کا بیان)

باب البیع بالوفاء

(بیع بالوفاء کا بیان)

باب الربوا

(سود کا بیان)

فصل في مصرف مال الربوا

(سودی پیسے کے مصرف کا بیان)

فصل في مايتعلق بالتأمين على الحياة

(بیمۂ زندگی کا بیان)

☆......☆......☆......☆......☆

کتاب الوقف

باب مایتعلق بنفس الوقف

(نفسِ وقف کا بیان)

وقف کس کو کہتے ہیں؟

سوال[۱۰۷۲۷]: ا...... شرعاً فقہ کی رو سے وقف کی کیا تعریف ہے؟

۲...... کیا مقابر و مدارس وقف کی تعریف میں شامل ہیں، جب کہ نذرِ مقابر منذور علی اللہ نہیں ہیں، بلکہ منذور لغیر اللہ جو حرمت کے حکم میں شامل ہیں۔ نذرِ مدارس، نہ منذور علی اللہ ہیں نہ منذور لغیر اللہ، بلکہ مدارس اپنے تعلیمی مفاد کے لئے قائم کئے جاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... الوقف هو لغة: الحبس، وشرعاً: حبس العين على حكم ملك الواقف، والتصدق بالمنفعة عنده. وعندهما هو: حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ، وصرف منفعتها على من أحب ولو غنيًّا، فيلزم فلا يجوز له إبطاله، ولا يورث عنه، وعليه الفتوى اهـ. درمختار مع هامش الشامي نعمانيه، ص: ۳۰۷، ۳۰۸(۱).

۲...... اگر کوئی شخص اپنی زمین اس لئے وقف کرتا ہے کہ مردے دفن کئے جائیں، یا وہاں مدرسہ بنا کر

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۳۷-۳۳۹، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۱۳، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول في تعریفه: ۲/۳۵۰، رشیدیه)

دینی تعلیم دی جائے، تو یہ وقف شرعاً صحیح ومعتبر ہوگا (۱)۔ بغیر نذر کے بھی وقف صحیح ہے، نذر پر موقوف نہیں، لہٰذا یہاں یہ بحث بے محل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۹۱ھ۔

وقف کی نیت سے خریدنے سے وہ ملکیت وقف نہیں ہوجاتی

سوال [۱۰۷۲۸]: دوآدمیوں نے مل کرایک زمین وقف کی نیت سے عوام کے فائدہ کے لئے کنواں کھودنے کی غرض سے خریدی تھی اور کنواں کھودنے کے بعد پانی نکلا، مگر خراب ہونے کی وجہ سے پینے کے استعمال میں نہیں آسکا، دوسری چیزوں کے استعمال میں آتا ہے اور مدت طویل تک یہ کنواں پڑا رہا، کسی نے استعمال میں نہیں لیا۔

ان دونوں میں ایک نے وطن میں آکر اس کنویں کو بھر دیا اور کرایہ پر دینے کے واسطے اپنا ذاتی مکان اس کنویں پر بنالیا اور اس جگہ پر دو دو دم نیچے کے حصہ میں اور دو روم اوپر کے حصہ میں بنائے اور اس مکان کو اپنے نام سے موسوم کیا کہ فلاں منزل۔ دوسرا آدمی جو سفر میں تھا، اس کو مذکورہ حقیقت سے خبر کی گئی کہ جو زمین آپ دونوں نے مل کر وقف کی نیت سے عوام کے فائدہ کے لئے خریدی تھی اور کنواں بنایا تھا، اس جگہ پر آپ کے ساتھی نے تعمیر کرائی ہے۔ اور اپنا نام لکھوایا ہے، تو اس سفری نے گاؤں کی جماعت پر جواب دیا کہ ہم دونوں نے مل کر اس زمین کو عوام کے فائدہ کے لئے وقف کے لئے خریدی تھی۔

میرے ساتھی نے مجھ سے میرے حصہ کی زمین طلب کی تھی، مگر میں نے صاف انکار کردیا تھا کہ میں نے جو نیتِ وقف کی ہے اس پر میں اٹل ہوں، یعنی میں اپنے ارادہ کو بدل نہیں سکتا، جس نے مکان تعمیر کرایا ہے وہ

---

(۱) "قال محمد رحمه الله تعالىٰ: "إذا جعل أرضه مقبرة للمسلمين جاز، وليس له أن يرجع فيها بعد تمامها أن يقبر فيها إنسان واحد أو أكثر من ذلك ...... عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: أنه أجاز وقف المقبرة والطريق". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۱۴۳/۷، ۱۴۴، حقنايه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر: ۲/۴۶۹، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۴/۳، رشيديه)

فی الحال وطن میں ہے، اس کو یہ خط سنایا گیا تو کہتا ہے کہ مجھ کو اپنے حصہ کی زمین وقف نہیں کرنی اور کہتا ہے کہ میری اور اس کی بات ہوگئی ہے، حالانکہ خط سے اس سفری کی ناراضگی معلوم ہوتی ہے، تو کیا جب دوآدمی وقف کی نیت سے زمین خریدیں اور کنواں بھی بنوائیں، مگر استعمال میں نہ آنے کی وجہ سے اپنا ذاتی مکان تعمیر کرانا اپنے دوسرے سفری کی اجازت کے بغیر کہ اس کا بھی حصہ زمین میں ہے، پہلے وقف کی نیت کرے اور بعد میں بدل دے تو اس طریقہ سے تعمیر کرنے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ حق اور ناحق کیا ہے؟ اور جھگڑے کے دفع کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض وقف کی نیت سے خریدنے سے تو زمین وقف نہیں ہوتی (۱)، ایک شریک یا دونوں شریک نیت تبدیل کر کے ذاتی مکان بنوالیں تو شرعاً گنجائش ہے (۲)، لیکن اگر خرید کر وقف کردی اور کنواں بنوا کر زبانی کہہ دیا ہو یا تحریر لکھ دی ہو کہ زمین ہم نے وقف کردی ہے تو پھر اس کو ذاتی ملک تجویز کرنا اور ذاتی مکان بنانا درست نہیں، اس مکان کو بھی وقف ہی قرار دیا جائے گا (۳)۔ یا وہ زمین وقف رہے اور مکان ذاتی ملک رہے اور اس

---

(۱) "وركنــه الألـفـاظ الـخـاصة كـأرضي هذه صدقة موقوفة مـؤبدة عـلـى الـمسـاكـين، ونحوه من الألفاظ......". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۴۰/۴، سعيد)

"وأما ركنــه فـالألفاظ الخاصة الدالة عليه، وهي ستة وعشرون لفظاً...... الخ". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۱۷/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۶۷/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "كـل يتـصـرف فـي ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۱۳۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

"لأن الـمـلـك مـا مـن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دارالمعرفة بيروت)

(۳) "والـمـلـك يـزول عـن الـمـوقوف بأربعة: بإفراز مسجد، وبقضاء القاضي، أو بالموت إذا علق، أو بقوله وقفتها في حياتي وبعد وفاتي مؤبداً، ولايتم الوقف حتى يقبض ويفرز ويجعل آخره لجهة لاتنقطع =

زمین کا کرایہ مناسب تجویز کردیا جائے اور کرایہ مصارف وقف میں خرچ کیا جائے (۱)۔ جب اصل شریک خریدار زندہ ہے، اگرچہ سفر میں دور ہے اس کی رائے معتبر ہوگی، اگر اس کو موجودہ مکان بنانے والے کا یہ تصرف پسند نہیں ہے اور وہ اس کو وقف کرنا چاہتا ہے تو وہ اس شریک کو بھی باخبر کردے اور کسی دوسرے شخص کو اپنی طرف سے وکیل بنادے کہ وہ اس تصرف کرنے والے سے معاملہ اس طرح طے کرلے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۱ھ۔

محض نیت سے وقف نہیں ہوتا

سوال [۱۰۷۲۹]: ایک زمین میں نے دوسو روپے میں خریدی اور دل میں یہ طے کرلیا کہ آدھی زمین شہریوں کی ایک مسجد میں وقف کردوں گا، جو مقام زمین سے کم وبیش بائیس میل کے فاصلہ پر ہے اور نصف زمین مقامی تین مساجد میں وقف کردوں گا، برابر کے طور پر ابھی وقف نامہ میں نے تحریر نہیں کیا ہے، اب سوچتا ہوں کہ نصف زمین کو مقامی تین مساجد میں برابر حصہ زمین کا دینا کسی مصرف کا نظر نہیں آتا کہ اتنے حصہ زمین کو ہر مسجد والے کسی کام میں نہیں لاسکتے اور تینوں مسجدوں میں بالکل کم رقبہ کی زمین منفعت بخش نہیں ہوسکتی، تو کیا دل میں طے کردہ بات تبدیل نہیں کی جاسکتی اور کیا کسی دوسرے نیک کام میں وقف نہیں کی جاسکتی؟

= ...... فإذا تم ولزم لايملك ولا يملك ولايعار ولايرهن". (الدرالمختار). "(قوله: فإذا تم ولزم) لزومه على قول الإمام بأحد الأمور الأربعة المارة وعندهما بمجرد القول". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۴۳/۴-۳۵۱، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى شرح ملتقى الأبحر، كتاب الوقف: ۵۶۹/۲-۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۳/۶، ۲۰۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) "لو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها ...... كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيواجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۱۴/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۲۴۱/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳۰۰/۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر محض دل میں سوچا تھا کہ زمین فلاں فلاں جگہ اس نیت سے وقف کردوں گا، پھر غور کرنے سے مصلحت اس کے خلاف معلوم ہوئی تو پہلے سوچے ہوئے کو بدلنے کی بھی اجازت ہے(۱)، جہاں زیادہ وقف کرنا مناسب ہو، وہاں زیادہ وقف کر سکتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۴ھ۔

لفظ ''ہبہ'' سے وقف کا حکم

سوال[۱۰۷۳۰]: بلفظ ''ہبہ'' سے وقف صحیح ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

البحر الرائق: ۵/۱۹۰، میں وہ الفاظ جمع کئے ہیں، جن سے وقف صحیح ہوجاتا ہے، وہ ستائیس الفاظ ہیں، ان میں لفظ ہبہ نہیں (۳)۔ ہبہ میں اپنی ملک کو ختم کرنا اور موہوب لہ کی ملک میں شئ موہوب کو داخل کرنا ہوتا

---

(۱) ''ورکنه الألفاظ الخاصة كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين، ونحوه من الألفاظ.....''. (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۴۰/۴، سعيد)

''وأما ركنه فالألفاظ الخاصة الدالة عليه، وهي ستة وعشرون لفظاً ...... الخ''. (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۱۷/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۶۷/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) چونکہ ابھی تک یہ زمین اصل مالک ہی کی ملکیت ہے، اس لئے اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے۔

''لأن الملك مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص''. (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

(۳) ''وأما ركنه فالألفاظ الخاصة الدالة عليه، وهي ستة وعشرون لفظاً: الأول: أرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين...... السابع والعشرون: ذكر قاضي خان من كتاب الوصايا: رجل قال ثلث مالي وقف ...... الخ''. (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۷-۳۱۹، رشيديه)

''قوله: (وركنه الألفاظ الخاصة) وهي ستة وعشرون لفظاً على مابسطه في البحر، ومنها ما في =

ہے(۱)، وقف میں یہ بات نہیں ہوتی۔ پس لفظ ہبہ سے وقف صحیح نہیں ہوگا(۲)۔لیکن اگر اس لفظ سے وقف کرنا رائج ہوجائے تو پھر عرف ورواج کی وجہ سے ایسا وقف بھی صحیح ومعتبر ہوجائے گا(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

اثاث البیت کا وقف

سوال[۱۰۷۳۱]: زید، عمرو، خالد، بکر چار بھائی تھے، ان کی تجارت میں بٹوارہ ہوا، جس میں ان

= الفتح حيث قال: فرع يثبت الوقف بالضرورة وصورته أن يوصي بغلة .....الخ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة: ۴/۳۴۰، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) "الهبة شرعاً تمليك العين مجاناً ..... وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم".

(الدر المختار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الهبة: ۷/۴۸۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول في تفسير الهبة ..... الخ: ۴/۳۷۴، رشيديه)

(۲) "هو –الوقف– حبس العين على ملك الواقف، والتصدق بالمنفعة عنده ..... وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ، وصرف منفعتها على من أحب". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۷-۳۳۹، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/۲۸۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۶۷، ۵۶۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "قلت: وتدل عبارة البزازية والخانية ومسألة القبقاب على اعتبار العرف الحادث ......

والعرف في الشرع له اعتبار لذا عليه الحكم قد يدار

(ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۸۸، سعيد)

"الثابت بالعرف ثابت بدليل شرعي، وفي المبسوط الثابت بالعرف كالثابت بالنص". (مجموعه رسائل ابن عابدين، نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف: ۲/۱۱۵، مكتبه عثمانيه كوئٹه)

"ولو قال: أرضي هذه للسبيل، فإن كان في بلدة تعارفوا مثل هذا وقفاً، صارت الأرض وقفاً".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في ألفاظ الوقف: ۲/۳۵۹، رشيديه)

لوگوں کو مال منقولہ اور غیر منقولہ ہاتھ آیا، زید اور عمرو کا کام کچھ دنوں میں ہوتا رہا، آخر کار زید نے اپنی تمام چیزوں کو وقف کر دیا، حتی کہ اثاث البیت کو بھی وقف کر دیا، مگر تفصیل کے ساتھ، لیکن ایک چیز کا نام نہیں لیا، کچھ دنوں کے بعد زید کا انتقال ہوگیا، زندگی کے آخری ایام بھائیوں میں گزرے، مگر وقف کی کنجی اس کے متولی کے پاس رہی، کیا اس صورت میں اثاث البیت کا وقف صحیح شمار کیا جائے گا یا وراثت بن کر ورثہ پر تقسیم ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اثاث البیت کا (جس کے وقف کرنے کا تعامل ہے) بھی وقف ہو جاتا ہے، وہ ترکہ ہو کر ورثہ پر تقسیم نہیں ہوگا۔

"ولو وقف العقار ببقرة وأكرته صح، كمشاع قضي بجوازه ومنقول قصداً فيه تعامل للناس كفأس وقدوم، ودراهم، ودنانير، وقدر، وجنازة، وثيابها، ومصحف وكتب الخ" (درمختار: ۳/۳۷۵(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقف کی وصیت کرنا

سوال[۱۰۴۳۲]: اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ مرنے کے بعد کسی جائیداد غیر منقولہ کو وقف سمجھا

(۱) (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۱، ۳۶۲، سعيد)

"(وصح وقف العقار ببقره وأكرته ..... ومنقول فيه تعامل) أي: وصح وقف المنقول مقصوداً إذا تعامل الناس وقفه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۳۴-۳۳۷، رشيديه)

"أن ماجرى العرف بين الناس بالوقف فيه المنقولات يجوز باعتبار العرف، وذلک كثياب الجنازة، وما يحتاج إليه من القدور والأواني في غسل الميت، والمصاحف، والكراع، والسلاح للجهاد ..... لقوله عليه السلام: "ما رآه المسلمون حسناً فهو عندالله حسن". (المبسوط للسرخسي، كتاب الوقف: ۷/۵۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الوقف، فصل فيما يرجع إلى الموقوف: ۸/۳۹۸-۴۰۰، دارالكتب العلمية بيروت)

جائے، یہ وقف صحیح ہوگا؟

عبدالرزاق صاحب جامعہ اسلامیہ عربیہ موتیا پارک بھوپال

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ وقف بھی صحیح ہے، مگر بحکم وصیت ہے، یعنی ایک ثلث ترکہ میں نافذ ہوگا۔

"أو يعلقه بموته بأن يقول: إذا مت وقفت داري على كذا، ثم مات صح ولزم إن خرج من الثلث اه" مجمع الأنهر: ١/٧٤٠(١).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۵ھ۔

کسی مشترک غیر قابل تقسیم شی کا وقف کرنا

سوال[۱۰۷۳۳]: کیا یہ جائز ہے کہ کسی جائیداد غیر منقولہ کے کچھ حصہ کی علی سبیل المشاع آمدنی کو وقف کیا جائے اور وہ جائیداد غیر متعین ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مشاع قابل قسمت ہو، اس کا وقف امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست نہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہے، متاخرین نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے، یہی مختار ہے۔

ویسے بھی مسائل وقف میں عموماً امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ ہوتا ہے(۲) اور جس مسئلہ میں

---

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۷۰، ۵۷۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"(أو بالموت إذا علق به) أي: بموته كإذامت فقد وقفت داري على كذا، فالصحيح أنه كوصية تلزم من الثلث بالموت لاقبله". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۴، ۳۴۵، سعيد)

"ولو علق الوقف بموته بأن قال: إذا مت فقد وقفت داري على كذا، ثم مات صح، ولزم إذا خرج من الثلث". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "المختار في زماننا: قولهما في المزارعة، والمعاملة، والوقف لمكان الضرورة والبلوىٰ". (شرح =

وقف کا نفع ہو، اس میں عموماً فتویٰ کے لئے اس صورت کو اختیار کیا جاتا ہے، جیسا کہ شرح عقود رسم المفتی میں مذکور ہے(۱)۔

"الشيوع فيما لا يحتمل القسمة لا يمنع صحة الوقف بلاخلاف، ألا ترى أنه لو وقف نصف الحمام يجوز، وإن كان مشاعاً كذا في الظهيرية، وقف المشاع المحتملة للقسمة لايجوز عند محمد رحمه الله تعالىٰ، وبه أخذ مشايخ بخارى وعليه الفتوىٰ، كذا في السراجية. والمتأخرون أفتوا بقول أبي يوسف أنه يجوز، وهو المختار، كذا في خزانة المفتيين كذا في الهندية"(۲).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۵ھ۔

= عقود رسم المفتي، ص: ۱۸۲، دارالكتاب كراچى)

"هو الوقف حبس العين على حكم ملك الواقف والتصدق بالمنفعة عنده ...... وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ، وصرف منفعتها على من أحب، وعليه الفتوىٰ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۳۷/۴، ۳۳۸، سعيد)

"ووسع أبويوسف في القضاء والوقف، والفتوىٰ على قوله فيما يتعلق بهما". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الرابعة: ۲۴۲/۱، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "الثامن: ما إذا كان أحدهما أنفع للوقف، لما صرحوا به في الحاوي القدسي وغيره: من أنه يفتى بما هو أنفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه". (شرح عقود رسم المفتي، مطلب في قواعد الترجيح، ص: ۱۵۸، دارالكتاب كراچى)

"يفتى بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه، وكذا يفتى بكل ماهو أنفع للوقف) فيما اختلف فيه العلماء، حتى نقضوا عند الزيادة الفاحشة نظراً للوقف، وصيانة لحق الله تعالىٰ". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۲۱/۶، سعيد)

"ويجب الإفتاء والقضاء بكل ما هو أنفع للوقف". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۲۰۸/۱، حقانيه پشاور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۵/۴، دارالمعرفة بيروت)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في وقف المشاع: ۳۶۵/۲، رشيديه) .... =

جائیداد غیر منقولہ کی آمدنی کو وقف کرنا

سوال[۱۰۷۳۴]: کیا وقف اس طور سے کیا جانا جائز ہے کہ جائیداد غیر منقولہ کو وقف نہ کر کے صرف اس کی آمدنی کو وقف کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کا حاصل یہ ہے کہ اصل شئ محبوس اور برقرار رکھتے ہوئے کہ اس میں بیع وغیرہ کا تصرف نہ ہو سکے، اس کی آمدنی ومنفعت کو فی سبیل اللہ خرچ کیا جائے۔

"هو حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة" در مختار: ۳/۳۵۷(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۶ھ۔

= "(وصح عند أبي يوسف وقف المشاع) وقت القبض محتملاً للقسمة، وإليه ذهب هلال، ومشايخ بلخ، وصنيع المصنف يرجحه على عادته في تقديم الأقوىٰ، والمختار للفتوىٰ، وهو اختيار صدر الشريعة ذكره الباقاني، ولم يصح عند محمد ...... فما شاع ...... ولم يحتمل القسمة أصلاً كحمام صح وقفه اتفاقاً". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۷۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"اعلم أن الشيوع فيما لايحتمل القسمة لا يمنع صحة الوقف بلاخلاف، ألا ترى أنه لو وقف نصف الحمام يجوز وإن كان مشاعاً، وأما الشيوع فيما يحتمل القسمة هل يمنع صحة الوقف؟ ففيه خلاف، على قول محمد يمنع ...... وعلى قول أبي يوسف لايمنع". (الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۵/۷۵۴، قديمى)

(۱) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۴، ۳۳۸، سعيد)

"وهو في الشرع عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: حبس العين على ملك الواقف، والتصدق بالمنفعة ...... وعندهما: حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ فيزول ملك الواقف عنه إلى الله على وجة تعود منفعته إلى العباد، فيلزم ولايباع، ولا يوهب، ولا يورث". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۳۷، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۳، رشيديه)

وقف کر کے رجوع کرنا

سوال [۱۰۷۳۵]: ایک شخص نے اپنا مکان ایک دینی ادارہ کے لئے زبانی طور پر وقف کیا، مگر کوئی تحریری کارروائی عدالت میں اب تک نہیں ہوئی، صورت مذکورہ میں زبانی وقف کو واپس لے لینا واقف کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کے لئے شرعاً تحریر ضروری نہیں، زبانی بھی وقف صحیح ہو جاتا ہے، اگر اس شخص نے مکان اپنی ملک سے نکال کر دینی ادارہ کو دے دیا، اپنا قبضہ اٹھا کر متولی کے حوالہ کر دیا، تو شرعاً یہ وقف صحیح معتبر لازم ہو گیا، اب اس سے رجوع کرنے اور مکان کو اپنی ملک میں واپس لینے کا حق نہیں رہا، وہ مکان مملوک نہیں ہو سکتا۔

"وشرطه: شرط سائر التبرعات كحرية وتكليف، وأن يكون قربة في ذاته منجزا، والملك يزول عن الموقوف بأربعة: بإفراز مسجد، وبقضاء القاضي أو بقوله: وقفتها في حياتي وبعد وفاتي، ولا يتم الوقف حتى يقبض، لم يقل للمتولي ...... لأن تسليم كل شيء بما يليق به ففي المسجد بالإفراز، وفي غيره بنصب المتولي وبتسليمه إياه. فإذا تم ولزم لايملك ولا يملك ولايعار ولا يرهن اهـ" درمختار (۱).

"اتفقوا على صحة الوقف بمجرد القول، قوله: فإذا تم ولزم، لزومه على قول الإمام بأحد الأمور الأربعة المارة، وعندهما بمجرد القول، ولكنه عند محمد: لايتم إلا بالقبض والإفراز والتأبيد لفظاً، وعند أبي يوسف بالتأبيد فقط

(۱) (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰-۳۴۸، سعيد)

"(وإذا صح الوقف) أي: إذا لزم الوقف على حسب الاختلاف في سبب اللزوم (فلا يملك) أي: لا يكون الوقف ملوكاً لأحد (ولا يملك) أي: لايقبل التمليك لغيره بوجه من الوجوه". (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

ولو معنى كما علم مما مر. قوله لايملك أي: لايكون مملوكاً لصاحبه ولا يملك أي: لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه لا يعار ولا يرهن لاقتضائهما الملك" اه شامي نعمانية: ۳/۳۹۷(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۸ھ۔

باغ کووقف کرکے اس کی زمین سے خود نفع اٹھانا

سوال[۱۰۷۳۶]: ایک شخص نے اپنا قلمی باغ مسجد یا اسلامیہ مدرسہ کو ہبہ کردیا ہے اور اس کا متولی خود ہے، اس میں اس کو اپنا مردہ دفن کرنا یا اس کی ڈالی کھانا یا اس کی لکڑی کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ یا اس باغ کو دوسرے باغ میں شامل کرکے فروخت کرکے خود قیمت علیحدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب اس زمین اور باغ کو اپنی ملک سے خارج کردیا اور مسجد یا مدرسہ کے لئے شرعی قاعدے کے موافق وقف کردیا، تو اب اس زمین میں اپنے مردے کو دفن کرنا یا باغ کی لکڑی اپنے کام میں استعمال کرنا درست نہیں، اگرچہ وہ خود ہی متولی ہو(۲)۔ فقط۔

وقف زمین پر غاصبانہ قبضہ

سوال[۱۰۷۳۷]: مدرسین میں سے ایک کے والد اور بڑے بھائی نے جو اس وقت انتقال کرچکے ہیں، کچھ زمین مدرسہ کے نام وقف کررکھی تھی، بیس سال سے اس زمین کی آمدنی مدرسہ میں آتی رہی، اب اس

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

"ويزول ملكه بمجرد القول عند أبي يوسف، وعند محمد: لا مالم يسلمه إلى ولي، وبقول أبي يوسف يفتى للعرف". (الدرالمنتقى في شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۷۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه ...... الخ: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان: "وقف کرکے رجوع کرنا"۔

مدرس نے جس کے والد نے زمین مدرسہ میں دی تھی، مدرسہ سے علیحدہ کرنے کی بناء پر اس زمین کی آمدنی اور زمین بھی غصب کرلی ہے، آیا ان کی یہ حرکت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاشبہ یہ غصب ہے اور سخت گناہ ہے(۱)، اس زمین کو واگذار کرنے کی پوری کوشش کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۷ھ۔

وقف سے مالکانہ قبضہ ہٹانے کی کوشش کرنا

سوال[۱۰۷۳۸]: ۱...... یہاں قصبہ کاندھلہ میں اب سے تقریباً ۲۶/ سال قبل ایک بڑے رئیس نے اپنی صحرائی جائیداد یہاں کے مقامی مدرسہ نصرت الاسلام کے لئے پانچ بزرگوں کی تولیت میں مجھے سو روپے کے اسٹام پر وقف کردی تھی، جو متولی مقرر کئے گئے تھے ان میں دو کا انتقال ہو چکا ہے، ایک جوان معاملات سے

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: لا يأخذ أحد شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوّقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض: ۲/۳۳، قديمى)

"اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب، ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب، أما الكتاب فقوله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ ...... وقال عليه الصلاة والسلام: "لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه".

(المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۶/۵۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۶، ۱۷۹، سعيد)

(۲) "قال الخصاف في وقفه: إذا أنكر والي الوقف أي: قيم الوقف فهو غاصب ويخرج من يده".

(المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل العشرون......: ۷/۱۱۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"لو أنكر المتولي الوقف، وادعى أنه ملكه يصير غاصباً له، ويخرج من يده". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۳۰، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف: ۲/۴۴۷، رشيديه)

زیادہ واقفیت رکھتے تھے، پاکستان چلے گئے اور ایک سرپرست انتہائی ضعیف ہوگئے، ایک متولی جو اُن کے منتظم تھے، انہوں نے حکام کو کچھ رشوتیں دے کر ایک جعلی وصیت نامہ کی بناء پر اپنے بیٹے اور داماد کے حق میں داخل خارج کا حکم حاصل کرلیا، وقف نامہ منسلک ہے، عرض یہ ہے کہ اس موقوفہ باغ کا پھل علم ہونے کے بعد کہ یہ باغ وقف ہے اور متولی موجودہ اس کو بحیثیت متولی فروخت نہیں کررہا ہے، بلکہ مالک کی حیثیت سے فروخت کررہا ہے اور اس کا قبضہ غاصبانہ اس پر ہے، تو اس کا پھل کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

ایک عالم صاحب اس کے پھل کھانے کو ناجائز بتلاتے ہیں اور ایک صاحب جس کے سامنے وقف ہوا اور ان کو اس کا پورا پورا علم ہے، وہ اس کا پھل خرید کر کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ میرے لئے جائز ہے۔

۲......قانونی اعتبار سے اگر اہلِ قصبہ کوشش کریں تو وقف مذکورہ متولی کے ناجائز قبضہ سے نکل سکتا ہے، تو کیا اہل قصبہ کو اس میں کوشش کرنی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جو عالم اس کے پھل کھانے کو ناجائز بتلاتے ہیں، وہ مطلقاً ناجائز بتلاتے ہیں اور مالِ مغصوب کا حکم بھی یہی ہے(۱) اور جو عالم جائز بتلاتے ہیں وہ اپنے لئے جائز بتلاتے ہیں، غالباً مطلقاً جائز وہ بھی نہیں بتلاتے، تو ان کو خصوصیت حاصل ہوگی، جس سے نفسِ مسئلہ پر اثر نہیں پڑے گا، خصوصیت کیا ہے، جب تک وہ

---

(۱) "رجل اشترى بالدراهم المغصوبة طعاماً ...... إن أضاف الشراء إلى الدراهم المغصوبة ونقد الثمن منها يكره له أن يأكل ويؤكل غيره ...... رجل دخل على سلطان فقدم إليه شيء من المأكولات قالوا ...... إن هذا الرجل إن كان يعلم أنه غصب بعينه، فإنه لايحل له أن يأكل من ذلك". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، مايكره أكله ومالايكره: ۳/ ۴۰۰، رشيديه)

"وعلى الغاصب رد العين المغصوبة، معناه مادام قائماً لقوله عليه السلام "على اليد ما أخذت حتى ترد، وقال عليه السلام: "لايحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لاعبا ولاجاداً، فإن أخذه فليرده عليه". (الهداية، كتاب الغصب: ۳/ ۳۷۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

"وبخلاف منافع الغصب استوفالها أو عطلها فإنها لاتضمن عندنا ...... إلا في ثلاث: أن يكون المغصوب وقفاً للسكنى أو للاستغلال أو مال يتيم......". (الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/ ۲۰۶، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۶/ ۳۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

سامنے نہ آئے تو اس کے متعلق کیا تحریر کیا جائے، ناجائز ہونا خود ہی واضح ہے۔

۲...... ضرور کرنی چاہیے، استخلاص وقف عن الغاصب لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۱۹ھ۔

کیا موقوفہ زمین پھر مملوکہ بن سکتی ہے؟

سوال[۱۰۷۳۹]: حاجی عبدالواحد چار بھائی تھے، دو بڑے بھائی رحمت اللہ وعبدالحفیظ کا انتقال ہوگیا اور والد کا انتقال ۸/جنوری ۱۹۲۷ء کو ہوا۔ محلّہ کے قریب عام قبرستان سے ملحق ایک پرانی اراضی تھی، اس میں اول والدہ کے بعد والد کو دفن کیا گیا، چاروں بھائیوں نے مشورہ کرکے زمین کو اس پرانی اراضی کی قیمت مبلغ دوسو روپے ادا کرکے خریدلیا، اس خیال سے کہ کچھ حصہ میں مدفون ہیں، اس کو ذاتی قبرستان بنالیا جائے، چنانچہ بڑے بھائی عبدالحفیظ کے نام سے ۱۹۲۸ء میں نقشہ پاس کراکر بموجب نقشۂ مسجد تعمیر ہوئی اور اس سے ملحق مسجد کی دو کوٹھری تعمیر ہوئی اور ذاتی قبرستان ومسجد کے احاطہ کی ایک ہی باؤنڈری بنادی گئی، مسجد میں باقاعدہ جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور ذاتی قبرستان میں سائل کے والدین کے علاوہ بھائی اور خاندان کے دیگر لوگ مدفون ہیں، مسجد وذاتی قبرستان دونوں الگ الگ ہیں، باؤنڈری صرف ایک ہے، ذاتی قبرستان ومسجد کی زمین کی قیمت زمیندار کو دوسو روپے ادا کردی گئی تھی۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ مسجد وغیرہ تعمیر ہونے کے قبل اس وقت جو عام قبرستان کے نگراں تکیہ دار تھے

---

(۱) "أنكر متولي الوقف، وادّعى أنه ملكه يصير غاصباً له، ويخرج من يده، لصيرورته خائنا بالإنكار".

(تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف، فصل في أحكام النظار: ۱/۲۳۰، حقانيه پشاور)

"قال الخصاف في وقفه: إذا أنكر والي الوقف، أي: قيم الوقف فهو غاصب، ويخرج من يده، فإن نقص منها بعد الحجر فهو ضامن". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل العشرون في المسائل التي تتعلق بالدعاوي والخصومات: ۷/۱۱۴، حقانيه كوئٹه)

"رجل وقف أرضاً أو داراً ودفعها إلى الرجل وولاه القيام بذلك، فجحد المدفوع إليه فهو غاصب، يخرج الأرض من يده، والخصم فيه الواقف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في الغصب: ۲/۴۴۷، رشيديه)

نادرشاہ، جواہرشاہ ان سے بھی مسجد وذاتی قبرستان بنانے کو کہا گیا، تو انہوں نے اس کی تعمیر کی اطلاع پاکر خوشی کا اظہار کیا، اس کے بعد مسجد وغیرہ تعمیر کی گئی، عرصہ ہوا نادرشاہ جواہرشاہ کا انتقال بھی ہوگیا، اب ان کے وارثان نذر علی وثابت علی وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ مسجد ومسجد کا حجرہ اوراس کی باؤنڈری مع ذاتی قبرستان کے سب ہماری ملکیت ہے، چونکہ اراضی کے نمبران کاغذات پٹواری میں ہمارے نام سے درج ہیں، ہراس کے سپردار بحیثیت موروثی مالک ہیں، مسجد وغیرہ سب غصب کی زمین پر ہے، معاملہ کورٹ میں ہے، اب آپس میں طے ہوا کہ ازروئے شرع جوحکم ہواس پرعمل کریں۔

جواب طلب یہ امر ہے کہ مسجد ومسجد کی کوٹھری احاطہ وملحقہ ذاتی قبرستان سب غصب کی زمین پرزمیندار کوزمین کی قیمت جوادا کی گئی، وہ بیع صحیح وکافی ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مملوکہ زمین مالک سے خریدی اوربیع تام ہوکراس پرمسجد بنائی اورکچھ زمین کوذاتی قبرستان (غیر موقوفہ) بنایا، تو بلاشبہ وہ مسجد شرعی مسجد بن گئی، اس میں جونماز جمعہ وغیرہ ہوتی رہی ہے سب درست ہے(۱)، جو محافظ نگراں وہاں رہتا تھا اس کی خوشی وعدم خوشی کواس میں کوئی دخل نہیں (۲)، بیش ازبیش وہ معاوضۂ حفاظت کا

---

(۱) "ویزول ملکه عن المسجد والمصلي بالفعل بقوله: جعلته مسجداً عند الثاني، وشرط محمد والإمام الصلاة فیه". (الدرالمختار). "حتی إذا بنی مسجداً، وأذن للناس بالصلاة فیه جماعة، فإنه یصیر مسجداً". (ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب في أحکام المسجد: ۳۵۶/۴، سعید)

"وإذا بنی مسجداً لایصیر مسجداً حتی یقر بلسانه أنه مسجد لا یباع، ولا یوهب، ولایرهن، ولا یورث، أو فتح الباب، وأذن فیه، وأقیم وأذن للناس بالدخول فیه عامة فیصیر مسجداً، إذا صلی بجماعة فیه ...... وفي روایة عن أبي حنیفة: إذا صلی واحد فیه بإذنه یصیر مسجداً". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۸۴۰/۵، قدیمی)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد: ۴۱۷/۵، رشیدیه)

(۲) "کل یتصرف في ملکه کیف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول في بیان بعض قواعد أحکام الأملاک: ۳۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشیدیه)

"لأن الملک ما من شانه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، کتاب البیوع، =

حق دارتھا، اگر اس سے کوئی معاملہ کیا گیا تھا، ورنہ اس کے ذمہ حفاظت لازم نہیں تھی نہ وہ مستحق معاوضہ تھا(۱)، اب اس کے ورثاء کا کوئی دعویٰ قابل سماعت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زیادہ آمدنی کے واسطے وقف زمین پر کھیتی لگانا

سوال[۱۰۷۴۰]: ۱...... زید نے ایک اراضی ایک مسجد کے مصارف کے لئے وقف کی، ان مصارف کی تفصیل اس طرح کی کہ اس کی آمدنی امام کی تنخواہ، فرش، جھاڑو، مرمت مسجد وغیرہ پر صَرف کی جائے، کچھ عرصہ بعد اس پر دیسی آم کا باغ لگا دیا گیا، چونکہ وقت کافی گزر گیا ہے اور درخت پُرانے ہوگئے ہیں، جس پر فصل بہت کم آتی ہے، جس کی آمدنی سے مسجد کے مصارف پورے نہیں ہوتے، تو کیا ان درختوں کو کاٹ کر اس پر کاشت کے لئے مسجد کی آمدنی میں اضافہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

مسجد کی فاضل آمدنی سے مکتب قائم کرنا

سوال[۱۰۷۴۱]: ۲...... شیئرز خرید کر مسجد کی آمدنی میں اضافہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ شیئرز کی خریداری کے بعد مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہوجائے گا، تو کیا اس رقم سے ایک مکتب جاری کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تاکہ مسجد کی حفاظت ہوتی رہے، اگر مکتب جاری نہ کیا گیا تو فاضل رقم کے مصارف کیا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... واقف نے اراضی وقف کی تھی، متولی خیرخواہ نے اس پر آم لگا دیئے، تاکہ آمدنی زیادہ ہوجائے،

= مطلب في تعريف المال والملك: ۴/۵۰۲، سعيد)

(۱) "وأما ركنها فالإيجاب والقبول بالألفاظ الموضوعة في عقد الإجارة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة ...... الخ: ۴/۴۰۹، رشيديه)

"ولا يستحق المشترك الأجر حتى يعمل كالقصار ونحوه". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/۶۴، سعيد)

"تنعقد الإجارة بالإيجاب والقبول كالبيع". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثاني، الفصل الأول في مسائل ركن الإجارة: ۱/۴۹۸، رقم المادة: ۴۳۳، رشيديه)

اب پھل کم آنے کی وجہ سے آمدنی کم ہوگئی اور درختوں کو کٹوا کر کھیتی کے لئے اراضی کو خالی کرانے میں زیادہ آمدنی کا ظن غالب ہے تو اصحاب الرائے سے مشورہ لے کر اس کی اجازت ہے(۱)۔ درختوں کی قیمت مسجد کے ہی ان مصارف میں صَرف کی جائے، جن کے لئے اراضی وقف کی گئی تھی (۲)، قیمت زیادہ وصول ہو تو کوئی دوسرا جائز ذریعۂ آمدنی بھی خریدا جاسکتا ہے(۳)۔

۲......ایسی آمدنی سے مستقل مکتب جاری کرنے کی اجازت نہیں (۴)، البتہ اگر بغیر مکتب کے مسجد کی

---

(۱) "وإنما يحل للمتولي الإذن فيما يزيد الوقف به خيراً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

"وإذا أراد القيم أن يبني فيها قرية ليكثر أهلها، وحفاظها، ويحرث فيها الغلة لحاجته إلى ذلک، كان له أن يفعل ذلک". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

"وإن أراد القيم أن يبني في الأرض الموقوفة بيوتا يستغلها بالإجارة لايكون له ذلک؛ لأن استغلال أرض الوقف يكون بالزرع، ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، وتكون غلة ذلک فوق غلة الزرع والنخل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۱، رشيديه)

(۲) "في الحاوي: غرس في المساجد من الأشجار المثمرة إن غرس للسبيل وهو الوقف على العامة كان لكل من دخل المسجد من المسلمين أن يأكل منها، وإن غرس للمسجد لايجوز صرفها إلا إلى مصالح المسجد الأهم فالأهم كسائر الوقوف". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۱، ۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۲، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات ..... الخ: ۲/۴۷۷، رشيديه)

(۳) "المتولي إذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلاً آخر جاز؛ لأن هذا من مصالح المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۶، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(۴) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً =

نگرانی وحفاظت نہ ہوسکے، تو امام ومؤذن ہی ایسے رکھے جائیں، جو تعلیمی خدمات بھی انجام دیں اوران کے وظیفہ ومشاہرہ میں اضافہ کردیا جائے (۱)۔آمدنی پھربھی زیادہ رہے کہ مسجد کواس کی نہ اب ضرورت ہے نہ آئندہ متوقع ہے، نہ آمدنی کی حفاظت ہوسکتی ہے تو پھر دوسری ضرورت مند مسجد میں بمشورہ صَرف کریں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مخنث کا خود یا کسی دوسرے کے ذریعہ مسجد کے لئے مکان وقف کرنا

سوال[۱۰۷۴۲]: ۱......زید کا پیشہ ناچ گانا ہے، بعد میں مخنث بھی ہوگیا،اسی آمدنی کا اس کا ایک

= لایجوز له ذلک". (الدرالمختار). "أي الصرف المذکور". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۶۰/۴، ۳۶۱، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الوقف: ۳۶۲/۵، رشیدیه)

(وکذا في البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف: ۲۶۱/۲، رشیدیه)

(۱) "ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته کإمام مسجد ومدرس مدرسة". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعید)

"والذي یبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلی العمارة وأعم للمصلحة، کالإمام لمسجد". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشیدیه)

(وکذا في الدرالمنتقی في شرح الملتقی، کتاب الوقف: ۵۸۷/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "وکذا الرباط والبئر إذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلی أقرب مسجد أو رباط أو بئر إلیه". (الدرالمختار). "وفي شرح الملتقی: لأقرب مجانس لها". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۹/۴، سعید)

"ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء بماله لا من مال الوقف فإنه حرام. وضمن متولیه لو فعل، إلا إذا خیف طمع الظلمة فلا بأس به". (الدرالمختار).

"(قوله: إلا إذا خیف) أي: بأن اجتمعت عنده أموال المسجد وهو مستغن عن العمارة، وإلا فیضمنها". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۶۵۸/۱، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۵۹۲/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

مکان ہے جو مسجد میں وقف کرنا چاہتا ہے، از روئے شریعت یہ مکان مسجد میں وقف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۲...... کیا دوسرا شخص خرید کر مسجد میں وقف کرسکتا ہے؟

۳...... مسجد کی آمدنی سے خرید کر وقف ہوسکتا ہے؟

الجواب باسمه تعالیٰ حامداً ومصلیاً:

اللہ پاک طیب ہے، وہ طیب ہی کو قبول کرتا ہے، حرام مال اس کی بارگاہ میں قبول نہیں، نہ خریدنے کی صورت میں نہ وقف کی صورت میں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۹۵ھ۔

مساجد، مدارس اور قربانی وغیرہ کے لئے اپنی جائیداد وقف کرنا

سوال[۱۰۷۴۳]: واقف نے جائیداد وقف کرکے وقف نامہ میں منشاء وقف اس طرح سے رکھا کہ میری جائیداد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راہِ خدا میں وقف ہے اور کسی قرضہ وڈگری میں فروخت اور نیلام نہ ہوسکے

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب ولا يقبل الله إلا الطيب، فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبها، كما يربّي أحدكم فلوه، حتى تكون مثل الجبل". (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب الصدقة من كسب طيب: ۱/۱۸۹، قديمي)

"قال هشام: لما أجمعوا أمرهم في هدمها (الكعبة) وبنائها، قام أبو وهب بن عمرو بن عائذ بن عبد بن عمران بن مخزوم فتناول من الكعبة حجرا، فوثب من يده حتى رجع إلى موضعه، فقال: يا معشر قريش! لا تدخلوا في بنائها من كسبكم إلا طيباً، لايدخل فيها مهر بغي، ولا بيع ربا، ولا مظلمة أحد من الناس". (السيرة النبوية لابن هشام: ۱/۲۰۵، ۲۰۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

"(قوله لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالا سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالیٰ طيب لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لايقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلا ومايكره فيها: ۱/۲۷۸، دار المعرفة بيروت)

گی اوراس کی آمدنی سے امورِ خیر جاری رہیں گے اور واقف کی اوراس کے بزرگوں کی روح کوثواب ملتا رہے گا،

تفصیل امورِ خیر:

۱-امداد ذوی القربیٰ غیر مستطیع میں، پچاس روپے سالانہ۔

۲- بموقع عیدالضحیٰ قربانی برائے حضوراکرم سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وواقف وزوجہ واقف ووالدواقف ووالدۂ واقف، پچاس روپے سالانہ۔

۳-ضروریات مساجد میں صف، لکڑی وغیرہ میں، پچاس روپے سالانہ۔

۴- برخورداری فلاں جس کوواقف نے مثل اولاد کے پرورش کیا ہے، سینتالیس روپے۔

۵-ہمشیرہ گان کی تجہیز وتکفین امداد لاوارث میں، پانچ روپے سالانہ۔

۶-جن مدارس میں ضرورت ہو، پندرہ روپے سالانہ۔

۷-مدرسہ فلاں میں، پچاس روپے سالانہ۔

۸-بشرط گنجائش ہر۵سال بعد واقف کے لئے ایک حج بدل۔

۹-برخورداری کی برادرزادی کو۔

مندرجہ بالامدات میں وقف کرنا صحیح ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

امورِ مذکورہ سب باعثِ اجروثواب ہیں، ان میں خرچ کے لئے وقف کرنا شرعاً معتبر ہے(۱)، اگر کسی وقت ان میں سے کوئی فرد باقی نہ رہے، ختم ہوجائے تواس فرد کا حصہ دیگر مدات ومصارف خیر میں صرف

(۱) "(وشرطه شرط سائر التبرعات) كحرية وتكليف وأن يكون قربة في ذاته معلوماً". (الدرالمختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله أن يكون قربة في ذاته) أي: بأن يكون من حيث النظر إلى ذاته وصورته قربة، والمراد بأن يحكم الشرع بأنه لو صدر من مسلم يكون قربة حملاً على أنه قصد القربة". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۴۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه ..... الخ: ۲/ ۳۵۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۰۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۲۸ھ۔

ایک تفصیلی وقف نامہ کا تجزیہ

سوال[۱۰۷۴۴]: زید نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ ایک دینی مدرسہ کے نام وقف کیا اور وقف نامہ میں تحریر فرمایا:

''میری عمر زائد از ستر سال ہے، عمر طبعی کو یہ پہونچ چکی ہے، حیات مستعار ناپائیدار کا کچھ اعتبار نہیں، مشیت ایزدی سے میری اولاد میری ہی زندگی میں فوت ہوگئی، میرا کوئی وارث باقی نہیں ہے، بحالت صحت نفس ودرستی حواس خمسہ، برضاء ورغبت اپنی دلی خواہش کے ماتحت، بلا بہکائے سکھائے غیرے، بخوشی خاطر، اپنی مملوکہ مقبوضہ کو وقف الی اللہ میں منحصر کرتا ہوں اور اپنے قبضہ مالکانہ سے نکال کر قبضہ حق خداوند تعالیٰ مالک دو جہاں میں دے کر بعد ازاں اپنے قبضہ متولیانہ لے لیا۔

چونکہ میری بسر اوقات آمدنی اسی جائیداد پر ہے، اس لئے میں منافع سے اپنی گزر کے لئے حسب ضرورت خرچ کرتا رہوں گا اور مبلغ پانچ روپیہ سالانہ مدرسہ کو ادا کرتا رہوں گا اور یہ کہ بعد وفات میرے مدرسہ کا مہتمم وکار پرداز بجائے میرے بحیثیت متولی ومہتمم اپنے تحت وتصرف میں لے کر اس کی کل آمدنی عظیم دینیات ہر شعبہ، نیز ضروریات طالب علمانہ، مدرسہ میں مناسب طور پر صَرف کرا کر اس کا ثواب میرے اور میری اولاد متوفی اور میرے

---

(۱) "رجل وقف أرضاً علی أولاده وجعل آخره للفقراء، فمات بعضهم قال هلال رحمه الله تعالیٰ: يصرف الوقف إلی الباقي، فإن ماتوا يصرف إلی الفقراء، ولو وقف علی أولاده وسماهم ...... وجعل آخره للفقراء فمات واحد منهم، يصرف نصيب هذا الواحد إلی الفقراء". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/۳۷۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السابع في الوقف علی الأولاد: ۵/۵۲۳، قديمی)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف: ۷/۱۵۰، ۱۵۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

بزرگان کی روح کو پہونچاتے رہیں۔ الحاصل ان تمام شرائط مذکورہ بالا کے ماتحت جائیداد موقوفہ اوراس کی آمدنی تمام وکمال بکارِ خیر ہمیشہ ہمیشہ رہے گی اور وہ کسی صورت سے بجائے دیگر منتقل نہیں ہو سکے گی اور یہ کہ میری جائیداد موقوفہ مذکورہ بالا پر میرے کسی عزیز واقرباء کو کسی قسم کے اعتراض کا حق حاصل نہ ہوگا۔ اس واسطے یہ وقف نامہ بغرض خوشنودی خدا اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھ دیا تاکہ سند رہے"۔

نوٹ: وقف نامہ ۴/ مارچ ۵۹ء کو تحریر ہوا اور یہ ۴/ مارچ ۵۹ کو رجسٹری ہوا، ۱۴/ جون ۶۷ء کو انتقال ہوا، انتقال کے وقت ان کے نواسہ اور نواسیاں باقی تھیں، جو باقی جائیداد پر قابض ہیں، اس درمیان مدت میں آٹھ سال ساڑھے چار ماہ میں متولی واقف نے تین مرتبہ مبلغ ۶۹ روپیہ مدرسہ میں بمد وقف جمع کئے، جس کی رسید سلسلہ وار واقف کو دی گئی اور سالانہ حساب میں اسی طرح طبع کیا گیا، جو متولی واقف کے پاس پہونچا، وقف نامہ کی تحریر کے وقت واقف موقوفہ جائیداد کے علاوہ اور چند جائیداد کے مالک تھے۔

لہٰذا سوال یہ ہے کہ:

۱...... مندرجہ بالا وقف کو جس کا نفاذ ہو چکا، کسی کو کالعدم کرنے کا حق پہونچتا ہے؟

۲...... اگر متولی واقف سے بجائے پانچ روپیہ سالانہ کے علی الحساب رقومات جمع کی ہوں، جو مقررہ مقدار سے کچھ زائد ہوں، تو کیا اس سے وقف نامہ پر کچھ اثر پڑتا ہے؟

۳...... کیا مہتمم مدرسہ کو جس کو واقف نے اپنی حیات کے بعد متولی وقف بنایا ہے حق حاصل ہے کہ وقف سے دست بردار ہو جائے، یا ان کے کسی رشتہ دار کو کوئی چیز اس سے لیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ وقف شرعاً معتبر ہے، کسی کو اس کے کالعدم کرنے کا حق نہیں (۱)۔

---

(۱) "وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ، وصرف منفعتها على من أحب ...... فيلزم فلا يجوز له إبطاله، ولا يورث عنه، وعليه الفتوىٰ". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۳۹، سعيد)

"إذا تم ولزم لايملك ولايملك ولا يعار ولا يرهن".

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله لايملك) لايكون مملوكاً لصاحبه ولا =

۲......کچھ اثر نہیں پڑتا (۱)۔

۳......متولی کو جب کہ واقف نے اپنے بعد کے لئے نامزد کردیا ہے، تو اس کی تولیت معتبر ہے (۲)، اب اس کو دستبردار ہونے کا حق نہیں، الا یہ کہ مدرسہ کے اہتمام سے ہی دست بردار ہو جائے تو پھر جو بھی مدرسہ کا مہتمم ہوگا، وہ اس وقف کا بھی متولی ہوگا (۳)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقف مؤبد ومؤقت

سوال [۱۰۷۴۵]: عریضہ ہذا کے ساتھ جناب والا کا جواب نمبر ۱۲۱۱ الف منسلک ہے، احقر کو آنجناب کے جواب میں تأمل ہے، کیونکہ وقف کی شرائط میں سے تأبید ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ومنها التأبيد وهو شرط مع قول الكل": ۳۱۶/۲ (٤).

= يملك أي: لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه؛ لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه".
(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۱/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) متولی وقف نے مقررہ مقدار سے جتنی رقم زائد دی ہے، وہ اپنی خوشی سے دی ہے، اس سے وقف نامہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

(۲) "ولو جعل الواقف ولاية الوقف إلى رجل، كانت الولاية له كما شرط الواقف". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السادس في ولاية الوقف: ۴۰/۷، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السادس في ولاية الوقف: ۵۰۳/۵، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۴۰۹/۲، رشيديه)

(۳) "وإذا أراد أن يقيم غيره مقام نفسه في حياته وصحته لايجوز، إلا إذا كان التفويض إليه على سبيل التعميم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۴۱۲/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السادس في ولاية الوقف: ۵۰۶/۵، قديمي)

(۴) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه ...... الخ: ۳۵۶/۲، رشيديه)

شامی میں ہے:

"أمـا التأبيد معنى فشرط اتفاقاً على الصحيح، وقد نص عليه فحققوا المشايخ. قلت: ومقتضاه أن المقيد باطل اتفاقاً": ٣/٥٦٤(١).

اور دستاویز کے نمبر ۲ و ۳ تابید کے خلاف ہیں اور آنجناب نے نمبر ا کے پیش نظر دوام سمجھ کر جواب دیا ہے، حالانکہ نمبر ۲ و ۳ سے تأبید باطل ہوجاتی ہے، پس دستاویز دوام سے مراد دوام بدوام المدرسہ ہے، جوتابید کے خلاف اور باطل وغیر معتبر ہے اور اس سلسلہ میں فتاویٰ قاضی خان کا یہ جزئیہ بھی بطور نظر کے ملاحظہ ہو:

"ولـو قـال: أرضي هذه صدقة موقوفة شهراً، فإذا مضى شهر فالوقف باطل كان الوقف باطلاً في الحال"(٢): ٤/ ٢٧٠.

اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی دستاویز مذکور جیسی صورت کو عدم تأبید سمجھا ہے، جس کی تشریح امداد الفتاویٰ میں مذکور ہے، جس کا سوال وجواب بالاختصار درج ذیل ہے:

سوال: اراضی وقف شدہ پر عمارت مدرسہ بنائی جائے گی، جب تک کہ یہ عمارت قائم رہے، تب تک ہائی اسکول مذکور مالک ہوگا، بصورت قائم نہ رہنے مدرسہ مذکور کے وارثان ہبہ کنندگان کو پہونچے گی۔

الجواب: في الدرالمختار: وإذا وقته بشهر أو سنة بطل اتفاقاً در. وفي "ردالمحتار": هذا إذا شرط رجوعه بعد الوقت ...... أما إذا شرط رجوعه إليـه بـعد مضي الوقت فقد أبطل التأبيد، فيبطل الوقف. وبعد أسطر هكذا، لو قال: أرضي هذه صدقة موقوفة شهراً فإذا مضى شهر فالوقف باطل ...... باطل مطلقاً كما علمت آنفاً"(: ٣/٣٦٦، ٣٦٧)(٣).

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ وقف صحیح نہیں ہے۔

---

(١) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب التأبيد معنى شرط اتفاقاً: ۴/ ۳۴۹، سعيد)

(٢) (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/۳۰۴، رشيديه)

(٣) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، سعيد)

"والتوقيت بانقطاع السكول كالتوقيت بالشهر والسنة لاشتراك العلة، وهي إبطال التأبيد وهو ظاهر: ۲/۶۲۱(۱).

ان تحریرات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دستاویز کے نمبرا میں دوام سے مراد دوام بدوام المدرسہ ہے، نہ کہ مطلق دوام، امید ہے کہ احقر کے تردد وخلجان کو دور فرما کر اسے ممنون فرمائیں گے۔

الجواب از دیوبند:

ہر وہ چیز جو مدرسہ کے لئے دی جائے یا حاصل کی جائے، ان سب کو وقف نہیں تصور کرنا چاہیے، صورت مسئلہ میں معطی (حاجی عبدالحمید صاحب) کی تحریر دستاویز تملیک نامہ میں لفظ "وقف" موجود نہیں، دارالعلوم کے مذکورہ فتویٰ میں بھی لفظ "وقف" موجود نہیں، پھر فقہاء کی عبارات متعلقہ وقف کو اس فتوے کے معارض قرار دینا بے محل اور بنیادی طور پر غلط ہے، چونکہ بعض اہل علم اور اہل قلم حضرات کو دارالعلوم کے اس فتوے پر خلجان اور شبہ پیدا ہوگیا ہے کہ یہ وقف کی شرط تأبید کے خلاف ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ وقف کا مؤبد ہونا ضروری ہے، ورنہ وقف ہی بالاتفاق باطل ہوگا، اس لئے ضمنی طور پر اس کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا ہے۔

عامۂ کتب فقہ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ وقف کا مؤبد ہونا ضروری ہے اور بعض کتب میں اس پر اتفاق بھی نقل کیا گیا ہے (۲)، لیکن ذرا وسعت وامعان نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے درمیان صرف ذکر تأبید میں ہی اختلاف نہیں، بلکہ نفس تأبید میں اختلاف ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وقف مؤقت کو بھی جائز اور صحیح فرماتے ہیں۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"وقال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: إذا سمى فيه جهة تنقطع جاز

---

(۱) (إمداد الفتاویٰ، کتاب الوقف: ۲/ ۶۲۱، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) "ومنها التأبيد وهو شرط على قول الكل". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/ ۳۵۶، رشيديه)

"وأما التأبيد معنى فشرط اتفاقاً على الصحيح، وقد نص عليه، فحققوا المشايخ، وقلت: ومقتضاه أن المقيد باطل". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۴۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۱۵، رشيديه)

وصار بعدها للفقراء وإن لم يسمهم اه"(۱)۔

پھر طرفین کی دلیل لکھنے کے بعد لکھا ہے:

"ولأبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: أن المقصود هو التقرب إلى الله تعالى وهو موفر عليه؛ لأن التقرب تارة يكون في الصرف إلى جهة تنقطع، ومرة بالصرف إلى جهة تتأبد فيصح في الوجهين اه"(۲).

اس کے بعد شرط تأبید کے اجماعی ہونے کو "قیل" سے بصیغۂ تمریض نقل کیا ہے۔

"وقيل: إن التأبيد شرط بالإجماع" اه(۳).

موقوف علیہ اگر جہت مؤبدہ نہ ہو، بلکہ منقطعہ ہو تو وقف صحیح ہو جانے کے بعد اس کے متعلق بعد انقطاع موقوف علیہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ آمدنی وقف کو فقراء پر صَرف کیا جائے، دوسری روایت یہ ہے کہ وہ وقف ملکِ واقف یا ورثائے واقف کی طرف عود کرے گا، اگر واقف یہ شرط کرلے کہ موقوف علیہ زندہ رہتے ہوئے بھی اگر حاجت مند نہ رہے، تو وقف واقف کی جانب سے لوٹ آئے گا تو یہ شرط بھی معتبر ہے۔

"إنه يتوسع في أمر الواقف فلا يشترط التأبيد، واشتراط العود إلى الورثة عند زوال حاجة الموقوف عليه لا يفوت العقد عنده اه"(٤).

پس خود موقوف علیہ کے ختم ہونے پر عود کی شرط بھی جائز ہے۔

"عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: إذا وقف على رجل بعينه جاز،

---

(۱) (الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ۶۳۹، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وقال أبويوسف: إذا سمى فيه جهة تنقطع جاز، وصار بعدها للفقراء، ولو لم يسمهم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في الكلام على اشتراط التأبيد: ۴/ ۳۴۸، سعيد)

(۲) (الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ۶۳۹، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۳) (الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ۶۳۹، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۴) (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۱۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

وإذا مات الموقوف عليه رجع الوقف إلى ورثة الواقف، قال: وعليه الفتوىٰ، وإذا عرف عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ جواز عوده إلى الورثة، فقد يقول في وقف عشرين سنة بالجواز؛ لأنه لافرق أصلاً، ومنها ما ذكر في البرا مكة قال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: إذا انقرض الموقوف عليهم يصرف الوقف إلى الفقراء، قال في الأجناس: فحصل عنه روايتان اهـ".

یہ سب بحث مع قول امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ، فتح القدیر:۵/ ۴۸، میں موجود ہے(۱)۔

"والحاصل: أن عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ في التأبيد روايتين: في رواية: لا بدمنه، وذكره ليس بشرط، وفي رواية: ليس بشرط، ويفرع على روايتين: ما لو وقف على إنسان بعينه وعليه وعلى أولاده أو على قرابته، وهم يحصون، أو على أمهات أولاده فمات الموقوف عليه، فعلى الأول يعود إلى ورثة الواقف، وعليه الفتوىٰ كما في الفتح وغيره، وعلى الثاني يصرف إلى الفقراء وإن لم يسمهم وهذا الصحيح عنده اهـ" (مجمع الأنهر: ۲/۵۷۳)(۲).

فتاویٰ قاضی خان سے آپ نے عبارت نقل کی ہے، اس کے قریب ہی یہ بھی موجود ہے:

"رجل وقف داره يوماً أو شهراً أو وقتاً معلوماً، ولم يزد على ذلك جاز الوقف، ويكون الوقف مؤبداً اهـ" (فتاوىٰ قاضي خان بر حاشيه عالمگيری مصری: ۳/۳۰٤)(۳).

امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول راجح ہے، احوط ہے، اسہل ہے، انفع ہے، مفتیٰ بہ ہے۔

"ولا يتم حتى يقبض ويجعل آخره لجهة لاتنقطع، هذا بيان شرائط

---

۱) (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۱۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

۲) (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۷۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

۳) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في مسائل الشرط في الوقف: ۳/۳۰۴، رشيديه)

الخاصة على قول محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ ؛ لأنه كالصدقة، وجعله أبويوسف كالإعتاق، واختلف الترجيح، والأخذ بقول الثاني أحوط وأسهل بحر. وفي الدور وصدر الشريعة: وبه يفتى وأقره المصنف اهـ"(۱) (درمختار والمسئلة مذکورۃ مبسوطة فی ردالمحتار: ۳/۳٦٦(۲۵)، والبحر الرائق(۳)، وشرح المبسوط للسرخسي: ۱۲/٤۱(٤)، ودر منتقى شرح ملتقى: ۱/۷٤۲(۵).

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۴۸-۳۵۱، سعید)

(۲) "ذكر في البزازية: أن عن أبي يوسف في التأبيد روايتين الأولىٰ: أنه غير شرط حتى لو قال: وقفت على أولادي ولم يزد جاز الوقف، وإذا انقرضوا عاد إلى ملكه لو حياً وإلا فإلى ملك الوارث، والثانية: أنه شرط لكن ذكره غير شرط حتى تصرف الغلة بعد الأولاد إلى الفقراء، ومقتضاه أنه على الرواية الأولىٰ يصح كل من الوقف والتقييد، وعلى الثانية يصح الوقف ويبطل التقييد". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۴۹، سعید)

(۳) "وأما الثالث: وهو أن يجعل آخره لجهة لاتنقطع فهو قولهما، وقال أبويوسف: إذا سمى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء، ولو لم يسمهم ...... وقيل: التأبيد شرط بالإجماع، إلا أن عند أبي يوسف لا يشترط التأبيد ...... والحاصل: أن عن أبي يوسف في التأبيد روايتين: في رواية: لابد منه وذكره ليس بشرط وصححه، وفي رواية: ليس بشرط ...... الخ". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۳۰-۳۳۱، رشیدیه)

(۴) "ومما توسع فيه أبويوسف - رحمه الله تعالیٰ - أنه لايشترط التأبيد فيها، حتى لو وقفها على جهة يتوهم انقطاعها يصح عنده، وإن لم يجعل آخرها للمساكين، ومحمد رحمه الله تعالیٰ يشترط التأبيد فيها فقال: إذا كانت الجهة بحيث يتوهم انقطاها لاتصح الصدقة إذا لم يجعل آخرها للمساكين ...... الخ". (المبسوط للسرخسي، کتاب الوقف: ۲/۴۹، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۵) "(واعلم أنه شرط لتمامه ذكر مصرف مؤبد عندهما، وعند أبي يوسف: يصح بدونه وإذا انقطع صرف إلى الفقراء) وهذا بيان لشرائطه الخاصة فجعلاه كصدقة، وجعله أبويوسف كالإعتاق، واختلف الترجيح والإفتاء، والأخذ بقول أبي يوسف أحوط وأسهل كما في المنح عن البحر، وبه يفتى كما في الدرر، وصدر الشريعة، وفي فتح القدير أنه أوجه عند المحققين". (الدرالمنتقى على هامش مجمع =

نیز شرح سیر کبیر:۴/۲۷۲، میں ہے:

"وعند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ يجوز مؤقتاً ومؤبداً اه"(۱).

پس اگر دستاویز تملیک نامہ مذکور کو وقف نامہ ہی قرار دیا جائے، تب بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر یہ درست ہے اور دستاویز کی دفعہ الف کے تحت دوام سے مراد مقید بدوام المدرسہ ہی لیا جائے، تب بھی یہ قید ان کے نزدیک معتبر ہے اور جب تک مدرسہ بدرالاسلام موجود ہے، اس کی واپسی کا حق نہیں کوئی چیز دے دینے کے بعد مطلق دی ہو یا مقیداس کا واپس لینا قبیح وشنیع بھی ہے، وعدہ خلافی کی مذمت بھی کچھ کم نہیں۔

تنبیہ: تحریر دستاویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ معطی کا مقصود واپس لینا نہیں تھا، اس نے لکھا ہے "اگر خدانخواستہ مدرسہ بدرالاسلام نہ رہے تو الخ" بلکہ یہ شق محض احتمال کے طور پر لکھا ہے تا کہ اس زمین پر غیر مستحقین کا غلط قبضہ نہ ہو جائے۔

تنبیہ ۲: اگر اصل واقعہ موجودہ سوال سے مختلف ہو، تو جواب بھی دوسرا ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

العبد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۷۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) (شرح كتاب السير الكبير، باب الوصية بالمال في سبيل الله، والحبس في الحياة والصحة: ۵/۲۷۵، عباس أحمد الباز)

(۲) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذاعاهد غدر، وإذا خاصم فجر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة النفاق: ۱/۱۰، قديمى)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: آية المنافق ثلاثة: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، إذا اؤتمن خان". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب علامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمى)

خانقاہ نام دینے سے مکان کے وقف کا حکم

سوال[۱۰۷۴۶]: اب سے تقریباً ۵۰ سال قبل (عہد ریاست) میں سرکار سلطان جہاں بیگم صاحبہ نے ایک دومنزلہ عمارت سکونتی غرض کے لئے پیر ضیاء الدین صاحب کو عاریۃً دی تھی، جس کے وقف کرنے یا خانقاہ قرار دینے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، پیر صاحب کی سکونت کی بناء پر یہ مکان خانقاہ کے نام سے موسوم ہوگیا، اب سے تقریباً ۴۰/ سال پہلے پیر ضیاء الدین صاحب اپنے وطن مالوف اناؤ چلے گئے اور جانے کے ایک سال بعد وہیں وفات ہوگئی۔

ان کی حیات میں یہاں سے غیاب میں اوران کی وفات کے بعد کوئی سجادہ نشین مقرر نہ ہوا، مکان خالی ہوگیا، منجانب صرفِ خاص اس مکان کے نچلے حصہ میں کرایہ دار رہتے ہیں، جو صرفِ خاص کو کرایہ ادا کرتے رہے اوراب بھی ادا کررہے ہیں اس مکان کا بالائی حصہ عرصۂ دراز تک خالی پڑا رہنے کے بعد اس حصہ میں ایک پناہ گزیں پیر گوالیار کو مع ان کے اہل وعیال کے رہائش کی اجازت دے دی گئی۔ پھر یہ پیر صاحب بھی حالات پر سکون ہونے پر گوالیار منتقل ہوگئے، اب کبھی کبھی ان کے صاحبزادے مع اہل وعیال کے تشریف لے آتے ہیں۔

تالاب کا کنارہ ہے اور خوش منظر جگہ ہے، یہاں رہتے ہیں اور جب دل چاہتا ہے چلے جاتے ہیں، بہرحال صورت یہ ہے کہ موجودہ دورِ حکومت میں حکومت نے آسائش کے لئے بڑے بڑے پیمانہ پر ہسپتال کھول دیئے ہیں، یہ مقام مدھیہ پردیش کی راجدھانی (۱) ہے، زنانہ ہسپتال اونچے پیمانہ پر یہاں موجود ہیں، جس میں زچہ خانہ کا انتظام ہے اور چونکہ یہاں گاندھی میڈیکل کالج بھی قائم ہے اس لئے تعداد کثیرہ طلبہ کو ٹریننگ دی جاتی ہے اور عورتوں کے ساتھ مرد ڈاکٹر بھی تنہا کبھی طلبہ کے ساتھ زچہ عورتوں کو زچگی کراتے ہیں، مسلمانوں کو حد درجہ شاق ہے کہ مسلم خواتین کی اس مجبوری میں سخت پردہ دری ہوتی ہے، بلکہ غیر مسلم شرفاء کے لئے بھی یہ بے شرمی انتہائی تکلیف دہ ہے، مسلم خواتین اور شریف عورتوں کو اس بے حیائی اور ناقابل برداشت پردہ دری سے بچانے کے لئے بیت المال کمیٹی بھوپال ایک زچہ خانہ قائم کرنا چاہتی ہے، جو اس آزار سے پاک ہو اور اس غرض کے لئے اس کی درخواست پر نواب ساجدہ سلطان بیگم صاحبہ نے وہ مکان دے دینا منظور فرمالیا ہے، جو پیر صاحب کو رہائش کے لئے دیا تھا اور پیر صاحب کو نوٹس دینا چاہتی ہے کہ مکان خالی کردیں۔

---

(۱) "راج دھانی: پایۂ تخت، دارالحکومت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۳۵، فیروز سنز لاہور)

اب سوال یہ ہے کہ بحالت مندرجہ جس کو مالکہ نے اپنی ملکیت سے خارج نہیں کیا اور جس کے بنیادی حصہ زیریں میں ان کے کرایہ دار ہیں، جو پیر ضیاء الدین صاحب مرحوم کے زیر استعمال رہنے کی وجہ سے خانقاہ کے نام سے موسوم ہوگیا، جس میں پیر صاحب کی حیات میں اور ان کی وفات کے بعد کوئی سجادہ نشین مقرر نہ ہوا، کیا مسلم زچہ خانہ کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے؟ اور شرعاً اس میں کوئی مانع تو نہیں؟

نوٹ: بھوپال کی اصطلاح میں صرفِ خاص سے مراد وہ جائیدادیں اور تمام آمدصَرف ہے، جو یہاں کے اسلامی فرمارواؤں کی ذات سے متعلق ہو۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر واقعہ اسی طرح ہے کہ اس مکان کو نہ وقف کیا گیا، نہ پیر صاحب کی ملکیت قرار دیا گیا، بلکہ اصلی مالک کی ملکیت اس پر قائم ہے تو مالک کو اس میں تصرف کا پورا حق حاصل ہے(۱)، مسلم زچہ خانہ بنانا بھی درست ہے، پیر صاحب کو اس میں عاریۃً قیام کی وجہ سے اگر وہ خانقاہ کے نام سے موسوم ہوگیا اور لوگ اس کو خانقاہ کہنے لگے تو مالک کا حقِ تصرف ختم نہیں ہوا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۷/ ۹۱ھ۔

---

(۱) "لأن الملک مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک والمتقوم: ۴/ ۵۰۲، سعید)

"الملک في اصطلاح الفقهاء: اتصال شرعي بين الإنسان وبين شيء يكون مطلقاً لتصرفه فيه". (التعريفات لسيد الشريف الجرجاني، ص: ۱۵۹، حقانيه ملتان)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۳/ ۳، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه ...... ثم قال العارية مؤداة ...... الخ".

(قوله العاريه مؤداة) أي: وجب رد عينها". (بذل المجهود في حل أبي داود، كتاب البيوع: ۵/ ۳۰۳، مكتبه إمداديه ملتان)

"العارية جائزة ...... وهي تمليک المنافع بغير عوض ...... وللمعير أن يرجع متى شاء، لقوله عليه السلام: المنحة مردودة، والعارية مؤداة". (الهداية، كتاب العارية: ۳/ ۲۷۸، ۲۷۹، مكتبه شركة علميه ملتان) =

دو شخصوں کا ایک دستاویز کے ذریعہ وقف کرنا

سوال[١٠٧٤٧]: ١...... زیداور زوجۂ زید زینب نے اپنی اپنی جائیداد کو اپنی اور اپنی اولاد کے واسطے وقف علی الاولاد کیا، دونوں نے ایک ہی دستاویز کے ذریعہ سے وقف کیا، فتویٰ یہ ہے کہ اشتراک وقف کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ زید کی دوسری زوجگان سے جو اولاد ہے، وہی زینب کی موقوفہ جائیداد سے مستفیض ہونے کی حق دار ہے، بلکہ زینب کی جائیداد اس کی بطنی اولاد پر وقف ہوئی اور زید کی کل اولاد پر وقف ہوئی، گورنمنٹ نے اوقاف کو ختم کردیا اور اس کا معاوضہ وغیرہ دینا تجویز کردیا، زید کی اولاد نے جو دوسری زوجگان سے ہے کوشش کر کے کاغذات میں لفظ متولی اڑادیا اور نہ اس کا اندراج کرایا، چنانچہ اسی بناء پر معاوضہ انفرادی طریقہ سے سب کے نام بنایا گیا اور سب لوگوں نے اس کو وصول کرلیا، کیا ان کا یہ فعل شرعاً جائز ہے؟ دوسری ترکیب زینب نے یہ کی کہ بعد انتقال شوہر ان کی متروکہ جائیداد پر اپنا تنہا نام کرا کر کل کو وقف کردیا، شرعاً بحق شوہر اس کو پہونچا تھا اور اس کو وہ وقف کرنے کے مجاز تھے، ۴/۳ زینب کی اولاد کا تھا۔

دوسرے کی جائیداد کو وقف کرنا

سوال[١٠٧٤٨]: ٢...... اس کے چند روز بعد ایک دوسرے وقف نامہ کے ذریعہ سے بکر جو زینب کا پسر ہے اور اس وقت کل جائیداد کا متولی تھا، زینب نے دو جائیدادیں بکر کے نام خریدی تھیں، زید کا یہ بیان کہ وہ اس کے روپے سے کردی گئی ہیں، نا قابل سماعت ہے۔ شروع ہی سے زید اور زینب کا جمع خرچ یکجائی چلا آرہا تھا۔ اس وقت درختان موقوفہ اور اس کی لکڑی فروخت کردی گئی ہے۔ چند صاحبان مل کر اولادِ زید کی ہمنوائی کررہے ہیں۔ کیا اس کا یہ قول شرعاً جائز ہے؟ عندالشرع جو صورت ہو، ارقام فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

١...... جائیداد موقوفہ ہمیشہ کے لئے وقف ہوتی ہے(١)، دو فرد اگر اپنی اپنی جائیداد کو ایک کاغذ میں

= "وأما صفة الحكم فهو أن الملك الثابت للمستعير ملك غير لازم؛ لأنه ملك لا يقابله عوض، فلا يكون لازماً كالملك الثابت بالهبة، فكان للمعير أن يرجع في العارية سواء أطلق في العارية أو وقت لها وقتاً". (بدائع الصنائع، كتاب العارية، فصل في صفة الحكم: ٨/٣٧٧، دارالكتب العلمية بيروت)

(١) "(إذا تم ولزم لايملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن) .... =

وقف نامہ مشترکہ لکھ کر وقف کردیں اور ہرایک اپنی جائیداد کی آمدنی کا مصرف الگ الگ تجویز کردے، تو بھی وقف صحیح ہوجاتا ہے اور ہرایک کا تجویز کردہ مصرف حسب تصریح واقف مستحق ہوتا ہے(۱)، کاغذ کے مشترک ہونے کی وجہ سے تصریح کردہ مصرف میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا، لہٰذا زید نے جو مصرف تجویز کیا ہے، وہ زید کی موقوفہ جائیداد سے منتفع ہوگا اور زوجہ زید نے جو مصرف تجویز کیا ہے، وہ زوجۂ زید کی موقوفہ جائیداد سے منتفع ہوگا (۲)، اس زوجۂ زید نے جب اپنی اولاد پر وقف کیا تو اس کی مستحق صرف وہ اولاد ہوگی جو زوجہ زید سے پیدا ہوئی ہے، زید کی کسی دوسری بیوی سے پیدا شدہ اولاد اس کی مستحق نہیں ہوگی، البتہ زید کی جائیداد سے کل اولاد مستحق ہوگی خواہ کسی بیوی سے ہو(۳)، جائیداد موقوفہ کو ذاتی ملک قرار دینا ہرگز جائز نہیں، دھوکہ اور فریب

= (قوله: لايملك) أي: لا يكون مملوكاً لصاحبه ولا يملك أي: لايقبل التمليك لغيره".
(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"(إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه)؛ لقوله عليه السلام: تصدق بأصلها لايباع، ولايورث، ولايوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۲۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق جواز الوقف وشرائط صحته: ۱۲/۷، حقانيه پشاور)

(۱) "لو أن رجلين كانت بينهما أرض وقف كل واحد منهما نصيبه على قوم معلومين فهذا جائز".
(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في وقف المشاع: ۲/ ۳۶۵، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف وشرائط صحته: ۱۴/۷، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۴۷۷/۵، قديمی)

(۲) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/ ۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف: ۲/ ۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/ ۱۲۶، حقانيه)

(۳) "رجل قال: أرضي هذه موقوفة على ولدي، كانت الغلة لولد صلبه يستوي فيه الذكر والأنثى، وإذا جاز هذا الوقف، فما دام يوجد واحد من ولد الصلب كانت الغلة له لاغير". (الفتاوىٰ العالمكيرية، =

کرنے سے وہ ملک میں نہیں آئے گی (۱)۔

۲...... "وقف" اپنی جائیداد کو کیا جاسکتا ہے، اس کا حق ہے، دوسرے کی جائیداد کو وقف کرنے کا حق نہیں۔ پس زید نے اپنی زوجہ زینب کی جائیداد کو وقف کیا ہے تو یہ غلط ہوا، صرف اپنا حصہ جو بحیثیت شوہر اس کو پہونچتا ہے اتنا ہی وقف کرسکتا ہے۔ بقیہ زینب کے پسر کا ہے اس کو وقف کرنے کا زید ہرگز حق دار نہیں، یہ وقف شرعاً معتبر نہیں (۲)، زید نے اگر روپیہ زینب کو دے دیا تھا، پھر باجازت زینب اس روپے سے جائیداد خریدی تو وہ ملک زینب ہے ملک زید نہیں، اگر روپیہ زینب کو نہیں دیا، بلکہ اس کی جائیداد خرید کر زینب کو دے دی یعنی ہبہ کردی خواہ زبانی خواہ تحریری، تب بھی وہ زینب کی ملک ہوگئی۔ اگر نہ روپیہ زینب کی ملک کیا، نہ جائیداد ملک کی، بلکہ کسی قانونی مصلحت سے محض بیع نامہ میں زینب کا نام درج کرادیا تو اس سے وہ جائیداد زینب کی ملک نہیں ہوئی، بلکہ زید ہی کی ملک ہے (۳) اور زید کو ایسی

= كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على نفسه وأولاده: ۲/ ۳۷۳، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان، كتاب الوقف، الخامس في الوقف على الأولاد: ۳/ ۲۷۲، رشيديه)

(۱) واجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۲۰

(۲) "الخامس من شرائطه: الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً فوقفها ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن إليه، أو صالح على مال دفعه إليه لاتكون وقفاً؛ لأنه إنما ملكه بعد أن وقفها". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۱۴، رشيديه)

"(قوله: وشرطه شرط سائر التبرعات) أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الملك ملكاً باتاً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة: ۴/ ۳۴۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/ ۵۶۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "وبيع التلجئة ...... وهو أن يظهرا عقداً وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة بل كالهزل". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب الصرف: ۵/ ۲۷۳، سعيد)

"التلجئة: هي العقد الذي ينشئه لضرورة أمر فيصير كالمدفوع إليه، وأنه على ثلاثة اقسام: أحدها: أن تكون في نفس المبيع وهو أن يقول: لرجل إني أظهر أني بعت داري منك، وليس ببيع في الحقيقة، ويشهد على ذلك، ثم يبيع في الظاهر، فالبيع باطل". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروة: ۳/ ۲۰۹، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب الصرف: ۳/ ۱۴۳، دارالمعرفة بيروت)

پوری جائیداد کے وقف کرنے کا بھی حق حاصل ہے(۱)۔اور پسر زینب کا زید پر اعتراض غلط ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جائیداد وقف تقسیم سے مملوک نہیں ہوتی

سوال[۱۰۷۴۹]: ۱......ایک جائیداد عبدالحق صاحب کی تھی،ان کے تین بیٹے تھے،ان کے دو مکان خام مع سائبان خشبوش بنا ہوا تھا،کوئی تقسیم وغیرہ نہیں تھی، لیکن بوجہ نالش ڈگروں کی وجہ سے ایک مکان اور جملہ ۱/۳ جائیداد ان سے بچانے کی وجہ سے مشورہ کرکے منجھلے(۲) بھائی کی بیوی کے نام بابت مہر ۱۹۱۱ء بیع نامہ میں لکھ دیا تھا،اس کے بعد برابر رہتے رہے،اس کے بعد دو بھائیوں کا انتقال ہوگیا اور منجھلے ہی حیات رہے۔

بڑے بھائی کی اولاد سے منجھلے بھائی جن کا نام عبدالغنی تھا، بقیہ حصہ بیع نامہ ۱۹۳۳ء میں کرالیا، چند دنوں کے بعد عبدالغنی کی زوجہ کا انتقال ہوگیا اور وہ مکانی جائیداد بھی عبدالغنی کے نام آگئی،عبدالغنی کے ایک لڑکا اصغرعلی نام کا تھا،اس کی بیوی مرگئی،عبدالغنی نے دوسری شادی کردی، چند دنوں کے بعد عبدالغنی اصغرعلی سے ناخوش ہوگئے، اصغرعلی کی پہلی بیوی سے دولڑکے انتظارعلی، صابرعلی تھے،عبدالغنی نے اصغرعلی سے ناراض ہوکر اس بیع نامہ کی رو سے جو ۱۹۱۱ء میں قرض دینِ مہر میں قرض والوں سے بچانے کی وجہ سے کیا تھا،انتظارعلی وصابر علی کے نام وقف علی الاولاد کردیا، بیع نامہ ۱۹۴۲ء میں کیا،انتظارعلی فوج میں دہرہ دون میں ملازم تھا،وہاں سے لاہور کو تبادلہ ہوگیا اور ہندوستان پاکستان بن گیا۔انتظارعلی متولی تھے، وہیں پاکستانی ہوگئے، ۱۹۴۹ء تک برابر پاکستان رہے،صابرعلی یہاں رہا،اس نے ۱۹۴۵ء میں صمد گڑھ کی سکونت چھوڑ کر گڑھی کی سکونت اختیار کرلی اور مکان موقوفہ کا کل ملبہ اتار کر گڑھی لے گئے اور خالی جگہ چھوڑ گئے، جیسے اور جگہ پڑی ہے،اسی جگہ کے خالی ہونے

---

(۱) "لأن الملك مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول في بيان بعض قواعد أحكام الملك: ۳۲/۴، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "منجھلا: بیچ کا، درمیان کا"۔(فیروز اللغات،ص:۱۳۵۴، فیروز سنز لاہور)

سے جمیل احمد کی بے پردگی ہوتی تھی، جمیل احمد نے اس جگہ پر مکان بنالیا ہے جو شریک ہے، کیا بغیر تقسیم کرائے ہوئے وقف نامہ جائز ہے؟

۲......صابر علی گڑھی ہی میں رہا اور اس نے اس مکان کا ملبہ اتار کر گڑھی میں جمع کیا، تو اس حالت میں وقف رہ گیا؟

۳......صابر علی نے اس خالی جگہ کو دوسری جگہ کے باشندے کو فروخت کردی، وہ شخص اور اس کی بیوی بدمعاش تھی، جمیل احمد نے اس کی چنائی روک دی اور اپنی عمارت بنادی، ایسی صورت میں جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ وہ بدچلن تھے۔

۴......جب کہ جگہ خالی پڑی ہے اور وہ جگہ بھی خالی تھی، تو اپنی ہی جگہ تبادلہ میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۵......انتظار علی نے تقسیم کا مقدمہ بھی دائر کر رکھا ہے اور موقوفہ کو تقسیم سے علیحدہ کرلیا، جب کہ مکان عبدالحق صاحب کا بھی نہیں، تقسیم ہوسکتی ہے یا نہیں؟

۶......وقف نامہ میں مکان کا کرایہ تین روپیہ سالانہ درج ہے۔ اگر خالی جگہ تبادلہ میں نہیں دی جاسکتی، تو وہ تین روپیہ سالانہ کا کرایہ جمیل احمد پر لاگو ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۷......۱۹۴۵ء کے زمینداره ختم ہونے کے بعد قابض اصل مالک ہوگئے یا نہیں؟ ۳۰ سال کے بعد بھی مالک نہیں ہوسکتا، جب کہ تمام جھگڑوں اور خرچ کر کے میں نے اس تمام جگہ کو روکا ہے، ورنہ سب ختم ہوجاتی۔

۸......مقدمات عدالت سے تب ہی طے ہوسکتے ہیں، جب کہ تقسیم اور وقف دونوں مقدمات الگ ہوجائیں گے۔

۹......کیا جمیل احمد کے ذاتی بنائے ہوئے مکان بھی تقسیم ہوسکتے ہیں، جب کہ تینوں بھائیوں کے انتقال کے بعد بنایا ہے۔ اور خالی جگہ میں جمیل احمد کے والد مرحوم نے بنایا تھا، اس کی جگہ کچھ مکان بنالیا ہے۔

۱۰......انتظار علی ۱۹۴۵ء سے ۱۹۶۹ء تک پاکستان رہا، کیا اس کے حقوق باقی رہ گئے، جب کہ اور جائیداد میں جو باپ نے چھوڑی تھی، کوئی حصہ نہیں ملا۔

۱۱......ایک درخواست اس سے پہلے بھی آپ کی خدمت میں آئی تھی، ۳ مارچ ۱۹۷۹ کو کریم بخش سرپنچ نے بھیجی تھی، وہ صرف اس امر کی کہ اراضی مقدمہ کے بدلے دوسری اراضی دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ

ارضیات مشترک ہیں، جس کا کوئی جواب نہیں ملا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مکان وزمین مشترک ہوتو کسی بھی حصہ دار کو اپنا حصہ وقف کردینا درست ہے، تقسیم کرنا پہلے سے لازم نہیں (۱)، جس طرح کہ حصہ مشترکہ کی بیع درست ہے۔

۲......اس کی وجہ سے وقف ختم نہیں ہوتا (۲)، ناجائز تصرف ناجائز ہے۔

---

(۱) "ذكر الخصاف في وقفه تفريعاً على قول أبي يوسف: أرض بين رجلين وقف أحدهما حصته منها وهو النصف، فله أن يقاسم شريكه فيقرر حصة الوقف لأن ولاية الوقف إليه ...... رجلان بينهما أرض ودور، وقف أحدهما نصيبه من الأرضين والدور، ثم أراد الواقف أن يقاسم شريكه فله ذلك، ويقسم كل أرض وكل دار على حدة". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۱۳/۷، ۱۴، حقانيه)

"لو أن رجلين بينهما أرض فوقف أحدهما نصيبه جاز في قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في وقف المشاع: ۳۶۷/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۷۷۴/۵، قديمى)

(۲) "إذا تم ولزم لايملك ولا يملك ولا يعار ولايرهن". (الدرالمختار). "(قوله لايملك) أي: لايكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك أي: لايقبل التمليك لغيره بالبيع، ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

"(وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه) لقوله عليه السلام: تصدق بأصلها لايباع، ولايورث، ولايوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"سئل في رجل وقف أماكن على بنته وزوجته ...... والحال أنها باعت من تلك الأماكن أماكن في حال حياته، ولم يكن لها مسوغ شرعي في ذلك، فهل هذا البيع باطل؟ وترجع الأماكن لأربابها حكم شرط الواقف ......؟"

(أجاب): الوقف بعد صدوره من أهله صحيحاً لازماً لايقبل التملك والتمليك، ولايصح بيعه بدون مسوغ شرعي، ويجب رده لجهة وقفه حيث لامانع". (الفتاوىٰ المهدية، كتاب الوقف: ۳۸۴/۲، المكتبة العربية كويته)

۳......وقف صحیح ہوجانے کے بعد اس کی بیع صحیح نہیں (۱)۔

۴......وقف کو بدلنے کی اجازت نہیں، البتہ اگر واقف نے ہی اجازت دی ہو یا وقف سے انتفاع ناممکن ہوجائے، تو اس کی عوض میں دوسری جگہ لے کر وقف کردی جائے (۲)۔

۵......مطالبۂ تقسیم کا حصہ دار کو حق ہے، اگر تقسیم کے بعد حصے دار منتفع ہوسکتے ہیں تو تقسیم کردینا بہتر ہے (۳)۔

۶......جس شخص کے پاس کرایہ پر ہو، اس کے ذمہ کرایہ لازم ہوگا (۴)۔

---

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ٦۵

(۲) "وجاز شرط الاستبدال به أرضاً أخرى حينئذ أو شرط بيعه، ويشتري به أرضاً أخرى إذا شاء ...... وإن لم يذكرها ثم لايستبد لها". (الدر المختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: اعلم أن الاستبدال على ثلاثة أوجه: الأول: أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره، فالاستبدال فيه جائز على الصحيح، وقيل: اتفاقاً. والثاني: أن لا يشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيء أصلاً، أولا يفي بمؤنته فهو أيضاً جائز على الأصح، والثالث: أن لايشترطه ولكن فيه نفع". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۴/۳۸۴، سعيد)

"إذا شرط في أصل الوقف أن يستبدل به أرضاً أخرى، إذا شاء فتكون وقفاً مكانها، فالواقف والشرط جائزان عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ ...... وعليه الفتوىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الرابع: ۲/۳۹۹، رشيديه)

"قال هشام: سمعت محمداً يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه، ويشتري بثمنه غيره". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳٦۷، رشيديه)

(۳) "وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه، إلا أن يكون مشاعاً عند أبي يوسف، فيطلب الشريک القسمة، فيصح مقاسمته". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/٦۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

"رجلان بينهما أرض ودور، وقف أحدهما نصيبه من الأرضين والدور، ثم أراد الواقف أن يقاسم، فله ذلک، ويقسم كل أرض، وكل دار على حدة". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۷/۱۴، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۵/۷۷۴، قديمی)

(۴) "متولي الوقف إذا أسكن رجلاً بغير أجر ...... عامة المتأخرين أن عليه أجر المثل سواء كانت الدار=

۷...... کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کر لینے سے شرعاً ملکیت ثابت نہیں ہوتی (۱)، قانون کا مسئلہ اس کے خلاف ہو، تو وہ علیحدہ بات ہے۔

۸...... یہ تو عدالت سے متعلق ہے۔

۹...... جمیل احمد نے اگر بناتے وقت دوسرے شرکاء سے کوئی معاملہ طے کر لیا تھا، تو اس کا اعتبار کیا جائے گا (۲)، ورنہ عمارت جمیل احمد کی ہوگی اور زمین مشترکہ تقسیم کرتے وقت اس تعمیر کا بھی لحاظ کرنا ہوگا۔

۱۰...... شرعی وارث اگر کچھ مدت تک اپنے حصہ کا مطالبہ نہ کرے تو اس کا حصہ ختم نہیں ہو جاتا، دوسری جائیداد میں سے اگر اس کو حصہ نہ دیا جائے تو اس کی وجہ سے اس کا حصہ ساقط نہیں ہوتا (۳)۔

= معدة للاستغلال أو لم تكن ...... وكذا قالوا: فيمن سكن دار الوقف بغير أمر القيم كان عليه أجر المثل بالغاً مابلغ". (الفتاویٰ التاتارخانیہ، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۲/۵۱۲، قديمی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۲۰، رشيديه)

(۱) "اعلم أن اسباب الملک ثلاثة: ناقل كبيع وهبة، وخلافة كإرث، وإصالة وهو الاستيلاء". (الدرالمختار، كتاب الصيد: ۶/۴۶۳، سعید)

"اعلم بأن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب ...... ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة ...... والحكم الأصلي الثابت بالغصب وجوب رد العين على المالک بقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "على اليد ما أخذت حتى ترده". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۶/۴۲، حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه، الفن الثالث، القول في الملک: ۳/۱۳۳، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود﴾ (المائدة: ۱)

"قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: المسلمون عند شروطهم". (صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب أجرة السمرة: ۱/۳۰۳، قديمی)

(۳) "لأنه حق العبد فلا يسقط بالتقادم". (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۴/۳۱، سعید)

"الإرث جبري لايسقط بالإسقاط". (تكملة ردالمحتار، كتاب الدعوىٰ، واقعة الفتوىٰ: ۱/۵۰۵، سعید)=

۱۱...... مجھے پہلی تحریر کا حال معلوم نہیں، میں کئی ماہ تک باہر رہا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۷/۵/۱۴۰۰ھ۔

وقف علی الاولاد میں تقسیم کی صورتیں

سوال [۱۰۷۵۰]: حاجی کلیم مرحوم نے اپنی جائیداد کا ایک وقف نامہ علی الاولاد تحریر کیا ہے، اس میں واقف کی اولاد ہی کو حق پہونچتا ہے یا واقف مرحوم کے اپنے چچازاد بھائیوں کو بھی حق پہونچتا ہے۔

الف– وقف نامہ حاضر ہے، ملاحظہ فرما کر تحریر فرمائیں کہ یہ وقف علی الاولاد رہے گا یا وراثت میں رہے گا؟ اور کس کس کو کتنا حق پہونچتا ہے، تقسیم کر کے نقشہ بتلا دیجئے، بوقتِ انتقال واقف مرحوم نے حسبِ ذیل ورثاء چھوڑے:

زوجہ	لڑکیاں	لڑکے	چچازاد بھائی	نواسہ
۱	۶	×	۲	۱

ان کی والدہ مسماۃ بانو کا انتقال واقف کی حیات میں ہو گیا تھا۔ فقط۔

نوٹ: وقف نامہ بڑے چھ صفحات کے سوال کے ساتھ ہے۔

الجواب (☆):

اس وقف نامہ منسلکہ کا نام اگر چہ وقف نامہ علی الاولاد رکھا گیا ہے، مگر یہ نام اپنے حقیقی معنوں میں نہیں اس لئے کہ واقف نے اپنی ذات کو اپنی تیسری بیوی کے ساتھ آئی ہوئی ربیبہ نور جہاں کو اور اپنی چوتھی بیوی کو اور مسجد گل شہید کو بھی اولاد و منافع وقف کا مصرف قرار دیا ہے، جو کہ واقف کی اولاد نہیں۔ حق غیر کی تصریح واقف نے کر دی ہے وہ بھی مستحق ہے اور اس کے استحقاق کے لئے جو شرط لگائی ہے، وہ معتبر ہے، مثلاً: دفعہ نمبر ۲ میں واقف

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۲/۳۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الإقرار: ۲/۵۴، حقانيه)

(☆) جواب کا دارومدار وقف نامہ پر ہے اور وقف نامہ کہیں سے دستیاب نہ ہو سکا اور جواب میں مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی وقف نامہ کا تجزیہ فرمایا ہے۔

نے مع اولاد واہل وعیال مکان موقوفہ میں حق سکونت رکھا ہے۔

اور دفعہ نمبر ۳ میں اپنے بعد اپنی بیوی کو متولی بنا کر اس کو بھی یہ حق دیا ہے کہ وہ مع اپنی اولاد کے سکونت اختیار کرے، اس کی رو سے مسماۃ چھوٹی کا لڑکا عبدالغنی بھی سکونت کا حق دار ہوگا، جو کہ واقف کی اولاد اور نسل نہیں ہیں۔

اور دفعہ نمبر ۴ میں چھوٹی کو عقد ثانی کرنے کی صورت میں تولیت سے اور جائیداد موقوفہ کے انتفاع سے محروم کر دیا گیا، مذکورہ بالا تجزیہ سے واضح ہوا کہ اس وقف کو کلیۃً اولاد پر منحصر کرنا تصریحات واقف کے خلاف ہیں (۱)۔

دفعہ نمبر ۴ میں اپنے بعد ہونے والے متولی کو ہدایت کی ہیں کہ وہ اپنی رقم میرے وارثانِ شرعی میں بحصۂ شرعی تقسیم کردے (بشمول نور جہاں)۔ اس کی رو سے صورت مسئولہ میں چچازاد بھائی بھی منافع وقف سے بقدر حصہ وراثت مستحق ہوں گے، کیونکہ وہ بھی وارث شرعی ہیں، اگر واقف کا مقصود ان کو محروم کرنا ہوتا تو صراحۃً ان کو مستثنیٰ کردیا ہوتا کہ وارث شرعی کے ہونے کے باوجود ان کو نہ دیا جائے، جس طرح کے وارث اور اولاد نہ ہونے کے باوجود نور جہاں کو دینا مقصود تھا، اس کو صراحۃً ذکر کیا یا ایسا لفظ ذکر کرنا جس سے چچازاد بھائی خود خارج ہوجائے، مثلاً: اس طرح کہتا کہ اتنی رقم میری اولاد کو دی جائے، بشمول نور جہاں اس طرح نہ کہتا کہ میرے وارثان شرعی میں بحصۂ شرعی تقسیم کردیا جائے، خاص کر جب کہ یہ ہدایت اپنی بیوی کو کررہا ہے اور اس کے سامنے اولاد میں صرف لڑکیاں ہیں، جن کو حصہ برابر ملتا ہے، لڑکا کوئی موجود نہیں، ان کی حصص سے فرق ہوتا ہے اور لفظ بحصۂ شرعی صاف صادق آتا ہے۔

دفعہ نمبر ۵ میں بھی وارثانِ شرعی کو بحصۂ شرعی تقسیم کرنے کی تاکید ہے، اس میں بھی چچازاد بھائیوں کا استثناء نہیں ہے، شریعت نے جس کو وارث قرار دیا ہے، بغیر کسی قوی صریح دلیل کے اس کو اس کے لفظ کے مصداق

(۱) "وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وهو حكم لا دليل عليه ...... لقول مشايخنا كغيرهم: شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب ماخالف شرط الواقف ...... الخ: ۴/۴۹۵، سعيد)

"شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي: في وجوب العمل به في المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

سے بحق نیت واقف خارج نہیں کہا جاسکتا ہے، جیسے غیر وارث کومثل وارث قرار نہیں دیا جاسکتا، جب تک قوی صریح دلیل موجود نہ ہو(۱)۔ اور وقف علی الاولاد کی تعبیر ایسی قوی صریح دلیل نہیں۔

دفعہ نمبر۴ میں سلسلہ بسلسلہ تولیت کے میراث کو بیان کر کے پھر تاکید کی ہے کہ میری نسل کے وارثان شرعی میں تقسیم کرنا ضروری ہوگا، یہ دفعہ ضرور موہم ہے کہ شاید اس سے چچازاد بھائیوں کومحروم کرنا مقصود ہے، مگر اس میں دواحتمال ہیں:

۱-وارثان شرعی میری نسل سے ہوں ان کو دیا جائے، اس احتمال پر چچازاد بھائی مستحق قرار نہیں پاتے، کیونکہ وہ اگر چہ شرعی وارث ہیں، مگر واقف کی نسل سے نہیں۔

۲-دوسرا احتمال یہ ہے کہ میری نسل (بنات) کے جو شرعی وارث ہوں ان کو دیا جائے، یعنی میری نسل (بنات) کے مرجانے پر آئندہ جو اس کے وارث ہوں گے، ان کو دیا جائے، اس کی رو سے ہوسکتا ہے کہ چچازاد بھائی بھی مستحق ہوسکیں، جب کہ ان بنات کے نرینہ اولاد نہ ہو اور یہ احتمال اقرب معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ واقف نے اس طرح نہیں کہا کہ میری نسل سے جو وارثانِ شرعی ہوں ان کے درمیان تقسیم کرنا لازم ہوگا، تو پہلا احتمال متعین ہو کر چچازاد بھائیوں کو خارج کیا جاسکتا تھا، لیکن واقف نے تو اس طرح کہا ہے کہ میری نسل کے وارثانِ شرعی کے درمیان تقسیم کرنا لازم ہوگا، تو یہاں براہِ راست اپنے ورثاء نسلی یا غیر نسلی کو بتانا مقصود ہی نہیں، بلکہ اپنے ورثاء کے ورثاء کو بتانا مقصود ہے، (قطع نظر اس سے کہ واقف کے ورثاء براہِ راست اس وقت موجود رہیں یا نہ رہیں ان کا حصہ تو کچھ حصہ شرعی لکھ دیا ہے، وہ پہلے سے متعین ہے، اس وجہ سے نور جہاں کی اولاد کو کچھ نہ دینے کی اس دفعہ میں تصریح کردی ہے، تین چچازاد بھائیوں کے ورثاء بھی مستحق نہ ہوں گے، اس حیثیت سے پہلے فتویٰ میں ان کو بھی بعد میں مستحق قرار دیا گیا تھا، وہ صحیح نہیں، وہ لغزشِ قلم تھی۔

اس موہم اور محتمل المعنیین عبارت کی بناء پر دفعہ نمبر۳ اور دفعہ نمبر۵ کی عبارت کو مخصوص ومقید نہیں کیا

---

(۱) "الإرث جبري لایسقط بالإسقاط". (تکملة ردالمحتار، کتاب الدعویٰ، مطلب واقعة الفتویٰ: ۱/۵۰۵، سعید)

(وکذا في تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الإقرار، مطلب: الإرث جبري لایسقط بالإسقاط: ۲/۵۴، حقانیه)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الفرائض: ۷/۱۷۴، دارالکتب العلمیة بیروت)

جائے گا، نسلی ورثہ کے ساتھ جب کہ اس سے نصوص وقرآن وحدیث کا مصداق بھی بدلتا ہو، دفعہ نمبر ۲۸ میں وقف علی الاولاد ہونے کی تصریح ہے، جس کو مقصود اپنی اولاد کی نسلاً بعد نسلٍ بطناً بعد بطنٍ پرورش پرداخت بتلایا گیا ہے، اس کے متعلق بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ انحصار اپنے اصل معنی میں نہیں جیسا کہ واقف کی خود تصریح موجود ہے، علاوہ ازیں انتقال واقف کو عرصۂ دراز گزر چکا ہے اور اس کے قائم مقام متولی ہے، اب تک برابر چچازاد بھائیوں کو حصہ دیا ہے، جس امر میں کوئی بات واضح نہ ہو، اس کے متعلق فقہاء نے معمولِ سابق کو معتبر مانا ہے(۱)۔

وقف نامہ کی عبارت مذکورہ کا مطلب متولی نے بھی یہی سمجھا اور مستحقین وقف نے بھی یہی سمجھا کہ چچازاد بھائی مستحق ہیں، اسی بناء پر ان کو دیا جاتا رہا، جیسا کہ سائل نے زبانی بیان کیا ہے۔ فقط واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

حرام کمانے والوں کا وقف اور اس کی آمدنی دینی کاموں میں خرچ کرنا

سوال[۱۰۷۵۱]: میرٹھ میں نادرعلی کی فیکٹری باجہ بنانے کی ہے اور ان لوگوں کے سنیما بھی ہے، نیز ان نادرعلی کی طرف سے ایک وقف ہے، جس کے ماتحت کافی جائیداد اور مکانات ہیں اور یہ وقف مدارس اسلامیہ کی امداد اور ان کے قائم کردہ مکاتب کے معلمین کی تنخواہ ادا کرتا ہے، وقف بہرکیف ان ہی لوگوں کا کیا ہوا ہے، اب جن معلمین کو نادرعلی وقف سے تنخواہ ملتی ہے، وہ مساجد میں امام بھی ہیں، لہٰذا ان لوگوں کو نادرعلی وقف سے تنخواہ لیتے ہوئے امامت کرنا اور لوگوں کا اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہو تو کیوں؟ جب کہ وقف کرنے والے وہی لوگ ہیں اور اگر درست نہیں تو کیوں؟ جب کہ وقف کا پورا حساب آمدوصَرف علیحدہ ہے اور سینٹرل سنی وقف بورڈ سے متعلق ہے اور کارخانہ سے بظاہر براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔

---

(۱) "سئل شيخ الإسلام عن وقف مشهور اشتبهت مصارفه، وقدر ما يصرف إلى مستحقيه، قال: ينظر إلى المعهود من حاله فيما سبق من الزمان أن قوّامها كيف يعملون فيه، وإلى من يصرفون، وكم يعطون فيبنى على ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الشهادة: ۲/ ۴۳۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الوقف: ۵/ ۵۶۸، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/ ۴۱۲، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

باجہ بنانا اور فروخت کرنا اور سینما کا کام کرنا منع ہے(۱)، باجہ بنا کر اس کی بیع سے قیمت حاصل کرنا مکروہ ہے(۲)، مسلمان جب اپنی آخرت درست کرنے کے لئے ثواب کی نیت سے کوئی کام کرتا ہے تو اس میں خراب روپیہ خرچ کرنے کی کوشش نہیں کرتا ہے، متعدد لوگوں کو دیکھا کہ وہ حج کے لئے اور مدرسہ ومسجد میں دینے کے لئے حلال روپیہ جمع کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ حرام روپیہ ایسے دینی کاموں میں ثواب کے لئے خرچ نہیں کیا جاتا۔ اس وجہ سے وہ رشوت وغیرہ کا روپیہ وہاں خرچ نہیں کرتے، اس لئے جب تک تحقیق سے ثابت نہ ہو جائے، کہ یہ وقف حرام روپیہ سے کیا گیا ہے، اس کی آمدنی کو حرام نہیں کہا جائے گا، نہ امام ومعلم کی تنخواہ کو حرام کہا جائے گا، نہ اس تنخواہ کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز کو ناجائز کہا جائے گا، حرام روپیہ سے کوئی چیز خریدنے کے لئے فقہاء نے تفصیل سے لکھا ہے، جو شامی، کتاب البیع اور کتاب الغصب میں موجود ہے(۴)۔ اور حرام مال کو بہ نیت ثواب

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"ولا تجوز الإجارة على شيء من الغناء، والنوح، والمزامير، والطبل، وشيء من اللهو. وعلى هذا الحداء وقرأة الشعر وغيره، ولا أجر في ذلک". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، مطلب: الإجارة على المعاصي: ۴/ ۴۴۹، رشيديه)

"(لاتصح الإجارة لعسب التيس) وهو نزوه على الإناث (و) لا (لأجل المعاصي مثل الغناء والنوح والملاهي)". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/ ۵۵، سعيد)

"قلت: وأفاد كلامهم أن ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً، وإلا فتنزيهاً، نهر". (الدرالمختار). "قال ابن عابدين: "(قوله: لأنه إعانة على المعصية)؛ لأنه يقاتل بعينه ...... ونظيره كراهة بيع المعازف؛ لأن المعصية تقام بعينها". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب: في كراهية بيع ماتقوم المعصية بعينه: ۴/ ۲۶۸، سعيد)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۴) "(قوله: اكتسب حراماً الخ) توضيح المسألة ما في التاتارخانية حيث قال: رجل اكتسب مالاً من حرام، ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع تلک الدراهم إلى البائع أولاً ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلک الدراهم، أو اشترى بدراهم آخر ودفع تلک الدراهم. قال أبونصر: يطيب له ولا يجب عليه أن يتصدق =

صدقہ کرنے کی ممانعت کتاب الحج میں مذکور ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= إلا في الوجه الأول، وإليه ذهب الفقيه أبو الليث. لكن هذا خلاف ظاهر الرواية، فإنه نص في الجامع الصغير: إذا غصب ألفا فاشترى بها جارية، وباعها بألفين، تصدق بالربح. وقال الكرخي: في الوجه الأول والثاني لا يطيب، في الثلاث الأخيرة يطيب. وقال أبوبكر: لا يطيب في الكل، لكن الفتوىٰ الأن على قول الكرخي دفعاً للحرج عن الناس. وفي الولوالجية: وقال بعضهم: لا يطيب في الوجوه كلها، وهو المختار، ولكن الفتوىٰ اليوم على قول الكرخي دفعاً للحرج لكثرة الحرام". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب: إذا اكتسب حراماً ثم اشترى فهو على خمسة أوجه: ۵/۲۳۵، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الغصب: ۶/۱۸۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب البيوع، باب المتفرقات: ۳/۱۳۰، دارالمعرفة بيروت)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۶، سعيد)

باب في استبدال الوقف وبیعه

(وقف کو بدلنے اور اس کی بیع کا بیان)

عمومی مفاد کے لئے دی گئی زمین فروخت کرنا

سوال[۱۰۷۵۲]: طویل مدت سے ہمارے گاؤں والوں کو ایک ہندو زمین دار نے ایک ٹکڑے زمین قبرستان کے لئے اور قبرستان کے پرچہ(۱) کے شامل ایک ٹکڑے زمین بگاڑ کے لئے (بگاڑ بمعنی مردہ جانور دفن کرنے کی جگہ) استوار کرنے کا حکم دیا تھا، مذکورہ قبرستان کی زمین تقریباً چار پانچ بیگھہ(۲) ہوگا، قبرستان کے ایک کنارے پر ایک ٹکڑا زمین تقریباً ایک کٹھہ(۳) ہوگا، اس ٹکڑے میں کبھی کسی میت کو دفن نہیں کیا گیا اور اس ٹکڑے زمین کو اس کے برابر والے مکان والوں نے اس ایک کٹھہ زمین کو میدان کی طرح اپنے استعمال میں لانا شروع کردیا، نیز جانوروں کو باندھنے میں فائدہ عوام کی وجہ سے گاؤں والے اس ٹکڑے کا ایک کٹھہ زمین برابر والے مکان والوں کو بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ بیچ کر اس روپیہ سے کوئی کارِ خیر مثلاً: مدرسہ، مکتب یا اسکول وغیرہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ زمین مسلمانوں کے عمومی مفاد کے لئے اس شخص نے دے دی ہے اور اب اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہورہا ہے، تو سب کے مشورہ سے اس زمین کو ایسے کام میں لانا درست ہے، جس میں عمومی نفع

---

(۱) ''پرچہ: خط، چٹھی، ٹکڑا''۔ (فیروز اللغات، ص:۳۰۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) ''بیگھہ: زمین کا ایک ناپ، چار کنال یا ۸۰ مرلے''۔ (فیروز اللغات، ص:۲۷۱، فیروز سنز لاہور)

(۳) ''کٹھا: پانچ سیر غلے کا پیمانہ، ایک درخت، زمین کا ایک پیمانہ، جو بیگھے کا بیسواں حصہ ہوتا ہے''۔ (فیروز اللغات، ص:۱۰۵۱، فیروز سنز لاہور)

ہو، مثلاً: وہاں مکتب یا مدرسہ بنا دیا جائے، جس میں سب دینی تعلیم حاصل کریں (۱)، جہاں تک ہو سکے اس کو فروخت نہ کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۸/۱۳۹۹ھ۔

وقف شدہ ویران کنواں دے کر اس کے عوض میں نیا کنواں بنوانا

سوال [۱۰۷۵۳]: ۱۔۔۔۔۔ تقریباً پندرہ سال قبل زید نے ایک کنواں بنوا کر رفاہِ عام کے لئے وقف کر دیا، لیکن تقریباً پانچ چھ سال سے کوئی بھی اس کنوئیں کو استعمال میں نہیں لاتا، مطلب یہ ہے کہ ویران پڑا ہوا ہے اور مذکورہ کنواں بکر کے دو مکانوں کے درمیان میں پڑتا ہے، تو بکر نے زید سے مطالبہ کیا کہ کنواں مجھے دے دو اور آپ لوگوں سے گاؤں میں جہاں زیادہ استعمال ہو سکے اور عوام فائدہ اٹھا سکے، وہاں کنواں بنا کر وقف کر دو اور نیا کنواں بنانے میں جتنا خرچ ہوگا وہ میں دوں گا۔

۲۔۔۔۔۔ اب کیا زید شرعی اعتبار سے ویران کنواں بکر کو دے کر نیا بنا سکتا ہے یا نہیں؟

۳۔۔۔۔۔ اور بکر وقف کا ویران شدہ کنواں کا بدل دے کر اپنا ذاتی مکان اس جگہ بنا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱۔۔۔۔۔ اگر اس کی اصلاح کر کے اس کو کار آمد نہیں بنایا جا سکتا اور اس کا جو نفع تھا وہ حاصل نہیں ہوتا اور زید

---

(۱) "وأما المقبرة الداثرة إذا بنى فيها مسجد ليصلى فيه، فلم أر فيه بأسا؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد فمعناهما واحد". (عمدة القارئ شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية: ۴/۲۵۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"إنما يحل للمتولي الإذن فيما يزيد الوقف به خيراً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب إنما يحل للمتولي الإذن ...... الخ: ۴/۴۵۴، سعيد)

(۲) "إذا تم ولزم لايملك ولا يملك ولا يعار ولايرهن". (الدرالمختار). (قوله لايملك) أي: لايكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك أي: لايقبل التمليك لغيره بالبيع، ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

اتنی رقم بکر کو دے کر جس سے کارآمد کنواں بنا کر وقف کر دیا جائے اور اس سے سب فائدہ اٹھائیں، تو شرعاً یہ صورت درست ہے(۱)۔

۲......اس تبادلے کے بعد بکر اس جگہ اپنا ذاتی مکان بنا سکتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

کنوئیں کا جنگلہ فروخت کر کے مسجد کا کواڑ بنوانا

سوال[۱۰۷۵۴]: حضرت مفتی صاحب!

سلام مسنون

احقر کے محلّہ کی مسجد میں تعمیر لگی ہوئی ہے، محلّہ بہت غریب ہے، اس وقت باہر کے دروازہ کے لئے

---

(۱) "والثاني: أن لايشترطه ...... لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيء أصلاً، أو لايفي بمؤنته فهو أيضاً جائز على الأصح ...... ولو صارت الأرض بحال لاينتفع بها ...... ويجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية، وأن لايكون هناک ريع للوقف، يعمر به، وأن لايكون البيع بغبن فاحش". "والثالث أن لايشترطه، ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خير منه ريعاً ونفعاً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف: ۴/۳۸۴، ۳۸۶، سعيد)

"الوقف إذا صار بحيث لاينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۸، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الرابع فيما يتعلق بالشرط: ۲/۴۰۱، رشيديه)

(۲) "وأما حكمه: ...... فثبوت الملک في المبيع للمشتري وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۳/۴، دارالمعرفة بيروت)

"لأن الملک مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک: ۴/۵۰۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع: ۳/۴، رشيديه)

کواڑوں کا مسئلہ ہے، دریافت طلب یہ ہے کہ مسجد ہٰذا میں ایک لوہے کا جنگلہ ہے جو کہ کنوئیں پر ڈھکا رہتا ہے، لیکن اب کنواں بند ہوجانے کی وجہ سے بیکار پڑا ہے، اگر اسے فروخت کر کے کواڑ بنوا لئے جائیں تو شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس میں قباحت نہیں، اجازت ہے (۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کے لئے زمین وقف کرنے کے بعد اس کے بدلنے کا اختیار ہوگا یا نہیں؟

سوال [۱۰۷۵۵]: زید نے اپنی مملوکہ زمین میں مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دے دی، تعمیر شروع

---

(۱) اگر جنگلہ وقف کا ہے تو اس کا بیچنا جائز نہیں، الا یہ کہ وہ قابل انتفاع نہ رہے۔

"الوقف إذا صار بحيث لاينتفع به المساكين، فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۸، رشيديه)

"ولو صارت الأرض بحال لاينتفع بها، والمعتمد أنه يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية، وأن لايكون هناك ريع للوقف، يعمر به، وأن لايكون المبيع بغبن فاحش". (الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الوقف: ۲/۴۰۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۴-۳۸۶، سعيد)

اور اگر مسجد کی آمدنی سے خریدا گیا ہے تو بوقتِ ضرورت ومصلحت بیچنا جائز ہے، اگرچہ وہ قابل انتفاع ہو۔

"أما إذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لايكون وقفاً فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۷، سعيد)

"المتولي إذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلاً جاز ...... فإن أراد المتولي أن يبيع ما اشترى أو باع اختلفوا فيه ...... قال بعضهم: يجوز هذا البيع وهو الصحيح". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم: ۲/۴۶۲، رشيديه)

ہوئی، مگر زید کے اعزہ واقارب نے زید کومشورہ دیا کہ یہ زمین مت دو، مناسب نہیں ہے، یہ مشورہ زید کو اچھا معلوم ہوا اور تعمیر کرنے والوں سے کہا کہ میری یہ زمین خالی کرادو، اس کے عوض دوسری جگہ لے لو، لیکن تعمیر کرنے والوں کا کہنا ہے کہ زید اس کی قیمت وصول کرلے، مگر یہ مذکورہ بالا زمین زید کے ایسے موقع پر واقع ہے کہ تعمیر کرنے والے حضرات اس کو صحیح قیمت نہیں دے سکتے، ایسی صورت میں زید مذکورہ بالا زمین کا عوض دے کر واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر لے سکتا ہے تو اس میں تصرفات زید کی کوئی تخصیص ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زید نے اپنی مملوکہ زمین میں مسجد بنانے کی اجازت دے دی اور اپنا مالکانہ قبضہ ہٹالیا اور مسجد کی تعمیر شروع بھی ہوگئی، سواَب زید اس کو واپس نہیں لے سکتا (۱)، البتہ حقِ تولیت میں زید سب پر مقدم ہے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وعن محمد رحمه الله تعالىٰ عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: إذا جعل أرضه وقفاً على المسجد وسلم جاز ولايكون له أن يرجع". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۱، رشيديه)

"قال من اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه، ولا يبيعه، ولا يورث عنه؛ لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۵، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "قال أبويوسف: الواقف أحق بتوليته، ثم وارثه، ثم عشائره". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السادس في الولاية في الوقف: ۵/۲۰۵، قديمى)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۷، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السادس في الولاية في الوقف: ۷/۴۲، حقانيه پشاور)

باب ولاية الوقف

(تولیتِ وقف کا بیان)

متولی کس کو کہتے ہیں؟

سوال[۱۰۷۵۶]: شرعی متولی کسے کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص وقف کی نگرانی اور انتظام کرے، وہ متولی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۱۵ھ۔

مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہیے؟

سوال[۱۰۷۵۷]: پونہ کی چند مسجدوں میں ووٹنگ کے ذریعہ متولی چنے جارہے ہیں، اس کے لئے کیا مسئلہ ہے؟ متولی حضرات مسجد کے کیسے ہونے چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا متولی ایسے آدمی کو بنایا جائے، جو امانت دار ہو، سمجھ دار ہو، مسجد کے انتظام کی صلاحیت رکھتا ہو، مسجد اور نماز سے محبت کا تعلق رکھتا ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۵ھ۔

---

(۱) "المتولي: من تولى أمر الوقف، وقام بتدبيرها". (قواعد الفقه، الرسالة الرابعة التعريفات الفقهية، ص: ۴۶۴، مير محمد كتب خانه)

(۲) "وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن ولاية النظر مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لايحصل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه) .... =

حق تولیت کی تقسیم

سوال[۱۰۷۵۸]: ۱-مسماۃ نبولی نے اپنی زندگی میں اپنی جائیداد وقف علی الاولاد کی، جس کا متولی اپنے لڑکے محمود الحسن کو بنایا، وقف نامہ میں آئندہ تولیت کے لئے حسبِ ذیل شرائط مقرر کیں، جب کہ مساۃ کے لڑکے محمود الحسن کو مقرر کیا۔

۲-محمود الحسن کے بعد اگر اولاد ذکور نہ ہوتو وہ اپنی ہر دو بیویوں میں سے جس بیوی کو چاہیں، محمود الحسن متولیہ قرار دیں وہ متولیہ ہوگی۔

۳-محمود الحسن کے عدم تعین کی صورت میں اس کی دونوں بیویوں میں سے عمر کے اعتبار سے جو بڑی ہوگی، وہ متولیہ ہوگی۔

۴-محمود الحسن کے سلسلہ ذکور میں سے جو لڑکا خواندہ ہوگا، وہ متولی ہوگا۔

۵-متولیان مابعد کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے بجائے اپنے سلسلہ ذکور واناث میں سے کسی کو بذریعہ تحریر رجسٹر شدہ متولی مقرر کردیں۔

قابلِ استفسار امر یہ ہے کہ مذکورہ شرائط تولیت کی روشنی میں وہ زوجہ جس سے محمود الحسن نے وقف نامہ کی تحریر کے بیس سال بعد عقد کیا اور جو تیسری زوجہ کی حیثیت رکھتی ہے اور محمود الحسن کے انتقال کے وقت وہ جملہ زوجگان میں عمر کے اعتبار سے بھی کم ہے، تو کیا یہ زوجہ یا اس کی اولاد مذکورہ شرائط وقف کے تحت متولی ہوسکتی ہے؟ جب کہ محمود الحسن کی زوجۂ دوم جو محمود الحسن کی وفات پر متولیہ مقرر ہوئی تھی، حسبِ شرائط وقف نامہ تولیت کو اپنی لڑکی کے نام منتقل کرچکی تھی اور اب دفعہ نمبر ۵ تحریر رجسٹری کے ذریعہ مرحومہ کی متولیہ کی لڑکے نے تولیت باضابطہ اپنی لڑکی کے نام منتقل کردی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زوجہ سوم اور اس کی اولاد اناث کو شرائط تولیت کے پیش نظر حق تولیت حاصل نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/۴۰۸، رشيديه)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۳ھ۔
الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، ۹۲/۲/۱۳ھ۔

مسجد کے لئے متولی تجویز کرنا

سوال[۱۰۷۵۹]: مستری یامین ریلوے اسٹیشن مسجد کے متولی ہیں، یہ مسجد وقف بورڈ میں نہیں ہے اور نہ ہی مستری یامین وقف بورڈ کی طرف سے متولی ہیں، مستری یامین ۱۹۵۵ء سے یعنی ۲۵/ سال سے اس کے متولی ہیں، اس مسجد میں مستقل امام نہیں رہتا، صرف جمعہ ہوتا ہے، ہر جمعہ کو تقریباً بارہ تیرہ روپیہ چندے کے آتے ہیں اور دو کوٹھریوں کا کرایہ ۱۹/ روپیہ ماہوار آتا ہے، مستری یامین سے اگر کسی نے حساب کو کہا تو حساب نہیں دیتے، جمعہ کے چندہ کو گھر لے جاکر رکھ دیتے ہیں، کوئی رجسٹر وغیرہ بھی نہیں ہے، اپنی ذاتی معاملہ اور ذاتی روزگار بنا رکھا ہے، کچھ دنوں سے دو ایک صاحبان کی یہ رائے ہے کہ اس میں مستقل امام رکھا جائے اور جمعہ کا چندہ جو کچھ بھی آتا ہے، اس کا حساب لگا کر باقی اپنے پاس سے امام کی تنخواہ پوری کردی جائے، لیکن مستری صاحب چندہ کو اپنے پاس ہی رکھنا چاہتے ہیں، ان کا یہ کہنا ہے کہ چندہ سے کوئی مطلب نہیں، امام کی ماہواری تنخواہ کہیں سے پوری کی جائے۔

پھر کچھ صاحبان کی یہ رائے ہے کہ جب مستقل امام بھی نہیں رکھنا چاہتے اور چندہ بھی نہیں چھوڑنا چاہتے اور کوئی حساب وغیرہ کا رجسٹر بھی نہیں ہے تو اس چندہ کو اعلانیہ بند کرادیا جائے۔

اب آپ براہِ کرم اس کی پشت پر مفصل تحریر کریں کہ چندہ اعلانیہ بند کرادیا جائے یا نہیں؟ اور مسجد میں مستقل امام رہنا ضروری ہے یا نہیں؟ صرف آپ کے جواب پر منحصر ہے، یہ فیصلہ شدہ بات ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی کا فریضہ ہے کہ وہ مسجد کی آمدنی کا حساب اور مسجد کا نظم اذان اور جماعت کا اہتمام رکھیں، محض

= الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، إمداديه كوئٹه)

چندہ وصول کرنے کے لئے متولی نہیں ہوتا (۱)، اگر فہمائش کے باوجود متولی صاحب امام کا انتظام نہ کریں تو وہاں کے مقامی لوگ کسی مناسب آدمی کو امامت کے لئے تجویز کردیں (۲) اور اعلان کردیں کہ امام صاحب کو تجویز کردیا گیا ہے، چندہ سے ان کی تنخواہ پوری کی جائے گی، لہٰذا چندہ دینے والے حضرات امام صاحب کو چندہ دیا کریں اور امام صاحب باقاعدہ رجسٹر بنا کے چندہ کا حساب رکھیں، اسی طرح کرایہ کی آمدنی کا انتظام کردیا جائے اور چند آدمی مل کر وقف بورڈ میں درخواست دے کر متولی اور وقف کمیٹی کا تقرر کرالیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لايحصل به". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

"وظيفة الناظر عند التفويض العام له حفظ الوقف وعمارته وإيجاره وزرعه والمخاصمة فيه وتحصيل الغلة من أجرة أو زرع أو ثمر وقسمتها بين المستحقين، وحفظ الأصول والغلات على الاحتياط ...... الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الوقف، الفصل العاشر ناظر الواقف: ۷۶۸۸/۱۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في الولاية: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(۲) "وأما نصب المؤذن والإمام فقال أبونصر: لأهل المحلة وليس الباني أحق منهم بذلک، وقال أبوبكر الإسكاف: الباني أحق بنصبها من غيره كالعمارة، قال أبو الليث: وبه نأخذ إلا أن يريد إماماً ومؤذناً، ويريدون الأصلح، فلهم أن يفعلوا ذلک". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۸۹/۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴۳۰/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۳۲/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) "ويرجع إلى القاضي في النصب (نصب المتولي) وكذافي فتح القدير". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في الولاية: ۴۲۶/۲، رشيديه)

"ثم إذا مات المشروط له بعد موت الواقف ولم يوص لأحد فولاية النصف للقاضي".

(الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۲۳/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف: ۵۰۵/۵، قديمي)

مؤذن اور امام مقرر کرنے کا حق کس کو ہے؟

سوال[۱۰۷۶۰]: ہدایہ اولین کے اندر کتاب الوقف کے اندر لکھا ہوا ہے کہ:

"ولنا أن المتولي إنما يستفيد الولاية من جهته بشرطه، فيستحيل أن لايكون له الولاية، وغيره يستفيد الولاية منه، ولأنه أقرب الناس إلى هذا الوقف، فيكون أولىٰ لولايته، كمن اتخذ مسجداً يكون أولىٰ بعمارته ونصب المؤذن فيه. فيكون أولىٰ بعمارته الخ. أما العمارة فلا خلاف فيه أنه أولىٰ به وأما نصب المؤذن والإمام فقال أبو نصر: هو لأهل المحلة، وليس الباني أحق منهم، وقال أبوبكر الإسكاف الباني أحق بنصبهما قال أبوالليث: وبه نأخذ إلا أن يريد إماماً ومؤذناً والقوم يريدون الأصلح" ۱۲ ف(۱).

ترجمہ: ''اور ہمارے لئے دلیل یہ ہے کہ متولی سوائے اس کے نہیں کہ فائدہ اٹھائے گا ولایت کا اس واقف کی طرف سے یا اپنی طرف سے اس واقف کی شرط کے ساتھ، پس محال ہوگا یہ کہ نہ ہو اس کے لئے ولایت اور اس کے علاوہ غیر آدمی فائدہ اٹھائے ولایت کا اس سے (یہ بات محال ہے) اور اس لئے وہ زیادہ قریب ہے لوگوں سے اس وقف کی طرف، پس ہوجائے گا وہ بہتر اس وقف کی ہوئی چیز کی ولایت کے لئے، جیسا کہ کسی نے بنادیا ہے ایک مسجد تو ہوتا ہے وہ بانی بہتر اس مسجد کی عمارت بنانے میں اور مؤذن رکھنے میں اس میں، بہرحال عمارت بنانا پس نہیں ہے کوئی خلاف اس میں کہ بے شک وہ بانی بہتر ہے اس مسجد کی عمارت بنانے میں اور بہرحال امام اور مؤذن کو رکھنا۔ پس کہا ابونصر نے کہ وہ کام (صرف) اہل محلّہ کے لئے ہے، (یعنی ذی علم مصلیوں کے لئے ہے) اور نہیں ہے بانی زیادہ حق دار ان محلّہ والوں سے (یعنی ان ذی علم مصلیوں سے)۔ اور کہا ابوبکر الاسکاف نے کہ بانی زیادہ حق دار ہے ان دونوں کے رکھنے کا۔ کہا ابواللیث نے اور

(۱) (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۲۴۳، شركة علمية ملتان)

اسی کو ہم لوگ پکڑتے ہیں (یعنی ابوبکر الاسکاف کے قول کو ہم لوگ لیتے ہیں اور اسی پر ہم لوگ عمل کرتے ہیں) مگر یہ کہ ارادہ کرے بانی امام رکھنے کا اور مؤذن رکھنے کا اور قوم بھی ارادہ کریں زیادہ صالح کا"۔

تشریح

یہاں پر ان عربی عبارتوں کو سمجھنے کے لئے عربی سمجھنے والوں کے لئے سمجھنا بہت آسان ہے، پھر بھی میں کچھ تفصیل سے بیان کررہاہوں، وہ یہ کہ:

واقف وہ شخص ہے جو اپنی ذاتی شرائط کے ساتھ یا بغیر شرائط کے کوئی چیز یا کوئی جائیداد یا کوئی آمدنی اللہ کے نام پر وقف کردے یا وقف کرتا رہے اس کو واقف کہتے ہیں، لیکن جب تک کہ وہ واقف وقف نہیں کرے گا، تب تک وہ چیز یا وہ جائیداد یا وہ آمدنی وقف نہیں ہوگی، جیسا کہ کوئی کسی جائیداد کی آمدنی کو کسی مسجد میں وقف کرتا رہتا ہے، تو اس سے ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ اس جائیداد کی آمدنی کو ہمیشہ کے لئے وقف کرتے رہنا پڑے گا یا ہمیشہ کے لئے وقف ہوگیا ہے، ایسا نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ واقف جس وقت چاہے گا اسی وقت اس جائیداد کی آمدنی کو عطا کرنے سے بند کرسکتا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ جیسا کہ کسی نے ایک جائیداد کو یا اس کی آمدنی کو بیس سال یا تیس سال کے لئے یا جتنے دنوں کے لئے چاہا، وقف کرکے گیا اور اس کا ایک متولی بھی بنا کر گیا اور یہ شرط کرکے گیا ہے کہ اس آمدنی کا اتنا حصہ غریبوں کو تقسیم کرنا اور اتنا حصہ فلاں مسجد میں دینا یا کسی مسجد میں دینا اور اتنا حصہ ایسا ایسا کرنا اور اتنے سالوں کے بعد سب کو دینا بند کردینا، تو اس متولی کو ان شرائط کے مطابق کرنا ضروری ہوگا اور ایسا کرنا صحیح ہوگا، لیکن بانی المسجد وہ شخص ہے جو کہ صرف بنادیا ہے ایک مسجد اللہ کے لئے، لیکن وقف نہیں کیا ہے اور مصلی لوگ اس میں پانچوں وقت نماز اور جمعہ کی نماز پڑھنے لگ گئے ہیں اور وہ بانی ان لوگوں کو روکا نہیں ہے۔ تو ایسی صورت میں اگر مصلی نے صرف ایک مرتبہ پانچوں وقت کی نماز اور جمعہ کی نماز اس میں پڑھ لیا ہو، تو ہوگئی ہے وہ مسجد اللہ کے لئے، چاہے وہ بانی وقف کرے چاہے نہ کرے۔

پس شرعاً اس میں اس بانی کا کوئی اور حق نہیں رہا ہے کہ وہ بانی اس مسجد کو وقف نہ کرنے کی وجہ سے پھر واپس لے سکتا ہے، ایسا نہیں ہوسکتا ہے یعنی نمازیوں کو نماز پڑھنے سے بھی روک نہیں سکتا ہے اور مسجد کو توڑ کر اس

زمین کو بھی واپس نہیں لے سکتا ہے، اگر چہ اس زمین کو وقف بھی نہ کیا ہو، تو بھی وہ بانی اس زمین کو واپس نہیں لے سکتا ہے، اس لئے یہاں پر بانی المسجد اور واقف کے درمیان بہت بڑا فرق ہے، یعنی واقف اپنی شرائط کے ساتھ زمین کو واپس لے سکتا ہے، لیکن بانی المسجد کسی شرائط کے ساتھ بھی مسجد کو توڑ کر زمین کو واپس نہیں لے سکتا ہے، اس لئے یہاں پر بانی المسجد اور واقف کے درمیان بہت بڑا فرق ہے اور اسی وجہ سے وقف کی ہوئی چیزوں کا متولی واقف کے قول کے مطابق ہوگا۔

لیکن بانی المسجد پر وقف کرنا ہی ضروری ہے نہ ہونے کی وجہ سے۔ اور بانی المسجد کی شرائط پر عمل کرنا بھی ضروری نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کا متولی وہی شخص ہونے کا لائق ہے جو مکانی علماء اور متدین ذی علم مصلیوں کی رائے سے لائق سمجھا جائے اور منظور ہو، وہی شخص مسجد کا متولی بننے کے زیادہ حق دار اور زیادہ صحیح ہوگا اور اگر کسی مسجد کا متولی پہلے سے بنا ہوا ہو اور وہ آدمی نیک ہو اور شرعی احکام کے مطابق چلنے والا اور عمل کرنے والا آدمی ہو اور نظام مسجد کو احکام شرعی کے مطابق چلانے والا ہو کہ جس سے متدین ذی علم مصلی لوگ اس کے کاموں سے خوش اور راضی ہیں، تو ایسی صورت میں وہی متولی قائم رہنے کے لئے حق دار ہوگا اور قاضی یا حاکم اس کو ہی متولی قائم رکھے گا اور اگر ایسا نہ ہو یعنی پہلے سے جو متولی ہے وہ اگر مسجد کی امانت میں خیانت کرنے لگے اور مسجد کی آمدنی خود کھانے لگے اور نظامِ مسجد کو احکام شرعی کے مطابق نہ چلانے لگے، جس سے عام مصلیوں کو تکلیفیں اور متدین ذی علم مصلی لوگ سخت ناحق سمجھنے لگیں جس کی وجہ سے وہ لوگ سخت ناخوش ہیں تو ایسی صورت میں ان مصلیوں کی رائے سے جو آدمی اچھا اور لائق ہوگا وہی شخص متولی بننے کے لئے زیادہ حق دار ہوگا اور اس کو قاضی یا حاکم متولی بنادے گا۔

ان تمام بیانات سے یہ معلوم ہوا کہ مسجد کے متولی کا ہر کام متدین ذی علم مصلیوں کے پسندیدہ ہونا ضروری ہے، یہاں یعنی اس مذکورہ عربی عبارتوں کے اندر جو ''اِلا'' لفظ آیا ہے، وہ ''اِلا'' ایک ایسا لفظ ہے جس کو لفظ مستثنیٰ کہا جاتا ہے، یعنی اِلا کے پہلے جو جملہ ہوتا ہے، اس کو مستثنیٰ منہ کہا جاتا ہے اور اس اِلا کے بعد جو جملہ ہوتا ہے اس کو مستثنیٰ کہا جاتا ہے، یعنی اس اِلا کے بعد والے جملہ کا مطلب اس پہلے والے جملے کے برعکس ہوتا ہے، خلاف ہوتا ہے، یعنی الٹا ہوتا ہے، چاہے وہ بعد والے جملہ کا مطلب صاف ہو، چاہے صاف نہ ہو اور چاہے وہ بعد والا جملہ لمبا ہو چاہے مختصر ہو۔

اس لئے یہاں پر جو جملہ فقیہ ابو اللیث نے کہا ہے اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ کہا ابو اللیث نے اور اسی کو ہم لوگ پکڑتے ہیں، یعنی ابوبکر الاسکاف کے قول کو ہم لوگ لیتے ہیں اور اسی پر ہم لوگ عمل کرتے ہیں، یعنی یہ بات ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بانی المسجد زیادہ حق دار ہے، امام ومؤذن کو رکھنے کا، مگر رکھنے کا تو اس وقت ذی علم مصلیوں کا ارادہ زیادہ صحیح ہوگا اور اگر ذی علم مصلی لوگ کوئی ارادہ ظاہر نہ کئے ہوں تو معلوم ہوا کہ بانی کا ارادہ ذی علم مصلی لوگوں کے نزدیک پسندیدہ ہوگیا ہے، اس وجہ سے ذی علم مصلی لوگوں نے کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا ہے، اس لئے بانی کا ارادہ صحیح رہے گا اور اگر ذی علم مصلی لوگ کوئی ارادہ ظاہر کریں گے تو بانی کا ارادہ صحیح نہیں رہے گا، یعنی بانی کا ارادہ باطل ہوجائے گا۔

معلوم ہوا کہ ذی علم مصلیوں کی رائے ماننا ضروری ہے ان تمام مذکورہ عربی عبارتوں سے یہ معلوم ہوا کہ واقف کا بنایا ہوا متولی زیادہ بہتر ہے، وقف کی ہوئی چیزوں کا متولی بننے کے لئے اور بانی المسجد کا بنایا ہوا مؤذن زیادہ بہتر ہے مؤذن کے لئے، اگر ذی علم مصلی لوگ کوئی ارادہ ظاہر نہ کریں۔

پس معلوم ہوا کہ جیسا بانی المسجد بہتر ہے عمارت بنانے میں اور مؤذن رکھنے میں، ذی علم مصلیوں کی مرضی کے مطابق، ویسا ہی واقف کا بنایا ہوا متولی وقف کی ہوئی چیزوں کا متولی بننے کے لئے بہتر ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ مؤذن رکھنے کے لئے متولی ہرگز بہتر نہیں ہے، بلکہ ذی علم مصلیوں کی رائے سے جو آدمی اچھا ثابت ہوگا، وہی مؤذن بننے کے لئے بہتر ہوگا۔

ان تمام باتوں سے یہ معلوم ہوا کہ جب بانی کا ہی کوئی حق نہیں ہے، امام بنانے کا اور مؤذن بنانے کا، ذی علم مصلیوں کی مرضی کے خلاف تو متولی کا حق کہاں سے آئے گا؟ ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ امام ومؤذن کو رکھنے یا ہٹانے کے بارے میں ذی علم مصلیوں کی مرضی کے خلاف بانی یا متولی کا کوئی پاور نہیں ہے، یعنی جب کسی امام یا مؤذن کو رکھنے کا یا ہٹانے کا ہو، تو ذی علم مصلیوں کی رائے لینا یا رائے ماننا ضروری ہوگا؟

۱...... کیا میرا یہ ترجمہ کرنا صحیح ہوا؟ اگر کہیں بھول ہوئی ہو، تو اصلاح کردینا۔

۲...... کیا میری یہ تشریح صحیح ہوئی؟ اگر کہیں بھول ہوئی ہو، تو اصلاح کردینا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے ترجمہ وتشریح میں چند امور پر برائے غور نمبر لگا کر کچھ عرض کرتا ہوں:

۱-قول (یا اپنی طرف سے) یہ کس لفظ سے مستفاد ہے، یعنی "من جهته" کی ضمیر میں اس کا احتمال کہاں سے پیدا کیا گیا، اصل عبارت میں تو یہ موجود نہیں ہے۔

۲-قول (قوم بھی ارادہ کریں زیادہ صالح کا) اس لفظ "بھی" سے معلوم ہوتا ہے کہ بانی اور قوم دونوں نے زیادہ صالح کو ہی تجویز کیا ہے۔ پھر اختلاف کیوں رہا کہ کسی ایک کے رکھے ہوئے کو ترجیح دی جائے۔

۳-اس کا املا "جیم" سے ہے "ز" سے نہیں ہے۔

۴-اپنی ذاتی ملک کی آمدنی سے مسجد میں دیتے رہنا شرعی طور پر وقف نہیں، پس اس جگہ لفظ "وقف" کا استعمال صحیح نہیں۔

۵-مگر جو زمین مسجد کے لئے وقف کردہ ہے، اس کو واپس نہیں لے سکتا (۱)۔

۶-بغیر وقف کئے ہی وہ وقف ہوگئی۔

۷-ابواللیث (فقیہ رحمہ اللہ تعالیٰ) کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ ابوبکر الاسکاف کا قول ہمارے لئے قابلِ اعتماد ہے، یعنی امام ومؤذن مقرر کرنے کے لئے بانی زیادہ حق دار ہے، اہلِ محلّہ زیادہ حق دار نہیں، مگر اس صورت میں کہ بانی نے جس امام ومؤذن کو مقرر کیا، اس کے مقابلہ میں قوم (اہلِ محلّہ) نے زیادہ صالح کو مقرر کیا تو اس صورت میں اہلِ محلّہ کے مقرر کئے ہوئے کو ترجیح ہوگی (۲)۔

---

(۱) "وعن محمد رحمه الله تعالىٰ عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: إذا جعل أرضه وقفاً على المسجد وسلم جاز ولايكون له أن يرجع". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۱/۲، رشيديه)

"قال: ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه، ولا يبيعه، ولا يورث عنه؛ لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۵/۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۳۲/۶، مصطفىٰ البابي الحلبى مصر)

(۲) "وأما نصب الإمام والمؤذن فقال أبونصر: لأهل المحلة، وليس الباني للمسجد أحق منهم بذلک، وقال أبوبكر الإسكاف: الباني أحق بنصبهما من غيره كالعمارة، قال أبوالليث: وبه تأخذ إلا أن يريد إماماً ومؤذناً ويريدون الأصلح، فلهم أن يفعلوا ذلک". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۸۹/۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴۳۰/۴، سعيد) .... =

۸- اگر بانی صالح مؤذن مقرر کرے تو وہ دوسروں کی رائے کا پابند نہیں (۱)۔

۹- اس کو حق ہے کہ بغیر اہل محلّہ کے مشورہ کے کسی صالح اور اہل شخص کو امام یا مؤذن تجویز کردے (۲)۔

۱۰- صالح کو امام بنانے اور غیر صالح کو برطرف بھی کرنے کا اس کو حق ہے، اہل محلّہ کو اعتراض کا حق اس وقت حاصل ہوگا، کہ وہ نااہل اور غیر صالح کو امام بناوے اور صالح اہل کو امام نہ بناوے (۳)۔

تنبیہ: بہتر یہ ہے کہ چند اہلِ فہم متدین حضرات کی کمیٹی بنالی جائے، اس کے مشورہ سے کام کیا جائے، تاکہ فتنہ برپا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بانی مسجد امام کے تقرر کا زیادہ حق دار ہے

سوال [۱۰۷۶۱]: کیا درمختار، شامی یہ کتاب حنفیہ مذہب کی کتاب ہے، اس کتاب کے تیسرے حصے کتاب الوقف میں لکھا ہے:

"البـاني للمسجد أولىٰ من القوم بنصب الإمام والمؤذن في المختار، إلا إذا عيّن القوم أصلح ممن عيّنه الباني؛ لأن منفعة ذلك ترجع إليهم" (٤).

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ٢٣٢/٦، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(١) "وإن تنازعوا في نصب الإمام والمؤذن مع أهل المحلة، إن كان ما اختاره أهل المحلة أولى من الذي اختاره الباني، فما اختاره أهل المحلة أولىٰ، وإن كانا سواء فمنصوب الباني أولىٰ". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف: ١١٠/٢، ١١١، إدارة القرآن كراچی)

(٢) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(٣) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(٤) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ٤٣٠/٤، سعيد)

"البـانـي أولىٰ من القوم بنصب الإمام والمؤذن في المختار، إلا إذا عيّن القوم أصلح مما عيّنه".

(مجمع الأنهر، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ٢٠٣/٢، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وأما نصب المؤذن والإمام فقال أبونصر: لأهل المحلة، وليس الباني للمسجد أحق منهم بذلک، وقال أبوبكر الإسكاف: البائي أحق بنصبهما من غيره كالعمارة، قال أبو الليث: وبه نأخذ إلا أن =

اس کا ترجمہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں! یہ حنفی مذہب کی کتاب ہے، مطلب یہ ہے جس نے مسجد بنائی وہی مؤذن اور امام اس مسجد میں تجویز کرے تو یہ زیادہ مناسب ہے، البتہ اگر وہاں نماز پڑھنے والے کسی ایسے شخص کو تجویز کریں، جس میں زیادہ اہلیت وصلاحیت ہو تو پھر اسی کو ترجیح ہوگی، اس لئے کہ زیادہ صالح اور اہل کی تجویز کرنے کی مصلحت ومنفعت نمازیوں کو ہی حاصل ہوگی، یہ کہ اذان صحیح وقت پر ہوگی اور جماعت میں سنتوں اور مستحبات کا بھی اہتمام ہوگا، جس سے نماز کا درجہ بلند ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۵ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۶ھ۔

حساب کتاب نہ دینے والے متولی کا حکم

سوال [۱۰۷۶۲]: بکر کو باتفاق نمازیوں کے ایک مسجد کا متولی بنادیا گیا، جب عمر کے علم میں آیا تو اس نے آکر نمازیوں کو خوب ڈانٹا اور دھمکایا اور کہا کہ اس کا متولی پہلے بھی میں تھا اور اب بھی میں ہی ہوں، عمر چونکہ دنیا دار، مالدار اور بااثر ہے، لوگ خاموش ہوگئے اور عمر متولی بن بیٹھا، عمر نے جس مسجد کا متولی اپنے کو بنایا ہے، اس کی آمدنی کے ذرائع ہیں، کچھ اوقاف ہیں، کچھ دکانیں ہیں، لوگ شادی بیاہ میں بھی روپیہ دیتے ہیں، چندہ بھی ہوتا ہے، لیکن عمر کوئی حساب نہیں دیتا، اگر حساب مانگا جاتا ہے تو لڑنے لگتا ہے، پولیس کی دھونس دیتا ہے اور کہتا ہے کہ متولی ہوں، جو چاہوں جہاں چاہوں اختیار کلی رکھتا ہوں کسی کو بولنے یا پوچھنے کا مجھ سے کوئی حق نہیں، عمر کا یہ عمل ہے اور وہ اپنے اس عمل پر بے حد مصر ہے، اصلاح ناممکن ہے، اگر عام مسلمان ان باتوں کی وجہ سے اس کو تولیت سے علیحدہ کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں یا نہیں؟ یہ متولی ان حالات میں نماز پڑھانا چاہے تو نماز اس کے پیچھے درست ہے یا نہیں؟

= يريد إماماً ومؤذناً يريدون الأصلح فلهم أن يفعلوا ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۹/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۳۲/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ انتظام اور حساب صحیح رکھتا ہے، خیانت ثابت نہیں تو الگ کرنے کی ضرورت نہیں (۱)، کہ اس میں فتنہ ہے، اس لئے کہ جب سب نے بالاتفاق بکر کو متولی بنایا، تو پھر اپنے اثر وقوت سے عمرز بردستی متولی بن گیا اور ڈانٹ ڈپٹ کرتا اور پولیس کی دھونس دیتا ہے، جس سے سب خائف ہیں، تو اس کو الگ کیسے کریں گے، اگر وقف کی آمدنی کی جانچ، وقف بورڈ سے کرانے کا انتظام کردیا جائے تو یہ صورت قابلِ اطمینان ہوگی (۳)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۹۱ھ۔

متولی کا وقف کی آمدنی کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا

سوال [۱۰۷۶۳]: ۱...... گوالپاڑہ میں ایک خراسانی پیر صاحب سید ابوالقاسم تھے، تقریباً صد

---

(۱) "وقد مناه أنه لايعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته، ولا يخرجه إلا بخيانة ظاهرة بينة". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

"وليس للقاضي عزل الناظر بمجرد شكاية المستحقين، حتى يثبتوا عليه خيانة". (الدر المنتقى شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"فإن طعن في الوالي طاعن لم يخرجه القاضي إلا بخيانة ظاهرة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في الولاية: ۲/۴۲۵، رشيديه)

(۲) "ويكره تقليد الفاسق، ويعزل به إلا لفتنة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۴۸، ۵۴۹، سعيد)

"(إلا لفتنة) أي: إلا إذا خيف حصول فتنة من عزله بسبب فسقه فلا يسعى في عزله؛ لأن ضرر الفتنة فوق ضرر خلعه". (تقريرات الرافعي، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۳۹، دارالمعرفة بيروت)

(۳) "قد علمت أن مشروعية المحاسبات للنظار، إنما هي ليعرف القاضي الخائن من الأمين، لا لأخذ شيء من النظار للقاضي وأتباعه. والواقع بالقاهرة في زماننا الثاني، وقد شاهدنا فيها من الفساد للأوقاف كثيراً بحيث يقدم كلفة المحاسبة على العمارة والمستحقين. وكل ذلك من علامات الساعة المصدقة لقوله عليه السلام ...... إذا وسد الأمر لغير أهله فانتظروا الساعة". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۸، رشيديه)

سال قبل رہتے تھے، اسی دوران موصوف کا ایک صاحبزادہ انتقال فرما کر مسلمانوں کے قبرستان میں مدفون ہوا، بعد صاحبزادہ کے موصوف علیہ الرحمۃ بھی چند سال بعد رحلت فرما گئے، جن کو سپرد خاک کئے ہوئے آج تقریباً پچھتر سال ہورہے ہیں اور موصوف کو بھی اسی عام قبرستان میں دفن کیا گیا، باپ بیٹے کی قبر میں صرف ایک پون ہاتھ کا تفاوت ہے۔

آج سے تقریباً بائیس تئیس سال قبل مذکور موصوف کا ایک پوتا محی الدین (عرف بابو) دوسری جگہ سے آکر خادم مقرر ہوئے اور آج تک قبرستان اور مزار شریف مذکور کی خدمت کرتے چلے آرہے ہیں، مسلمانانِ گوالپاڑہ اس خادم کی خدمت سے ناراض ہوئے، کیونکہ اس قبرستان کے سامنے لگائے ہوئے بکس میں جو رقم مزار شریف (قبرستان کے لئے) نذرو نیاز وخیرات کے طور پر آئی ہے، ان تمام روپوں کو خادم مذکور محی الدین صاحب اپنے ونیز اپنے اہل وعیال کے مصرف میں صَرف کرتے ہیں، قبرستان کی تولیت وحفاظت کا کام اچھی طرح پر انجام نہیں دیتے اور قبرستان کی قطعی حفاظت نہیں کرتے، قبرستان کے اندر بیل گائے اور کثرت سے خنزیر جیسے ناپاک جانور ہمہ وقت پیشاب پاخانے کیا کرتے ہیں، لیکن اس خادم صاحب کی طرف سے کوئی ممانعت نہیں ہوتی۔

اب مذکورہ قبرستان اور پیر صاحب کے مزار کی تولیت لے کر مسلمانانِ گوالپاڑہ کی انجمن خادم الاسلام اور خادم محی الدین صاحب کے درمیان نزاع چل رہا ہے، اس لئے بروئے شریعت مذکورہ بالا مسلم قبرستان کے سامنے سرکاری راستہ کے کنارے لگائے ہوئے بکس میں رقم عوام الناس مسلم وغیر مسلم جو دیتے ہیں، موصوف کے پردہ کرنے کے بعد ان رقموں کا حق دار انجمن گوالپاڑہ خادم الاسلام ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یا کہ حق دار موصوف کا پوتا ہی ہے؟ آیا ایسی رقموں کا کیا حکم ہے؟

جو متولی وقف کی خدمت نہ کرے، اس کو معزول کرنے کا حکم

سوال[۱۰۷۶۴]: ۲...... خادم مذکور محی الدین صاحب کو مزار شریف اور قبرستان کی خدمت کو صحیح طریقہ سے سرانجام نہ دینے اور اپنی خوشی سے بکس مذکور کی آمدنی کو اپنے کام میں خرچ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کی جماعت حل وعقد معزول کرسکتی ہے یا نہیں؟

وقف کی آمدنی کو غیر وقف میں خرچ کرنا

سوال[۱۰۷۶۵]: ۳...... مسلمانانِ گوالپاڑہ کی انجمن خادم الاسلام بکس کی آمدنی کے پیسہ کو قبرستان اور مزار شریف کی حفاظت اور دیگر بہتر کاموں میں صَرف کرنے کی حق دار ہوسکتی ہے یا نہیں؟ الغرض ان رقموں کو کن کن جگہ پر خرچ کیا جائے؟

آمدنی کے واسطے مزار اور قبرستان کے لئے صندوق لگانا

سوال[۱۰۷۶۶]: ۴...... قبرستان اور مزار شریف کے لئے جو روپے گرتے ہیں، ان روپوں کو جمع کرنے کے لئے بکس لگانے کا حق دار انجمن خادم الاسلام ہوسکتا ہے یا مرحوم موصوف کا ناتی (۱)؟

۵...... قرآن مجید سورۃ النساء کے آٹھویں رکوع میں ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾ سببِ نزول میں جو کلیہ عثمان بن ابی طلحہ جحمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روایت میں وارد ہوا ہے، اس کلیہ کے حکم پر بکس مذکور کی چابی کا حکم قیاس کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... پیسہ دینے والوں کا مقصد اگر صرف مزار کے خادم کی امداد واعانت ہے تو انجمن کو اس پر قبضہ کرنے اور دوسرے کاموں میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں (۲)، اگر عام قبرستان کی حفاظت کی خاطر دیتے ہیں تنہا مزار کے خادم کے لئے نہیں دیتے، تو پھر جو لوگ سب قبرستان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، ان کو حق ہے کہ وہ پیسہ لے کر حسبِ صوابدید قبرستان کی ضروریات میں صَرف کریں (۳)۔ عوام کے سامنے اس مسئلہ کو پیش

(۱) "ناتی: نواسہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۴۰۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) "ولايجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲/ ۴۴۴، إدارة القرآن كراچی)

"الواقف لو عين إنساناً للمصرف تعين حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۸۱، رشيديه)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بآخر مجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۳) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب =

کرکے ان کا نظریہ معلوم کرلیا جائے کہ وہ کس مقصد کے لئے دیتے ہیں، اگر کسی ایک بات پر اتفاق نہ ہو سکے تو دو صندوق قائم کردیئے جائیں، ایک مزار کے قریب جو صرف خادم مزار کے لئے ہو، دوسرا عام قبرستان کے لئے، دونوں پر امتیازی نشان لگا دیا جائے، یا لکھ دیا جائے۔

۲...... جب کہ خادم مذکور نے عام قبرستان کی خدمت وحفاظت کی ذمہ داری سے صاف انکار کردیا تو وہ خود ہی معزول ہوگیا(۱)، البتہ مزار کی خدمت کا وہ مقررہ ذمہ دار ہے، وہ مزار اس کے بڑوں کا ہے، عوام کو یہ تو حق نہیں کہ اس کے بڑوں کے مزار کی خدمت سے معزول کردیں (۲)، البتہ اگر وہ خدمت نہیں کرتا تو یہ حق ہے کہ جو

= الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، إمداديه)

(۱) متولی وقف اگر وقف کی ذمہ داریاں پوری نہ کرے تو وہ مستحق عزل ہوگا کہ قاضی اس کو معزول کرکے کسی ذمہ دار شخصیت کو متولی بنائے، البتہ وہ خود بخود معزول نہیں ہوگا۔

"وينزع وجوباً لو الواقف غير مأمون أو عاجزاً أو ظهر به فسق كشرب خمر ونحوه". (الدرالمختار). "وفي الجواهر: القيم إذا لم يراع الوقف يعزله القاضي ...... قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن ...... وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لايحصل به ...... وأن الناظر إذا فسق استحق العزل، ولا ينعزل كالقاضي على الصحيح المفتى به". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۴/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ المهدية، كتاب الوقف: ۲/۴۸، مكتبه عربية كويته)

(۲) "ومادام أحد يصلح للتولية من أقارب، لايجعل المتولي من الأجانب". (الدر المختار). "(قوله: ومادام أحد) ولايجعل القيم فيه من الأجانب ما وجد في ولد الواقف، وأهل بيته من يصلح لذلك".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب لايجعل الناظر من غير أهل الوقف: ۴/۴۲۴، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السادس في الولاية في الوقف: ۷/۴۲، حقانيه پشاور)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

معاوضۂ خدمت دیتے تھے، وہ دینا بند کردیں(۱)۔

۳......جس مقصد کے لئے یہ رقمیں دی جاتی ہیں، اسی مقصد میں خرچ کریں، بشرطیکہ وہ مقصد خلافِ شرع نہ ہو(۲)، اگر قبرستان کے علاوہ کسی دوسرے کارِ خیر میں صَرف کرنا چاہیں تو عامۃ الناس سے بذریعہ اعلان اجازت حاصل کرلیں جب خرچ کریں(۳)۔

۴......مزار کے لئے خادم کو حق ہے، قبرستان کے لئے اس کو حق ہے جو اس کی حفاظت ونگرانی کرے۔

۵......حکم اوپر مذکور ہے، قیاس کی ضرورت نہیں(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "القيم لايأخذ ما يأخذ إلا بطريق الأجر فلا يستوجب الأجر بلا عمل". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۵۰/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۳/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الأول: ۳۶۸/۲، رشيديه)

(۲) "شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالک، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۴۳/۴، سعيد)

"الواقف لو عيّن إنساناً للصرف تعين حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامناً". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۸۱/۱، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "بعث شمعاً في شهر رمضان إلى مسجد فاحترق وبقي منه ثلثه أو دونه ليس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذ بغير إذن الدافع". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۴۱۹/۵، رشيديه)

"وعن الثاني: ينقل إلى مسجد اخر بإذن القاضي، ومثله حشيش المسجد، وحصيره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر إليه". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها: ۸۷۷/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۴) "(وأن يتعدى الحكم الشرعي الثابت بالنص بعينه إلى فرع هو نظيره ولا نص فيه) هذا الشرط وإن =

واقف نے تولیت کے لئے کسی کو متعین کردیا تو اس کے خلاف کرنا

سوال[۱۰۷٦۷]: ۱......ایک مسلمان نے اپنی جائیداد وقف علی اللہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ تاحیات میں خود اس کا متولی ہوں گا اور بعد میری وفات کے زید متولی ہوں گے اور بعد وفات زید یا میری زندگی میں زید فوت ہوجائے، تو بعد میرے تولیت ایک کمیٹی کو پہونچے گی، جس کے تین مقتدر حضرات جو مذہب اسلام رکھتے ہوں اور ضلع مظفر نگر میں رہتے ہوں، منیجر ہوں گے، کیا واقف کو مندرجہ بالا واضح اور صاف ہدایت کی موجودگی میں ضلع مظفر نگر کے مسلمان باشندہ کے علاوہ کسی دیگر ضلع کے باشندہ کو بھی جو مظفر نگر ضلع میں سکونت پذیر نہ ہوں، وقف کمیٹی کا رُکن خلافِ مرضی وخلافِ منشاء واقف بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

۲......کیا ضلع غیر کے کسی فرد کو منیجر یا رکن بنا کر مسلمان مظفر نگر کی حق تلفی ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جب تک واقف کی بیان کردہ شرط کی رعایت ہوسکے، اس کے خلاف کرنا جائز نہیں۔

"لأن شرط الواقف كنص الشارع"(۱).

لہٰذا ضلع مظفر نگر ہی کے تین مقتدر ومتدین حضرات کو تولیت کا ذمہ دار بنایا جائے، تین کے علاوہ اگر کمیٹی کے لئے زائد افراد کی ضرورت پیش آئے، تو حسبِ مصالح غیر ضلع سے بھی لئے جاسکتے ہیں(۲)۔

= كان واحداً تسمية لكنه يتضمن شروطا أربعة ...... الرابع عدم وجود النص في الفرع". (نور الأنوار، بحث القياس، ص: ۲۴۱، رحمانيه)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب مراعاة الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲٦، إمداديه)

(۲) "نعم! لو ثبت بالوجه الشرعي عدم كفاية المشروط له النظر للقيام بأمور الوقف، يضم القاضي له شريكاً في النظر للقيام بالمصالح على سبيل الاشتراك". (الفتاوىٰ المهدية، كتاب الوقف: ۲/۴۹۷، مكتبه عربية كوئٹه)=

۲...... منیجر کی حیثیت سے تو ضلع غیر کے آدمی بلا مجبوری کے نہیں لئے جاسکتے کہ یہ منشاء وتصریح واقف کے خلاف ہے۔

بلا وجہ متولی کو ہٹانا

سوال[۱۰۷٦۸]: ا...... یہاں پر مسلمانوں کی کثیر آبادی ہے اور یہاں ایک مسجد ہے، قبل ایک حاجی صاحب نے مسجد بنوائی اور کچھ جائیداد وغیرہ وقف نہیں کیا، بعد میں چند لوگوں نے ہندو مہاراجہ سے کہا اس نے پندرہ ایکڑ زمین قبرستان، اسکول، مسجد میں دی، اس جگہ میں حاجی صاحب نے مسجد بنوائی اور اراکین کمیٹی کام کرتے چلے آئے اور مکمل جائیداد وغیرہ سب انجمن اسلامیہ کے نام رجسٹرڈ ہیں، یہ انجمن بھی رجسٹرڈ ہے، بعد میں ووٹ کے ذریعہ نئے صدر منتخب ہوئے، صدر کا تقرر تقریباً ۱۹٦۲ء سے ہوئے آج تک چلا آتا ہے، ۱۹٦۲ء کے قبل ان لوگوں نے انجمن کو کچھ ترقی نہیں دی اور اس وقت ماہواری بارہ سو روپے وصول ہوتا ہے، بعد میں چند مخالف نکلے اور مخالفت کرتے رہے، انجمن اسلامیہ رجسٹرڈ ہے، وہ وقف بورڈ کے ہاتھ دے سکتا ہے یا نہیں؟

۲...... اگر وقف بورڈ انجمن پر زبردستی کرے، کیا یہ ٹھیک ہے؟ قبل جو ماہواری مکان کا کرایہ ایک سو ساٹھ روپے وصول ہوا کرتا تھا، مسجد کی زمین تھی، صدر صاحب نے ہندو مارواڑی بنگالی وغیرہ سے کہا کہ ہم مکان بنوائیں گے، تم کو مکان لینا ہے، لوگوں نے کہا ہاں! انہوں نے کہا کہ تم کو مکان دیں گے، لوگوں کی کل رقم اٹھارہ ہزار لی اور مکان کی تعمیر ہوگئی، فی الحال جس کرایہ ماہواری بارہ سو روپے ہے، کیا اس حالت پر مخالف کہتے ہیں کہ وقف بورڈ کو دینا اس حالت میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... انجمن اسلامیہ اگر رجسٹرڈ ہے اور وہ صحیح انتظامات کرتی ہے، وقف کی آمدنی کو ضائع نہیں کرتی، نہ

= "فإن قلت: ما حكم تولية القاضي الناظر حسبة مع وجود الناظر المشروط له؟ قلت: صحيحة إذا شك الناظر أو ارتاب القاضي في أمانته لقول خصاف كما نقلناه عنه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۲/۵، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الوقف، الفصل العاشر، ناظر الواقف: ۷٦۸٦/۱۰، رشيديه)

حسابات میں خرابی ہے، تو وقف بورڈ کو اس سے زبردستی لینے کا کوئی حق نہیں، نہ قانوناً نہ شرعاً، اس سے تحفظ کی قانونی تدبیر اختیار کی جائے (۱)۔

۲......اس کا حکم نمبر ۱ کی طرح ہے، وقف بورڈ کو نہ دیا جائے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "وقد مناه أنه لايعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته، ولا يخرجه إلا بخيانة ظاهرة بنية، وأن له إدخال غيره معه إذا طعن في أمانته". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

"وليس للقاضي عزل الناظر بمجرد شكاية المستحقين، حتى يثبتوا عليه خيانة".

(الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۲۰۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب يأثم بتولية الخائن: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/۴۲۵، رشيديه)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

باب أحکام المساجد

(مسجد کے احکام کا بیان)

مسجد کے بارے میں سرکاری کاغذات کا اعتبار کیا جائے یا محلے کے پرانے لوگوں کا؟

سوال[۱۰۷۶۹]: ہمارے محلے میں آج سے اکیاون سال پہلے ایک جماعت کی زمین لکھی گئی ہے، اس زمین پر بنیاد ڈال کر زمین کا احاطہ کرلیا گیا ہے، اس کے علاوہ اس زمین پر اور کوئی چیز دیکھنے میں نہیں آتی ہے، مذکورہ زمین چندہ کر کے قیمتاً خریدی گئی ہے، یہ پرانے دفتر وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، یہ زمین ہمارے فلاں فلاں لوگوں کی چار محلے والوں کی ہے، تین محلّہ والے تو اس زمین سے تقریباً پاؤ میل دور رہتے ہیں، اب مذکورہ زمین کے لئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد بنانے کے لئے یہ زمین خریدی گئی ہے اور مسجد کی افتادہ زمین کے نام یہ مشہور ہے مذکورہ زمین سے جامع مسجد تقریباً دوسوگز دور ہے۔

فی الحال ہم لوگوں نے اس کی تحقیق کی (ہماری عمریں ۴۵ سے ۵۰ سال کی ہے) اور اس سے واقف ہونا چاہا کہ حقیقت کیا ہے؟ تو اس کی تحقیق کے لئے چاروں محلے کے عمر رسیدہ لوگوں کو جن کی عمریں ۷۰ سے ۸۰ سال کی ہے، بلا کر پوچھا، یہ لوگ حاجی اور پنج وقتہ نمازی اور شرع کے پابند ہیں، ان لوگوں نے صحیح بات یہ بتلائی کہ زمین مسجد بنانے کے لئے رکھی گئی، لیکن اب ایک آدمی نے افریقہ سے چندہ کر کے بھیجا تھا، وہ رقم ہضم نہ ہوجائے، اس لئے اس کی زمین خریدی گئی، تاکہ اس پر کچھ جماعت کا مکان بنالیا جاوے، جو جماعت کے برتن وغیرہ رکھنے کے لئے کام آسکے، اس حساب سے مذکورہ زمین خریدی گئی تھی اور اس کے چاروں طرف بنیاد ڈال کر احاطہ کرلیا گیا تھا۔

اب جس شخص نے افریقہ میں چندہ کیا تھا وہ آدمی اپنے وطن میں (یہاں آیا تھا اور لوگوں کے ساتھ جھگڑا ہونے کے سبب کام ملتوی ہوگیا ہے، یہ حقیقت ان اسی سال کے بزرگوں کی بات سے معلوم ہوتی ہے، ہم لوگوں

نے پہلے کے جماعت کے دفتروں میں دیکھا تو ایک دفتر میں لکھا کہ ''یہ زمین فلاں لوگوں نے جماعت کی زمین خریدی اس کا روپیہ تین سوایک دیا'' اور دوسرے دفتر میں ایسا لکھا ہے کہ ''فلاں لوگوں کی مسجد کی زمین خریدی، اس کا روپیہ تین سوایک نقد دیا''، دونوں دفتروں میں ایسا الگ لکھا ہوا ہے۔ پھر مذکورہ چار بزرگوں سے گفتگو کی کہ دفتروں میں تو ایسا لکھا ہوا ہے، تو ان چاروں نے بلا دفتر دیکھے ہوئے کہا کہ جو لمبے دفتر اصل نقد ادھار کا ہے اس میں جو لکھا وہ صحیح ہے اور اس کے دفتر میں جو لکھا ہے، وہ غلط ہے، اب یہاں کے ۸۰/ سال کے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری بات صحیح ہے، لہٰذا شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ تو ظاہر ہے کہ ابھی وہاں مسجد نہیں بنائی گئی ہے، اس زمین کے متعلق کاغذ میں دونوں قسم کی باتیں ہیں، جو بیان پرانے زندہ لوگ دیتے ہیں کہ وہ اس وقت میٹنگ میں بھی حاضر ہوتے تھے، ان کے بیان پر اعتماد کرنا شرعاً درست ہے کیونکہ بیان حجت شرعی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۴/ ۸۷ھ۔

بانی کی طرف مسجد کی نسبت کرنا

سوال[۱۰۷۷۰]: ایک شخص نے مسجد بنوائی اور اس مسجد پر یہ کھدوایا (کہ مسجد وحید یہ بیادگار رڈاکٹر عبدالوحید) بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس مسجد میں نماز پڑھنا درست نہیں، بعض کہتے ہیں کہ درست ہے۔ تو ایسی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

---

(۱) "لایقضی بمجرد الصکوک والکواغد لخروجها عن الحجج الشرعية، والحجة: البنية، أوالإقرار، أو النكول، وصرحوا بقبول الشهادة بالتسامح على أصل الوقف". (الفتاویٰ المهدية، کتاب الوقف: ۲/ ۵۳۶، المكتبة العربية کوئٹه)

"وتقبل فيه الشهادة بدون الدعویٰ ...... والشهادة على الشهادة وشهادة النساء مع الرجال والشهادة بالشهرة لإثبات أصله، وإن صرحوا به بالسماع في المختار ...... حفظاً للأوقاف القديمة عن الاستهلاک". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/ ۴۰۹ - ۴۱۱، سعید)

(وكذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/ ۶۰۳، مکتبه غفاریه کوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ مسجد بنادی گئی اور مالکانہ قبضہ اس پرنہیں رکھا گیا، تو اس میں نماز پڑھنا بلاکراہت درست ہے(۱)۔ محض عبارت مذکورہ کندہ ہونے سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا، بانی کی طرف مسجد کی نسبت میں کوئی اشکال نہیں، حدیث شریف میں مسجد بنی فلاں کہنے کی اجازت ہے(۲)۔ مسجد ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مسجد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مسجد بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ مشہور ومعروف ہیں، اس کا مقصد یا تو بانی کی یادگار ہے یا محلّہ میں واقع ہے، یا قریب ہے۔ غرض یہ اضافت المملوک الی المالک نہیں ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "أنه إذا بنى مسجداً وإذن للناس بالصلاة فيه، فصلى فيه جماعة فإنه يصير مسجداً". (الفتاویٰ التاتارخانيه، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۴۰، قديمى)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۲، رشيديه)

(۲) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: سابق بين الخيل التي أضمرت من الحفياء، وأمدها ثنية الوداع، وسابق بين الخيل التي لم تضمر من الثنية إلى مسجد بني زريق ..... الخ". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب هل يقال مسجد بني فلان: ۱/۵۹، قديمى)

(وصحيح مسلم، كتاب الإمامة، باب المسابقة بين الخيل وتضميرها: ۲/۱۳۲، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الجهاد: ۲/۲۰۶، قديمى)

(۳) "المساجد وإن كانت لله ملكاً وتشريفاً، فإنها قد تنسب إلى غيره تعريفاً، فيقال مسجد بني فلان، وفي صحيح الحديث أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سابق بين الخيل التي أضمرت من الحفياء، وأمدها ثنية الوداع، وسابق بين الخيل التي لم تضمر من الثنية إلى مسجد بني زريق، وتكون هذه الإضافة بحكم المحلية كأنها في قبلتهم، وقد تكون بتحبيسهم، ولا خلاف بين الأمة في تحبيس المساجد والقناطر والمقابر وإن اختلفوا في تحبيس غير ذلك". (الجامع لأحكام القرآن: ۱۹/۱۸، الجن: ۱۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"هذا باب في بيان إضافة مسجد من المساجد إلى قبيلة أو إلى أحد مثل بانيه أو الملازم للصلاة=

مسجدوں کوشہید کرتے وقت مسلمانوں کی ذمہ داری

سوال[۱۰۷۷۱]: دہلی کی تین مسجدیں جس ڈھٹائی کے ساتھ دہلی کارپوریشن کی طرف سے شہید کردی گئی اور ہندوستان کے کسی بھی مقام پر کسی وقت بھی غنڈوں یا میونسی پارٹیوں کی طرف سے اس طرح شہید کرنے کا خطرہ لگا ہوا ہے، ایسی صورت میں ہندوستان یا دہلی دارالامن قرار پاتا ہے یا دارالحرب؟ شہید کی ہوئی مسجدوں کے متعلق اب مسلمانانِ دہلی ہندوستان ودنیا کوکم ازکم اورزیادہ سے زیادہ کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مساجد کا شہید کرنا خلافِ قانون ہے(۱)، قانونی چارہ جوئی کی جائے، اگر کوئی حرکت کسی شہر یا ملک میں خلافِ قانون سرزد ہوا اور اس پر حق حاصل ہوتے ہوئے بھی قانونی چارہ جوئی نہ کی جائے تو اس سے اس شہر یا ملک کا حکم نہیں بدلے گا، بلکہ اس کو اپنی کمزوری اور کوتاہی قرار دیا جائے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

= فیہ، هل يجوز أن يقال ذلک؟ نعم! يجوز ذلک والدليل عليه حديث ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما ...... والجواب عن تمسكه بالأية أن الإضافة فيها حقيقة وإضافتها إلى غيره إضافة تمييز وتعريف". (عمدة القارئ، كتاب الصلاة، باب هل يقال مسجد بني فلان: ۴/۲۳۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الصلاة، باب هل يقال مسجد بني فلان: ۱/۶۷۸، قديمی)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مسٰجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعىٰ في خرابها﴾ (البقرة: ۱۱۴)

"قال الإمام القرطبي رحمه الله تعالىٰ: خراب المساجدقد يكون حقيقياً كتخريب بخت نصر، والنصارى بيت المقدس على ما ذكر أنهم غزوا بني إسرائيل فقتلوا ...... وقذفوا في بيت المقدس العذرة وخربوه ...... ويكون مجازاً كمنع المشركين المصلين حين صدوا عن المسجد الحرام ......؛ ولذلک قلنا: لايجوز نقض المسجد، ولا بيعه، ولا تعطيله". (الجامع لأحكام القرآن: ۲/۵۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"وقال العلامة الألوسي رحمه الله تعالىٰ: وظاهر الأية العموم في كل مانع، وفي كل مسجد وخصوص السبب لا يمنعه ...... (وسعىٰ في خرابها) أي: هدمها، وتعطيلها". (روح المعاني: ۱/۳۶۳، ۳۶۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "عن طارق بن شهاب قال: قال أبوسعيد: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من رأى =

ایک مسجد کے متعلق اختلاف کہ وہ سنیوں کی ہے یا شیعوں کی

سوال[۱۰۷۷۴]: ایک مسجد جو اَب سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل مختلف اقوام کے افراد نے بنوائی تھی، جس میں حضرات سادات اہلِ سنت والجماعت بھی شریک تھے، زمین کے متعلق زیادہ قرینہ یہ ہے کہ حضرات سادات کی ہی تھی، جو مذہباً اہلِ سنت والجماعت تھے، مسجد جب سے عالم وجود میں آئی اس وقت سے تاوقت تحریر استفتاء ہٰذا اہلِ سنت والجماعت کے عمل دخل میں چلی آرہی ہے۔ شیعہ صاحبان میں سے ایک آدھ آدمی نماز پڑھتے رہتے ہیں، تقریباً ۵۰، ۶۰/ سال قبل یہ مسجد دوبارہ تعمیر ہوئی، اس مرتبہ مسجد مذکور کی تعمیر ایک ہندو عورت جو کہ شیعہ ہوگئی تھی، اس نے کچھ رقم دی تھی اور کچھ رقم ایک سنی صاحب نے دی، باقی اہل محلّہ کے تمام افراد نے مل کر دی، مسجد تعمیر ہوئی، تب سے آج تک اہلِ سنت الجماعت کی نگرانی میں رہی۔ تمام اخراجات امام مؤذن دیگر ضروریات کے کفیل اہلِ سنت والجماعت ہیں۔

ان حالات کے ہوتے ہوئے شیعہ صاحبان نے خفیہ طور سے مسجد مذکور کو شیعہ وقف بورڈ لکھنؤ میں وقف کردیا، جس کا علم اہلِ سنت والجماعت کو بالکل نہیں، اس مسجد کے برابر میں شیعہ صاحبان کا امام باڑہ ہے، اسی نسبت پر دونوں کو ایک جگہ بتلا کر وقف کردیا، پھر مسلم سنی وقف بورڈ کی جانب سے امام مسجد کے نام نوٹس آیا کہ آپ اس مسجد کو وقف کرادو، چنانچہ جب ہم لوگوں نے قدم اٹھایا تو شیعہ صاحبان نے شیعہ وقف بورڈ کا وقف نامہ پیش کر کے ہمارا وقف بند کرادیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ مسجد ہمارے بڑوں نے بنائی ہے، لہٰذا یہ مسجد ہماری ہے، معاملہ عدالت میں پہنچ گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً اس مسجد کا حق دار کون ہیں؟

نوٹ: ۱۹۶۷ء کے بندوبست میں مسجد مذکور کے رقبہ میں مسجد وقبرستان لکھا ہوا ہے، امام باڑہ کا کوئی نام نہیں۔

= منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع بقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (سنن النسائي، كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان: ۴۸۶/۷، دار المعرفة بيروت)

(وسنن ابن ماجة، باب ماجاء في صلاة العيدين: ۲/ ۴۳۱، دار الجيل)

(وسنن الترمذي، كتاب الفتن، باب ماجاء في تغيير المنكر: ۳/ ۱۱ ۳، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں تحریر کردہ حالات کے پیش نظر وہ مسجد اہلِ سنت والجماعت کی مسجد ہے، مسجد کے لئے زمین وقف ہونے کے بعد اگر کسی دفعہ تعمیر میں غیر مسلم بھی چندہ دے دے تو اس کو دعویٰ ملکیت کا حق نہیں ہوجاتا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

گیلری داخلِ مسجد ہے یا خارج مسجد؟

سوال[۱۰۷۷۳]: ایک دومنزلہ مسجد ہے، جس کے اوپر کی منزل کی گیلری باہر کو نکلی ہوئی ہے اور اس کے نیچے عام راستہ ہے، جس طرح عموماً کوٹھیوں اور بلڈنگوں کی گیلری باہر نکلی ہوئی ہوتی ہے، زید نے کہا کہ گیلری مسجد کے باہر کے حصہ میں ہے، یعنی خارج من المسجد ہے، لہٰذا وہاں کھڑے ہوکر جماعت میں شامل ہونے سے جماعت کے برابر ثواب نہیں ملے گا، بکر نے کہا وہ گیلری مسجد ہی میں شمار ہے، لہٰذا وہاں کھڑے ہونے سے جماعت خانہ کی نماز کے برابر ہی ثواب ملے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو گیلری راستہ کے اوپر بنائی گئی ہے، وہ خارج عن المسجد ہے(۲)، جب تک جماعت خانہ (مسجد) میں

---

(۱) "فإذا تم ولزم لایملک، ولا یملک، ولا یعار، ولایرھن". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۵۲، سعید)

(وکذا في الهداية، کتاب الوقف: ۲/ ۶۴۰، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/ ۵۸۱، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۲) "وحاصله: أن شرط کونه مسجداً أن یکون سفله وعلوه مسجداً لینقطع حق العباد عنه لقوله تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۴۲۱، رشیدیه)

"والمسجد خالص لله سبحانه، لیس لأحد فیه حق، قال الله تعالیٰ -﴿وأن المساجد لله﴾- مع العلم بأن کل شيء له فکان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به وهو بانقطاع حق کل من سواه". (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/ ۲۳۴، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد: ۴/ ۳۵۸، سعید)

جگہ ہو، گیلری میں کھڑے ہونے سے مسجد کا ثواب نہیں ملے گا، مسجد پُر ہوگئی ہو تو گیلری میں مجبوراً کھڑے ہونے سے ثواب میں کمی نہیں آئے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

مکان، مسجد شرعی کب بنتا ہے؟

سوال[۱۰۷۷۴]: ہمارے ایک قریہ میں ایک گھر کو مسجد کا نام رکھ کر نماز ادا کی جاتی تھی، اب اس گھر کے پینتیس گز فاصلہ پر زید نے اپنی خالی جگہ مسجد کے لئے دے دی اور مسجد بنادی گئی، اس میں نماز ادا کی جارہی ہے، اب زید اپنی خالی جگہ نئی مسجد کے لئے جو دے چکا ہے، اس کے عوض پہلے (جس کا نام مسجد رکھ کر نماز ادا کی جاتی ہے، اب بیکار ہے) کو اپنے بودوباش کے لئے رکھ لینا چاہتا ہے، اس گھر کو توڑ کر مکان تعمیر کرانا چاہتا ہے، آیا یہ صورت از روئے شرع جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس گھر کو وقف کردیا اور اپنا مالکانہ قبضہ اٹھا کر اس کو ہمیشہ کے لئے مسجد قرار دے دیا تھا کہ اس میں اذان وجماعت ہوتی تھی اور جب جس کا دل چاہے وہاں آکر نماز پڑھ لیتا تھا، کوئی روک ٹوک نہیں تھی اور اس شخص کا رہنا سہنا اس میں نہیں تھا، نہ وہاں اس کا سامان رکھا ہوا تھا، تو وہ مکان شرعی مسجد ہے (۲)، اب اس کو

(۱) "الصلاة على الرفوف في المسجد الجامع من غير ضرورة مكروهة، وعند الضرورة بأن امتلأ المسجد، ولم يجد موضعاً، يصلي فيه فلابأس به". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، مايكره للمصلي ومالايكره: ۱/۵۲۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، باب مايكره للمصلي: ۱/۴۳۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار، باب الإمامة: ۱/۵۷۰، سعيد)

(۲) "وفي الذخيرة: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلاخلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً، وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۶، سعيد)

"ومن بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه، حتى يفرزه عن ملكه بطريقه، ويأذن بالصلاة فيه، وإذا =

واپس لینے کا حق نہیں رہا(۱)، اگر اس طرح اس کو مسجد قرار نہیں دیا گیا تھا، بلکہ دوسری کوئی جگہ نماز کے لئے نہ ہونے کی وجہ سے عارضی طور پر جب تک کوئی جگہ میسر آئے، نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی، نہ اس کو وقف کیا تھا نہ ہمیشہ کے لئے مسجد قرار دیا تھا، نہ اپنا مالکانہ قبضہ اٹھایا تھا تو وہ مسجد شرعی نہیں (۲)، اب دوسری جگہ مل جانے کے بعد اس کو حق ہے کہ اس میں رہنا سہنا شروع کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۸۷ھ۔

= صلی فیه واحد زال ملکه، أما الإفراز فإنه لایخلص لله تعالیٰ إلا به، وأما الصلاة فیه؛ فلأنه لا بد من التسلیم عند أبي حنیفة". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد: ۵/۴۱۶، رشیدیه)

"وإذا بنی مسجداً لا یصیر مسجداً حتی یقر بلسانه ...... وفتح الباب، وأذن فیه وأقیم، وأذن للناس بالدخول فیه عامة، فیصیر مسجداً إذا صلی بجماعة فیه". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۴۰، قدیمی)

(۱) "وعن محمد رحمه الله تعالیٰ عن أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ: إذا جعل أرضه وقفاً علی المسجد وسلم جاز ولایکون له أن یرجع". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۱، رشیدیه)

"قال: ومن اتخذ أرضه مسجداً لم یکن له أن یرجع فیه، ولا یبیعه، ولا یورث عنه؛ لأنه یحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۵، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا في العنایة علی هامش فتح القدیر، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد: ۶/۲۳۲، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "رجل له ساحة لا بناء فیه. أمر قوماً أن یصلوا فیها بجماعة ...... إن أمرهم بالصلاة شهراً أو سنة، ثم مات یکون میراثاً عنه؛ لأنه لا بد من التأبید، والتوقیت ینا في التأبید". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۰، ۲۹۱، رشیدیه)

"رجل له أرض ساحة لا بناء فیها، أمر قوماً أن یصلوا فیها بالجماعة، فهذا علی ثلاثة أوجه: ......

وأما إن وقت الأمر بالیوم أو الشهر أو السنة ففي هذا الوجه لاتصیر الساحة مسجداً، لو مات تورث عنه".

(الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۴۰، ۸۴۱، قدیمی)

(وکذا في المحیط البرهاني، کتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۷/۱۲۹، حقانیه پشاور)

عارضی مسجد کا حکم

سوال[۱۰۷۷۵]: آج سے تقریباً ۷۰/ سال قبل میرے گاؤں کے دو پیر مرشد روشن ضمیر کے دو گواہوں میں کسی مسئلہ پر جامع مسجد میں کشیدگی ہوگئی، جس کی بناء پر ایک گروہ عارضی طور پر تصادم سے بچنے کی غرض سے ایک بڑے مکان پر اپنی نمازیں ادا کرتے ہیں اور اس کا سلسلہ کچھ عرصہ تک جاری رہتا ہے۔ بعد ازیں پھر دونوں گروہوں میں اتفاق واتحاد ہوجاتا ہے اور پھر ایک ہی ساتھ جامع مسجد میں نمازیں ادا کرتے ہیں، مگر آج ماہ نومبر ۱۹۷۱ء کو چند حضرات اس قطعہ اراضی کو مسجد قرار دے کر اس شخص کو جو یقیناً اس کا اصل حق دار ہے، گھر خالی کرنے کو کہا جاتا ہے، ایسی صورت میں اس شخص کو اس قطعہ اراضی کو چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا ہے تو وہ بیوی بچوں والا شخص جو ستر سال سے مقیم ہے، بے گھر ہوجاتا ہے، اب حضور والا سے التماس ہے کہ ایسی صورت میں اس شخص کی مجبوری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس قطعہ اراضی کے لئے کیا فتویٰ ہے؟ قرآن وحدیث سے جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس مکان کو وقف نہیں کیا گیا اور مالک نے اپنا قبضہ مالکانہ نہیں اٹھایا، بلکہ عارضی طور پر وہاں کچھ روز تک نماز پڑھی تو اس سے شرعی مسجد کے حکم میں نہیں ہوا، بلکہ مالک کی ملک ہے، اس سے زبردستی خالی کرانے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۸/ ۹۱ھ۔

---

(۱) "رجل لـه ساحة لا بناء فيه. أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة ...... إن أمرهم بالصلاة شهراً أو سنة، ثم مات يكون ميراثاً عنه؛ لأنه لا بد من التأبيد، والتوقيت ينا في التأبيد". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/ ۲۹۰، ۲۹۱، رشيديه)

"رجل لـه أرض ساحة لا بناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها بالجماعة ...... إن وقّت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة، ففي هذا الوجه لاتصير الساحة مسجداً لو مات تورث عنه". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۷/ ۱۲۹، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/ ۸۷۰، ۸۷۱، قديمي)

عارضی ضرورت کے لئے بنائی گئی مسجد اور اس میں اعتکاف کا حکم

سوال[۱۰۷۷۶]: جنوبی افریقہ کے ایک شہر میں ساٹھ سال سے ایک مسجد تھی، جس میں علاوہ پنجگانہ نماز جمعہ وتراویح کی پابندی کے ساتھ اعتکاف بھی رمضان میں ہوتا تھا، مسجد کی توسیع کے خاطر اسے شہید کردیا گیا اور دوسرے مکان میں مسجد کا بعض اثاثہ مثلاً: فرش، منبر وغیرہ کو منتقل کیا گیا اور وہاں اسی پابندی کے ساتھ مقررہ امام ومؤذن کے ساتھ پنجگانہ نماز وجمعہ ہونے لگا، رمضان میں معتکفین نے اعتکاف کرنا چاہا تو ایک مولوی صاحب نے یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ مسجد نہیں ہے، اس میں اعتکاف نہیں ہوگا، اعتکاف کے لئے مسجد ہونا شرط ہے، وہ لوگ اعتکاف سے رک گئے اور اعتکاف نہیں ہوا۔

کیا مذکور مولوی صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے؟ اعتکاف نہ کرنے کی وجہ سے جملہ گاؤں والے گنہگار نہیں ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد شرعی وہ ہے، جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہو، عارضی طور پر اگر کسی جگہ اذان وجماعت کی جائے، مثلاً: اصل مسجد کی تجدید وتعمیر کی خاطر، تو وہ جگہ شرعی مسجد نہیں ہوگی، اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے (۱)، اعتکاف شرعی مسجد میں ہوتا ہے (۲)، عورت البتہ اپنے مکان پر کسی ایک مخصوص جگہ میں جہاں وہ نماز پڑھتی ہو،

---

(۱) "رجل لـه ساحة لا بناء فيه. أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة ...... إن أمرهم بالصلاة شهراً أو سنة، ثم مات يكون ميراثاً عنه؛ لأنه لا بد من التأبيد، والتوقيت ينا في التأبيد". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲/۲۹۰، ۲۹۱، رشيديه)

"رجل لـه أرض ساحة لا بناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها بالجماعة، فهذا على ثلاثة أوجه: ...... وأما إن وقّت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة ففي هذا الوجه لاتصير الساحة مسجداً، لو مات تورث عنه". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۷۰، ۸۷۱، قديمی)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۷/۱۲۹، حقانيه پشاور)

(۲) "وأما شروطه (الاعتكاف) ...... ومنها مسجد الجماعة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف: ۱/۲۱۱، رشيديه)

"وهذه العبادة أي: الاعتكاف لا تؤدى إلا في مسجد". (بدائع الصنائع، كتاب الاعتكاف: ۲/۲۷۳، رشيديه) .... =

اعتکاف کرسکتی ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دار العلوم دیوبند۔

مسجد کے لئے دی ہوئی زمین پر مسجد بنانا

سوال[۱۰۷۷۷]: ۱...... برگی نگر جہاں مسلمان تقریباً ایک سو ہیں اور وہ جگہ ایسی ہے کہ سرکار کے حکم کے مطابق وہاں آدمی نہیں رہے گا، کیونکہ وہ اس جگہ میں ایک پتھر کا (ڈیم) باندھ پانی روکنے کے لئے تیار کررہے ہیں، پانچ سال میں ختم ہوجائے گا، وہاں اکثر سرکاری آدمی ہی رہتے ہیں، جن کی تعداد میں کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے، مزدور طبقہ سے لے کر افسر تک سب کی مجموعی تعداد ۱۰۰/ ہے، وہاں مسجد نہیں ہے، بلکہ ایک ہال میں نماز ادا کی جاتی ہے، ایسے وقت میں اگر حکومت کے لوگ مسجد بنانے کی اجازت دے دیں تو ہم بناسکتے ہیں یا نہیں؟

۲...... مسلمان افسر کے ماتحت سیمنٹ اور مسجد بنانے کے سارے لوازمات ہیں، کیا ان کو تصرف کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر اصحاب رائے اور اہل تدبر وہاں مسجد بنانا مفید سمجھتے ہیں تو بنالیں۔ اللہ پاک اس کے آباد رہنے کا انتظام فرمائے۔

۲...... اگر سرکار کی طرف سے اس کام کے لئے سیمنٹ وغیرہ خرچ کرنے کی اجازت ہے، تو درست ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/ ۸/ ۱۴۰۰ھ۔

= (وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف: ۱/ ۲۲۱، رشيديه)

(۱) "(قوله: والمرأة تعتكف في مسجد بيتها) يريد به الموضع المعد للصلاة؛ لأنه أسترلها".

(البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/ ۵۲۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف: ۲/ ۴۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف: ۱/ ۲۱۱، رشيديه)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

نماز کے لئے بنائے گئے چبوترے کو شرعی مسجد بنانا

سوال[۱۰۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں.

ایک اراضی جس کا رقبہ تقریباً ۱۲/ بیگھہ کا ہے، اس اراضی کے ایک حصہ میں مالکانہ قبضہ رہتے ہوئے اپنے مردے دفن کرتے چلے آرہے ہیں اور کافی معتد بہ حصہ اراضی مذکورہ کا نمبر اس نمبر مزروعہ اراضی میں مدت سے ایک مسجد بشکل چبوترہ بنی ہوئی ہے، مالکان نے کچھ اجازت دی جس میں مسلمان نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب یہ جگہ وقف قبرستان نہیں ہے اور اس میں چبوترہ نماز کے لئے موجود ہے اور مالکان کی اجازت ہے تو اس کو مسجد کی شکل دے کر تعمیر کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مسجد کے نیچے دکانیں

سوال[۱۰۷۷۹]: ایک مسجد تعمیر ہورہی ہے، اس کے نیچے دکانیں اور اوپر مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

= ألا لا تظلموا، ألا لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۶/۱۶۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، الفن الثاني الفوائد: ۲/۳۴۴، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "لأن الملک ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک: ۴/۵۰۲، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۴/۱۳۲، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

اس کا کیا مطلب ہوگا کہ تحت الثریٰ سے فوق الثریا تک مسجد ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب حق اللہ رہے، حق العبد اس سے منقطع ہوجائے، کوئی دعویٰ ملک نہ کرسکے (۱)، مسجد کے آس پاس گردا گرد دکانیں بنوادی جائیں (۲)، ایسا نہیں چاہیے کہ نیچے کی سب منزل دکانیں ہوں اور صرف اوپر کی منزل مسجد ہو، اوپر نماز ہوتی رہے اور نیچے مسلم وغیر مسلم، پاک ناپاک، حلال وحرام تجارت وغیرہ کرتے رہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۷/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "وحاصله: أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العباد عنه لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۴۲۱، رشيديه)

"والمسجد خالص لله سبحانه، ليس لأحد فيه حق، قال الله تعالىٰ -﴿وأن المساجد لله﴾- مع العلم بأن كل شيء له فكان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به وهو بانقطاع حق كل من سواه". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۳۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴/ ۳۵۸، سعيد)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيئجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل كان للقيم أن يبني فيها بيوتها فيؤاجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم الأوقاف: ۲/ ۴۱۴، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۷/ ۴۳، حقانيه پشاور)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/ ۳۰۰، رشيديه)

(۳) "وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه جاز، ولو جعل لغيرها أو جعل فوقه بيتاً، وجعل باب المسجد إلى طريق، وعزله عن ملكه لايكون مسجداً، وله بيعه، ويورث عنه". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۷، سعيد)

"(ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل بابه إلى الطريق، وعزله أو اتخذ وسط داره مسجداً، وأذن للناس بالدخول فله بيعه، ويورث عنه)؛ لأنه لم يخلص لله تعالىٰ لبقاء حق العبد =

نئی مسجد اور پرانی مسجد میں نماز

سوال[۱۰۷۸۰]: ضلع ۲۴ پرگنہ کے ایک مسجد میں تقریباً ڈیڑھ سوسال پہلے کی ایک چھوٹی سی جامع مسجد تھی اوراس میں صرف ۲۰، ۲۲ کے قریب نمازی نماز پڑھتے ہیں، اس کے بعد آج سے تقریباً ایک سوسال قبل ایک زمیندار آدمی نے چاہا کہ یہ مسجد چھوٹی سی ہے، مصلیان کا گزارا نہیں ہوسکتا، اس لئے اُس نے مسجد کے نام پر ایک سوبیگھہ دھان زمین اور بالا خانہ وقف کردیا جو بہت بڑا شاندار پانچ گز والا ہے، بجلی اور پنکھے بھی لگوادیئے ہیں اوراب اس میں ساٹھ پینسٹھ مصلی نماز پڑھتے ہیں، جب وہ مسجد بنائی گئی اس وقت کوئی جھگڑا وغیرہ بھی نہیں ہوااورسب نے مل جل کر مسجد بنائی اورسب کے سب مل کرآج تک نماز پڑھ رہے ہیں۔

ابھی دوایک آدمی بتلا رہے ہیں کہ پہلے والی چھوٹی مسجد کا گھر نہیں ہے اوراس مسجد سے یہ نئی مسجد جوکہ تقریباً ۲۵، ۳۰ ہاتھ کے فاصلہ پر ہے، مگر وجہ یہ ہے کہ اس چھوٹی سی مسجد کے تینوں طرف قبرستان ہے، اس لئے بڑی مسجد اس کے ساتھ (ملاوٹ) ایک ساتھ نہیں لگا سکتے، البتہ وہ جگہ بیکار پڑی ہوئی ہے، تو اب چھوٹی مسجد کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ چھوٹی مسجد کے تینوں طرف قبرستان ہے، ویسے آج تک سب لوگ اس نئی مسجد میں نماز ادا کرتے چلے آرہے ہیں، لہٰذا اس چھوٹی مسجد کے بارے میں کیا فتویٰ ہوگا، میں نے یہ کہا ہے کہ جب مسجد کے اردگرد قبرستان ہے، تب وہ چھوٹی سی جگہ ۲۲، ۲۵ آدمیوں کے نماز پڑھنے کا وہ قبرستان میں لگادینے سے کوئی حرج نہ ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جوجگہ ایک دفعہ شرعی طریقہ پر مسجد بنادی گئی ہے اور وہاں اذان جماعت شروع ہوجائے، تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسجد بن جاتی ہے، خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو(۱)، جب نئی مسجد بنائی گئی تو اس میں بھی اذان

= متعلقا به ...... وحاصله: أن شرط كونه مسجداً أن يكون علوه وسفله مسجداً لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۴/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) "قال أبويوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة لايعود ميراثاً، ولا يجوز نقله، ونقل ماله إلى مسجد اخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوىٰ". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

"ولو خرب ماحوله، واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه =

وجماعت سب درست ہے(۱)۔ پرانی مسجد کا کوئی نشان اب موجود نہیں، لیکن اگر دلیل سے ثابت ہوجائے کہ یہاں سے یہاں تک مسجد تھی، تو اب اس کو قبرستان کے کام میں لانے کی اجازت نہیں، بلکہ اس جگہ کو گھیر کر محفوظ کردیا جائے، تاکہ وہاں مردے دفن نہ ہوں (۲)۔اوراذان نماز سے اس پرانی چھوٹی مسجد کو بھی آباد کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۹/۹۱ھ۔

غیر موقوفہ زمین سے مسجد ہٹا کر وہاں بیٹھک بنانا

سوال[۱۰۷۸۱]: ایک قطعہ زمین پر تقریباً نصف صدی سے ایک مسجد قائم ہے، لیکن جس جگہ مسجد قائم ہے، وہ جگہ وقف شدہ نہیں ہے، باوجود اس کے مسجد عام ہے، یعنی جماعت ہوتی ہے، جمعہ ہوتا ہے، اذن عام ہے وغیرہ، اب محلہ والوں کا خیال ہوا ہے کہ مسجد وہاں سے ہٹالی جائے، دوسری جگہ بنالی جائے اور اس خالی شدہ مسجد کی جگہ کو اپنے تصرف میں لائے مثلاً: بیٹھک یا بیل کے رہنے کی جگہ بنادے۔تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسجد وہاں سے ہٹانا اور خالی شدہ جگہ کا اپنے تصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ فتاویٰ دارالعلوم میں تائید

= يفتى". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

"وقال أبويوسف: يبقى مسجداً أبداً". (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۹۶/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلاخلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً، وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۶/۴، سعيد)

"أنه إذا بنى مسجداً، وأذن للناس فيه، فيصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵۷۰/۵، قديمى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۴۵۵/۲، رشيديه)

(۲) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴۴۵/۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲۰۸/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

مسجد پر مطلق زور دیتے ہیں، خواہ موقوفہ ہو یا غیر موقوفہ، لیکن سہارنپور سے فتویٰ آیا ہے کہ غیر موقوفہ زمین پر بنائی ہوئی مسجد کو ہٹانا درست ہے اور اس جگہ کو ہر قسم کے تصرف میں لانا بھی درست ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مالک کی اجازت اور رضامندی سے وہاں مسجد قائم کی گئی اور اذان اور جماعت پنجگانہ وجمعہ واذان عام سب کچھ نصف صدی سے ہورہا ہے، تو وہ شرعی مسجد ہے، اس کو وہاں سے ہٹانا اور اس جگہ بیٹھک یا بیل کے رہنے کا گھر بنانا جائز نہیں، مسجد کے لئے تحریری وقف نامہ ضروری نہیں، نہ زبان سے اس کو یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ مسجد ہے، بلکہ مذکورہ بالا صورت حال کافی ہے۔

لیکن اگر بغیر مالک کی اجازت ورضامندی کے زبردستی بطور غصب اس زمین پر قبضہ کرلیا گیا اور مسجد بنالی گئی اور مالک اس کو واگزار کرانے سے عاجز ومجبور رہا تو شرعاً وہ مسجد نہیں ہوئی، اس کو وہاں سے ہٹانا لازم ہے، غالباً سہارنپور کا فتویٰ اس صورت کے لئے ہوگا۔

"لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح وإن ملكه بعد بشراء أو صلح (إلى قولها) وينقض وقف استحق بملك أو شفعة وإن جعلا مسجداً، كذا في ردالمحتار نعمانيه: ١/٣٥٩(١).

"ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل أي: بالصلوة فيه. ففي شرح الملتقى: أنه يصير مسجداً بلا خلاف حتى أنه إذا بنى مسجد أو أذن للناس بالصلوة فيه جماعة فإنه يصير مسجداً اهـ"(٢).

---

(١) (ردالمحتار، كتاب الوقف: ٣٤١/٤، سعيد)

"ومن الشروط الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً فوقفها، ثم اشتراها من مالكها، ودفع ثمنها إليه، أو صالح على مال دفعه إليه لاتكون وقفاً؛ لأنه إنما ملكها بعد أن وقفها". (فتح القدير، كتاب الوقف: ٢٠١/٦، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ٣١٤/٥، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ٥٦٧/٢، ٥٦٨، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(٢) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ٣٥٦/٤، سعيد) .... =

"فإذا تم ولزم لایملك أي: لایکون مملوکاً لصاحبه، ولا یملك أي: لایقبل التملیك لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیك الخارج عن ملکه، ولایعار، ولا یرهن لاقتضائهما الملك الخ"(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۸۶ھ۔

حکومت کی دی ہوئی زمین پر مسجد کی تعمیر کرنا

سوال[۱۰۷۸۲]: اسلامیہ اسکول ایک ہندو کی زمین پر واقع ہے، جو موجود ہے اور موجودہ حکومت کے قانون کے تحت گاؤں سماج یعنی پنچایت کے تحت ہے اور زمینداری کے زمانہ میں اسی ہندو کی تھی اور اس کے نیچے ایک تالاب ہے، ناظم مدرسہ نے اس زمین کو سرپنچ (۲) پردھان (۳) وممبران پنچایت سے مدرسہ کے نام پنچایتی قانون کے اعتبار سے مدرسہ کے نام کرالیا ہے، جس کا مقدمہ ہندو مدرسہ سے باقاعدہ لڑ رہے ہیں۔

جواب طلب یہ ہے کہ مدرسہ مقدمہ جیت گیا تو اس کے اوپر مسجد بنوائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور شرعاً اس زمین کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ تمام زمینوں کی مالک حکومت ہے اور حکومت کے کارکنان نے یہ زمین مدرسہ کے نام پر لکھ دی،

= (وکذا في فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۳۳، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۱۶، رشیدیه)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۸۱، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "سرپنچ: پنچایت کا سربراہ، پنچوں کا سردار، صدر، میر مجلس"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۳۵، فیروز سنز لاہور)

(۳) "پردھان: صدر، گاؤں کا مکھیا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۶، فیروز سنز لاہور)

تو یہ زمین مدرسہ کی ملک ہوگئی، مدرسہ کے مفاد کے پیشِ نظر اس میں مسجد کی تعمیر کی جاسکتی ہے(۱)۔

نظیرہ في الهداية: "وإذا غلب الترك على الروم فسبوهم وأخذو أموالهم ملكوها" هدايه: ٢/٥٤٨(٢).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۲۱ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۲۰ ۸۹ھ۔

کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کر کے مسجد تعمیر کرنا

سوال[۱۰۷۸۳]: گاؤں والوں نے ایک زمین پر ناحق قبضہ کرلیا اور مقدمہ لڑا کر مقدمہ جیت لیا اور اس پر مسجد بنالی، جب کہ ایک مسجد پرانی موجود ہے اور وہ بھی نمازیوں سے پُر نہیں ہوتی، کیا یہ مسجد شرعی مسجد ہوگی اور ایسی مسجد میں نماز پڑھنے سے نماز ہوجائے گی اور جس نے مقدمہ لڑا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کرنا اور غلط مقدمہ لڑا کر اس کو حاصل کرلینا اور اس پر مسجد تعمیر کرلینا شرعاً درست نہیں (۳)، یہ کوئی دین کا کام نہیں ہے، یہ تو ظلم ہے(۴)۔ جب کہ ایک مسجد پرانی وہاں موجود ہے، وہی

---

(۱) "لو بنى فوقه بيتاً للإمام لايضر؛ لأنه من المصالح". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) (الهداية، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۲/۵۸۰، شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۵/۱۲۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب الخامس في استيلاء الكفار: ۲/۲۳۴، رشيديه)

(۳) "ومن الشروط الملك وقت الوقف، حتى لوغصب أرضاً فوقفها، ثم اشتراها من مالكها، ورفع ثمنها إليه أو صالح على مال، دفعه إليه لاتكون وقفاً". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"أفاد أن الواقف لا بد أن يكون مالكه وقت الوقف ...... حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم =

نمازیوں سے پُر نہیں ہوتی تو دوسری مسجد بنانے کی کیا ضرورت ہے؟! تاہم اگر مسجد بنالی گئی تو اس کی جتنی قیمت ہے، وہ مالک کو دی جائے یا اس کے عوض زمین دی جائے (۱)، وہ مالک خوشی سے اپنی اس زمین کو مسجد کے لئے دے دے تو ٹھیک ہے اور شرعاً درست ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۵/۱۴۰۰ھ۔

غیر مسلم کا حرم میں داخلہ کیوں ممنوع ہے؟

سوال[۱۰۷۸۴]: مکہ میں غیر مسلموں کو داخل کیوں نہیں ہونے دیتے؟ جب کہ ہمارے

= يصح وإن ملكه بعد بشراء أو صلح". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشيديه)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : لا يأخذ أحد شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوقه الله إلى سبع أرضيين يوم القيامة". (صحيح مسلم، كتاب المساقات، باب تحريم الظلم وغصب الأرض: ۳۳/۳، قديمی)

"اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب ...... ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۵۲/۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۱۹۶/۹، رشيديه)

(۱) "ولا يحل له الانتفاع بها حتى يؤدي بدلها ...... وقال: ومن غصب سياحة فبنى عليها زال ملك المالك عنها، ولزم الغاصب قيمتها". (الهداية، كتاب الغصب، فصل فيما يتغير بفعل الغاصب: ۳۷۶/۳-۳۷۸، رحمانيه)

"ويجب رد عين المغصوب أو مثله، إن هلك وهو مثلي، وإن انقطع المثل فقيمته يوم الخصومة". (الدر المختار، كتاب اغصب: ۱۸۲/۲، ۱۸۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الغصب: ۱۱۹/۵، رشيديه)

(۲) "لو أجاز المالك وقف فضولي جاز". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۴۱/۴، سعيد)

"ولو وقف ضيعة غيره على جهات فبلغ الغير فأجازه جاز بشرط الحكم والتسليم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۴/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۳/۲، ۳۵۴، رشيديه)

ہندوستان میں مسلمان اور ہندومل کر رہتے ہیں اور تمام ہندولوگ مسلمان پیروں کے زیارت پر جاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شاہی دربار میں وہی جاسکتا ہے جس کے پاس شاہی پروانہ ہو، دوسرا شخص نہیں جاسکتا، شاہی پروانہ ہے ایمان، جس کی علامت ہے "لا إلـه إلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ"(۱) ہندوبھی اپنے مخصوص اور متبرک مقامات پر دوسروں کوآنے کی اجازت نہیں دیتے، بعض تیرتھ (۲) ایسے ہیں کہ وہاں کوئی غیر ہندو غسل (اشنان) نہیں کرسکتا، نہ عام مساجد کے یہ حال ہیں، نہ عام مندروں کے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۶/ ۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا إنما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا﴾ (التوبة: ۲۸)

"عن ابن عمر رضي اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "بني الإسلام علی خمس شهادة أن لا إله إلا اللہ وأن محمداً عبده ورسوله......". (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب أرکان الإسلام، ص: ۱۹، دار السلام)

(وصحیح البخاري، کتاب الإیمان، باب دعاؤکم إیمانکم، ص: ۵، دار السلام)

(۲) "تیرتھ: نہانے کی جگہ، مقدس مقام یا مندر جہاں لوگ یاترا کے لئے جاتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۰۲، فیروز سنز لاہور)

الفصل الأول في بناء المسجد وتعمیرها

(مسجد کے بنانے اور اس کی تعمیر کا بیان)

دومنزلہ مسجد بنانا

سوال[۱۰۷۸۵]: دومنزلہ مسجد کا بنوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۸۶ھ۔

مسجد کی تعمیر کنکریٹ کے ذریعہ کرنا

سوال[۱۰۷۸۶]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد میں کنکریٹ ڈال کر مضبوط بنانا بدعت ہے، بعض کہتے ہیں کہ بدعت نہیں مسجد نبوی میں کنکریٹ موجود ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں! مسجد نبوی میں بھی کنکر موجود تھی اور اب بھی کچھ حصہ میں ہے، مسجد حرام (مکہ معظمہ) میں بھی جگہ جگہ کنکر موجود ہے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۸ھ۔

---

(۱) "لأنه مسجد إلی عنان السماء". (الدرالمختار). "وكذا إلی تحت الثری". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایكره فیها: ۱/۶۵۶، سعید)

"صرح في الإسعاف: بأنه إذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كان وقفاً علیه صار مسجداً". (الدرالمنتقی في شرح الملتقی، كتاب الوقف: ۲/۵۹۴، مكتبه غفاریه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۴/۴۲۱، رشیدیه)

الفصل الثاني في مسجد الضرار
(مسجدِ ضرار کا بیان)

مسجد ضرار کی تعریف اور اس کا حکم

سوال[۱۰۷۸۷]: تقریباً سو سال ہوئے ہیں کہ ایک جامع مسجد میں تعلیم وتدریس جاری ہے اور اس تعلیم وتدریس کے لئے جو عالم کو رکھا جاتا ہے، وہی عالم پنجگانہ نماز وعیدین کی نماز اور جنازہ کی نماز پڑھانے اور جمعہ کی نماز پڑھانے کا ذمہ دار رہتا ہے، اس گاؤں میں دو عالم ہیں، وہ دو عالم بھی جب کبھی تعلیم وتدریس دیتے رہے، ان دونوں پر بھی بالا مذکورہ موقوف تھا، لیکن چند سال سے ان دونوں عالم کو تعلیم وتدریس کے لئے نہیں رکھا گیا اور دوسرے عالم کو رکھا گیا۔

اب گاؤں کے دونوں عالم نے جھگڑنا شروع کیا، تب گاؤں کے عالم کہنے لگے کہ موجودہ عالم کے پیچھے دونوں کی نماز صحیح اور درست نہیں ہوگی، اس لئے کہ ہم دونوں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور پڑھے ہوئے کے ساتھ کم عمر کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوگی، اس بات کے فیصلہ کے لئے ایک نامی گرامی عالم کو بلایا گیا، اس نامی گرامی عالم نے موجودہ عالم کو باطل قرار نہیں دیا اور کہا اس موجودہ عالم کے پیچھے بڑے چھوٹے مولوی ہوں یا عالم، سب کی نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن اس فیصلہ کے لئے جامع مسجد میں لوگ جمع ہوئے اور چند لوگ فساد کے خوف کی وجہ سے کچھ ہتھیار مسجد کے آس پاس مکان میں رکھے تھے، فیصلہ کے بعد گاؤں کے دو عالم نے دوسری جگہ جمعہ کی نماز پڑھنی شروع کردی، تب گاؤں کے دونوں عالم سے پوچھا گیا آپ دونوں عالم نے کیوں دوسری جگہ جمعہ کی نماز پڑھنی شروع کردی؟ تو انہوں نے کہا، کہ دونوں عالم کو مارنے کے لئے مسجد کے آس پاس مکان میں ہتھیار جمع کیا، لہٰذا یہ مسجد ضرار ہوگئی اور مسجد ضرار میں نماز پڑھنی درست نہیں۔

اب آپ سے سوال یہ ہے کہ یہ مسجد حقیقت میں مسجدِ ضرار ہوگئی؟ اور ان دونوں عالموں نے دوسری جگہ جمعہ کی نماز پڑھی ہے۔ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مسجد نیک نیت سے بنائی گئی اور مدت تک اس میں سب متفق ہوکر نماز صحیح طور پر ادا کرتے رہے اور اب کسی وجہ سے اختلاف ونزاع کی نوبت آگئی تو اب اس قدیم مسجد کو مسجدِ ضرار نہیں کہا جائے گا(۱) اور اس میں نماز پڑھنے کو ناجائز نہیں کہا جائے گا، اختلاف ونزاع ختم کرکے اس میں نماز ادا کیا کریں، عالم باعمل کو امام بنانا اولیٰ بات ہے(۲)۔ اگر کسی وجہ سے کسی غیر عالم کو امام بنایا جائے اور طہارت ونماز کے مسائل سے واقف اور صحیح طریقہ پر نماز پڑھائے، تو اس کے پیچھے بھی عالم کی نماز ہوجائے گی(۳) اگر اس بستی میں شرائط جمعہ موجود ہیں تو وہاں جمعہ پڑھا جائے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۲/۹۱ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿لمسجد أسس علی التقوی من أول یوم أحق أن تقوم فیه﴾ (التوبة: ۱۰۸)

"عن عثمان بن عفان رضي الله تعالیٰ عنه یقول ...... إني سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: من بنی مسجداً، قال: بکیر حسبت أنه قال یبتغي به وجه الله بنی الله له بیتا في الجنة".

(صحیح البخاري، کتاب الصلاة، باب من بنی مسجداً: ۱/۲۴، قدیمی)

"إذا بنی مسجداً وأذن للناس بالصلاة فیه جماعة، فإنه یصیر مسجداً". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب في أحکام المسجد: ۴/۳۵۶، سعید)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحکام الصلاة فقط صحة وفساداً، بشرط اجتنابه الفواحش الظاهرة".

(الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۸، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، باب الإمامة، فصل في بیان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۶۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) راجع الحاشیة المتقدمة آنفاً

(۴) "ویشترط لصحتها سبعة أشیاء المصر ...... أو فناء والسلطان ...... ووقت الظهر ...... والخطبة فیها ...... وکونها قبلها ...... والجماعة ...... والإذن العام". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: =

ایک مدرسہ کے مقابلہ میں دوسرا مدرسہ بنانا کیا مسجدِ ضرار کے حکم میں ہوگا؟

سوال[۱۰۷۸۸]: مدرسہ اسلامیہ عربیہ میں دو مدرس رکھے تھے، جوکہ اسی مدرسہ کے شاگرد بھی ہیں، بہت عرصہ تک وہ مدرس رہے، لیکن صحیح کام نہ کیا، جس وقت میں نے کام شروع کیا دواڑھائی سوطلباء کو اکیلا تعلیم دیتا رہا، ہرسال دوچار حافظ ہوکر تراویح میں قرآن پاک سناتے رہے، اس کے بعد ان لوگوں کو رکھا گیا تو تعداد طلباء سورہ گئی، امتحان کے لئے یا علماء کو بلایا تو نتیجہ ان طلباء کا ناقص رہا، مجبوراً میں نے ان میں سے دو مدرسوں کو علیحدہ کردیا، اس کے بعد ان مدرسوں نے مخالفت شروع کی اور چند بچے لے کر مسجد میں بیٹھ گئے، مدرسہ قدیم کو نقصان پہنچارہے ہیں تو آپ لکھیں یہ مدرسہ ضرار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قرآن مجید میں مسجد ضرار کا تذکرہ ہے، جس کو ختم کردیا گیا تھا(۱)، اسی موقعہ پر تفسیر مظہری مدارک

= ۲/۱۳۷-۱۵۱، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۵۸۳، رشيديه)

(۱) "قال أهل التفسير: إن بني عمرو بن عوف اتخذوا مسجدا قباء، وبعثوا للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يأتيهم، فأتاهم، فصلى فيه. فحسدوا إخوانهم بنو غنم بن عوف وقالوا: نبني مسجداً ونبعث إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيصلي لنا كما صلى في مسجد إخواننا ...... فأتوا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو يتجهز إلى تبوک فقالوا: يا رسول الله! قد بنينا مسجداً لذي الحاجة والعلة ...... وتجب أن تصلي فيه، وتدعوا بالبركة، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إني على سفر وحال شغل فلو قدمنا لأتيناكم وصلينا لكم فيه، فلما انصرف النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من تبوک أتوه ...... فدعا بقميصه ليلبسه ويأتيهم، فنزل عليه القرآن بخبر مسجد الضرار، فدعا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مالک بن الدخشم ومعن بن عدي وعامر بن السكن ووحشياً قاتل حمزة فقال: انطلقوا إلى هذا المسجد الظالم أهله فاهدموه وأحرقوه، فخرجوا مسرعين ...... فأحرقوا المسجد وهدموه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، التوبة: ۱۰۷: ۴/۱۹۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير روح المعاني: ۱۱/۱۷، ۱۸، دارإحياء التراث العربي بيروت) .... =

واکلیل وغیرہ میں لکھا ہے کہ جومسجد با قاعدہ مسجد بنادی جائے یعنی اس کو وقف کر کے نماز، اذان، جماعت اس میں شروع کردی جائے تو وہ شرعاً مسجد ہوجائے گی، بنانے والے کی نیت اگر خراب ہو اور دوسری مسجد کو نقصان پہونچانے کی نیت سے مخالفت کی بناء پر بنائی ہو، تب بھی اس کو مسجد ضرار قرار دے کر مسمار نہیں کیا جائے گا(۱)، تو بنانے والا اپنی نیت کا پھل آپ ہی کھائے گا اچھا ہو یا برا(۲)۔ مگر نماز اس مسجد میں بھی درست ہوگی، اس لئے اگر ایک مدرسہ کی مخالفت میں کوئی مدرسہ قائم کرے گا اور دینی تعلیم دے گا تو اس کو مدرسہ ضرار قرار دے کر ختم کرنے کا حکم نہیں۔ بلا وجہ مخالفت کرنے والا اپنی خراب نیت کا نتیجہ خود بھگتے گا، دیکھنے والے خود دیکھ کر سمجھ کر جہاں

= (وكذا في تفسير ابن كثير: ۲/۱۱۵، مكتبه دار السلام)

(۱) تفسیر مظہری مدارک میں مسجد ضرار کے بحث میں ایسی کوئی عبارت نہیں مل سکی۔ البتہ ایسے موقع پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ عام طور پر اس بات کے مفہوم مخالف سے استدلال فرماتے ہیں:

"كل مسجد بني مباهاة أو رياء أوسمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب فهو لاحق بمسجد الضرار". (تفسير المدارك، التوبة: ۱۰۷: ۱/۱۵۲، قديمی)

(وكذا في الكشاف، التوبة: ۲/۳۱۰، دار الكتاب العربي)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

اور "اکلیل" نامی کتاب تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکی۔ البتہ فقہی کتب میں ایسی عبارتیں موجود ہیں:

"حتى أنه إذا بنى مسجداً وإذن للناس بالصلاة فيه، فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً".

(الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۷۰، قديمی)

"إن جعل أرضا له مسجداً لعامة المسلمين وبناها، وإذن للناس بالصلاة فيها، وأبا نها من ملكه فأذن فيه المؤذن، وصلى الناس جماعة صلاة واحدة أو أكثر لم يكن له أن يرجع فيه، وإن مات لم يكن ميراثاً؛ لأنه حرزها عن ملكه، وجعلها خالصة لله". (المبسوط للسرخسي، كتاب الوقف: ۲/۳۰، حبيبيه كوئٹه)

(۲) "عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لا مرئ مانوى" الحديث. (مشكاة المصابيح، قبيل كتاب الإيمان: ۱/۱۱، قديمی)

(وصحيح البخاري، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۲، قديمی)

(وصحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب قوله النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إنما الأعمال بالنية، ص: ۸۵۳، دار السلام رياض)

واقعی دینی تعلیم صحیح طریق پر ہوتی ہے، اس کی اعانت کریں۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۷ھ۔

ایک مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری بڑی مسجد بنانا

سوال[۱۰۷۸۹]: ایک محلّہ میں مسجد موجود ہے، نمازی بھی بہت تھوڑے سے ہیں، مگر اہل محلّہ نے دوسری بڑی مسجد بنانے کا ارادہ کرلیا ہے، جس کی بنیاد بھی ڈال دی ہے، اب دنیا بھر میں چندہ کرتے پھریں گے۔ کیا یہ طریقہ مناسب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقۂ خلاف عقل ہے، جب وہاں کے نمازیوں کے لئے وہ مسجد کافی ہے اور اس کو بھی پوری طرح آباد نہیں کر پاتے تو دوسری مسجد کے لئے چندہ کرتے پھرنا غلط ہے، شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے(۱)۔ فقط۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: من سأل الناس وله ما یغنیه، جاء یوم القیامة ومسألته في وجهه خموش أو خدوش أو كدوح". (مشكاة المصابیح، باب من لاتحل له المسألة: ۱/۱۵۳، دارالكتب العلمیة بیروت)

"عن سمرة بن جندب رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أن المسألة كدٌّ یكدّبها الرجل وجهه، إلا أن یسأل الرجل سلطاناً أو في أمر لابد منه". (جامع الترمذي، باب ماجاء في النهي عن المسألة: ۱/۱۴۷، سعید)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۵۵، ۵۶، رقم الحدیث: ۲۲۳۴، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

الفصل الثالث في المحراب والمنبر والمنارة

(محراب، منبر اور مینارہ کا بیان)

مسجد کا منبر بنوانا

سوال[۱۰۷۹۰]: کیا ہر مسجد کا منبر بنوانا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضروری نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۸۶ھ۔

---

(۱) اگر منبر کے بغیر بھی خطیب صاحب کی آواز سنائی دیتی ہے اور مسجد اتنی بڑی نہیں کہ خطیب نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، تو منبر بنوانا ضروری نہیں ہے، اگر بنالیا گیا تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، اس لئے کہ منبر بنوانا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

"وكان منبر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن يمين المحراب إذا استقبلت القبلة". (بذل المجهود، باب موضع المنبر: ۱۷۸/۲، إمداديه ملتان)

"عن أبي حازم بن دينار أن رجالاً أتوا سهل بن سعد الساعدي، وقد امتروا في المنبر مما عوده فسألوا عن ذلک، فقال: والله إني لأعرف مما هو، ولقد رأيته أول يوم وضع، وأول يوم جلس عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ...... فلما فرغ أقبل علينا، فقال: أيها الناس إنما صنعت هذا لتأتموا بي ولتعلموا صلاتي". (سنن أبي داود، كتاب الجمعة، باب اتخاذ المنبر: ۱۶۲/۱، ۱۶۳، رحمانيه)

"عن أبي بكر البلخي رحمه الله تعالىٰ: أنه سئل عن الوقف على المسجد يجوز لهم أن يبنوا منارة من غلة المسجد قال: إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به، وإن كان بحال يسمع الجيران الأذان بغير منارة فلا أرى لهم أن يفعلو ذلک". (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۱/۳، رشيديه)

کیا مسجد کا مسجد ہونا مینار پر موقوف ہے؟

سوال[۱۰۷۹۱]: ۱...... عیدگاہ گدوال کی تعمیر کے وقت ایک اپیل جاری کی گئی ہے، جس میں یہ الفاظ درج ہیں: ''عیدگاہ کے اونچے میناروں کا کام باقی رہ گیا ہے، آپ دل کھول کر چندہ دیجئے تاکہ یہ اونچے مینار آسمان سے آنے والی بلاؤں کو آبادی میں جانے سے روک سکیں''۔ اس پر چند لوگ معترض ہیں، آپ سے یہ درخواست ہے کہ مسجدوں یا عیدگاہوں کے لئے مینار کا ہونا کیا ضروری ہے؟ کیا وہ بغیر مینار کے مسجد نہیں کہلائے گی؟

منارۂ مسجد کا شرعی حکم

سوال[۱۰۷۹۲]: ۲...... مسجد کے میناروں کے متعلق شرعی مسئلہ کیا ہے؟ کیا مسجد کے مینار دعا کرتے ہیں؟ براہِ کرم توضیح فرما کر ممنون فرمائیں۔

۳...... اپیل میں جو الفاظ درج ہیں، کیا وہ صحیح ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مسجد کا شرعی مسجد ہونا منارہ پر موقوف نہیں، بغیر منارہ کے بھی مسجد ہے، البتہ منارہ کی وجہ سے دور سے علم ہوجاتا ہے اور مسافر کو مسجد تک پہونچنے میں آسانی ہوتی ہے، نیز مسجد کی شان نمایاں ہوجاتی ہے(۱)۔

۲...... حدیث شریف میں منارہ بنانے کی تاکید نہیں، جس جگہ بھی اللہ کا نام لیا جائے اور اس کی عبادت کی جائے وہ جگہ پرنور ہوجاتی ہے اور خدائے پاک کی وہاں رحمت نازل ہوتی ہے، غضب سے عموماً حفاظت رہتی ہے۔

۳...... اپیل کے الفاظ میں اس کو حدیث کی طرف منسوب نہیں کیا گیا، ممکن ہے کہ اس کا مطلب وہ ہو

---

(۱) "وأما بناء منارة المسجد من غلة الوقف إن كان بناؤها مصلحة للمسجد بأن يكون أسمع للقوم فلا بأس به، وإن لم يكن مصلحة لايجوز بأن يسمع كل أهل المسجد الأذان بغير منارته، كذا في التمرتاشي".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۲، رشيديه)

"أيجوز أن يبني من غلته منارة؟ قال في الخانية معزيا إلى أبي بكر البلخي: إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به، وإن كان بحال يسمع الجيران الأذان بغير منارة فلا أرى لهم أن يفعلوا ذلک". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۷/۱۳۷، حقانيه پشاور)

جو کہ اوپر تحریر کیا گیا، اگر وضاحت کردی جاتی تو بہتر تھا۔ پھر اعتراض نہ ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۱۴۰۰ھ۔

عمدہ مینار ہوتے ہوئے نئے مینار بنانا

سوال[۱۰۷۹۳]: ہماری جامع مسجد کے مینار بہت عمدہ بنے ہوئے ہیں، اب کچھ لوگوں کا ارادہ ہوا کہ اور مینار بنائے جائیں، جس پر چار ہزار روپیہ خرچ ہوگا اور چندہ کیا جائے گا، اہل محلّہ کو یہ بات گراں معلوم ہورہی ہے، جب مینار موجود ہیں تو دوسرے مینار بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ مینار اچھے اور عمدہ بنے ہوئے ہیں، تو نیا مینار علیحدہ بنیاد اٹھا کر کے بنانا اور اس پر کثیر رقم خرچ کرنا بیکار ہے، اس طرح روپیہ ضائع نہیں کرنا چاہیے، اس میں کوئی ثواب نہیں، بلکہ بلاوجہ روپیہ خرچ کرنا وبال ہے(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے منارہ کو کئی رنگوں سے رنگنا

سوال[۱۰۷۹۴]: مسجد کے اذان گاہ کے منارہ کو کئی رنگوں سے رنگا گیا ہے، چند قسموں کے رنگوں سے رنگنا جائز نہیں ہے، کیونکہ امام صاحب نے کہا ہے کہ اسی طرح رنگنا یہ تو مندر ہوگیا ہے۔ صحیح صحیح جواب سے مطلع فرمائیں۔

---

(۱) "سئل أبوبكر عن بناء المنارة من غلة المسجد قال: إن كان البناء مصلحة للمسجد ...... أن يكون أسمع للقوم يجوز، وإن لم يكن في البناء مصلحة للمسجد ...... أن يكون المسجد في موضع يسمع جميع أهله الأذان من غير المنارة لايجوز". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۷/۱۳۷، حقانيه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۳۶۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في اداب المسجد: ۵/۳۲۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کی آمدنی سے خوشنمائی اور زینت کے لئے رنگ کرنے کی اجازت نہیں، استحکام اور پختگی کے لئے جو رنگ مناسب ہو، اس کی اجازت ہے، جب کہ اس میں خلافِ شرع کوئی چیز نہ ہو۔ (کذا في ردالمحتار)(۱). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا مینار دعا کرتے رہتے ہیں؟

سوال[۱۰۷۹۵]: کیا کوئی ایسی حدیث موجود ہے کہ ''مسجد کے دو مینار گویا دو ہاتھ ہیں، جو آبادی والوں کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں؟''

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے ایسی حدیث کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

کسی مسجد کا گنبد روضۂ اقدس کے گنبد کی طرح بنانا

سوال[۱۰۷۹۶]: مسجد میں روضۂ اقدس کے ڈیزائین کا گنبد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) ''ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب بماله، لا من مال الواقف، فإنه حرام، وضمن متوليه لو فعل ...... إلا إذا كان لإحكام البناء''. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

''ولا بأس بأن ينقش المسجد بالجص والساج وماء الذهب ...... وهذا إذا فعل من مال نفسه، أما المتولي فيفعل من مال الوقف ما يرجع إلى إحكام البناء، دون مايرجع إلى النقش، حتى لو فعل يضمن''. (فتح القدير، كتاب الصلاة: ۱/۳۶۸، رشيديه)

''أما المتولي فإنما يفعل من مال الوقف مايحكم البناء دون النقش''. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۲/۶۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی شکل کا گنبد اگر تلبیس وفریب کے لئے بنائے کہ اس مسجد کو لوگ مسجد نبوی سمجھیں اور اس کے ساتھ وہی عقیدت رکھیں تو ناجائز ہے(۱)، جیسا کہ بعض اہل باطل نے یہی حرکت کی، اپنی مسجد کا نام مسجد نبوی رکھا، اپنے قبرستان کا نام جنت البقیع رکھا اور اپنے لئے منصب نبوت تجویز کیا، اگر تلبیس مقصود نہیں، تبرک کے طور پر یا تشویق کے لئے ہے کہ اس کو دیکھ کر زیارتِ روضہ اقدس کا شوق پیدا ہو، تو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۲/۳ھ۔

پیشاب خانے اور بیت الخلاء کے اوپر مسجد کا گنبد بنانا

سوال[۱۰۷۹۷]: ہماری مسجد میں ایک گنبد بنانا ہے، جہاں یہ گنبد بنانا ہے، اس کے بالکل نیچے کے حصہ میں پیشاب خانہ بیت الخلاء ہے، ہمارے لئے اس پر گنبد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد کی جس جگہ کو نماز کے لئے تجویز کر دیا گیا ہے، وہ اوپر نیچے سب مسجد ہے، اس کے نیچے کے حصہ

---

(۱) "وهذه المشاهد الباطلة إنما وضعت مضاهاة لبيوت الله وتعظيما لما لم يعظمه الله وعكوفاً على أشياء لاتنفع ولا تضر، وصداً للخلق عن سبيل الله، وهي عبادة وحده لاشريك له بما شرعه على لسان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واتخاذها عيداً ...... ويلتحق بهذا الضرب، ولكنه ليس منه مواضع تدعى لها خصائص لا تثبت مثل: كثير من القبور التي يقال: إنها قبر نبي أو قبر صالح، أو مقام نبي أو صالح، ونحو ذلك، وقد يكون ذلك صدقاً، وقد يكون كذباً، وأكثر المشاهد على وجه الأرض من هذا الضرب، فإن القبور الصحيحة، والمقامات الصحيحة قليلة جداً". (اقتضاء الصراط المستقيم، ص: ۳۳۱، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكه)

صورت چیزے را حکم آنچیز دادن، واین وہم اکثر راہ بت پرستان زدہ، وآنہا را در ضلالت آفگندہ، ...... ودر شیعہ این وہم خیلے غلبہ کردہ قبور حضرت امامین وحضرت امیر وحضرت زہرا را تصویر کنند، وبگمان آنکہ این قبور حقیقۃ قبور مجمع النور آن بزرگواران است تعظیم وافر نمایند، بلکہ نوبت بسجدات رسانند، وفاتحہ خوانند وسلام ودرود رسانند، وگس رانہائے منقش ومزین گرفتہ گردا گرد استادہ شوند درزنگ مجاوران داد شرک دہند"۔ (تحفہ اثنا عشریہ، باب یازدہم وخواص مذہب شیعہ: ۱/۳۵۱، سہیل اکیڈمی لاہور)

میں پیشاب خانہ بیت الخلاء وغیرہ بنانا جائز نہیں (۱)، مسجد کی چھت پر ضرورت ہو، تو گنبد بنا سکتے ہیں، اگر اس کے نیچے پیشاب خانہ ہو، تو وہاں سے ہٹانا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "وكره تحريماً (الوطء فوقه، والبول والتغوط)؛ لأنه مسجد إلى عنان السماء". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: وكذا إلى تحت الثرىٰ ...... بقي لو جعل الواقف تحته بيتا للخلاء هل يجوز كما في مسجد محلة الشحم في دمشق؟ لم أره صريحاً، نعم! سيأتي متنا في كتاب الوقف أنه لو جعل تحته سرداباً لمصالحه جاز". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۶، سعيد)

"قال الرافعي: (قوله لم أره صريحاً نعم سيأتي متنا) الظاهر عدم الجواز، وما يأتي متنا لا يفيد الجواز؛ لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه". (تقريرات الرافعي على ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۱/۸۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۶۰، رشيديه)

الفصل الرابع في بيع المسجد وأوقافه

(مسجد اوراس کے سامان کو بیچنے کا بیان)

پرانی مسجد کی بے کار چیزوں کا حکم

سوال[۱۰۷۹۸]: اگر قدیم مسجد کی بیکار چیزیں جیسے: ٹین یا لکڑی وغیرہ بغیر اجازت مصلیان کوئی فروخت کر کے اس پیسہ میں جدید مرمت کرالے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہر شخص کو اس قسم کے تصرف کا حق نہیں، متولی کو نمازیوں کے مشورہ سے مصالح مسجد کے پیش نظر ایسا کرنا درست ہے۔اور جب تک وہ چیزیں مسجد کے لئے کارآمد رہیں، ان کو فروخت نہ کیا جائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۶/۴/۸۶ھ۔

پرانی مسجد کے بچے ہوئے سامان کا حکم

سوال[۱۰۷۹۹]: کیا پرانی مسجد کا سامان یعنی اینٹ پتھر اور لکڑ کوئی بھی چیز نئی تعمیر ہونے والی مسجد کے کام نہ آتی ہو، اس وقت پرانی مسجد کا سامان فروخت کر کے اس مبلغ کو نئی مسجد کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں؟ اور پرانی مسجد کا سامان خریدنے والا وہ سامان اپنے مکان کی تعمیر میں لگا سکتا ہے؟

---

(۱) "صرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه ليحتاج، إلا إذا خاف ضياعه فيبيعه، ويمسك ثمنه ليحتاج". (الدر المختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: فعلى هذا يباع النقض في موضعين: عند تعذر عوده، وعند خوف هلاكه".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب: ۳۷۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۷/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۷/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ سامان نئی مسجد میں کارآمد نہیں، تو اس کو فروخت کرکے قیمت سے مسجد کے لئے دوسرا سامان خرید لیا جائے (۱) اور اس سامان کو خریدنے والا اپنے کام میں لاسکتا ہے، تعمیر وغیرہ میں جہاں ضرورت ہو استعمال کرے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۲۹ھ۔

مسجد کے پرانے ٹائیلوں کا حکم

سوال [۱۰۸۰۰]: مسجد میں پہلے ٹائیل لگے ہوئے تھے، لیکن جب وہ بوسیدہ اور کمزور ہوگئے، تو ان کو اکھاڑ کر پکا فرش بنایا گیا اور ٹائیل اکھاڑ لئے گئے اور بیکار پڑے ہیں، تو کیا ان کو فروخت کرنا جائز ہے؟ چونکہ پھر ان پر جوتے بھی پڑیں گے، گندگی بھی ہوگی، جب کہ ان پر عرصہ دراز تک لوگوں نے نماز پڑھی ہے، لہٰذا فروخت کرنا کیسا ہے؟ اور اس کو کس مد میں دیں؟

---

(۱) "قال رحمه الله تعالیٰ: ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه للاحتياج أي: إلى الاحتياج؛ لأنه لا بد من العمارة ...... وإن تعذر إعادة عينه، بيع، وصرف ثمنه إلى العمارة؛ لأن البدل يقوم مقام المبدل، فيصرف مصرف البدل". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۶۷/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱۲۳/۱، إمداديه كوئٹه)

(وكذ في الفتاویٰ المهدية، كتاب الوقف: ۴۶۴/۲، مكتبه عربيه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۷/۵، رشيديه)

(۲) "وحكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتا". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دارالمعرفة بيروت)

"لأن الملك مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۵۴/۱، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ کسی دوسری مسجد کے فرش کے لئے خرید کر استعمال کرلیا جائے (۱)، یہ بھی درست ہے کہ کوئی آدمی خرید کر دیوار میں لگالے (۲)، مسجد سے جدا ہونے کے بعد اس کا وہ حکم وادب نہیں رہا جو کہ مسجد میں تھا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "والصحيح من مذهب أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: في فصل الحصير أنه لايعود إلى ملك صاحبه بخراب المسجد، بل يحول إلى آخر، أو يبيعه قيم المسجد للمسجد". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۱۳۲/۷، حقانيه پشاور)

"وعن الثاني: ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي، ومثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما فيصرف ...... إلى أقرب مسجد". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف: ۵۷۴/۵، قديمى)

(۲) "قال رحمه الله تعالىٰ: ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه للاحتياج أي: إلى الاحتياج؛ لأنه لا بد من العمارة ...... وإن تعذر إعادة عينه، بيع، وصرف ثمنه إلى العمارة؛ لأن البدل يقوم مقام المبدل، فيصرف مصرف البدل". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۷۴/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱۲۳/۱، إمداديه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ المهدية، كتاب الوقف: ۴۶۴/۲، مكتبه عربيه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۶۷/۵، رشيديه)

(۳) "سئل الفقيه أبوبكر: عن حشيش المسجد يخرج عن المسجد أيام الربيع، قال: إن لم يكن له قيمة فلابأس بطرحه خارج المسجد، ولا بأس برفعه، والانتفاع به ...... وفي فتاوىٰ سمرقند: حشيش المسجد إذا كان له قيمة فلأهل المسجد أن يبيعوا". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۱۳۴/۷، حقانيه پشاور)

"لا حرمة لتراب المسجد إذا جمع، وله حرمة إذا بسط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في اداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵۷۷/۵، قديمى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۹/۵، رشيديه)

مسجد کی اراضی فروخت کرکے اس سے شیئرز خریدنا

سوال[۱۰۸۰۱]: کیا مسجد کی اراضی کو فروخت کرکے اس رقم سے شیئرز خرید کر مسجد کی آمدنی میں اضافہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

انقاضِ مسجد کا حکم

سوال[۱۰۸۰۲]: مسجد سابق کو از سرِنو بنانے پر جو اُس کا سامان چونا، مٹی، اینٹ، روڑہ وغیرہ بچ رہے ہیں اور مسجد میں کسی جگہ اس کے لگانے کی ضرورت نہیں رہی، اس کو فروخت کیا جائے، یا کسی اور جگہ گلی کوچوں یا عام راستوں وغیرہ میں صَرف کرسکتے ہیں، اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ اینٹ روڑا جدید تعمیر مثلاً: مینار وغیرہ میں بھی کام آسکے تو اس کو اسی کام میں لگا دیا جائے، ورنہ فروخت کردیا جائے اور قیمت مسجد کی ضروریات میں صَرف کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۵/۸/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "إذا تم ولزم لایملک، ولایملک، ولایعار، ولا یرهن". (الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله لایملک) أي: لایکون مملوکاً لصاحبه، ولا یملک أي: لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

"إذا صح الوقف لم یجز بیعه، ولا تملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۵۸۱/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "صرف الحاکم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عینه إلی عمارته إن احتاج، وإلا حفظه لیحتاج، إلا إذا خاف ضیاعه فیبیعه، ویمسک ثمنه لیحتاج". (الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدین =

فقیروں کی دی ہوئی مسجد کی بیع وغیرہ کرنا

سوال[۱۰۸۰۳]: قصبہ شاملی مسجد گڑھی والی کی پشت پر ایک افتادہ زمین تھی، جو کہ تکیہ کے نام سے موسوم تھی اور فقیر اس پر قابض ومتصرف تھے، فقیروں نے وہ زمین ایک شخص کو کاشت کرنے کے لئے دے دی، شخصِ مذکور نے کچھ خرچ کرکے اس میں کاشت درج کرالی، فقیروں کو جب علم ہوا کہ زمین ان کے قبضہ سے نکل گئی تو انہوں نے وہ زمین برابر کی مسجد کو دے دی اور احتیاطی طور پر بیع نامہ چار سو کے قریب میں لکھ دیا گیا، مگر لیا کچھ نہیں، اس کے دو سال بعد جس شخص نے اپنی کاشت درج کرائی تھی، ان کے احباب میں کچھ وہ اشخاص تھے جو مسجد کے انتظامی امور میں دلچسپی رکھتے تھے، ان اشخاص نے کاشت درج کرنے والے پر زور ڈالا کہ تم کاشت سے استعفا دے دو تو اس شخص نے اس شرط پر کہ جو میرا خرچ ہوا ہے، وہ مجھے واپس کر دیا جائے، استعفیٰ دے دیا۔

چار سو روپیہ شخص مذکور کو دے دیئے گئے اور مسجد کی کاشت درج ہوگئی، مسجد کے کچھ ہی فاصلہ پر ایک ڈگری کالج انگلش ہندی کا ہے، جس نے بہت سی زمینیں الاٹ کرالیں اور اندیشہ تھا کہ مسجد کی زمین پر بھی قابض ہو جائے، کیونکہ اس کے متصل ہی کالج کی زمین ہے، اس لئے متولی اور سب نمازیوں کا مشورہ ہوا کہ مسجد میں اتنی گنجائش ہے کہ ساری زمین پر قبضہ کرکے اپنے استعمال میں لائے اور اس میں سے چوتھائی حصہ فروخت کرکے اس رقم سے اس مسجد کی پشت پر کواٹر بنائے جائیں جس سے مسجد کی مستقل آمدنی ہو، بالاتفاق یہ مشورہ طے پایا اور قصبہ کے جو عالم مفتی تھے انہوں نے بھی اس کی تائید کی اور غالباً فتویٰ بھی مختلف جگہ سے حاصل کئے گئے، بیع نامہ ہوگیا کواٹر بھی بن گئے۔

سال دو سال بعد اس کا تعلق سینٹرل بورڈ سے کرایا گیا، انہوں نے حسابات دیکھ کر اس کو تسلیم کیا، اس کے بعد مقامی اشخاص میں اختلاف شروع ہوا، جن متولی صاحبان نے باصرار یہ زمین بعض اشخاص کے ہاتھ فروخت کی تھی، ان کے مخالف ہوگئے اور سنی سینٹرل بورڈ کے کارکنان کے آگے یہ بیانات دیئے کہ یہ زمین موقوفہ تھی۔ اس کی بیع درست نہیں ہوئی، تو برائے کرم چند اُمور سے مطلع فرمائیں:

۱...... کیا یہ بیع نامے جائز ہیں یا ناجائز؟

= رحمه الله تعالیٰ: فعلی هذا یباع النقض في موضعین: عند تعذر عوده، وعند خوف هلاکه"
(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب: ۳۷۷/۴، سعید)
(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۶۷/۵، رشیدیه)
(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۵۸۷/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

۲......موجودہ صورت میں کیا یہ زمین وقف ہے؟

۳......اگر بیع نامہ جائز ہے، تو جو مشتری لینے کے لئے تیار نہیں ہورہا تھا، بار بار یہی کہتا تھا کہ سودوسو روپے حسبۃً للہ مسجد کے لئے دے سکتا ہوں، مگر اس کو مجبور کر کے یہ زمین لی گئی، تو اس کی رقم مسجد ادا کرے گی یا سابق متولی جنہوں نے بیع نامہ کرایا؟

۴......بقیہ زمین موجود ہے، اس پر بھی مسجد اپنا قبضہ نہیں کر سکتی، یا تو کرایہ پر کوئی کرایہ دار قابض ہوگا یا دوبارہ اس کو فروخت کرنی ہوگی۔

۵......کیا یہ بیع صحیح ہوگئی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس زمین پر فقیر قابض تھے، اگر اس کا وقف یا کسی اور کی ملک ہونا ثابت نہیں تھا اور انہوں نے وہ فروخت کر کے مسجد کو دے دی اور قیمت نہیں لی تو وہ زمین مسجد کی ملک ہوگئی، متولیان صاحبان نے اگر اس کو خرید کر باقاعدہ وقف نہیں کیا تو وہ وقف نہیں ہوئی (۱)۔

۱......اس صورت میں یہ بیع نامے جائز ہوئے (۲)۔

۲......وقف نہیں (۳)۔

۳......بیع جائز ہے (۴)، قیمت کی واپسی کا سوال پیدا نہیں ہوتا (۵)۔

---

(۱) "اعلم أن عدم جواز بيعه إلا إذا تعذر الانتفاع به، إنما هو فيما إذا ورد عليه وقف الواقف، أما إذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ لأن في صيرورته وقفاً اختلافاً، والمختار أنه لايكون وقفاً". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۷، سعيد)

"المتولي إذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو دار أو مستغلاً آخر جاز ...... فإن أراد المتولي أن يبيع ما اشترى ...... قال بعضهم: يجوز هذا البيع؛ لأن المشتري لم يذكر شيئاً من شرائط الوقف فلا يكون ما اشترى من جملة أوقاف المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۶، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲،۳،۴) راجع رقم الحاشية: ۱

(۵) "وحكمه ثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (حاشية =

۴......اس کا بھی وہی حکم ہے، مسجد کے ذمہ دار دیندار، سمجھدار، خیر خواہ اگر اس کو فروخت کرنا مصالح مسجد کے موافق سمجھتے ہیں، تو فروخت کر سکتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ وہاں بھی مسجد کے لئے مکانات یا دوکانات بنادیں، تاکہ مسجد کے لئے آمدنی کا ذریعہ ہوجائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۸۶ھ۔

کیا بلا وقف مسجد کو دی گئی جائیداد فروخت ہوسکتی ہے؟

سوال[۱۰۸۰۴]: ۱-تاحیات میں مقر اپنے مکان کا مالک وقابض رہوں گا اور کل حق ہر قسم انتقال وغیرہ کے حاصل ہوں گے۔

۲-بعد وفات مجھ مقر کے مکان کے مالک وقابض مسجد اندرون کوٹلہ معرفت متولی محمد اقبال ہوں گے اور مسجد کو کل حق ہر قسم انتقال وغیرہ کے وصول ہوں گے۔

۳-بعد وفات مقر اگر کوئی شخص اس وصیت نامہ کے خلاف قانون وپنچایت وعدالت کارروائی کرے گا، تو اس کو کچھ نہیں ملے گا اور اس کی کل کارروائی کالعدم ہوگی۔

مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ مکان وقف ہوگا یا نہیں؟ اور اس کو مسجد فروخت کر سکتی ہے یا نہیں؟

واضح رہے کہ متولی کا کوئی شرعی وارث نہیں ہے، اس کی بیوی کی چار لڑکیاں جو دوسرے شوہر سے تھیں،

= الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب البیوع: ۳/۴، دار المعرفة بیروت)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب الأول في تعریف البیع: ۳/۴، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب البیع: ۴۳۸/۵، رشیدیه)

(۱) "وقد روي عن محمد رحمه الله تعالیٰ: إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال، والقیم یجد بثمنها أخری، هي أکثر ریعاً کان له أن یبیعها، ویشتري بثمنها ما هو أکثر ریعاً". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۴۵/۵، رشیدیه)

(وکذا في رد المحتار، کتاب الوقف: ۳۸۴/۴، سعید)

(وکذا في الأشباه والنظائر، کتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن کراچی)

ان کا کوئی حق اس مکان میں ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ وقف نہیں (۱)، حسبِ صوابدید اس کو فروخت کرانا بھی درست ہے۔ جیسا کہ عبارت نمبر۲ میں انتقال کی اجازت مذکور ہے، بہتر یہ ہے کہ اگر فروخت کریں تو اس کی قیمت سے کوئی جائیداد مسجد کے لئے بنالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۴/۱۴۰۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆
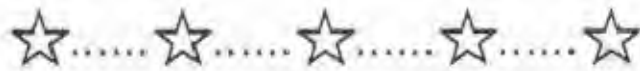
(۱) "وعندهما: هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ، وصرف منفعتها على من أحب ...... وعليه الفتوىٰ". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: قدر لفظ "حكم" ليفيد أن المراد أنه لم يبق على ملك الواقف، ولا انتقل إلى ملك غيره، بل صار على حكم الله تعالىٰ الذي لاملك فيه لأحد سواه".
(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۳۸/۴، ۳۳۹، سعيد)

"إذا جعل أرضا له مسجداً، وشرط من ذلك لنفسه شيئاً، لايصح بالإجماع ......". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف: ۱۳۱/۴، حقانيه پشاور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۳/۵، رشيديه)

الفصل الخامس في المسجد القديم

(پرانی مسجد کا بیان)

پرانی مسجد کو گرا کرنئی مضبوط مسجد تعمیر کرنا

سوال[۱۰۸۰۵]: شہر کی جامع مسجد قدیم زمانہ کی ہے اور چھوٹی ہے، اب اس کو ازسرنو بنانے کا ارادہ ہے تاکہ مسجد بڑی ہوجائے، بعض حضرات کی رائے ہے کہ اس کو گرا نہیں سکتے، صرف آس پاس سے بڑھا سکتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اس کو شہید کرکے ازسرنو بنایا جائے، اس پر شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

پوری مسجد کی قدیم عمارت جب کہ وہ پختہ اور مضبوط ہو، شہید نہ کریں، بلکہ موقع کے مناسب آگے پیچھے دائیں بائیں سے حسبِ صوابدید اس میں اضافہ کرلیں، لیکن اگر مسجد قدیم کے بانی اور اب جدید بناء کرنے والے سب ایک ہی محلہ کے لوگ ہیں، تو ان کو حق ہے کہ تمام مسجد کو ازسرنو تعمیر کرلیں۔

"مسجد مبني أراد رجل أن ينقضه ويبنيه (ثانيا) أحكم (من البناء الأول) ليس له ذلك؛ لأنه لا ولاية له (كذا في) المضمرات. (وفي النوازل) إلا أن يخاف أن ينهدم إن لم يهدم، كذا في التتارخانية. وتأويله: إذا لم يكن الباني من أهل تلك المحلة، وأما أهلها فلهم أن يهدموا ويجددوا بناء ه" (شامي كراچى: ٤/٣٥٧، كتاب الوقف)(١).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

---

(١) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۷/۴، سعيد)

"سئل أبو القاسم عمن أراد أن يهدم مسجداً ويبنيه أحكم من بنائه الأول؟ قال: ليس له ذلک، =

تعمیرِ جدید کے وقت اگر مسجد کا کچھ حصہ دیوار میں آجائے

سوال[۱۰۸۰۶]: ایک مسجد کو منہدم کر کے جدید تعمیر کرنی ہے، منہدم کرنے پر قبلہ صحیح کرنے کی صورت میں مسجد کی قدیم جنوبی دیوار کا کچھ حصہ سابق فرش پر آجاتا ہے اور قدیم دیوار کا اکثر حصہ فاضل ہوجاتا ہے، اب اسی فاضل دیوار کو مسجد کی دوسری ضرورت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اب جو جگہ ایک دفعہ نماز پڑھنے کے لئے بنادی گئی ہے اس کو خارج مسجد قرار دے کر کسی دوسرے کام کے لئے مخصوص کر لینا درست نہیں۔ كذا في الدر المختار(۱).

البتہ دیوار کے اندر آیا ہوا کچھ حصہ مسجد ہی سے متعلق کسی کام میں آجائے، تو مضائقہ نہیں، مثلاً: اس میں مسجد کی الماری بنادی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۵ھ۔

= وفي النوازل: إلا أن يخاف أن ينهدم إن لم يهدم، وتأويل هذه المسئلة: إذا لم يكن هذا الرجل من أهل هذه المحلة. فقد ذكر في الواقعات عن أبي حنيفة: لأهل المسجد أن يهدموا المسجد، ويجددوا بناءه ...... وفي السراجية: مسجد مبني معمور ليس للمتولي أن يهدمه ثانياً، ويتكلف في تزيينه". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۵۷۳، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد. ۲/۴۵۷، رشيديه)

(۱) "يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة". (الدرالمختار).

"(قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً ولايجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء يصلون فيه أولا وهو الفتوىٰ، حاوي القدسي، وأكثر المشايخ عليه، مجتبى، وهو الأوجه، فتح".

(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الوقف: ۵/۴۲۴، رشيديه)

(۲) "وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه جاز كمسجد قدس ...... لو بنى فوقه بيتاً للإمام لايضر؛ لأنه من=

مسجد کی دوبارہ تعمیر کے وقت مسجد کا کچھ حصہ تعمیر میں شامل کرنا

سوال[۱۰۸۰۷]: ہمارے قصبہ کی بازار والی مسجد کی پرانی تعمیر ہے، کافی شکستہ ہو چکی ہے، خوف ہے کہ خدانخواستہ کسی بھی وقت ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جائے اور بہت ممکن ہے کہ یہ جگہ نام کو بھی عبادت گاہ نہ رہ سکے۔ أعاذنا الله منه.

دومنزلہ مسجد ہے، اوپر کی عمارت جماعت پنج وقتہ کے لئے مخصوص ہے اور اس کے نیچے تقریباً ۱۹/ فٹ کی جگہ میں ۵ دکانیں قائم ہیں، بالائی مسجد کی قبلہ رخ دیوار کا بنیادوں سے تعلق نہیں، ۱۹/ فٹ کے طول میں کڑیوں اور چھت پر یعنی دکانوں کی چھت پر مسجد کی تعمیر ہے جو بالائی مسجد کے لیول میں ہے، لیکن یہ نچلا طبقہ حدود مسجد کے باوجود کبھی کسی وقت نماز کے لئے استعمال نہیں ہوتا، بلکہ عموماً اہل قصبہ رمضان المبارک میں وہاں پر چولہا گرم کرتے ہیں۔

الغرض یہ کہنا کہ تعمیر مسجد مختصر ہے، صرف ایک صورت ہو سکتی ہے کہ آدھے حصہ میں مسجد رہے اور ۱۹ فٹ کا نصف دکانوں کے لئے چھوڑ دیا جائے، بہر حال تعمیر ضروری ہے، مذکورہ صورتوں میں جو صورت جواز کی ہو سکتی ہو، ارشاد فرما کر عنداللہ ماجور ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ حصہ متعلقات مسجد سے لے کر اصل حصہ میں شامل کر کے کم از کم تلافی کی گنجائش ہو تو نکالی جائے، عیدگاہ جامع مسجد اور مذکورہ مسجد کا متولی ایک ہی ہے، اول الذکر دو عبادت گاہوں کی کوئی آمدنی نہیں، نہ دکان نہ مکان، اس صورت میں ایک مسجد کے نام سے چندہ فراہم کر کے ان دو عبادت گاہوں پر صَرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ہر ایک کے لئے علیحدہ تعین ضروری ہے۔ اس کی کیا صورت ہوگی شرح فرما دیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو جگہ نماز کے لئے وقف کر کے عام اجازت اس میں نماز کی دے دی جائے اور اس پر کسی کا قبضہ مالکانہ نہ رہے، اس کو مسجد کہتے ہیں(۱)، اس کا حکم یہ ہے کہ تحتانی وفوقانی سب حصہ مسجد ہوتا ہے، اس میں کوئی دوسرا

= المصالح". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۲/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "أن المسلم إذا اتخذ داره للمسلمين مسجداً وسلم المسجد إلى المتولي وأذن للناس بالدخول =

تصرف جائز نہیں (۱)، اگر واقف نے اول دکانیں بنائیں اور ان کی چھت پر مسجد بنادی اور وہ دکانیں بھی مسجد ہی کے لئے ہوں، تو اس میں بھی گنجائش ہے (۲)۔

جو جگہ فوقانی مسجد کے نیچے خالی ہو، اس جگہ کو نماز وغیرہ ہی کے لئے استعمال کرنا چاہیے، اس میں چولہا جلانا اور دنیا کے دوسرے کام کرنا درست نہیں (۳)۔ وقتی ضرورت پر گرمی سردی برسات کے لحاظ سے وہاں

= والصلاة فيه، فصلى فيه قوم بجماعة، يصير مسجداً باتفاق بين أصحابنا". (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل السادس والعشرون في الأوقاف: ۲/۳۷۲، رشيديه)

"أما إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: في أحكام المسجد: ۴/۳۵۶، سعيد)

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: إذا جعل أرضه مسجداً وسلم جاز، ولايكون له أن يرجع". (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۱، رشيديه)

(۱) "وكره تحريماً (الوطء فوقه، والبول والتغوط)؛ لأنه مسجد إلى عنان السماء ......". (الدر المختار). وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وكذا إلى تحت الثرىٰ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۶، سعيد)

"إن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/۱۲۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "ولو جعل لغيرها أو جعل فوقه بيتاً وجعل باب المسجد إلى الطريق ...... لايكون مسجداً". (الدر المختار). "(قوله: أو جعل فوقه بيتا) ظاهره أنه لا فرق بين أن يكون البيت للمسجد أولا، إلا أنه يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجداً فيما إذا لم يكن وقفاً على المسجد، وبه صرح في الإسعاف فقال: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أوكانا وقفاً عليه صار مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۷، سعيد)

(وكذا في غنية ذوي الأحكام في بغية درر الحكام على هامش كتاب الدرر الحكام، كتاب الوقف: ۲/۱۳۵، مير محمد كتب خانه)

(۳) "أن المساجد بنيت لأعمال الآخرة مما ليس فيه توهم إهانتها وتلويثها مما ينبغي التنظيف منه، ولم =

جماعت بھی کی جائے اور سنن ونوافل کے لئے بھی اس جگہ کو استعمال کیا جائے، اب اگر مسجد مذکورہ شکستہ حالت میں ہے، گرنے کا قوی اندیشہ ہے اور دوبارہ یک منزلہ ہی تعمیر کرنا ہے تو جتنا تحتانی حصہ پہلے سے خالی تھا، اس حصہ پر کوئی دکان تعمیر نہ کی جائے اور مسجد کے نیچے کے جس حصہ میں دکان ہے اس کا نصف یا جتنا مسجد کے لئے مناسب ہو، اس کو داخل مسجد کرلیا جائے (۱)، بقیہ نصف میں حسب مصلحت مسجد کے لئے دکانیں بنادی جائے (۲)۔

اگر دومنزلہ بنانا ہو، تو جتنا حصہ نیچے کا مسجد کے لئے خالی تھا، اس کو برقرار رکھتے ہوئے بقیہ حصہ متعلقہ پر دکانیں تعمیر کرکے بالائی حصہ پر مسجد بنالی جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= تبن لأعمال الدنيا، ولو لم يكن فيه توهم تلويث وإهانة ..... تنزيه المسجد من القذر واجب". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۱، ۶۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

"أن المسجد ما بني إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقرأة قرآن".
(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۲/ ۲۰، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/ ۵۴، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "سئل الفقيه أبو جعفر عن وقف بجنب المسجد والوقف على المسجد، فأرادوا أن يزيدوا في المسجد من ذلک الوقف؟ قال: يجوز". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۷/ ۱۲۹، حقانيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/ ۸۵۷، قديمی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۲/ ۴۵۶، رشيديه)

(۲) "لو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها ..... كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۶۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/ ۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۷/ ۴۲، حقانيه)

(۳) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۱۴۱

الفصل السادس في التوسيع في المسجد

(مسجد میں توسیع کرنے کا بیان)

مسجد کی تنگی کی وجہ سے توسیع

سوال[۱۰۸۰۸]: موضع اچھ بل محلّہ ملک پورہ سوپور کشمیر میں ایک مسجد ہے، جونمازیوں کے لئے ناکافی وتنگ ہے، اہل محلّہ اس مسجد کو شہید کرکے ازسرنو بنانا چاہتے ہیں، مگر مغرب ومشرق کی جانب میں قبرستان ہے اور بطرف شمال مسجد کے ساتھ ایک زیارت ہے۔ جس میں ایک ولی مدفون ہیں، بطرف جنوب سیڑھی کے ساتھ ایک میت مدفون ہے، یہ میت تقریباً بیس سال سے مدفون ہے، اس کے علاوہ اس کی طرف جگہ کافی ہے، اگر مسجد شریف کو جنوب کی جانب بڑھادیا جائے گا تو یہ قبر مسجد کے نیچے آئے گی، نیز دوسرے محلے والے اپنے دور ہونے کا عذر بھی کرتے ہیں، اب دونوں محلّہ داران اس مسجد کو شہید کرکے دوسری جگہ لے کر ازسرنو بنانا چاہتے ہیں، کیا ازروئے شرع شریف یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس مسجد میں جگہ تنگ ہونے کی بناء پر دوسری جگہ مسجد بنانے کے لئے اس مسجد کو شہید کرنا اور اس کی قیمت سے دوسری جگہ خریدنا ہرگز ہرگز جائز نہیں (۱)، اگر اس مسجد میں جگہ کم ہے، نمازی اس میں نہیں سما سکتے اور

(۱) "يبقى مسجداً (عند الإمام والثاني) أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي (قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، وأكثر المشايخ عليه، مجتبى، وهو الأوجه، فتح". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

"لو صار أحد المسجدين قديماً، وتداعى إلى الخراب، فأرادوا أهل السكة بيع القديم مصرفه في المسجد الجديد، فإنه لايجوز". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۴۵۸/۱، رشيديه) .... =

آس پاس جگہ خالی نہ ہونے کی وجہ سے اس میں توسیع ہی نہیں کی جاسکتی، تو دوسری جگہ مسجد بنانے کے لئے مستقلاً انتظام کیا جائے (۱۲)۔ اس مسجد کو فروخت نہ کیا جائے اس کی کسی طرح اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چاروں طرف سے مسجد کی توسیع کرنا

سوال [۱۰۸۰۹]: مسجد کے چاروں طرف لوگوں نے قبرستان بنالیا ہے، اب مسجد تنگ ہوگئی ہے اوراس کو چاروں طرف بڑھانا ہے تو مسجد کو چاروں طرف سے بڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

موجودہ مسجد میں اگر تنگی ہو، تو آس پاس چاروں طرف سے حسبِ مصالح توسیع کرنا درست ہے، اگر زمین مسجد کی نہ ہو، تو خریدی جاسکتی ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

= "وفي الحاوي: سئل أبوبكر عن قوم ضاق مسجدهم فبنوا مسجداً آخر، قال: يبيعون الأول وينتفعوا بثمنه في الذي يبنونه، قال الفقيه: هذا الجواب على قول محمد. وعلى قول أبي يوسف: لايجوز بيع المسجد بحال". (الفتاویٰ التاتارخانیه، کتاب الوقف، مسائل الوقف المسجد: ۸۴/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "قال علماؤنا: لايجوز أن يبنى مسجد إلى جنب مسجد، ويجب هدمه، والمنع منه بنائه لئلا ينصرف أهل المسجد الأول فيبقى شاغراً إلا أن تكون المحلة كبيرة فلا يكفي أهلها مسجد واحد فيبنى حينئذٍ". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۹۳/۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في التفسير المنير، التوبة: ۴۸/۱۱، دارالفكر بيروت)

(وكذا في الكشاف، التوبة: ۳۱۰/۲، دارالكتاب العربي)

(۲) "ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه، ولا يبيعه، ولا يورث عنه؛ لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۵/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في العناية على هامش فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۳۲/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) "وتؤخذ أرض ودار وحانوت بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرها". (الدرالمختار). =

امام باڑہ سے مسجد کی توسیع کا حکم

سوال[۱۰۸۱۰]: محلّہ تیراپور شہر گورکھپور میں ایک مسجد کے متصل جانب مشرق ایک امام باڑہ تھا، محلّہ کے چھبیس گھر امام باڑہ کے منتظمین تھے، مسجد کی کمی کو دیکھتے ہوئے منتظمین امام باڑہ نے متفقہ طور سے یہ طے کیا کہ امام باڑہ مسجد کو دے دیا جائے اور اپنے اس فیصلے کے بعد منتظمین امام باڑہ نے مسجد کے منتظمین سے کہا کہ ہم لوگوں نے امام باڑہ مسجد کو دے دیا ہے، اب آپ لوگ جلد مسجد کی توسیع کردیں، تاکہ جو تکلیف مصلیوں کو درپیش ہے، وہ رفع ہوجائے۔ چنانچہ منتظمین امام باڑہ کے فیصلہ اور ان کی اجازت کی بناء پر منتظمین مسجد نے توسیع مسجد کا کام شروع کرادیا اور دو دیواریں بھی مکمل ہوگئیں۔

اب کچھ لوگوں نے یہ اعتراض اٹھادیا ہے کہ امام باڑہ کی زمین پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ امام باڑہ عام مسلمانوں کا ہے اور عام مسلمانوں نے اجازت نہیں دی، عام مسلمانوں سے معترضین کی مراد یہ ہے کہ مذکورہ امام باڑہ کے جو چھبیس گھر منتظمین کے ہیں، ان کے کسی گھر میں دس افراد، کسی گھر میں آٹھ افراد، اس طرح ہر گھر میں کچھ نہ کچھ افراد ہیں ان سب کی اجازت ضروری ہے، حالانکہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ چھبیس منتظمین گھر کے ہر گھر میں سے کوئی فرد بھی کمیٹی میں شریک ہوگیا اور بالاتفاق کمیٹی نے جو فیصلہ پاس کردیا تو اس فیصلہ کا ہر شخص پابند ہوتا تھا، کسی گھر کے بقیہ کسی فرد کو انحراف کا حق نہیں ہوتا تھا، آیا اس توسیع شدہ زمین پر نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں امام باڑہ کو توسیع مسجد کے لئے منتظمین کا متفقہ طور پر دے دینا مصرف کا صحیح تجویز کرنا ہے،

= "وفي الفتح: "لو ضاق المسجد وبجنبه أرض وقف عليه أو حانوت جاز أن يؤخذ ويدخل فيه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۵/۳۷۹، سعيد)

"وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً، لما روي عن الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة وزادوا في المسجد الحرام ...... ولو كان بجنب المسجد أرض وقف على المسجد فأرادوا أن يزيدوا شيئاً في المسجد من الأرض جاز ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۲، إدارة القرآن كراچی)

وہاں نماز درست ہے، معترضین کو اعتراض نہیں کرنا چاہیے، بلکہ وہ اپنا اعتراض واپس لے لیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۶/۲/۸ھ۔

مسجد کے قریب کی جگہ کو مسجد کے لئے لینا

سوال [۱۰۸۱۱]: ۱...... زید اور عمر مسجد کے منتظم ہیں، پس پشت مسجد کے ایک اراضی دیگر شخص کی ملکیت ہے، زید اور عمر اپنے اثر اور دباؤ سے اس پر اپنا قبضہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن اس کا مالک کسی طرح بھی اس اراضی کو مسجد کو دینے کے لئے تیار نہیں، تو ایسی حالت میں قبضہ جائز و درست ہے۔

۲...... کیا اراضی مذکورہ بالا پر غاصبانہ قبضہ کرنے پر زید وعمر کو کچھ ثواب ملے گا؟

۳...... کیا اراضی مذکورہ کو غاصبانہ قبضہ کے بعد مسجد کے کسی بھی کام میں لانا جائز و درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر مسجد کی تنگی اور نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے توسیع کی ضرورت ہو، تو مالک سے مناسب قیمت پر خرید لی جائے (۲)، اثر اور دباؤ سے زبردستی قبضہ کرنا غصب اور حرام ہے (۳)۔

---

(۱) "وعن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ، عن أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ: إذا جعل أرضه وقفاً على المسجد وسلم جاز، ولایكون له أن يرجع". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۱/۳، رشیدیه)

"فلو جعل وسط داره مسجداً، وأذن للناس في الدخول والصلاة فيه، إن شرط معه الطريق، صار مسجداً". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الأول: ۴۵۴/۲، رشیدیه)

"لأن الملک ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب: في تعريف المال والملک: ۵۰۲/۴، سعيد)

(۲) "وتؤخذ أرض ودار وحانوت بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرهاً". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: (قوله: بالقيمة كرهاً) لما روي عن الصحابة رضي الله تعالیٰ عنه: لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة، وزادوا في المسجد الحرام". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۷۹/۴، سعيد)

"وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً، لما روي عن الصحابة رضي الله تعالیٰ عنه لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۴۲۸/۵، رشیدیه) .... =

۲..... مظلوم ہونے کی وجہ سے وہ صبر کرے گا، تو بہت بڑا اجر وثواب ملے گا(۱)، اگر راضی ہوکر مسجد میں دے دے گا تب بھی مستحقِ اجر ہوگا(۲)۔

۳..... غصب کرنا ہرگز جائز نہیں۔ مسجد کے کسی کام میں لانا جائز نہیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۶/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۵۹۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب وهو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع في الكتاب والسنة". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۶/۵۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"الغصب: شرعاً: استيلاء على حق الغير بلا حق، وقال أيضاً: هو أخذ مال متقوم محترم بلا إذن مالكه بلاخفية". (القاموس الفقهي، ص: ۲۷۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۹۶، رشيديه)

(۱) "عن أبي أمامة الباهلي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنا زعيم ببيت في ربض الجنة لمن ترك المراء، وإن كان محقاً ...... الخ". (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في حسن الخلق: ۲/۳۱۳، إمداديه)

(وكذا في رياض الصالحين، باب حسن الخلق، ص: ۳۷۰، دار السلام)

(وكذا في كنز العمال، كتاب الأخلاق، الجزء الثالث: ۳/۲۵۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عبيد الله الخولاني، أنه سمع عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه يقول: ...... إني سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: من بنى مسجداً قال بكير: حسبت أنه قال يبتغي به وجه الله بنى الله له مثله في الجنة". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب من بنى مسجداً: ۱/۶۴، قديمى)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد: ۱/۶۸، قديمى)

(۳) "أفاد أن الواقف لأبد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ...... حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح وإن ملكه بعد بشراء أو صلح، ولو أجاز المالك وقف فضولي جاز، وصح وقف ماشراه فاسداً ...... وينقض وقف استحق بملك أو شفعة وإن جعله مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، سعيد)

"ومن الشروط الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضا فوقفها ثم اشتراها من مالكها، ودفع ثمنها إليه، أو صالح على مال دفعه إليه لاتكون وقفاً". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشيديه)

الفصل السابع في التصرف والتعمير في المسجد
(مسجد میں تصرف وتعمیر کرنے کا بیان)

مسجد کے پرنالہ کو بند کرنے کا حکم

سوال[۱۰۸۱۲]: ۱...... مسجد شاہی مرادآباد کے شمالی جانب چھت کا کچھ حصہ مسجد کی وسطی چھت سے نیچا ہے، اس حصہ کا پرنالہ شمالی جانب مدرسہ امدادیہ میں جاری تھا، اب مدرسہ امدادیہ والوں نے یہ پرنالہ بند کردیا ہے اور اس پرنالہ کے پانی نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، جس کی وجہ سے چھت کے اس حصہ پر برساتی پانی رک کر مسجد کی دیوار کو نقصان پہنچا رہا ہے اور دیوار کے گرنے کا اندیشہ پیدا ہوگیا ہے۔

۲...... نیز مدرسہ امدادیہ والوں نے مسجد کی شمالی جانب کی دیوار پر اپنے کمرہ کا لینٹر لگایا اور اس کے اوپر چند فٹ مزید چنائی بھی کردی، لہٰذا مدرسہ امدادیہ والوں کے لئے یہ دونوں فعل شرعاً کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ اب اس دور پرفتن میں مسجد کے حق کو حاصل کرنے کے لئے مقدمہ بازی نہ کرنا کیا منتظمین مسجد کے لئے جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... اگر یہ پرنالہ زمانہ قدیم سے ہے، اب نیا نہیں بنایا گیا تو اس کو بدستور جاری رکھا جائے، مفتی بہ قول کے موافق اس کو روکنے اور بند کرنے کا حق نہیں۔

"لو كان مسيل سطوحه إلى دار رجل، وله فيها ميزاب قديم، فليس له منعه وهذا استحسان جرت به العادة، أما أصحابنا فقد أخذوا بالقياس وقالوا: ليس له ذلك إلا أن يقيم البينة أن له حق المسيل، والفتوى على ماذكره أبو الليث، وفي البزازية وبه نأخذ اه" وهو موافق للقاعدة الأتية أن القديم يترك على قدمه تأمل اه" شامی: ۲۸۵/۵(۱).

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب إحياء الموات، فصل الشرب: ۴۴۳/۶، سعيد) .... =

۲...... مسجد کی دیوار پر گاٹر، لینٹر، کڑی وغیرہ رکھ کر مسجد سے متعلق کوئی تعمیر بھی کرنا درست نہیں، چہ جائیکہ مدرسہ کے لئے تعمیر کی جائے، اس کا وہاں سے ہٹانا ضروری ہے۔

"لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء منع. ولو قال: عنيت ذلك لم يصدق، فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره، فيجب هدمه، ولو علىٰ جدار المسجد" (درمختار).

"مع أنه لم يأخذ من هواء المسجد شيئاً، ونقل في البحر قبله: ولا يوضع الجذع على جدار المسجد، وإن كان من أوقافه" اه شامی: ۳۷۱/۳(۱).

متولی وجماعت منتظمہ کے ذمہ استخلاص ضروری ہے، بغیر مقدمہ کے ہوجائے تو بہتر ہے۔ مقدمہ میں دردسر ہے، خرچ زیادہ، وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے، حدودِ شرع کی رعایت نہیں ہوتی ہے، کبھی جھوٹ بولنا پڑتا ہے، کبھی رشوت دینے کی نوبت آتی ہے، قلوب میں شحناء وبغض کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں، دوسروں کو عیب جوئی اور غیبت کا موقع ملتا ہے، منتظمین اوقاف کی طرف سے عوام کو بے اعتمادی ہوتی ہے، کہ یہ لوگ اوقاف کا روپیہ مقدمہ بازی میں خرچ کرتے ہیں، علماء کی طرف سے بدظنی پیدا ہوتی ہے کہ یہ لوگ اربابِ علم وصلاح ہونے کے باوجود معمولی باتوں کو بھی باہم مصالحت کر کے نہیں نمٹا سکتے اور قرآن وحدیث کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتے، بلکہ خدا ورسول کے دشمنوں کے پاس اپنے مذہبی معاملات کا مقدمہ لے جاتے ہیں اور غیرتِ ایمانی کے بھی خلاف ہے کہ اہلِ علم ہوکر فیصلوں کے لئے ایسوں ویسوں کے پاس جائیں، بہتر یہ ہے کہ کسی ذی علم کو دونوں فریق ثالث مقرر کر کے اس کے فیصلہ پر راضی ہوجائیں (۲)۔ واللہ الموفق۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/ ۸۷ھ۔

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشرب، الثاني في سبيل الماء: ۱۱۷/۶، رشيديه)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشرب، الباب الثاني في بيع الشرب: ۳۹۴/۵، رشيديه)
(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۱۹/۵، ۴۲۱، رشيديه)
(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵۷۲/۵، ۵۷۳، قديمي)
(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم﴾ (الحجرات: ۱۰) .... =

مسجد پر قبضہ کرنا

سوال[۱۰۸۱۳]: ۱-ایک مسجد ودیشہ میں ''بیجا منڈل'' کے نام سے مشہور ہے، جس میں زمانہ دراز سے عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہے، عید کے زمانہ میں مہاراجہ کی طرف سے بذریعہ حکام عطر، پان، مسلمانوں کو عید کی خوشی میں پیش کیا جاتا تھا۔

۲- جب ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کا بٹوارہ ہوا تو دشمن ملک اور دشمن اسلام ہندومہاسبھا وغیرہ پارٹیوں نے ستیہ گرہ شروع کردی کہ مسجد بیجا منڈل مسجد نہیں ہے، بلکہ بیج مندر ہے، ۱۹۴۷ء سے لےکر ۱۹۶۴ء تک عیدین کی نماز مسجد بیجا منڈل میں ہوتی رہی، کبھی دفعہ ۱۴۴ کے ذریعہ کبھی کرفیو کے ذریعہ ۸/ ۱۰/ برس سے پرمٹ سسٹم جاری کردیا تھا کہ پرمٹ کے ذریعہ حکومت نماز عیدین پڑھواتی رہی۔

۳- امسال ۱۹۶۵ء میں کمشنر صاحب مدھیہ پردیش نے بتاریخ ۱۶/ ۱/ ۶۵ء کو یہ حکم زبانی دیا کہ اس سال نمازِ عیدین کی اجازت مسجد بیجا منڈل میں نہ دی جائے گی، یہ مسجد آثار قدیمہ میں آگئی ہے، یہ نہ ہندوؤں کو پوجا کے لئے دی جائے گی نہ مسلمانوں کو نماز پڑھنے کے لئے دی جائے گی اور کہا کہ حکومت مدھیہ پردیش مسلمانان ودیشہ کے لئے دس ہزار روپیہ دینے کے لئے تیار ہے کہ تم اپنی عیدگاہ دوسری جگہ بنالو۔

۴- اور یہ مسجد بیجا منڈل محکمہ آثار قدیمہ نے ۱۹۴۷ میں کرلی تھی، حکومت نے بھی قانون میں اس کو مسجد مانا ہے۔

۵- ہم مسلمانان نے دس ہزار روپیہ لینے سے انکار کردیا ہے اور یہ کہہ دیا ہے کہ ہم مسجد فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، ہم لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جب تک حکومتِ مدھیہ پردیش ہمارا حق یعنی مسجد بیجا منڈل میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دے گی تو اس وقت تک ہم عیدین کی نماز نہیں پڑھیں گے، جو حکومت مدھیہ پردیش نے ہمارا حق زبردستی چھین لیا ہے۔

= "قال أبو شريح: يارسول الله! إن قومي إذا اختلفوا في شيء فأتوني فحكمت بينهم، فرضي عني الفريقان، فقال عليه السلام ما أحسن هذا ...... وذكر الشيخ عبدالقادر في الطبقات: أن الإمام أحمد الدامغاني تلميذ الطحاوي والكرخي لما تولى القضاء بواسط كان يقول: للخصمين أنظر بينكما؟ فإن قالا: نعم! نظر وتارة يقول: أحكم بينكما". (البحر الرائق، كتاب التحكيم: ۷/ ۴۲، ۴۳، رشيديه)

۶- ہم مسلمانوں کا خیال ہے کہ ہم حکومت پر عدالت میں دعویٰ کردیں کہ حکومت مدھیہ پردیش نے ہمارے ساتھ بے انصافی کی ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟

۷- مسجد مذکور اسلامی قواعد کے ساتھ تعمیر ہے، جو احکامِ شریعت کے ساتھ وابستہ ہے۔

۸- ایک زمانہ میں جب کہ اس کے قرب وجوار میں مسلم آبادی تھی، پانچوں وقت نماز ہوتی تھی، جب آبادی کم ہوئی تو صرف جمعہ قائم رہا۔

۹- جب دور تک آبادی ختم ہوگئی تو مسلمانانِ ودیشہ نے صرف عیدین کے لئے مخصوص کرلیا، تو آج تک عیدین کی نماز ہوتی رہی۔

۱۰- یہ مسجد شہر سے باہر ہے، عالی شان عمارت ہے، عیدین کی نماز آسانی سے پڑھی جاتی ہے۔

۱۱- مسلمانوں کی آبادی کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ مسجد کی دیواروں سے متصل قبریں بنی ہوئی ہیں، جو آج بھی ظاہر ہیں۔

۱۲- اکثر وبیشتر علماءِ دین نے بھی کبھی اس مسجد میں وعظ اور نصیحت فرماکر مسلمانوں کو مستفیض فرمایا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ وہ شرعی مسجد ہے اور حکومت کو بھی اس کا مسجد ہونا تسلیم ہے اور اس میں نماز باجماعت ہوتی چلی آئی ہے۔ حتیٰ کہ مخالفوں کی مخالفت کے باوجود کرفیو دفعہ ۱۴۴ پرمٹ سسٹم کی صورتوں میں اس کو مسجد ہی تسلیم کرتے ہوئے اس میں عیدین ادا کی گئی ہے، تو اب نہ اس کو فروخت کیا جاسکتا ہے نہ اس پر کسی کا مالکانہ قبضہ ہوسکتا ہے، نہ دعویٰ ملک قابلِ سماعت ہے(۱)، نہ اس میں نماز پڑھنے سے روکا جاسکتا ہے، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے،

---

(۱) "(من اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه)؛ لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وأما المسجد فليس له أن يرجع فيه، ولا يبيعه، ولا يورث عنه؛ لأن الوقف اجتمع فيه معنيان، الحبس والصدقة". (العناية على هامش فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۶/۲۳۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"والمسجد خالص لله سبحانه ليس لأحد فيه حق. قال الله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ مع العلم بأن كل شيء له، فكان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به، وهو بانقطاع حق كل من سواه عنه". (فتح =

اس میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، وہ عید بھی پڑھ سکتے ہیں، جمعہ بھی پڑھ سکتے ہیں، پنجگانہ نماز بھی پڑھ سکتے ہیں، وہاں نماز پڑھنے سے روکنا سراسر ظلم ہے(۱) اور خدائے پاک کے دیئے ہوئے حق کو غصب کرنا ہے(۲)۔

وہاں کے مسلمانوں کو لازم ہے کہ آئینی طریق پر اس کو ہمیشہ کے لئے مسجد برقرار رکھیں اور اس پر کسی کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے دیں(۳)، اس کے لئے قانونی طور پر پوری جدوجہد کریں، عدالت میں دعویٰ کرنا مفید ہو، تو وکیلوں سے مشورہ کر کے عدالت میں دعویٰ کریں۔ اگر کوئی صورت بچاؤ کی نہ ہو، تو انتہائی بے بسی اور مظلومیت کی حالت میں وہ معاوضہ لے کر، جو دینا تجویز کیا گیا ہے، کسی دوسری مناسب جگہ مسجد بنائی جائے، اس صورت میں یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ مسلمانوں نے مسجد کو فروخت کردیا، بلکہ یہ معاوضہ ہوگا زبردستی قبضہ کرنے کا۔

"لو استولی علی الوقف غاصب، وعجز المتولي عن استرداده، وأراد الغاصب أن یدفع قیمتها کان للمتولي أخذ القیمة، أو الصلح علی شيء، ثم یشتري بالمأخوذ من الغاصب أرضاً أخری فیجعله علی شرائط الأولیٰ؛ لأنه

= القدیر، کتاب الوقف: ۲۳۴/۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مسٰجد الله أن یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها﴾ (البقرة: ۱۱۴)

"قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالیٰ: وسعی في خرابها، أي: هدمها وتعطیلها". (روح المعاني: ۳۶۴/۱، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

"وهو مسجد أبداً إلی قیام الساعة لا یعود میراثاً". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

(۲) "الاغتصاب أخذ مال الغیر بما هو عدوان من الأسباب ...... ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم". (المبسوط للسرخسي، کتاب الغصب: ۵۲/۶، ۵۳، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"قال رحمه الله تعالیٰ: "هو أي: الغصب إزالة الید المحقة بإثبات الید المبطلة في مال متقوم محترم". (البحر الرائق، کتب الغصب: ۱۹۲/۸، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الغصب، الباب الأول: ۱۱۹/۵، رشیدیه)

(۳) "إذا ثبت بالوجه الشرعي استیلاء شخص علی شيء من المسجد کان الواجب رفع یده عنه، وإعادته مسجداً کما کان". (الفتاویٰ المهدیة، کتاب الوقف: ۴۷۲/۲، عربیه کوئٹه)

(وکذا في تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الوقف: ۲۳۰/۱، حقانیه پشاور)

حينئذٍ صار بمنزلة المستهلك فيجوز أخذ القيمة اھ" (بحر: ٥/٢٤٢)(١).

اس سلسلہ میں نمازِ عید کا ترک کرنا بے سود اور غلط ہے، شرعاً اس کی اجازت نہیں، علاوہ ازیں وہاں کے مسلمان دوسروں کی نظر میں اتنے محبوب ومعظم نہیں کہ ان کے ناراض ہوکر نمازِ عید ترک کردینے سے مخالف بے چین اور مضطرب ہوکر اپنے ارادوں سے باز آجائیں گے اور ان کی مسجد کو برقرار رکھیں گے اور وہاں نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۷/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

مسجد پر متولی کا دعویٰ ملکیت

سوال[۱۰۸۱۴]: ایک جامع مسجد ہے، اس کے متولیان کہتے ہیں کہ اس مسجد میں کسی مسلمان کو دخل دینے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کوئی جانی مالی امداد کرسکتا، کیونکہ یہ تو ہماری ملکیت اور جاگیر ہے اور یہ بات اس بناء پر پیدا ہوئی کہ مسجد کی عمارت بے حد بوسیدہ ہوچکی ہے، تقریباً چھ سال سے سفیدی وغیرہ بھی نہیں ہوئی، مسلمانوں کی ایک جماعت جم غفیر نے چندہ کردیا، مسجد ہٰذا کو درست کرانے کے لئے، اس پر ان تینوں متولیان نے یہ جواب دیا کہ اس مسجد میں کسی کو کوئی حق نہیں، یہ مسجد ہماری ہے، ہم نے اس مسجد میں چندہ سے کوئی کام کبھی نہیں کرایا ہے، یہ ہماری ملکیت اور جاگیر ہے، اس مسئلہ کے پیشِ نظر مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسجد کے ملا ومنشی وغیرہ بھی متولیان سابق کی طرح جواب دیتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے، کسی اور کی جاگیر یا ملکیت نہیں ہوتی۔ ﴿أن المساجد لله﴾ پس متولیان کا یہ کہنا بالکل غلط ہے(۲)۔ جب کہ وہاں نماز وجماعت ہوتی ہے، تو وہاں سب کو نماز پڑھنے کا حق ہے اور سب کی نماز وہاں درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۰۵، رشیدیہ)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿أن المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحداً﴾ (الجن: ۱۸) .... =

مسجد کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کرنا

سوال[۱۰۸۱۵]: زید کا مکان مسجد کے متصل ہے، مسجد کے کچھ حصہ پر اس نے زبردستی کرکے مکان تعمیر کرلیا ہے اور کچھ حصہ غیر تعمیر شدہ ہے، جو کہ اس کے گھر کا نکال ہے، اگر وباؤ ڈال کر اس زمین کو جس پر تعمیر نہیں ہوئی، گھیر لیا جائے یا مناسب قیمت لے لی جائے، تو یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی زمین کا جتنا حصہ اس نے اپنے مکان میں شامل کرلیا اس کو اس سے خالی کرایا جائے (۱)، اگر وہ خالی نہ کرے اور اس کے عوض اتنی ہی زمین مسجد کو دینے پر آمادہ ہوجائے تو مجبوراً اسی کو قبول کرلیا جائے (۲)،

= "إذا خرب وليس له مع يعمر به ...... هل يعود إلى ملك الواقف ...... قال أبويوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة لايعود ميراثاً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

"ومن اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع فيه، ولا يبيعه، ولا يورث عنه، لايحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۵/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

"وقد صرح علماؤنا قاطبة بأن يد الناظر على الوقف بالأمانة لايد عدوان". (تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۲۱۵/۱، ميمنية مصر)

(۱) "إذا ثبت بالوجه الشرعي استيلاء شخص على شيء من المسجد كان الواجب رفع يده عنه، وإعادته مسجداً كما كان". (الفتاویٰ المهدية، كتاب الوقف: ۴۷۲/۲، عربيه كوئٹه)

"أنكر متولي الوقف وادعى أنه ملكه يصير غاصباً له يخرج من يده". (تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۲۳۰/۱، حقانيه پشاور)

"رجل وقف أرضاً أو داراً ودفعها إلى الرجل، وولاه القيام بذلك، فجحد المدفوع إليه فهو غاصب، يخرج الأرض من يده، والخصم فيه الواقف". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في الغصب: ۴۴۷/۲، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل العشرون في المسائل التي تتعلق بالدعاوي والخصومات: ۱۱۴/۷، حقانيه كوئٹه)

(۲) "لو استولى على الوقف غاصب، وعجز المتولي عن استرداده، وأراد الغاصب أن يدفع قيمتها كان للمتولي أخذ القيمة أو الصلح على شيء، ثم يشتري بالمأخوذ من الغاصب أرضاً أخرى فيجعله على =

کوشش یہی کی جائے مسجد کی اصل زمین ہی مسجد کو مل جائے (۱)۔ مسجد کے لئے اس کے متصل زمین خریدنا مسجد کی مصلحت کے لئے ہرصورت میں درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں کنواں بنانا

سوال[۱۰۸۱۶]: مسجد میں کنواں بنانا کیسا ہے؟ جب کہ پہلے کبھی نہ تھا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو جگہ نماز پڑھنے کے لئے وقف ہے، اس میں کنواں نہ بنایا جائے (۳)، ہاں! اگر ضرورت ہو اور کچھ

= شرائط الأولى". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۰۵/۵، رشيديه)

"لايجوز استبدل العامر إلا في الأربع". (الدر المختار).

"وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله: إلا في أربع) ...... الثالثة: أن يجحده الغاصب ولا بينة أي: وأراد دفع القيمة فللمتولي أخذها يشتري بها بدلاً". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب لايستبدل العامر إلا في أربع: ۳۸۸/۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "فأما حكمه أي: الغصب ...... وجوب رد العين على المالك بقوله عليه السلام: على اليد ما أخذت حتى ترد، وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لايحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لا عباً ولا جاداً، فإن أخذه فليرد عليه". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۵۳/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"ولو غصبها من الواقف أو من واليها فعليه أن يردها إلى الواقف، فإن أبى، وثبت غصبه عند القاضي حبسه حتى رد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف: ۴۴۷/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹۸/۸، رشيديه)

(۲) "الفاضل عن وقف المسجد يشترى به مستغلاً للمسجد حانوتاً أو داراً". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الوقف: ۴۲۳/۴، رشيديه)

"إذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلاً آخر جاز؛ لأن هذا من مصالح المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۶/۵، رشيديه)

(۳) "ولا يتخذ في المسجد بئر الماء، وما كان قديماً كبئر زمزم يترك". (المحيط البرهاني، كتاب =

زمین مسجد سے متعلق زائد ہو، وہاں درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی جگہ میں دکان بنانا اور ایک دکان سے دوسری دکان میں اقتدا کرنا

سوال [۱۰۸۱۷]: ۱...... زید دنیاوی نفع کی خاطر مسجد کے سامنے کے احاطہ میں دکانیں باندھنا چاہتا ہے، جگہ کی قلت کے سبب اس کے بائیں جانب نماز پڑھے، کہتا ہے اس جگہ کے مصلیوں اور امام کے درمیان ایک حجرہ واقع ہے، اس کی دیواروں میں کوئی دریچہ وغیرہ نہیں، اس جانب کے مصلیوں کو امام کے پیچھے مصلیان نظر نہیں آتے ہیں، اس صورت میں یہاں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

۲...... دیگر اس مسجد میں جگہ کی قلت کی وجہ سے عیدین میں مصلیوں کو جگہ کافی نہیں ہوتی، مسجد کی آمدنی کے بنسبت اخراجات کم ہیں، ایسی صورت میں مسجد کے روبرو جگہ لب سڑک ہے، کیا اس جگہ میں دکانیں بنوا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر وہ جگہ نماز کے لئے وقف ہے، تو وہاں دکان بنانا درست نہیں (۱)، اگر نماز کے لئے وقف

= الاستحسان والكراهية، الفصل الخامس في المسجد والقبلة ...... الخ: ۶/۳۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"ولا يتخذ في المسجد بئر ماء؛ لأنه يخل حرمة المسجد، فإنه يدخله الجنب والحائض، وإن حفر فهو ضامن بما حفر، إلا أن ماكان قديماً فيترك كبئر زمزم في المسجد الحرام". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۶۲، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۳۶۸، رشيديه)

(۱) "ولا يجوز للقيم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً ولا مسكناً". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

"لو أن قيم المسجد أراد أن يبني حوانيت في حريم المسجد وفنائه، قال الفقيه أبوالليث: لايجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكنا أو مستغلاً". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۳، رشيديه) .... =

نہیں، لیکن مسجد کی ملک ہے اور مسجد میں جگہ کی قلت ہے کہ وقت ضرورت وہاں لوگ نماز پڑھتے ہیں اور مسجد کی آمدنی کافی ہے، خرچ زیادہ نہیں تب بھی اس جگہ دکان نہ بنائی جائے (۱)۔ اگر مسجد میں جگہ کافی ہے، تو وہاں مسجد کے لئے دکان بنالی جائے، تاکہ اس کا کرایہ مسجد میں آئے اور ضروریات پوری ہوں (۲)۔

امام اور مقتدیوں کے درمیان اگر فصل ہو اس طرح کہ ایک گاڑی درمیان میں گزر سکے یا کچھ مقتدی سلسلۂ صفوف سے اس طرح منقطع ہو جائیں اور یہ فصل خارج مسجد ہو، تو اقتداء درست نہیں ہوگی اور ایسے مقتدیوں کی نماز درست نہیں ہوگی (۳)۔ اگر صرف دیوار حائل ہو اور امام کے انتقالات کی اطلاع ان مقتدیوں کو صحیح طور پر ہو جاتی ہو، تو ان کی نماز درست ہو جائے گی (۴)۔

= (وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الثامن في المتفرقات: ٢٨٥/٦، رشيديه)

(١) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(٢) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيئجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتها فيؤاجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ٤١٤/٢، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ٣٠٠/٣، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ٤٢/٧، حقانيه پشاور)

(٣) "ويمنع من الاقتداء طريقة تجري فيه عجلة، أو نهر تجري فيه السفن، أو خلاء في الصحراء يسع صفين". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ٥٨٤/١، ٥٨٥، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان مايمنع صحة الاقتداء ومالا يمنع: ٨٧/١، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ٦٣٤/١، ٦٣٥، رشيديه)

(٤) "والحائل لايمنع الاقتداء إن لم يشتبه حال إمامه بسماع أو رؤية". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: ولما في البرهان: من أنه لو كان بينهما حائط كبير لايمكن الوصول منه إلى الإمام، ولكن لايشتبه حاله عليه بسماع أو رؤية لانتقالاته، لايمنع صحة =

۲......جواب نمبرا سے اس کا جواب واضح ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲۶ھ۔

الجواب کاف: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲۷ھ۔

مسجد میں مکان یا حجرہ بنانا مسجد کی دیوار پر کڑی یا گاٹر رکھنا

سوال[۱۰۸۱۸]: صحن جامع مسجد جہاں ایک عرصہ سے نماز ہوتی چلی آرہی ہے، جس پر باقاعدہ صفوں کے نشان بنے ہوئے ہیں، کیا اس صحن کے کسی حصہ میں حجرہ بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا دکانیں بنائی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو مقام نماز کے لئے وقف کردیا جائے اور اس پر اذان وجماعت ہونے لگے، یعنی وہ شرعی مسجد بن جائے، اس کو کسی دوسرے کام میں مستقلاً لانا جائز نہیں، لہٰذا نہ وہاں حجرہ بنایا جاسکتا ہے نہ دکان۔

"شرط الواقف كنص الشارع"(۱).

مسجد کی دیوار پر کسی حجرہ یا مکان کی کڑی یا گاٹر رکھنا بھی جائز نہیں، اگرچہ وہ دکان یا حجرہ مسجد ہی کے لئے ہو۔ كذا في البحر(۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۰/۲۱ھ۔

= الاقتداء في الصحيح". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۸۶، ۵۸۷، سعید)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة: ۱/۳۵۰، ۳۵۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان مايمنع صحة الاقتداء: ۱/۸۸، رشيديه)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "ولا يوضع الجذع على جدار المسجد وإن كان من أوقافه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۹، رشيديه) .... =

مسجد میں میت کو دفن کرنا

سوال[۱۰۸۱۹]: حضرت الاستاذ مفتی صاحب دامت برکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ!

بعد سلام مسنون، چند مسائل کا جواب دریافت طلب ہے۔ امید ہے کہ جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

الف...... وقف کردہ جگہ میں مسجد ہے، اب اصل مسجد کے احاطہ میں اگر تمام اہل بستی متفق ہو کر کسی شخص کی قبر (روضہ) بنانا چاہتے ہیں، بلکہ ایسا ہوا بھی ہے تو کیا یہ جائز ہے؟

ب...... مسجد میں پہلے چھت بنی ہوئی تھی، بلکہ لکڑی وٹین کا چھپر تھا، تو اب جب کہ مسجد کی چھت بنائی نہیں تو ان اسباب مسجد کو (لکڑی وٹین) وغیرہ کو فروخت کیا جارہا ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ ان چیزوں کو جو مسجد سے مس کئے ہوئے تھے، اپنی عمارت وغیرہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

الف...... جو جگہ مسجد کے لئے وقف ہے، وہاں میت کو دفن نہ کیا جائے، اس کی اجازت نہیں (۱)۔

ب...... جب مسجد کی چھت بنائی گئی اور ٹین وغیرہ پہلا سامان مسجد میں کارآمد نہیں رہا، تو اس کو فروخت کر کے قیمت مسجد میں لگا دی جائے (۲) اور خریدنے والے کو اپنے مکان وغیرہ میں اس سامان کو لگانے اور

= "قلت: وبه علم حكم ما يصنعه بعض جيران من وضع جذوع على جدار المسجد فإنه لايحل، ولو دفع الأجرة". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب مراعاة الواقفين واجبة: ۴۴۵/۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وصرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه ليحتاج، إلا إذا خاف ضياعه، فيبيعه، ويمسك ثمنه ليحتاج". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في =

استعمال کرنے کا حق حاصل ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۲۶ھ۔

مسجد کی زمین میں تعمیر کرلی تو وہ کس کی ہے؟

سوال[۱۰۸۲۰]: ایک مسجد کی کچھ مملوکہ ومقبوضہ زمین جو سالہاسال سے بیکار پڑی تھی، اس کا کچھ حصہ لوگوں کے پاس کرایہ پر تھا، کرایہ کی مقدار بہت تھوڑی تھی، کچھ لوگوں نے اس پر عمارتیں بنالیں اور کرایہ دینا بھی بند کردیا۔ اس طرح زمین پر قبضہ کرکے مالک بن جانا چاہتے تھے، مسجد کی کمیٹی نے یہ دیکھ کر زمین فروخت کردینے کا اعلان کردیا اور کہایا تو زمین کی قیمت ادا کردو یا اپنے مکان کی قیمت لے لو، بعض کرایہ داروں نے یہ بات مان لی اور زمین کی قیمت دس ہزار روپے گراؤنڈ کے حساب سے دینے پر راضی ہوگئے، زمین کو فروخت کردینے میں مسجد کا فائدہ ہے، اس سے مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہوجائے گا اور اس آمدنی سے دوسری جائیداد خریدی جاسکتی ہے، ورنہ لوگ زمین پر ناجائز قبضہ کریں گے، جس سے مسجد کو سخت نقصان ہوگا اور

= الوقف إذا خرب: ۴/۳۷۷، سعید)

"وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه، وإن استغنى عنه أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته فيصرفه فيها ...... وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) "وحكمه ثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۴، دارالمعرفة بيروت)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۴/۱۳۲، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

"لا حرمة لتراب المسجد إذا جمع، وله حرمة إذا بسط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

زمین مسجد سے نکل جائے گی۔

ایسی صورت میں اس زمین کا فروخت کردینا اور اس کی قیمت لے لینا کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین مسجد کے لئے وقف ہوچکی ہے، اس کو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں (۱)، الا یہ کہ اس پر غاصبانہ قبضہ ہوکر اس کا وقف ہونا ہی ختم ہوجاتا ہو، تو ایسی صورت میں مجبوراً اس کی قیمت وصول کر کے مسجد کے لئے دوسری جائیداد خریدی جائے (۲)۔ اب موجودہ صورت میں تین شکلیں ہیں:

اول یہ کہ وہ لوگ وہاں سے اپنی عمارت ہٹا کر مسجد کی زمین خالی کردیں (۳)۔

---

(۱) "إذا تم ولزم لایملک، ولا یملک، ولایعار، ولایرهن". (الدرالمختار).

"قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: لایملک) لایکون مملوکاً لصاحبه، ولا یملک أي: لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

"إذا صح الوقف لم یجز بیعه، ولا تملیکه ...... أما امتناع التملیک فلما بینا من قوله علیه الصلاة والسلام: تصدق بأصلها لایباع، ولا یورث، ولا یوهب". (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/ ۲۲۰، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/ ۵۸۱، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "لایجوز استبدل العامر إلا في الأربع". (الدرالمختار).

"(قوله: إلا في أربع) ...... الثالثة: أن یجحده الغاصب ولا بینة أي: وأراد دفع القیمة، فللمتولي أخذها یشتري بها بدلاً". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب لایستبدل العامر إلا في أربع: ۴/۳۸۸، سعید)

"لو استولی علی الوقف غاصب وعجز المتولي عن استرداده، وأراد الغاصب أن یدفع قیمتها کان للمتولي أخذ القیمة أو الصلح علی شيء، ثم یشتري بالمأخوذ من الغاصب أرضاً أخری فیجعله وقفاً علی شرائط الأولیٰ". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۴۰۵، رشیدیه)

(وکذا في الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/ ۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "وأما البناء في أرض الوقف فإن کان الباني المتولي علیه ...... وإن لم یکن متولیاً فإن کان بإذن المتولي لیرجع به فهو وقف، وإلا فإن بنی لنفسه أو أطلق له رفعه لو لم یضر، وإن أضر فهو المضیع لما له فلیتربص إلی خلاصه". (الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/ ۱۰۱، ۱۰۲، إدارة القرآن کراچی) =

دوسری صورت یہ ہے کہ تعمیر شدہ مکان کے ملبہ کی قیمت مسجد کی طرف سے ادا کردیا جائے اور وہ مکانات مسجد کی ملک ہوجائیں (۱)۔

اگران دونوں شکلوں میں سے کسی پرعمل نہ ہوسکے، تو انتہائی مجبوری میں تیسری شکل یہ ہے کہ مسجد کو اس زمین کی قیمت دے دی جائے اور اس قیمت سے مسجد کے لئے جائیداد خریدی جائے (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۸۶ھ۔

مسجد میں مکان کا دروازہ کھولنا

سوال[۱۰۸۲۱]: ہمارے یہاں قصبہ کھتولی میں ایک زمین دوفریقوں نے شرکت میں خریدی تھی اورشرکت میں ہی اس کی نیو بھروائی تھی، عرصہ تک یہ زمین اسی طرح نیوبھری پڑی رہی، ایک فریق نے اپنا حصہ مسجد میں دے دیا اوردوسرے نے اپنے حصہ میں مکان بنالیا، لیکن جو دیوارشرکت میں کرائی اس پر اپنی مکمل دیوار بنالی ہے اوراس پرمسجد کا کوئی حق باقی نہیں رکھا ہے اورمسجد کے اندر اپنا ایک دروازہ بھی کھول لیا ہے، اس کے لئے آپ بتایئے کہ اس کا یہ دروازہ مسجد میں کھول سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اس کی کوئی اورصورت ہے؟

= "فإن كان الباني غير المتولي فإن بنى للوقف فهو وقف، وإن لنفسه أو أطلق رفعه إن لم يضر بأرض الوقف، فإن أضر فالحكم ما تقدم أي: فهو المضيع لما له". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۱۳، إمداديه)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۸، رشيديه)

(۱) "حانوت موقوف على الفقراء وله قيم بنى رجل في هذا الحانوت بناء بغير إذن القيم، ليس له أن يرجع على القيم بعد ذلك، ينظر إن كان أمكنه رفع ما بنى من غير أن يضر بالبناء القديم فله رفعه، وإن لم يكن رفعه من غير أن يضر بالبناء القديم فليس له رفعه، ولكن يتربص إلى ان يتخلص ماله ...... إن لم يرض هو بتملك القيم البناء للوقف بالقيمة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

"مستأجر حانوت الوقف بنى فيه بغير إذن القيم لايرجع عليه ويرفع بناءه إن لم يضر بالوقف، وإلا يتملكه القيم بأقل القيمتين منزوعا وغير منزوع". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۳، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف: ۷/۴۶، حقانيه پشاور)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۱۶۱

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی دیوار مستقلاً مسجد کی ہونی چاہیے، وہ شرکت نہ رکھی جائے (۱)، اس شریک کے حصہ کی قیمت دے کر مسجد کے لئے خریدی جائے، اگر وہ بلا قیمت نہ دے، مسجد میں دروازہ اس کے مکان کا نہیں ہونا چاہیے، اس کو بند کردیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے کچھ حصے میں متولی کی قبر بنانا

سوال [۱۰۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ: قدیم مسجد جو کہ تقریباً دوسو سال سے بھی زائد کی ہے، جس کا نقشہ حسب ذیل ہے، مسجد مذکور کے صحن کے باہر ایک بزرگ کا مزار ہے، حسب ذیل احاطہ چہار سہ دیواری جنوب چبوترہ سوسال سے زائد ہوئے، ایک بزرگ عام مسلمانوں کی رائے سے مسجد مذکور

---

(۱) "لو بنى فوقه بيتا للإمام لايضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء منع ...... فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو كان على جدار المسجد". (الدرالمختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله ولو على جدار المسجد) مع أنه لم يأخذ من هواء المسجد شيئاً، ونقل في البحر: ولا يوضع الجذع على جدار المسجد، وإن كان من أوقافه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

"فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره، فمن بنى بيتاً على جدار المسجد، وجب هدمه، ولايجوز أخذ الأجرة". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "ليس للمدرس في المسجد أن يجعل من بيته باباً إلى المسجد، وإن فعل أدى ضمان نقصان الجدار إن وقع فيه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۶۰، رشيديه)

"دار لمدرس المسجد مملوكة أو مستأجرة متصلة بحائط المسجد هل له أن ينقب حائط المسجد، ويجعل من بيته باباً إلى المسجد ......؟ فقالوا: ليس له ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في اداب المسجد: ۵/۳۲۰، رشيديه)

کے امام ومتولی ہوگئے، انہوں نے اپنے اہتمام میں مسجد کو سہ دری کے بجائے پنج دری کیا، امام اول موصوف کا انتقال ہونے کے بعد بزرگ موصوف کے مزار کے قریب احاطہ سہ دیواری میں دفن ہیں۔

ان کے بعد ان کے بڑے لڑکے امام دوم بدستور سابق امام متولی ہوئے، انہوں نے صحنِ مسجد کی توسیع کر کے احاطہ سہ دیواری قبور کو وسط صحن میں شامل کیا، بعد انتقالِ امام دوم بھی امام اول اور بزرگ کی قبر کے درمیان دفن ہوئے، اس کے بعد ان کے بھائی امام سوم بدستور سابق متولی ہوئے، ان کی حیات میں ان کے بھتیجے امام دوم کے بڑے لڑکے بھی اسی احاطۂ قبر میں دفن ہوئے، امام سوم بھی بعد انتقال بھتیجے اور امام دوم کی قبر کے درمیان دفن ہوئے، ان کے بعد ان کے دوسرے بھتیجے امام دوم کے لڑکے امام چہارم بدستور امام سابق متولی ہوئے، انہوں نے بھی مسجد کی توسیع جات کی، بعد انتقال امام چہارم بھی اسی احاطہ قبر میں امام اول کی پائنتی میں دفن ہیں، جس میں کچھ جز قبر مسجد کی زمین کا شامل ہوئے جب کہ حسب ذیل میں ظاہر کیا گیا ہے، ان کے بعد امام سوم کے لڑکے امام پنجم بدستور سابق امام متولی مقرر ہوئے، جو کہ موجود ہیں۔

اب صرف مسجد ہذا کی تنظیم کمیٹی بھی مقرر ہوگئی ہے، جس کے لئے یہ شرائط مسجد ہذا کی بھی تعمیری کام کے لئے امام کی رائے مشورہ وغیرہ دریافت کرنا ضروری ہے۔ منتظم کمیٹی مسجد ہذا کے کچھ ممبران نے بغیر اطلاع امام احاطہ نیو سہ دیواری کو منہدم کر کے ہر جانب سے تنگ کر کے اور احاطہ کی کچھ جگہ جہاں قبریں معین ہیں، سب میں مسجد کر لی ہے، ایسی صورت میں بغیر اجازتِ امام جس کے آباؤ واجداد اسی احاطہ میں دفن ہیں اور منتظم کمیٹی بھی صرف مسجد ہی کے امور میں حق رکھتی ہے، تو احاطۂ قبور سے زمین کا کچھ حصہ مسجد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ امام وخاندان امام اور دیگر بہت سے لوگ (مسلمان) نہیں چاہتے، جواب باصواب سے مطلع فرمائیں تا کہ عوام الناس کسی قسم کے شک میں نہ رہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ مسجد سے متعلق کسی بھی تعمیر کام کے لئے امام مسجد کا مشورہ ورائے ضروری قرار دے دیا گیا ہے اور یہ چیز طے شدہ شرط کے درجہ میں ہے، تو پھر تصرفِ مذکور کرنا خلافِ شرط ہوا جو زمین مسجد میں داخل کی گئی ہے، اگر وہ مالک کی اجازت سے داخل کی گئی ہے، تو اس کو داخل کرنا صحیح ہوگیا (۱)۔

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

اور اگر وہ زمین وقف تھی، مسجد کے لئے تب بھی داخل کرنا درست ہوا(۱)، قبریں اگر اتنی پرانی ہیں کہ میت مٹی بن چکی ہوگی تو ان کا باقی رکھنا ضروری نہیں، ان کو ہموار کر کے وہاں مسجد کا فرش بنانا اور نماز پڑھنا بھی درست ہے، ایسی حالت میں قبر کا حکم باقی نہیں رہتا، بلکہ بدل جاتا ہے(۲)۔اور اس تصرف سے میت کی توہین نہیں ہوتی، آئندہ ایسا تصرف کرنے کے لئے جائز شروط کی پابندی کی جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۱ھ۔

مسجد تعمیر کرنے والوں میں اختلاف ہو، تو کیا کیا جائے؟

سوال[۱۰۸۲۳]: ہمارے گاؤں میں بڑی مشکل سے مسجد تعمیر کرنے پر اتفاق ہوا اور تعمیر کی ابتداء

= ألا لا تظلموا ألا لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب: ۲/۲۵۵، قديمي)

"لايجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچی)

"لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلاسبب شرعي". (القواعد الكلية الملحقة بآخر قواعد الفقه، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه)

(۱) "سئل الفقيه أبوجعفر عن وقف بجنب المسجد والوقف على المسجد، فأرادوا أن يزيدوا في المسجد من ذلك الوقف؟ قال: يجوز". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۵۷، قديمي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۷/۱۲۹، حقانيه پشاور)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(۲) "ولو بلي الميت، وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره، وزرعه، والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، سعيد)

"جاز زرعه أي: القبر، والبناء عليه إذا بلي، وصار الميت تراباً". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل السادس في القبر والدفن: ۱/۱۶۷، رشيديه)

ہوگئی، اس کا کام لینٹر پر بنے گا، کوئی کہتا ہے کہ لینٹر میں ڈالواؤں گا، کوئی کہتا ہے کہ میں فرش ڈلواؤں گا، یہ زمیندار لوگ متعدد ہیں، اگر ہم ان سے یہ سامان نہیں لیتے تو بدنامی کا خطرہ ہے اور کام بند ہوجائے گا، جس سے مسلمان بہت پریشان ہیں کہ آخر کیا کیا جائے؟ مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اسی میں امن ہے، تو بہتر یہ ہے کہ جو شخص تعمیر کا انتظام کر رہا ہے، وہ زمیندار اس کو روپیہ دے دیں اور وہ شخص اس روپیہ سے لینٹر اور فرش تعمیر کردے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "رجل بنی مسجداً لله تعالیٰ، فهو أحق الناس بمرمته، وعمارته، وبسط البواري، والحصير، والقناديل، والأذان، والإقامة، والإمامة إن كان أهلاً لذلك، فإن لم يكن فالرأي في ذلك إليه".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل كره غلق المسجد: ۱/ ۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۳۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/ ۲۹۷، رشيديه)

الفصل الثامن في انتقال المسجد و أمتعته

(مسجداوراس کے سامان کومنتقل کرنا)

ایک مسجد کی زائد اینٹیں خرید کر دوسری مسجد میں لگانا

سوال[١٠٨٢٤]: مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں قریب کی ایک مسجد میں اینٹیں زائد تھیں، وہاں سے خرید کر لگادی گئیں، یہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(١)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایک مسجد کا لوٹا، صف وغیرہ واپسی کے وعدہ پر دوسری مسجد کے لئے لینا

سوال[١٠٨٢٥]: کسی مسجد سے دوسری مسجد کے لئے لوٹے صف وغیرہ واپسی کے وعدہ پر لئے جاسکتے ہیں یانہیں؟

---

(١) "وما انهدم من بناء الوقف وآلته، صرفه الحاكم في عمارة الوقف، إن احتاج إليه، وإن استغنى عنه أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته فيصرفه فيها ...... وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع وصرف ثمنه إلى المرمة صرفا للبدل إلى مصرف المبدل". (الهداية، كتاب الوقف: ٦٤٢/٢، مكتبه شركة علميه ملتان)

"ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه للاحتياج أي: إلى الاحتياج؛ لأنه لا بد من العمارة ...... وإن تعذر إعادة عينه بيع، وصرف ثمنه إلى العمارة". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ٢٦٧/٤، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ٣٧٧/٥، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ٢٢٤/٦، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان اشیاء کو واپسی کے وعدہ پر بھی نہ لیا جائے (۱)، ہاں! اگر وہاں ضرورت سے زائد ہو، تو خرید لیا جائے (۲)، فروخت کرنے پر اعتراض ہو، تو نہ خریدا جائے دوسری جگہ سے انتظام کرلیا جائے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

مساجد کے لوٹے وغیرہ عیدگاہ میں لے جانا

سوال[۱۰۸۲۶]: زمانہ قدیم سے نظام حیدرآباد کے ذمہ سے یہاں معمول یہ ہے کہ عیدین کے موقع پر متولیان عیدگاہ و منتظمین ان مساجد سے جہاں عیدگاہ نہیں ہوتی ہے، وہاں کے متولیان کی اجازت سے جائے نماز اور وضو کے برتن وغیرہ مصلیان کے لئے لے جاتے ہیں اور بعد نماز عید وہاں پہونچا دیتے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ عمل از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ بعض لوگ معمول قدیم کو لیتے ہوئے تعامل ثابت کرتے ہیں اور جواز کا قول فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چونکہ دور آصفیہ میں محکمہ اوقاف کے عملے اور تھے اور حکومت وقف کی اجازت سے ایسا کیا گیا اور مساجد کے ہر قسم کے انتظامات وہی لوگ کرتے تھے، تو جب کہ وہ عملہ عرصے سے چلا آرہا ہے تو تعامل سے ثابت ہے، جس مسئلہ میں نص موجود نہیں اس میں تعامل

---

(۱) "إذا تم ولزم لايملك، ولايملك، ولايعار، ولا يرهن". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/ ۵۸۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۲۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حيا ولورثته إن كان ميتاً، وعند أبي يوسف: يباع ذلك، ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد" (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۴۲۳، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۷/ ۱۳۲، حقانيه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون: ۵/ ۸۵۳، قديمى)

حجت ہے، مگر اس وقت غور طلب بات یہ ہے کہ فی زمانہ اگر چہ محکمہ اوقاف ہے اور مساجد کو کچھ اس سے فائدہ پہونچتا ہے۔

مگر کلیۃً دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ مساجد کی بہتری ضرورتوں کو عوام پورا کرتے ہیں، اس میں سے مساجد کی صفیں اور دیگر سامان ہے۔

نیز واقفین کے شرائط ہو سکتے ہیں، اس طرح عیدگاہ کے لئے بسہولت دوسرے طریقے پر انتظام ممکن ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

واقف نے اگر کوئی وقف اس تصریح کے ساتھ کیا ہو کہ عیدگاہ میں بھی اس کی آمدنی سے خرید کردہ سامان صف اور ظروف وضو وغیرہ لے جائیں، تب تو لے جانا درست ہے۔

"لأن شرط الواقف کنص الشارع"(۱).

لیکن آج جب کہ صف اور ظروف وضو کا نظم عوام کے چندہ سے ہے، تو اس کو وقف سابق پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، جو چیز جس مسجد کے لئے دی جائے اس کو اسی مسجد میں استعمال کیا جائے، عیدگاہ میں نہ لے جائیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۲/۳ھ۔

---

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۸۹، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "لو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثاني ......". (الدرالمختار).

"قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله عند الإمام والثاني): فلا یعود میراثاً، ولا یجوز نقله، ونقل ماله إلی مسجد اٰخر". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد: ۴/۳۵۸، سعید)

"وقال أبویوسف: هو مسجد أبداً إلی قیام الساعة لایعود میراثاً ولا یجوز نقله، ونقل ماله إلی مسجد آخر". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشیدیه) .... =

مسجد کے قرآن کا حکم

سوال[۱۰۸۲۷]: ایک شخص حافظ ہے، جس قرآن پاک میں اس نے حفظ کیا ہے، اب وہ قرآن پاک قطعاً شہید ہو چکا ہے، بالکل ہی ناقابل انتفاع ہے اور اس چھاپہ کا قرآن پاک اس وقت دستیاب بھی نہیں ہے، دہلی، دیوبند، علی گڑھ تمام جگہ تلاش کیا، لیکن ناکامی رہی اور دیگر قسم کے مطبوعہ میں یاد نہیں ہوتا، کیونکہ ذہن میں وہ مطبوعہ رہتا ہے، جس میں کہ قرآن پاک حفظ کیا ہے۔ اب اتفاق سے ایک مسجد میں اس جیسا مطبوعہ مل گیا ہے، وہ بھی شہید، مگر قدرے غنیمت ہے اور ایک قرآن ایسا مل گیا ہے کہ جتنے پارے اس حافظ کے قرآن پاک میں شہید ہو گئے ہیں اتنے پارے قابل انتفاع ہیں، تو کیا اس کے پارے اس میں ملا کر اپنا ایک قرآن پاک صحیح کر لے یا پھر جو قدرے غنیمت ہے، اس کو لے کر انتفاع جائز ہے؟

وقف کا پتہ نہیں ہے، کیونکہ مسجد میں جتنے بھی قرآن پاک ہیں، سب وقف ہوتے ہیں تو کیا اس طرح گنجائش ہے؟ اس سے استفادہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ جواب مع حوالہ عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر یہ تحقیق ہے کہ جو قرآن کریم مسجد میں رکھا گیا ہے، وہ وقف ہے، تب تو نہ اس کو لینا درست ہے نہ اس کے پارہ نکال کر اپنا قرآن شریف مکمل کرنا درست ہے، البتہ وہیں مسجد میں بیٹھ کر پڑھنا درست ہے(۱)۔

= "الواقف لو عين انساناً للصرف تعين، حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۱/۵، رشيديه)

(۱) "ووقف مصحفاً على أهل المسجد للقرأة إن يحصون جاز، وإن على المسجد جاز ويقرأ فيه". (الدر المختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "أنه لو وقف المصحف على المسجد أي: بلا تعيين أهله قيل: يقرأ فيه أي: يختص بأهله المترددين إليه، وقيل: لايختص به أي: يجوز نقله إلى غيره، وقد علمت تقوية القول الأول بما مر عن القنية". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل الكتب: ۳۶۶/۴، سعيد)

"وفي الخلاصة: وقف مصحفاً على أهل المسجد لقرأة القرآن إن كان يحصون جاز، وإن وقف على المسجد جاز، ويقرأ في ذلک الموضع. وذكر في موضع اخر لايكون مقصوراً على هذا المسجد ...... وفي القنية: سبّل مصحفاً في مسجد بعينه للقرأة، ليس له بعد ذلک أن يدفعه إلى اخر من =

"إذا تم ولزم لا یملك ولا یملك الخ" درمختار(۱)۔

بعض مسجدوں میں قاعدوں اور پاروں اورقرآن کریم کے بوسیدہ اوراق جوکہ قابلِ انتفاع نہیں رہتے، اس لئے لاکر رکھ دیتے ہیں کہ بے حرمتی سے محفوظ ہوجائیں اوراہل مسجدان کو باقاعدہ دفن کردیں گے۔ایسی حالت میں جو شخص جو پارے اپنے لئے قابل استفادہ ہوں، لے لے یہ درست ہے، وہ وقف نہیں(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی کوئی چیز دوسری مسجد میں بطور ہدیہ دینا

سوال[۱۰۸۲۸]: ۱......ایک مسجد میں قرآن پاک زیادہ ہیں،تو دوسری مسجد میں ہدیہ دینا جائز ہے یانہیں؟

۲......اسی طرح ایک مسجد کی چیز بوقتِ ضرورت بطور ہدیہ یا استعمال دوسری مسجد میں دینا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جن لوگوں نے وہ قرآن شریف اس مسجد میں دیئے ہیں، ان کی اجازت سے صورت مسئولہ میں

= غیر أهل تلک المحلة للقرأة، یوافق الأول، لا ما ذکر في موضع اخر. هذا ما ظهرلي بعد الفحص عن المسألة". (النهر الفائق، کتاب الوقف: ۳/۳۱۷، ۳۱۸، رشیدیه)

(وکذا في خلاصة الفتاویٰ، کتاب الوقف، الفصل الثالث: ۴/۴۱۸، رشیدیه)

(۱) "إذا تم ولزم لا یملک، ولا یملک، ولا یعار، ولا یرهن". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

(وکذا في النهرالفائق، کتاب الوقف: ۳/۳۱۹، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۸۱، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) اس لئے کہ یہ قاعدے اور پارے بے حرمتی سے بچانے کے لئے مسجد میں رکھے جاتے ہیں، مسجد کے واسطے وقف کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے اوروقف کے زمرے میں نہیں آتے ہیں۔

"وعندهما هو حبسها علی حکم ملک الله تعالیٰ، وصرف منفعتها علی من أحب ...... وعلیه الفتویٰ". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۳۸، ۳۳۹، سعید)

دوسری مسجد میں دینا درست ہے(۱)۔

۲......اگر وہ چیز اس مسجد کے پیسہ سے مسجد کے لئے خریدی گئی ہے، تو دوسری مسجد میں دینا درست نہیں، نہ بطور ہدیہ کے نہ استعمال کے لئے (۲)۔فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۲۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالک، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۳، سعيد)

وفيه أيضاً: "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (كتاب الوقف: ۴/۴۵۴، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۱، رشيديه)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً لايجوز له ذلک". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعيد)

"أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلفت الجهة بأن بنى مدرسة ومسجداً ...... وفضل من غلة أحدهما لايبدل شرط الواقف، وقد علم منه أن لايجوز لمتولي الشيخونة بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية، كتاب الوقف، نوع في وقف المنقول: ۶/۲۶۱، رشيديه)

الفصل التاسع في إقامة المدرسة في المسجد

(مسجد میں مدرسہ قائم کرنا)

مسجد میں تعلیمِ صبیان

سوال[۱۰۸۲۹]: ۱...... مسجد کے اندر لڑکوں کو قرآن اور دینیات پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد پنجم وششم ص: ۲۹۸، فتویٰ نمبر ۱۲۸۹، ۹۸۷جس کی بعینہ نقل منسلک ہے، صاف ہے کہ اگر مسجد کے نجس کرنے کا گمان غالب ہے تو حرام ہے، ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

چونکہ صورت مسئولہ میں مسجد کے نجس کرنے کا گمان غالب نہیں ہے، بلکہ یقین اور تجربہ ومشاہدہ عینی ہے، لہٰذا تفصیلی سوال قائم کر کے مفتی صاحب شہر جے پور راجستھان مقامی سے اس بارے میں استفسار کیا گیا تو ممدوح نے ضرورت کی حد تک مسجد میں پڑھانے کی اجازت فرمائی، نیز اس کے علاوہ دیگر معترضین کا یہ بھی کہنا ہے کہ جب دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ حرام کا ہے، اس دارالعلوم دیوبند کی مسجد چھتہ والی میں تو مدرسہ تھا، وہاں حرام کیوں نہ ہوا، چنانچہ مسجد چھتہ والی کے متعلق جو نوٹ آئینہ دارالعلوم دیوبند میں درج ہے۔

کیا مفتی جے پور کے فتوے پر عمل کیا جائے؟

۲...... معترض کا جو اعتراض ہے، تو کیا مسجد چھتہ والی دیوبند کی نوعیت یہ ہے یا جداگانہ؟ جب کہ اس میں صحت اور انار کے درخت کے نیچے لکھا ہے، یہ موقعہ اندرون مسجد تھا یا بیرونِ مسجد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں دینی تعلیم دینے کی اجازت ہے، جب کہ مسجد کا احترام برقرار رہے(۱)، شور شغب نہ ہو، بچے

(۱) "الحاصل: أن المساجد بنيت لأعمال الآخرة مما ليس فيه توهم إهانتها وتلويثها مما ينبغي التنظيف منه ...... لهذا مما كان فيه نوع عبادة وليس فيه إهانة ولا تلويث لايكره، وإلا يكره". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۱، سهيل اكيڈمی لاهور) .... =

ایسے چھوٹے نہ ہوں جو مسجد کو ناپاک کردیں، ان کو مار پیٹ ڈانٹ ڈپٹ نہ کی جائے (۱)۔

تعلیم کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ آئے، اگر ان امور کی رعایت نہ ہوسکتی ہو، تو تعلیم کا انتظام مسجد سے علیحدہ کیا جائے، مسجد کو مستقلاً مدرسہ بنانے کی اجازت نہیں (۲)۔ چھتہ والی مسجد دیوبند میں ایک استاد نے ایک شاگرد کو انار کے درخت (پیڑ) کے نیچے پڑھانے کی ابتداء کی تھی، اس میں مسجد کا احترام پورا محفوظ رہا۔ عالمگیری (۳)، بزازیہ (۴)، شرح اشباہ (۵) میں مسجد سے متعلق جزئیات تفصیل سے مذکور ہیں، ان میں تعلیم کا مسئلہ بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۸/ ۹۶ھ۔

= "لایجوز لأحد مطلقاً أن یمنع مؤمنا من عبادة یأتي بها في المسجد؛ لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة، واعتکاف، وذکر شرعي، وتعلیم علم، وقرأة القرآن". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۲/ ۲۰، رشیدیه)

(وکذا في الأشباه والنظائر، القول في أحکام المسجد: ۳/ ۲۳، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "یجب أن تصان (المساجد) عن إدخال الرائحة الکریهة ...... وإدخال المجانین والصبیان لغیر الصلاة ...... عن معاذ بن جبل رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم". (الحلبي الکبیر، کتاب الصلاة، فصل في أحکام المساجد، ص: ۶۱۰، ۶۱۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

"ویحرم إدخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسهم، وإلا فیکره". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب في أحکام المسجد: ۱/ ۶۵۲، سعید)

(وکذا في الأشباه والنظائر، القول في أحکام المسجد: ۳/ ۵۴، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وحکم لا دلیل علیه ...... شرط الواقف کنص الشارع فیجب اتباعه". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/ ۴۹۵، سعید)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الوقف: ۴/ ۲۶۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الوقف: ۱/ ۱۲۶، إمدادیه)

(۳) "ولو جلس المعلم في المسجد والوراق یکتب، فإن کان المعلم یعلم للحسبة والوراق یکتب لنفسه فلا بأس به؛ لأنه قربة، وإن کان بالأجرة یکره، إلا أن یقع لهما الضرورة". (الفتاویٰ العالمکیریة، =

مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا

سوال[۱۰۸۳۰]: مسجد میں بچوں کو پڑھانا اس طرح پر کہ بچوں کے لئے کوئی دوسری جگہ ہو پڑھنے کے لئے اور وہ بچے وہاں پر مستقلاً پڑھتے بھی ہوں، اس کے باوجود محض اس جگہ کو کرایہ پر اٹھانے کے لئے بچوں کی تعلیم کا انتظام مسجد میں کیا جائے، پھر اس کے بعد جب کرایہ دار چلے جائیں تو پھر بچوں کو اسی جگہ بھیج دیا جائے اور عذر یہ کیا جائے کہ انجمن مقروض ہے، اس لئے ایسا کیا جارہا ہے اور یہ تعلیم بچوں کی مع اجرت کے ہے اور بچوں سے کچھ نہیں لیا جاتا ہے، تو اس حالت میں بچوں کو مسجد میں پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز کس شکل میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسری جگہ نہ ہو، تو مسجد میں بھی تنخواہ دار مدرس کو تعلیمِ دین دینا درست ہے(۱)، جب کہ بچے ہوشیار

= کتاب الکراهیة، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/ ۳۲۱، رشیدیه)

(۴) "وتعلیم الصبیان فیه بلا أجر وبالأجر یجوز". (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، نوع في المسجد: ۶/ ۳۵۷، رشیدیه)

نوٹ: بزازیہ کے تمام نسخوں میں یہ عبارت اسی طرح ملی، جب کہ یہ عبارت دیگر کتب فقہ کی عبارتوں کے معارض ہے۔ جیسا کہ ہندیہ اور اشباہ کی عبارت سے فرق واضح ہے۔

(۵) "معلم الصبیان القرآن کالکاتب إن بأجر لایجوز وحسبة لا بأس به". (الأشباه والنظائر، القول في أحکام المسجد: ۴/ ۵۶، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "لایجوز لأحد مطلقاً أن یمنع مؤمناً من عبادة یأتي بها في المسجد؛ لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة، واعتکاف، وذکر شرعي، وتعلیم علم، وقرأة قرآن". (الأشباه والنظائر، القول في أحکام المسجد: ۴/ ۶۳، إدارة القرآن کراچی)

"الحاصل: أن المساجد بنیت لأعمال الأخرة مما لیس فیه توهم إهانتها، وتلویثها مما ینبغي التنظیف منه ...... لهذا مما کان فیه نوع عبادة، ولیس فیه إهانة، ولا تلویث لایکره، وإلا یکره". (الحلبي الکبیر، کتاب الصلاة، فصل في أحکام المسجد، ص: ۶۱۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

"لو جلس المعلم في المسجد والوراق یکتب، فإن کان المعلم یعلم للحسبة والوراق یکتب لنفسه فلا بأس به؛ لأنه قربة، وإن کان بالأجرة یکره إلا أن یقع لهما الضرورة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/ ۳۲۱، رشیدیه)

ہوں، پاکی ناپاکی کی تمیز رکھتے ہوں، مسجد کا احترام کرتے ہوں (۱)، دوسری جگہ مناسب موجود ہو، تو پھر دوسری جگہ ہی تعلیم مناسب ہے (۲)۔ ضرورت کی بناء پر دوسری جگہ کو کرائے پر دے دیا ہو تب بھی مسجد میں تعلیم کی اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

مسجد سے متصل خالی جگہ پر مدرسہ قائم کرنا

سوال [۱۰۸۳۱]: ۱-شاہانِ مشرقیہ کی تعمیر کردہ جامع مسجد جونپور کے حدودِ مسجد کے تعین کے بعد پکے فرش سے اس کا تعین کر کے اس سے ملحق نمازیوں کے وضو کے لئے دہ در دہ حوض بنایا گیا تھا، جس پر علماء ومشائخ عمل درآمد کرتے چلے آرہے ہیں۔

۲-حدودِ مسجد کے علاوہ حوض میں مشرقی دروازے تک مع شمال وجنوب کچی زمین افتادہ ہے، اس افتادہ کچی زمین میں کنواں، پودا نشانِ قبر ہے، کنواں سے وقتِ ضرورت پر بیل کے ذریعہ پانی حوض میں بھی بھرا جاتا

---

(۱) "ويحرم إدخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم وإلا فيكره". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/۵۴۰، إدارة القرآن كراچی)

"ويجب أن تصان (المساجد) عن إدخال الرائحة الكريهة ...... وإدخال المجانيين والصبيان لغير الصلاة ...... عن معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المساجد، ص: ۶۱۰، ۶۱۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

(۲) "لايجوز تعليم الصبيان القرآن في المسجد للمروي "جنبوا مجانينكم وصبيانكم مساجدكم". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/۵۶، إدارة القرآن كراچی)

"لو علم الصبيان القرآن في المسجد لايجوز، ويأثم. وكذا التأديب فيه أي: لايجوز التأديب فيه إذا كان بأجر، وينبغي أن يجوز بغير أجر. وأما الصبيان فقد قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۹، رشيديه)

(وكذا في سنن ابن ماجة، باب مايكره في المسجد، ص: ۵۵، مير محمد كتب خانه)

تھا، لیکن مولانا ظفر صاحب نے پودا اور نشانِ قبر خفیہ برابر کروادیا، اسی افتادہ زمین پر لوگ اور خود مولانا موصوف بھی جوتا پہن کر چلتے اور اتارتے ہیں اور اسی زمین پر نماز جنازہ ہوتی چلی آرہی ہے اور خود مولانا موصوف بھی پڑھایا کرتے ہیں۔

۳- یہ متحقق نہیں کہ حوض، کنواں، پودا خود بانی نے بنوائے ہیں، یا بعد میں بنائے گئے ہیں، پھر وہی عرصہ دراز سے موجود ہیں۔

۴- یہ مسجد ۱۴۷۰ء میں مکمل ہوئی، سلطنت مشرقیہ کے زوال کے بعد ایک مدت تک یہ مسجد ویران رہتی رہی، نماز، اذان کے علاوہ تعزیہ داری وغیرہ رسومات اور مختلف جرائم کی آماجگاہ تھی، اس لئے ۱۸۳۰ء میں مسجد کے تحفظ آباد کاری و تبلیغ اور علم دین کی اشاعت کی غرض سے حضرت مولانا سخاوت علی صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کرامت علی کی اعانت سے مدرسہ قرآنیہ کے نام سے ایک دینی ادارہ اور اس کے کچھ سالوں کے بعد حافظ صدیق صاحب نے مدرسہ دینیہ کی بنیاد ڈالی، جو حدودِ مسجد سے باہر افتادہ کچی زمین میں جانب اتر رکھی دالانوں اور کوٹھریوں میں قائم رہ کر علم کی شمع روشن کئے چلا آرہا ہے اور انہی دالانوں اور کوٹھریوں میں اساتذہ طلباء کی رہائش رہتی چلی آرہی ہے، طلباء واساتذہ کی بود و باش کے ساتھ مطبخ اور پانی کی ٹنکی بھی اسی کچی زمین پر ایک عرصہ دراز سے چلی آرہی ہے۔

۵- باوجود اس کے مسجد کا صحن جو حدودِ مسجد کا تعین کرتا ہے، بہت وسیع ہے اور آج تک جمعۃ الوداع عیدین یا نماز جمعہ میں کبھی کبھی نمازیوں سے نہیں بھرا اور نہ کسی قسم کی نمازیوں کو تکلیف ہوئی، حضرت مولانا کا کہنا ہے کہ حدودِ مسجد صرف اس کا فرش ہی نہیں ہے، بلکہ یہ افتادہ کچی زمین بھی ہے، اس لئے میں اس مسجد میں طے شدہ حدودِ مسجد کے باہر مدرسہ کو قائم نہ رہنے دوں گا۔

۶- حضرت مولانا، مسجد مذکورہ بالا میں مذہبی وتبلیغی اجتماعات کو بھی روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بھی اس مسجد میں نہیں کرنے دیا جائے گا۔ اس سے مسلمانوں میں نااتفاقی اور تصادم کی صورت پیدا ہوگی۔

۷- مذکورہ بالا سوالات کی روشنی میں از روئے شرع شریف آپ فیصلہ فرمائیں کہ طے شدہ حدودِ مسجد جس پر ایک عرصہ دراز سے عمل درآمد ہوتا چلا آرہا ہے اور علماء ومشائخ کا اجتماع ہو چکا ہے، کیا حضرت مولانا ظفر صاحب شرعی طور پر مذہبی اجتماعات اور دینی مدرسہ کے قیام پر پابندی لگا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد کے آس پاس عموماً اور بڑی مسجد کے پاس خصوصاً فرش مسجد سے متصل شمالاً وجنوباً شرقاً اور گاہے غرباً خالی جگہ باقی رکھنے کا عام معمول تھا، تاکہ وقت ضرورت وہاں دینی مکاتب ومدارس قائم کئے جاسکیں، تاکہ تعلیم کا سلسلہ چلے، نیز خانقاہ وحجرات بنائے جاسکیں، تاکہ ذاکرین کے ذریعہ ذکر وشغل کا سلسلہ چلے۔ پس ایسی جگہ تعلیم گاہ بنانا اور دینی اجتماعات کرنا مواعظ کی مجالس کرنا، بلاشبہ شرعاً درست ہے(۱)۔ یہ سب جگہ متصل مسجد ہونے کی وجہ سے فناء مسجد بھی ہوگی، اس حیثیت سے کہ اس کا احترام مسجد کی طرح لازم نہیں ہوگا، یہاں کھانا پینا، سونا، بلاغسل آنا مکروہ نہیں ہوگا(۲)۔

قبر جب اتنی پرانی ہوجائے کہ میت باقی نہ رہے، بلکہ مٹی بن جائے تو اس کا حکم بدل جاتا ہے، قبر کی طرح اس کا احترام لازم نہیں رہتا، وہاں نماز پڑھنا، کھیتی کرنا، باغ لگانا، مکان بنانا سب درست ہوجاتا ہے۔

"ولو بلي الميت صار تراباً جاز دفن غيره في قبره، وزرعه، والبناء

---

(۱) مسجد کے آس پاس خالی جگہ میں دینی مکاتب ومدارس اور خانقاہ وحجرات بنانا غرض واقف کے موافق ہے، اس لئے بنانا جائز ہے۔

"أن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۴۵، سعيد)

"شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي: في وجب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وأما المتخذ لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد في حق جواز الاقتداء لا في حق غيره ...... فحل دخوله لجنب وحائض، كفناء مسجد، ورباط، ومدرسة، ومساجد، وحياض، وأسواق". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۴/۶۵۷، سعيد)

"وفناء المسجد له حكم المسجد حتى لو اقتدى بالإمام منه يصح اقتداؤه، وإن لم تتصل الصفوف، ولا المسجد ما لآن، وينبغي أن يختص بهذا الحكم دون حرمة مرور الجنب ونحوه".

(الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۲۷۷، دارالمعرفة بيروت)

علیه" كذا في التبيين وعالمگیری(۱).

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۱۴۰۱ھ۔

پرانی مسجد کو مدرسہ بنالینا

سوال[۱۰۸۳۲]: ہمارے موضع کی مسجد گاؤں کے کنارے پرواقع ہے، وہ شکستہ ہوگئی ہے، اس لئے اب اہلِ رائے کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قدیم مسجد میں مدرسہ چلایا جائے اور جدید مسجد گاؤں کے وسط میں بنائی جائے اور مدرسہ مسجد کے انتظام میں ہی چلے تو قدیم مسجد کو مدرسہ بنانا کیسا ہے؟ اس کی شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ ایک دفعہ شرعی طور پر مسجد بن جائے، وہاں نماز جماعت سے ہونے لگے، پھر وہاں سے نماز جماعت کو موقوف کرکے اس جگہ کو مدرسہ یا کسی اور کام کے لئے متعین ومخصوص کردینا جائز نہیں۔

"لأن شرط الواقف كنص الشارع"(۲).

گاؤں کی مصلحت کی خاطر ضرورت کے وقت دوسری جگہ بھی مسجد بنالینا درست ہے، لہٰذا اگر آبادی کے

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر: ۱/۱۶۷، رشيديه)

"لو بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره، وزرعه، والبناء عليه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۸، سعيد)

(۲) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي: في وجب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دارالكتب العلمية بيروت)

وسط میں وہاں سب لوگ بسہولت آسکتے ہوں تو مسجد بنا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں (۱)۔ لیکن قدیم مسجد کو نہ شہید کیا جائے نہ اس کے سامان کو دوسری جگہ منتقل کیا جائے، نہ وہاں مدرسہ قائم کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی زمین میں مدرسہ کی تعمیر کرنا

سوال[۱۰۸۳۳]: یہاں ایک عجیب رسم ہے کہ شادی بیاہ میں لوگ مسجد میں تو روپیہ دیتے ہیں، مگر مدرسہ کا نام لو تو زیادہ سے زیادہ ۲ روپیہ، تو اس وقت ہمارے پاس مسجد کا روپیہ ۳۰۰/ موجود ہے اور مسجد میں کوئی ضرورت بھی نہیں ہے، تو میں یہ سوچ رہا ہوں کہ حضرت والا سے دریافت کروں کہ مسجد ہی کے صحن کے کنارے

---

(۱) "قال علماؤنا: لايجوز أن يبنى مسجد إلى جنب مسجد، ويجب هدمه، والمنع من بنائه لئلا ينصرف أهل المسجد الأول فيبقى شاغراً، إلا أن تكون المحلة كبيرة، فلا يكفي أهلها مسجد واحد فيبنى حينئذٍ". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۹۳/۸، التوبه: ۱۰۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وعن عطاء: لما فتح الله تعالىٰ الأمصار على يد عمر رضي الله تعالىٰ عنه أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في المدينة مسجدين يضار أحدهما صاحبه". (الكشاف: ۳۱۰/۲، التوبة: ۱۰۷، دارالكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۲۱/۱۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير معالم التنزيل البغوي: ۳۲۸/۲، إداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(۲) "إذا خرب، وليس له مع يعمر به، وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد اٰخر، أو لخراب القرية ...... وقال أبويوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة لايعود ميراثاً، ولايجوز نقله، ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشيديه)

"ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني". (الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً، ولايجوز نقله، ونقل ماله إلى مسجد اٰخر، سواءً كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوىٰ، وأكثر المشايخ عليه وهو الأوجه، فتح". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

تھوڑی سی زمین ہے، وہ بھی مسجد ہی کے چہار دیواری کے اندر ہے، مگر صحن سے خارج ہے، مثلاً: نقشہ یہ ہے:
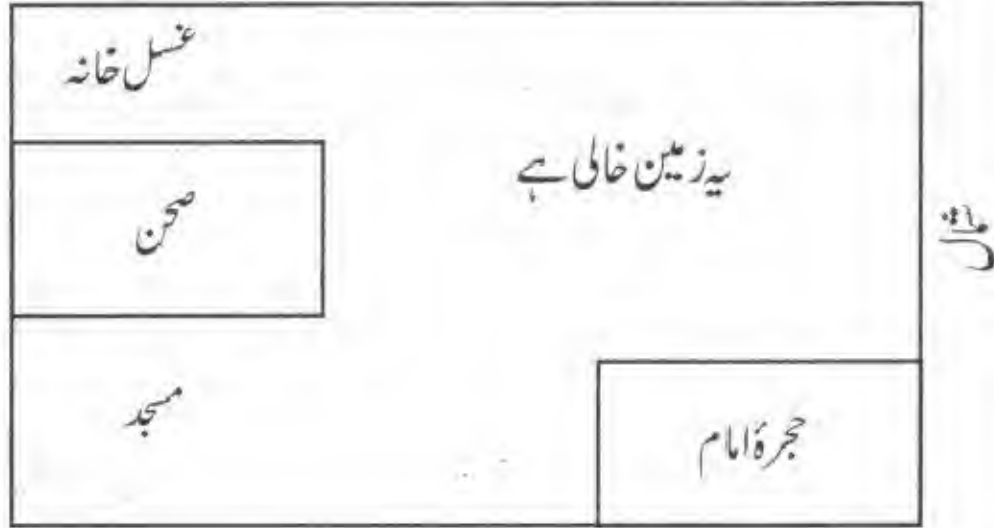
تو کیا میں اس خالی زمین کے لئے اینٹ منگوا کر مسجد کے روپے سے ایک مکتب کی شکل میں قائم کردوں؟ جس سے بچے سکون سے تعلیم حاصل کرسکیں، لہٰذا اگر کوئی گنجائش نکلتی ہو، تو بہت ہی جلد جواب مرحمت فرمادیں۔

یا دوسری صورت یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کا روپیہ ہے، ان سے مشورہ کرلوں کہ تم اپنے روپے مدرسہ کی نیت سے دے دو، تاکہ مکتب بن جائے، بچے بارش سے اور دھوپ سے بچ جائیں، جو بھی صورت جواز کی ہو، مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ روپیہ مسجد کی مصالح کے لئے دیا گیا ہے، تو روپیہ دینے والے اور نمازیوں سے مشورہ کرکے اس خالی جگہ میں درسگاہ بنوادیں، جو کہ مسجد کی ملک ہوگی اور پھر اس کو مدرسہ کے لئے کرایہ پر لے لیں، مدرسہ کرایہ مسجد کو ادا کرتا رہے(۱)، جس سے مسجد کا بھی فائدہ ہو اور بچوں کو تعلیم کی بھی سہولت ہوجائے، بچوں پر مختصر فیس

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتا ويؤاجرها؛ لأن الاستغلال بهذا الوجه أنفع للفقراء". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۷/۴۳، حقانيه پشاور) .... =

مقرر کردیں، جو بچے مستحق زکوۃ ہوں ان کو مدزکوۃ سے وظیفہ دے دیا کریں، تاکہ وہ فیس ادا کریں اوراس فیس سے اپنی ضروریات اور مدرسہ کی ضروریات کرایہ مکان وغیرہ پوری کرلیا کریں، اول اول دشواری ہوگی، پھر حق تعالیٰ نصرت فرمائیں گے اور باہر کے بچوں کو مدرسہ میں رکھ سکیں گے اوران کے لئے دوسری ضروریات کا انتظام کرسکیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۵/ ۸۹ھ۔

مسجد میں غیردینی تعلیم دینا

سوال[۱۰۸۳۴]: مسجد میں اردو، ہندی، انگریزی اخبار یا سرکاری اسکولوں کے کورس کی کتابیں پڑھی جاسکتی ہیں یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

غیردینی تعلیم دینے کا بھی وہاں حق نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/ ۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(۱) "وعن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينما نحن مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ جاء أعرابي فقام يبول في المسجد ...... فقال له: إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا القذر والبول، إنما هي لذكر الله تعالىٰ، والصلاة، وقرأة قرآن أو كما قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب تطهير النجاسات: ۱/۱۳۸، قديمى)

"لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة، أو اعتكاف، وذكر شرعي ...... وتعليم علم، وتعلمه، وقرأة قرآن". (شرح الحموي على الأشباه، القول في أحكام المسجد: ۴/۲۳، إدارة القرآن كراچى)

"أن الأصل ألا يعمل في المسجد غير الصلوات، والأذكار، وقرأة القرآن". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۲/۱۷۸، دارالكتب العلمية بيروت)

الفصل العاشر في إجارة متاع المسجد
(مسجد کے سامان کو کرایہ پر دینا)

مسجد کی دکانوں کی چھت پر کرایہ کے لئے مکانات تعمیر کرنا

سوال[۱۰۸۳۵]: جامع مسجد ہردوئی کی طرف سے گیارہ دکانیں تعمیر ہوئی ہیں، انجمن اسلامیہ ضلع ہردوئی ان دکانوں کی چھت کو کرایہ پر لے کر مکانات رہائش تیار کرانے کا قصد رکھتی ہے، اس کی آمدنی انجمن مذکور کی جنرل فنڈ میں رہے گی، جو مختلف شعبہ جات مدرسہ فرقانیہ، جامع مسجد، امداد بیوگان ومسافران وتجہیز وتکفین لاوارث مسلمان وغیرہ وغیرہ میں صرف ہوگی، اس انجمن کو یہ چھت کرایہ پر دی جاسکتی ہے، تاکہ اس کی آمدنی سے کارہائے مذکورۃ الصدر انجام دیئے جاسکیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جامع مسجد کو اس سے نقصان کا خطرہ نہ ہو، تو دکانوں کی چھت کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے(۱)، پھر انجمن وہاں رہائشی مکانات تعمیر کرائے، چھتیں مسجد کی ہوں گی اور ان پر مکانات انجمن کے ہوں گے اور جب بھی حسب

---

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، ويكون غلة ذلک فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتا ويؤاجرها؛ لأن الاستغلال بهذا الوجه أنفع للفقراء".

(فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۷/۴۳، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۳، رشيديه)

قاعدہ جامع مسجد کی طرف سے مطالبہ ہو، تو مکانات وہاں سے ہٹا کر یا ملبہ کی قیمت پر فروخت کر کے مطالبہ پورا کرنا لازم ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

مسجد کی دکان کرایہ پر ہے، کرایہ کا اضافہ نہ کرایا جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۱۰۸۳۶]: ۱......ایک دکان زیر مسجد بغرض مصارف مسجد ۱۹۵۳ء میں مسجد کے ساتھ ہی ساتھ تعمیر کردی گئی، وہ دکان ایک مسلمان کو چالیس روپے ماہواری کرایہ پر دی گئی ہے، اس سال کی تعمیرات پر اور اس سال کے بعد بھی سال رواں ٦٦ء کی تعمیرات پر بھارت کا قانون کنٹرول لاگو نہیں ہے، یعنی کرایہ میں اضافہ ہوسکتا ہے اور اگر اضافہ پر کرایہ دار راضی نہ ہو، تو بے دخل ہوسکتا ہے، مگر ابھی تک کمیٹی انتظامیہ مسجد نے کوئی کارروائی اضافہ کرایہ یا بے دخلی کی نہیں کی، صرف زبانی کرایہ دار سے بار بار اضافہ کے لئے کہا گیا، انہوں نے ہر مرتبہ صاف انکار کردیا۔

اب اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ترمیم قانون میں پیش ہونے والی ہے، جس سے کنٹرول کا قانون ۵۳ء کی بنی ہوئی عمارات پر لاگو ہوگا، اگر قانوناً اضافہ کرایہ یا بے دخلی عمل میں آسکتی ہو اور انتظامیہ کمیٹی نے کوئی باضابطہ کارروائی نہیں کی تو آیا شرعاً ممبرانِ کمیٹی قابلِ مواخذہ ہیں، یا اگر قانون مانع اضافہ کرایہ و بے دخلی

---

(۱) "مستأجر الوقف بنى فيه بغير إذن القيم لا يرجع عليه، ويرفع بناءه إن لم يضر بالوقف، وإلا يتملكه القيم بأقل القيمتين منزوعاً وغير منزوع". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳٦۳، رشيديه)

"حانوت وقف بنى فيه ساكنه بلا إذن موليه إن لم يضر رفعه رفعه، وإن ضر فهو المضيع لماله ...... ولو اصطلحوا أن يجعلوا ذلك للوقف بثمن لايجاوز أقل القيمتين منزوعاً ومبنيا فيه صح". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: ثم هذا إذا كان البناء بغير إذن المتولي، فلو بإذنه فهو للوقف، ويرجع الباني على المتولي بما أنفق". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ٦/۲۵، سعيد)

"لو أحدث المستاجر بناء في العقار المأجور أو غرس شجرة، فالأجر مخير عند انقضاء مدة الإجارة، إن شاء قلع البناء، وإن شاء أبقى ذلك وأعطى قيمة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب السادس في أنواع المأجور وأحكامه، الفصل الأول: ۱/۲۹۰، رقم المادة: ۵۳۱، دار الكتب العلمية بيروت)

منظور ہوگئی تو ممبران اس سے قابل بریئت ہیں یا نہیں؟ قبل کے بارے میں ممبران کی بریئت اور مواخذہ کے بارے میں کیا حکم شرعی ہے؟

۲......ایک مسلمان کو مسجد کی دکان پر باوجود اصرار انتظامیہ کمیٹی در بارہ اضافہ کرنے کرایہ یا تخلیہ و تا کار کرایہ دریں امور شرعی حق دکان مسجد پر قبضہ رکھنے کا ہے اور کنٹرول کے قانون کی پناہ لینے اور اس سے مستفید ہونے کا حق شرعاً ہے یا شرعاً کرایہ دار کو لازم ہے کہ دکان کے کرایہ میں اضافہ کرے، حسب مرضی انتظامیہ کمیٹی ورنہ خالی کردے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جب کہ دکان کی حیثیت ایسی ہے کہ اس کو کرایہ دار زیادہ کرایہ پر لینے کے لئے آمادہ ہیں، جس میں یقیناً مسجد اور وقف کا نفع ہے اور قانوناً کوئی رکاوٹ بھی نہیں اور موجودہ کرایہ پر دینے اور موجودہ کرایہ دار سے خالی کرانے میں کوئی مضرت ومفسدہ بھی نہیں، تو اس سے خالی نہ کرانا اور زیادہ کرایہ پر نہ دینا یقیناً حق تلفی ہے، ذمہ داران ممبران ومتولی سے مواخذہ ہوگا، اگر آئندہ کوئی ایسا قانون بن گیا کہ کرایہ میں نہ اضافہ کرایا جائے، نہ خالی کرایا جائے تو مسجد کا یہ مستقل نقصان اور خسارہ ہوگا، جو کہ ذمہ داران کی سستی اور بے توجہی کی وجہ سے ہوگا اور اس کی مکافات دشوار ہوجائے گی، ضابطہ میں ان سے خسارہ کا معاوضہ وصول کرنے کا مسجد کو حق نہیں، البتہ وہ مواخذہ دار ضرور ہیں (۱)۔

۲......شرعاً ایسے کرایہ دار کو قبضہ رکھنا اور کرایہ مناسب دکان میں اضافہ نہ کرنا شرعاً درست نہیں، اگر وہ

---

(۱) "وحاصل كلامهم في الزيادة أن الساكن ...... إن كان مستأجراً صحيحة فإن كانت تعنتا فهي غير مقبولة أصلاً، وإن كانت لزيادة أجر المثل عند الكل عرض المتولي الزيادة على المستأجر فإن قبلها فهو الأحق، وإلا أجرها من الثاني ...... فإن كان المتولي ساكناً مع قدرته على الرفع لاغرامة عليه ...... وينبغي أن يكون خيانة من الناظر، وكذا إجارته بالأقل عالماً بذلك ...... إذا قصر المتولي في شيء من مصالح الوقف هل يضمن؟ إن كان في عين ضمنها، وإن كان فيما في الذمة لايضمن". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۵-۴۰۱، رشيديه)

"والموقوف إذا أجرها المتولي بدون أجر المثل لزم المستأجر لا المتولي ...... ولو كان القيم ساكناً مع قدرته على الرفع للقاضي لاغرامة عليه، وإنما هي على المستأجر، وإذا ظفر الناظر بمال الساكن فله أخذ النقصان منه ...... الخ". (الدر المختار). .... =

حسبِ مرضی انتظامیہ کمیٹی کرایہ میں اضافہ نہیں کرتا، تو اس سے دکان خالی کرانا لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۵/ ۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۵/ ۸۶ھ۔

مسجد اور مدرسہ کی دکان ومکان کے کرایہ کا مصرف

سوال[۱۰۸۳۷]: ہمارے یہاں مسجد اور مدرسہ کی دکانات اور مکانات ہیں، ان کی آمدنی کس طرح خرچ کریں؟ کیا مدرسہ کی آمدنی مسجد میں اور مسجد کی مدرسہ میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو دکان یا مکان مسجد کی ملک ہو، اس کی آمدنی مسجد کی ضروریات لائٹ اور خارجِ مسجد کی تنخواہ میں دینا اور خرچ کرنا شرعاً درست ہے(۲)، جو دکان یا مکان مدرسہ کی ملک ہو، اس کا روپیہ دوسری جگہ خرچ نہ کیا جائے، مدرسہ کا روپیہ مسجد میں نہ خرچ کریں، اسی طرح مسجد کا روپیہ مدرسہ میں خرچ نہ کریں(۳)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۱۱/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "(قوله لاغرامة عليه) وعليه الحرمة ولا يعذر ...... قال في شرح الملتقى: فيأثم كلهم بنفس السكوت فما بالک بالمتولي والجابي والكاتب إذا تركوها ولا سيما لأجل الرشوة". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۰۷، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى شرح الملتقى، كتاب الوقف: ۲/ ۶۰۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۲) "والذي يبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته، شرط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد، والمدرس للمدرسة ...... ثم السراج، والبساط كذلک إلى آخر المصالح". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۵۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۶۶، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى في شرح الملتقى، كتاب الوقف: ۲/ ۵۸۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً =

زمیندارہ اوقاف ختم ہونے کی صورت میں اس کا معاوضہ مسجد میں خرچ کرنا

سوال[۱۰۸۳۸]: خاتمۂ زمیندارہ کی طرح اوقاف کا زمیندارہ بھی ختم ہوگیا تھا، حکومت معمولی معاوضہ اتوٹی کے نام سے دے رہی ہے اور کچھ پونڈو(۱) کے نام سے جو چالیس سال میں روپیہ ملے گا، پوچھنا یہ ہے کہ آئندہ معمولی روپیہ ملے گا، اس کا سود لے لئے یا منافع با منافع وہ ہر سال دیتی ہے، یہ سود مسجد کے ہر کام میں لگا سکتے ہیں، کل ملا کر بھی زمین کی نصف قیمت پوری نہیں ہوسکتی اور کیا صورت ہو تو معلوم؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب معاوضہ زمین شمار ہوکر مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۴/ ۷/ ۸۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= لایجوز له ذلک". (الدر المختار).

"(قوله: لایجوز له ذلک) أي: الصرف المذکور". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۶۰، ۳۶۱، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۶۲، رشیدیه)

(وکذا في الدرر الحکام شرح غرر الحکام، کتاب الوقف: ۲/ ۱۳۶، میر محمد کتب خانه کراچی)

(۱) "پونڈو: بیس شلنگ کا انگریزی سکہ، انگریزی وزن یا باٹ جو سولہ اونس یا آدھ کلو کے برابر ہوتا ہے"۔(فیروز اللغات، ص: ۳۳۰، فیروز سنز لاہور)

(۲) "یجب علی القیم البداءة من ارتفاع الوقف أي: غلاته التي تحصل منه، وهو من إطلاقات العموم ...... بعمارته ...... ثم یبدؤ بعد عمارته بما أقرب لعمارته کإمام مسجد، ومدرس مدرسة ...... ثم السراج والبساط". (الدر المنتقی شرح الملتقی، کتاب الوقف: ۲/ ۵۸۵-۵۸۷، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۵۶، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۶۶، ۳۶۷، سعید)

الفصل الحادي عشر في استعمال أشياء المسجد

(مسجد کی اشیا کو استعمال کرنے کا بیان)

اوقافِ مساجد کے مصارف

سوال[۱۰۸۳۹]: اوقافِ مساجد کے مصارف کیا کیا ہیں؟ کیا وقف واقف کی ملکیت سے نکل جاتا ہے؟ منذ ورعلی اللہ کی دوصورتیں ہیں: ایک مشروط اور ایک غیر مشروط، مثلاً: واقف نے دس روپے نقد جائے نماز کی خرید کو دیئے، ایسا وقف جائے نماز خرید کر ہی ہوسکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دس روپے غیر مشروط مسجد کو دیئے، اس وقف کو کارکنانِ مسجد متعلقات مسجد میں کہیں بھی خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز کیا ایسے نقد کو امام کی تنخواہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ اجرت ادائیگی فرض میں شامل ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی نے مصالح مسجد کے لئے وقف کیا ہے، تو امام، خطیب، قیم، روشنی، چٹائی وغیرہ یہ اس کے مصارف ہیں۔

"لو وقف على المصالح للإمام والخطيب والقيم وشراء الدهن والحصير اه" الأشباه والنظائر مع الحموي، ص: ۲۷۱، "وقف"(۱).

---

(۱) (الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۰، إدارة القرآن كراچی)

"ويدخل في وقف المصالح: قيم، إمام، خطيب والمؤذن يعبر الشعائر التي تقدم ...... بعد العمارة هي إمام وخطيب ومدرس ووقاد وفراش ومؤذن وناظر، وثمن زيت وقناديل ...... الخ".

(الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله في وقف المصالح) أي: فيما لو وقف على مصالح المسجد". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۱، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۴، رشيديه)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملک واقف میں رہتا ہے، مگر اس کی منفعت کا تصدق لازم ہوتا ہے اور صاحبین کے نزدیک ملک واقف سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملک میں ہو جاتا ہے اور اس کی منفعت کو صَرف کیا جاتا ہے(۱)۔ جو نقد معطی نے یہ کہہ کر دیا کہ یہ فلاں چیز مسجد کے لئے خریدی جائے، تو اس کے خلاف کرنے کا حق نہیں(۲)۔ جو نقد بلا تعیین کے مصالح مسجد کے لئے دیتا ہے، اس کو تنخواہ امامت وقیم وغیرہ میں بھی صَرف کرنا درست ہے۔ جیسا کہ عبارت اشباہ سے مستفید ہوتا ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۱۵ھ۔

مسجد کا سامان ذاتی مصرف میں لانا

سوال[۱۰۸۴۰]: جب آدمی مکان تعمیر کرا رہا تھا اول سے آخر تک مسجد کے حوض کے اندر سے پانی استعمال کیا، مسجد کا سامان بھی استعمال کیا، مثلاً: ڈیگ فاورا، لکڑے وغیرہ، تو کیا اس طریقہ سے ہر آدمی مسجد کے سامان کو استعمال کرسکتا ہے؟ شریعت میں کیا حکم ہے؟

---

(۱) "الوقف هو لغة: الحبس وشرعاً: حبس العين على حكم ملك الواقف، والتصدق بالمنفعة عنده. وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ، وصرف منفعتها على من أحب". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۷-۳۳۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(۲) "الواقف لو عين إنساناً للصرف تعين حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامناً". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۱، رشيديه)

"رجل قال جعلت حجرتي هذه لدهن سراج المسجد ولم يزد على ذلك، قال الفقيه أبوجعفر رحمه الله تعالىٰ: تصير الحجرة وقفاً على المسجد إذا سلمها إلى المتولي، وعليه الفتوىٰ، وليس للمتولي أن يصرف الغلة إلى غير الدهن". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۱، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد: ۶/۲۶۹، رشيديه)

(۳) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۱۸۸

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے سامان کو اس طرح استعمال کرنا درست نہیں، ناحق ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۹۲ھ۔

مسجد کا فرش یا روپیہ اپنے کام میں لانا

سوال[۱۰۸۴۱]: مسجد کی کوئی چیز مثلاً: فرش، دری بچھائی جائے یا روپیہ بلا کسی عذر امام صاحب خود اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں کہ نہیں؟ یا بستی کا کوئی آدمی کسی شادی وغیرہ میں کرایہ پر لے جا سکتا ہے یا نہیں؟ طالب علم مسجد کا تیل اپنے کام میں بلا کسی عذر کے استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا فرش، دری وغیرہ امام یا کسی اور کو اپنے ذاتی استعمال میں لانے کا حق نہیں (۲)، نہ کرایہ پر دینا درست ہے(۳)، مسجد کا روپیہ بھی کسی اور کو اپنے کام میں لانا جائز نہیں (۴)، مسجد کے لئے تیل جس شخص نے دیا

---

(۱) "متولي المسجد لیس له أن یحمل سراج المسجد إلی بیته". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۲/۴۶۲، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۲۰، رشیدیه)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۴، رشیدیه)

(۲) "لیس لمتولي المسجد أن یحمل سراج المسجد إلی بیته". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۲۰، رشیدیه)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۴، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المسجد: ۵/۸۵۱، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "فإذا تم ولزم لایملک، ولایملک، ولایعار، ولا یرهن". (الدرالمختار).

"أي لایکون مملوکاً لصاحبه (ولا یملک) أي: لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه".

(ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید) .... =

ہے، اگر امام یا کوئی طالب علم اپنے کام میں لانا چاہے، تو دینے والے کی اجازت سے لاسکتا ہے، بلا اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/ ۸۸ھ۔

مسجد کے بیت الخلا کا استعمال کرنا

سوال [۱۰۸۴۲]: ا...... عمر کی مسجد کے قرب وجوار میں شیعہ رافضی لوگوں کی دکانیں ہیں، پیشاب

= (وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(۴) "لو جمع مالاً لينفقه في بناء المسجد فأنفق بعضه في حاجته، ثم رد بدله في نفقة المسجد لا يسعه أن يفعل ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۲۰/۵، رشيديه)

"سئل أبو نصر عن رجل جمع مالاً على أن ينفقه في بناء المسجد فربما يقع في يده من تلك الدراهم، فأنفقها في حاجته، ثم يرد بدلها في نفقة المسجد من ماله أيسع له ذلك؟ قال: لا يسعه أن يستعمل من ذلك في حاجة نفسه". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الباب الحادي والعشرون في المساجد: ۵۸۱/۵، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل في المتفرقات: ۱۴۲/۷، حقانيه پشاور)

(۱) "بعث شمعاً في شهر رمضان إلى مسجد فاحترق، وبقي منه ثلثه أو دونه ليس للإمام، ولا للمؤذن أن يأخذ بغير إذن الدافع، ولو كان العرف في ذلك الموضع أن الإمام والمؤذن يأخذه من غير صريح الإذن فله ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۹/۵، رشيديه)

"وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلى إمام المسجد أو إلى مؤذن المسجد فليس له ذلك، إلا إذا كان الواقف شرط ذلك في الوقف، لو شرط الواقف في الوقف الصرف إلى إمام المسجد، وبين قدره يصرف إليه إن كان فقيراً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم: ۴۶۳/۲، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه: ۴۲۶/۴، رشيديه)

پاخانہ کے لئے مسجد میں آتے ہیں اور حوض مسجد میں وضو بھی کرتے ہیں، نماز مسجد ہذا میں پڑھتے ہیں، ان کے مسجد میں آنے سے کوئی حرج تو نہیں ہے، ان کو مسجد میں آنے سے روکنا چاہیے یا نہیں؟

۲...... مسجد کے بیت الخلا میں رفع حاجت کے لئے بہت سے غیر نمازی لوگ بھی آتے ہیں، مصلیان مسجد کا کہنا ہے کہ بیت الخلا کو تالا لگادو، اگر تالا لگایا جاتا ہے تو نمازی اور غیر نمازی دونوں کو تکلیف ہوتی ہے، جب کہ مسجد کا کوئی نقصان یا تکلیف نہیں ہے، اس کے بارے میں شرعی حکم سے آگاہ کریں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... مسجد اِصالۃً نماز کے لئے ہے(۱)، نماز کی خاطر طہارت وضو وغیرہ کی بھی وہاں اجازت ہے(۲)، لیکن نماز نہ پڑھنا اور مسجد کے بیت الخلاء حوض کو استعمال کرنا بڑی بے غیرتی کی بات ہے، ان کو اس سے روک دیا جائے اگر قدرت ہو۔

۲...... مسجد کے بیت الخلا پر تالا لگا دیا جائے اور صرف اوقات نماز میں کھول دیا جائے، تاکہ جو لوگ نماز

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينما نحن في المسجد مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ جاء أعرابي فقام يبول في المسجد، فقال: أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مه مه، فقال: رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا تزرموه دعوه فتركوه، حتى بال، ثم أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دعاه فقال له: إن هذه المساجد لاتصلح شيء من هذا البول والقذر، وإنما هي لذكر الله، والصلاة، وقرأه القرآن". (مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب تطهير النجاسات: ۱/۵۲، قديمی)

"لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة، أو اعتكاف، وذكر شرعي، وتعليم علم، وتعلمه".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۲۰، رشيديه)

(وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب غسل البول ...... الخ: ۱/۱۳۳، دارالسلام بيروت)

(۲) "ويحرم فيه السؤال، ويكره الإعطاء ...... والوضوء إلا فيما أعد لذلك". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر والنوافل: ۱/۶۶۰، سعيد)

"ويكره الوضوء والمضمضة في المسجد، إلا أن يكون فيه موضع اتخذ للوضوء، ولا يصلى فيه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۲۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة الوتر: ۱/۳۶۹، رشيديه)

کے لئے مسجد میں آئیں، وہ اپنی ضرورت پوری کرسکیں، مسجد پر سب کی ذمہ داری نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

مسجد سے متعلق جگہ پر کھانا پکانا

سوال[۱۰۸۴۳]: مسجد کا حصہ جہاں شرعی احکامات لاگو ہوتے، جہاں ناپاکی کی حالت میں نہیں جاسکتے ہیں، وہاں دیگ میں کھانا پکایا جاتا ہے اور وہیں بیٹھ کر کھاتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ یہ ایک رسم بنتی جارہی ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ جگہ مسجد کی ہے تو اس کو اس طرح اپنے ذاتی کام میں استعمال کرنا درست نہیں، اس سے پرہیز کرنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۴۰۰/۶/۵ھ۔

پرانی مسجد کا سامان اپنی بلڈنگ میں لگاسکتے ہیں یا نہیں؟

سوال[۱۰۸۴۴]: پرانی مسجد کا پورا سامان دینی مدرسہ کی بلڈنگ کی تعمیر میں لگاسکتے ہیں یا جماعت کی آمدنی کے لئے کوئی بلڈنگ کی تعمیر میں لگاسکتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد سے خرید کر لگاسکتے ہیں (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي: في وجب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وصرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= لیحتاج إلا إذا خاف ضیاعه، فیبیعه، ویمسک ثمنه لیحتاج". (الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب: ۴/۳۷۷، سعید)

"وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاکم في عمارة الوقف إن احتاج إلیه، وإن استغنی عنه أمسکه حتی یحتاج إلی عمارته فیصرفه فیها ...... وإن تعذر إعادة عینه إلی موضعه، بیع، وصرف ثمنه إلی المرمة صرفاً للبدل إلی مصرف المبدل". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۲، مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

"ویصرف نقضه إلی عمارته إن احتاج، وإلا حفظه للاحتیاج ...... وإن تعذر إعادة عینه، بیع، وصرف ثمنه إلی العمارة". (تبیین الحقائق، کتاب الوقف: ۴/۲۶۷، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۶۷، رشیدیه)

الفصل الثاني عشر في صرف مال المسجد إلی غیرہ

(مسجد کے پیسے دوسری جگہ استعمال کرنا)

ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں خرچ کرنا

سوال[۱۰۸۴۵]: ہندوستان کی تمام مساجد کے وقف کا روپیہ گورنمنٹ لے جاتی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس روپیہ کو قومی کاموں مثلاً: کالج کھولنا، ہسپتال کھولنے میں خرچ کیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

محمد تقی میرٹھی بنگلہ نمبر ا، فیض محمد سوسائٹی احمد آباد

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس چیز کو جس کام کے لئے وقف کیا گیا ہو، اس کو وہیں صَرف کرنا ضروری ہے، "شرط الواقف کنص الشارع" کتبِ فقہ میں صراحۃً موجود ہے، واقف کی منشاء کے خلاف صَرف کرنا درست نہیں (۱)۔ البتہ اگر کسی مسجد میں روپیہ زیادہ ہو، جس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اور وہاں ضرورت نہ ہو، تو اربابِ حل وعقد کے مشورہ سے دوسری مسجد میں اس کو صَرف کرنا درست ہے (۲)۔ دوسرے قومی کاموں میں اسکول وغیرہ میں

---

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

(وکذا في الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۸۹، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها زوج النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: إنما قالت: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: لو لا أن قومک حدیث عهد بجاهلیة أو قال بکفر لأنفقت کنز الکعبة في سبیل الله ...... الخ". (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب نقض الکعبة وبنائها: ۱/۴۲۹، قدیمی) =

صَرف کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۵ھ۔

ایک مسجد کے لئے چندہ کرکے دوسری میں خرچ کرنا

سوال [۱۰۸۴۶]: سائل کا بیان ہے کہ یہاں محلّہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، اندرونی حصہ نمازیوں کے لئے ناکافی ہے، صحن میں گرمی کے باعث نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے، اگر چہ اب شامیانہ کا انتظام ہوگیا ہے، قبل اس کے محلے کے چند حضرات نے مل کر کچھ روپیہ جمع کیا کہ باہر سائبان بنوالیا جائے، لیکن متولی صاحب جو کہ چندہ جمع کرتے وقت باہر ملازمت پر تھے، وہ ریٹائرڈ ہوکر واپس آگئے، وہ سائبان بنوانے کی اجازت نہیں دیتے، اینٹ، ریت اور بجری وغیرہ سامان بھی آگیا اور کچھ نقد بھی موجود ہے، مسجد چونکہ نامکمل ہے، مینار اور گنبد بھی نہیں ہے، متولی صاحب مینار اور گنبد وغیرہ بنانے کی تو اجازت دیتے ہیں، لیکن سائبان کے لئے یہ عذر کرتے ہیں کہ صحن چھوٹا ہوجائے گا۔

دریافت طلب یہ ہے کہ اس موجودہ سامان کو اسی مسجد میں دوسرے حصوں میں لگایا جائے یا دوسری مسجد کو

= "ولا بأس بنقشه خلا محرابه ...... بماله لا من مال الوقف ...... إلا إذا خيف طمع الظلمة فلا بأس به". (الدر المختار).

"(قوله: إلا إذا خيف الخ) أي: بأن اجتمعت عنده أموال المسجد، وهو مستغن عن العمارة، وإلا فيضمنها". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۱/۶۵۸، سعيد)

"ومثله حصير المسجد وحشيشه إذا استغنى عنهما، والرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر إليه إذا اتحد الواقف والجهة". (الدرر الحكام في شرح غرر الحكام، كتاب الوقف: ۲/۱۳۵، ۱۳۶، مير محمد كتب خانه كراچى)

"إذا اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الأخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشيء واحد". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه)

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۱۹۵

دے دیا جائے، جیسا کہ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ اینٹیں اور سب کچھ دوسری مسجد کو دے دیا جائے اور نقد کنوئیں کی مرمت کرا کر نل لگوایا جائے، یا مع نقد کے دوسری مسجد کو دے دیا جائے، جیسا حکم شرع ہو، اس سے مطلع کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سائبان بنانے کی مصلحت نہیں ہے تو جن لوگوں نے سائبان بنانے کے لئے چندہ دیا ہے، ان کی اجازت ومرضی سے اس روپیہ کو کنوئیں کی مرمت، نل وغیرہ میں صَرف کردیا جائے یا دوسری مسجد میں دے دیا جائے، اسی طرح اینٹ بالو(۱) وغیرہ سامان کا حکم ہے کہ ان کی اجازت کے موافق صَرف کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) ''بالو: ریت، ریگ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۸۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یہ وقف نہیں، معطیین کا مملوک ہے، اگر اہل چندہ صراحۃً یا دلالۃً انعام دینے پر رضامند ہوں درست ہے، ورنہ درست نہیں''۔ (امداد الفتاویٰ، احکام المسجد: ۲/۵۷۲، دارالعلوم کراچی)

(وكذا في تحفة العلماء: ۱/۲۱۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

''وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف في المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره''. (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

''لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا أذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً''. (الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچی)

''سئل أبو نصر عن رجل جمع مالاً على أن ينفقه في بناء المسجد فربما يقع في يده من تلك الدراهم، فأنفقها في حوائجه، ثم يرد بدلها في نفقة المسجد من ماله أيسع له ذلك؟ قال: لا يسعه أن يستعمل من ذلك في حاجة نفسه، فإن استعمل في حاجة نفسه فإن عرف مالكه رد عليه، وسأله تجديد الإذن فيه، وإن لم يعرف استأذن الحاكم فيما استعمل وضمن''. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۵۱، قديمى)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۶/۲۰۰، سعيد)

مسجد کی تعمیر سے بچی ہوئی رقم دینی مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۱۰۸۴۷]: مسجد کی تعمیر کے لئے جو رقم وصول کی جاتی ہے، اس میں بچی ہوئی رقم دینی مدارس کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا جماعت کی آمدنی کے لئے کوئی بلڈنگ تعمیر کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد میں ضرورت نہیں ہے، نہ اب نہ آئندہ، تو جن لوگوں نے رقم دی ہے، ان کی اجازت کے موافق دینی مدرسہ میں دے دیں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۲۹ھ۔

مسجد کے زائد چندہ کو مدرس کی تنخواہ میں استعمال کرنے کا حکم

سوال[۱۰۸۴۸]: مسجد ہذا میں ایک کنواں ہے، جس پر الیکٹرک (بجلی) کا پمپ نصب ہے، نل کا پانی کافی نہ ہو تو کنوئیں پر بجلی کے پمپ سے پانی بھر لیا جاتا ہے، آج کل پانی اور بجلی کی شدید قلت ہوگئی ہے، الیکٹرک کے صرفہ پر تحدید کر دی گئی ہے، مسجد کے حوض میں الیکٹرک پمپ سے پانی بھرنے پر اس کو ہر ایک شخص (مسلم وغیر مسلم) بھر کر لے جانے لگا، مسجد کے اصحاب رائے کی رائے ہوئی کہ مسجد کے کنوئیں پر اور ایک ہاتھ کا پمپ لگا دیا جائے، تاکہ جس کو ضرورت ہو، وہ لے جا سکے، اس کے لئے مسلم احباب میں چندہ کیا گیا اور ہاتھ کا پمپ لگا دیا گیا، پمپ لگانے کے بعد کچھ چندہ کے پیسے بچ گئے، ان پیسوں کے صَرف میں اختلاف ہو رہا ہے، اس مسجد میں ایک مدرسہ شعبہ حفظ کا قائم کیا گیا، اس مدرسہ کی تنخواہ چندہ سے دی جاتی رہی، لیکن ماہِ صیام کی تنخواہ مدرس صاحب کی باقی ہے۔

کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ مدرس صاحب کو یہ دی جائے، کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ بجلی برابر نہیں آرہی ہے، اس لئے خارج از مسجد قندیل لگا کر اس میں گیس جلایا جائے، کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ وہ چندہ کے پیسے محفوظ رکھے جائیں، جب پمپ خراب ہو جائے تب اس کو استعمال کیا جائے، سب آپ کے جواب کے منتظر ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلان کر دیا جائے کہ اتنے پیسے بچ گئے ہیں، آپ لوگوں کی اجازت ہو تو مدرس کی تنخواہ میں دے دیں،

---

(۱) راجع العنوان السابق، رقم الحاشية: ۲

اگر رائے ہو، تو قندیل کا انتظام کردیا جائے، جس کی وہ لوگ اجازت دیں، وہاں خرچ کردیں، یا خود سوچ لیں کہ کہاں زیادہ ضرورت ہے، پھر اعلان کردیں کہ بچے ہوئے پیسے فلاں ضرورت میں خرچ کرنے کی تجویز ہے، کسی صاحب کو اعتراض وانکار تو نہیں، پھر کوئی اعتراض نہ ہو، تو خرچ کردیں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۲۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یہ وقف نہیں، معطیین کا مملوک ہے، اگر اہل چندہ صراحۃً یا دلالۃً انعام دینے پر رضامند ہوں درست ہے، ورنہ درست نہیں''۔(امداد الفتاویٰ، احکام المسجد: ۲/۵۷۲، دارالعلوم کراچی)

(وکذا في تحفة العلماء: ۱/۲۱۳، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

''وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف في المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره''. (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

''لايجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا أذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً''. (الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۳۴۳، إدارة القرآن كراچی)

''سئل أبو نصر عن رجل جمع مالاً على أن ينفقه في بناء المسجد فربما يقع في يده من تلک الدراهم، فأنفقها في حوائجه، ثم يرد بدلها في نفقة المسجد من ماله أيسع له ذلک؟ قال: لا يسعه أن يستعمل من ذلک في حاجة نفسه، فإن استعمل في حاجة نفسه فإن عرف مالكه رد عليه، وسأله تجديد الإذن فيه، وإن لم يعرف استأذن الحاكم فيما استعمل وضمن''. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۵۱، قديمی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۲/۴۰۰، سعيد)

الفصل الثالث عشر في صرف المال الحرام في المسجد

(مسجد میں حرام مال صَرف کرنا)

چوری کا سیمنٹ مسجد میں استعمال کرنا

سوال[۱۰۸۴۹]: ۱......کالاگڑھ بجنور میں سیمنٹ قیمت سے نہیں ملتا ہے، اگر ملتا ہے تو بلیک سے ملتا ہے، اگر اس کا پتہ گورنمنٹ کو ہوجائے تو ٹھیکیدار اور لینے والے کی گرفت ہوجائے اور اگر باہر سے منگوائیں، تب بھی مشکل ہے کہ سرکار یہی سمجھے گی بلیک کا ہے تو اس صورت میں پبلک سے خرید کر جو ٹھیکیدار لوگ اس حکومت کے سیمنٹ میں سے کچھ سیمنٹ مسجد میں دینا چاہیں تو وہ مسجد میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

۲......مندرجہ بالا صورت میں جب کہ سیمنٹ ملنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو آیا اس صورت میں وہ سیمنٹ جو کہ گودام وغیرہ میں جھڑ جاتا ہے، ظاہر ہے وہ حکومت کا ہوتا ہے، مگر حکومت اس پر توجہ نہیں کرتی تو کیا وہ مسجد میں استعمال کرسکتے ہیں، لیکن اگر اس کو استعمال کرتے دیکھ لے تو پکڑ ہوسکتی ہے؟

۳......جب کہ سیمنٹ ملنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی ہے، تو جو حکومت کے ملازم ہیں، ان کے پاس بچا ہوا سیمنٹ جسے وہ پھینک دیتے ہیں یا اسے خراب کردیتے ہیں، اس کو مسجد میں استعمال کرنا کیسا ہے؟ مسجد کا فرش بننا ضروری ہے، کیونکہ چٹائیوں میں دیمک لگ جاتی ہے، مٹی بہت خراب ہے، پیر بھی گندے ہوجاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......چوری کا سیمنٹ خرید کر مسجد کے فرش میں استعمال نہ کریں(۱)۔

---

(۱) "أما لو أنفق في ذلک مالاً خبیثاً ومالاً سببه الخبیث والطیب فیکره؛ لأن الله تعالیٰ لا یقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بمالا یقبله، اهـ شرنبلالي". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب: في بیان السنة والمستحب: ۱/۶۵۸، سعید)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة: ۱/۲۷۸، دارالمعرفة)

۲......ایسا سیمنٹ بھی وہاں استعمال نہ کریں(۱)۔

۳......اگر اس کے استعمال پر گرفت نہیں تو اس کو استعمال کر سکتے ہیں(۲)، روڑی کوٹ کر بھی اس سے فرش بنا سکتے ہیں، پہلے یہی طریقہ تھا، اب بھی بہت سے مقامات پر یہی طریقہ ہے، اس کے ذریعہ سے جو تعمیر کی جاتی ہے، وہ بھی مضبوط ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ناجائز شرط سے لیا ہوا پیسہ مسجد میں لگانا

سوال[۱۰۸۵۰]: یہاں شہر کا قاضی صاحب چندہ وصول کر کے جامع مسجد تعمیر کرا رہے ہیں، ان کی قضیات میں اگر کوئی مقدمہ آتا ہے، شرعی مقدمہ یا غیر شرعی، قاضی صاحب اس شرط پر مقدمہ لیتے ہیں کہ دونوں فریق میں سے کوئی بھی مقدمہ جیت گیا تو مسجد کی تعمیر میں اتنا روپیہ دینا ہوگا، پھر آگے رشوت وغیرہ دے دلا کر مقدمہ کا فیصلہ کرا دیتے ہیں اور فریق سے روپیہ وصول کر لیتے ہیں تو ایسا روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

یہاں کچھ لوگ کہتے ہیں پیسہ لینا رشوت میں شمار ہوا، اس لئے مسجد میں نہیں لگانا چاہیے، کوئی کہتا ہے کہ جائز ہے لگانا چاہیے، اس لئے شریعت کی رو سے ایسا روپیہ مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) وہ سیمنٹ اگر حکومت نے ان ملازمین کو دیا ہے تو وہ ان کی ملک ہے، اگر وہ لوگ مسجد میں استعمال کرنے کی اجازت دیں تو اس سیمنٹ کو مسجد میں استعمال کرنا درست ہے۔

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" رواه البيهقي في شعب الإيمان".

(مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمی)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

قاضی صاحب کا یہ شرط لگانا غلط اور ناجائز ہے(۱)، پھر رشوت لے کر کسی کے حق میں مقدمہ فیصلہ کرنا سخت وبال کا باعث ہے، یہ جہنم کا راستہ ہے(۲)، ایسا روپیہ تعمیرِ مسجد میں ہرگز صَرف نہ کیا جائے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنو لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (النساء: ۲۹)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه" رواه البیهقي في شعب الإیمان". (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قدیمی)

"قال عروة بن الزبیر قالت عائشة رضي الله تعالیٰ عنها دخل عليّ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فذکرت له، فقال لها رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اشتري واعتقي ...... ثم قال: أما بعد! ما بال أناس یشترطون شروطاً لیس في کتاب الله، من اشترط شرطاً لیس في کتاب الله فهو باطل، وإن اشترط مائة شرط، شرط الله أحق وأوثق". (صحیح البخاري، کتاب البیوع: ۱/۲۸۹، قدیمی)

"لو کان الخطر من الجانبین جمیعاً ولم یدخلا فیه محللاً لایجوز؛ لأنه في معنی القمار نحو أن یقول أحدهما لصاحبه: إن سبقتنی فلک علي کذا، وإن سبقتک فلي علیک کذا فقبل الآخر". (بدائع الصنائع، کتاب السباق: ۸/۳۵۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الراشي والمرتشي في الحکم". (جامع الترمذي، أبواب الأحکام، باب ماجاء في الراشي والمرتشي في الحکم: ۱/۲۴۸، سعید)

"وقوله لا یرتشي: المراد الرشوة في الحکم وهو حرام، قال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الراشي والمرتشي في النار" ولما قیل لابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه: الرشوة في الحکم سحت، قال: ذلک الکفر، إنما السحت أن ترشو من تحتاج إلیه أمام حاجتک". (المبسوط للسرخسي، کتاب أدب القاضي: ۸/۵۹، مکتبه حبیبیه کوئٹه)

"الثاني: إذا دفع الرشوة إلی القاضي لیقضی له حرم من الجانبین، سواء کان القضاء بحق أو بغیر حق". (البحر الرائق، کتاب القضاء: ۶/۴۴۱، رشیدیه)

(۳) "(قوله بماله الحلال) قال تاج الشریعة: أما لو أنفق في ذلک مالاً خبیثاً أو مالاً سببه الخبیث =

بلیک سے خریدے ہوئے سیمنٹ کا مسجد میں استعمال کرنا

سوال [۱۰۸۵۱]: زید ایک مسجد کی تعمیر کرانا چاہتا ہے، سیمنٹ کی بوریاں بلیک اس کو بکفایت مل رہی ہیں، یعنی ٹھیکہ دار کو حکومت کی طرف سے حسبِ ضرورت کافی مقدار میں سیمنٹ ملتا ہے اور اس کو تاکید ہے کہ چار ایک کے حسب سے بالو اور سیمنٹ کی آمیزش کی جائے، مگر ٹھیکہ دار مثلاً: ایک بوری سیمنٹ اور ساٹھ بوری بالو ملاتا ہے، اس طرح سیمنٹ بہت بچا لیتا ہے اور سستے نرخ سے بیچ لیتا ہے، وہ سیمنٹ خرید کر مسجد وغیرہ میں استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریرِ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹھیکہ دار مالک نہیں، حکومت کی طرف سے وکیل واُجیر ہے، فروخت کرنے کے لئے وہ فریب وخیانت کرکے سیمنٹ بچاتا ہے، وہ مالک نہیں ہوجاتا (۱)۔ ایسا سیمنٹ مسجد میں نہ

= والطیب فیکره؛ لأن الله تعالیٰ طیب لا یقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بمالا یقبله". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۱/۶۵۸، سعید)

"قال هشام: لما أجمعو أمرهم في هدمها (الکعبة) وبنائها قام أبو وهب بن عمر بن عمران بن مخزوم، فتناول من الکعبة حجراً، فوثب من یده حتی رجع إلی موضعه، فقال: یامعشر قریش! لا تدخلوا في بنائها من کسبکم إلا طیباً، لا یدخل فیها مهر بغي، ولا بیع ربا ولا مظلمة أحد من الناس". (السیرة النبویة لابن هشام: ۱/۲۰۵، ۲۰۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۱/۲۸۷، دارالمعرفة بیروت)

(۱) "وأما شرائط المعقود علیه، فأن یکون موجوداً متقوماً مملوکاً في نفسه، وأن یکون ملک البائع فیمایبیعه لنفسه". (البحرالرائق، کتاب البیع: ۵/۴۳۳، رشیدیه)

"وشرط المعقود علیه ستة: کونه موجوداً مالاً متقوماً ...... وکون الملک للبائع فیما یبیعه لنفسه". (ردالمحتار، کتاب البیوع: ۴/۵۰۵، سعید)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب البیع: ۴/۳۴۰، رشیدیه)

لگایا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

شراب کا روپیہ مسجد میں لگ جائے تو کیا کیا جائے؟

سوال[۱۰۸۵۲]: کسی مسجد میں اگر شراب کا روپیہ کچھ غلطی سے لگ گیا، اس کو کیسے پاک کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کیا صورت پیش آئی، اگر فرش لگوالیا گیا ہے، اس کو بدلوا دیا جائے یا اس پر سیمنٹ کرا دیا جائے، تاکہ ایسے پیسے کی اینٹوں پر نہ کھڑے ہوں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) تقدم تخریجه تحت عنوان: ''ناجائز شرط سے لیا ہوا پیسہ مسجد میں لگانا''۔

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : إن الله طیب لا یقبل إلا الطیب". (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، ص: ۲۴۱، قدیمی)

"(وبماله الحلال) قال تاج الشریعة: أما لو أنفق في ذلک مالاً خبیثاً أو مالاً سببه الخبیث والطیب فیکره؛ لأن الله تعالیٰ طیب لا یقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بمالا لایقبله". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۱/۲۸۷، سعید)

"قال هشام لما أجمعوا أمرهم في هدمها وبنائها ...... فقال النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: یامعشر قریش! لا تدخلوا في بنائها من کسبکم إلا طیباً، لایدخل فیها مهر بغي ولا بیع ربا، ولا مظلمة أحد من الناس". (السیرة النبویة لابن هشام: ۱/۲۰۵، ۲۰۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

الفصل الرابع عشر في صرف مال الكافر في المسجد

(مسجد میں کافر کے مال کوصَرف کرنا)

غیر مسلم کا مسجد کی تعمیر کے لئے روپیہ دینا

سوال[۱۰۸۵۳]: ایک دیہات میں مسلمانوں کے پچاس مکان ہیں، لیکن سب غریب اور تنگ دست ہیں، بفضل خدا ایک مسجد بھی یہاں پر ہے، مسجد کے صحن میں جگہ خالی ہے، مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کا کوئی نظم نہیں ہے اور نہ کوئی جگہ ہے کہ وہاں یہ تعلیم حاصل کرسکیں اور قرآن مجید کی تعلیم سیکھیں، اس دیہات میں ایک ہندو پارسی رہتا ہے، وہ مسلمان سے جمعہ کے روز کہتا ہے کہ اگر تم لوگ مجھے اجازت دو تو میں اس مسجد والی جگہ کو اپنے پورے خرچ سے تعمیر کردیتا ہوں، خواہ اس کے بنانے میں مجھے دو ہزار روپیہ بھی خرچ آئیں، تو میں آسانی سے خرچ کرسکتا ہوں، تاکہ تمہارے بچوں کی تعلیم کا انتظام ہوسکے اور تمہاری اولاد خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم کو حاصل کرسکیں۔

چند لوگ اس بات پر راضی ہوئے اور چند لوگوں نے انکار کیا، اب اس پارسی نے چند لوگوں کی رضامندی پر کچھ اینٹیں اور لکڑیاں خریدیں اور اس سامان کو اس نے مسلمانوں کے حوالہ کیا، وہ سامانِ تعمیر مسلمان کے نزدیک موجود ہے، تو شریعت اس پارسی کے روپیہ سے تعمیر کی اجازت کے لئے مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم کا کمرہ بنوانے کے لئے اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ جب کہ مسلمانوں میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ تعمیر کرسکے اور یہ ظاہر ہے کہ اگر تعلیم کا نظم نہ رہا تو دھریت پھیلنے کا خطرہ ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے بچے ہنود کی تعلیم سے گمراہ ہوجائیں گے، وہ سامان جو اس پارسی نے مسلمانوں کے حوالے کیا ہے، اس کو کیا کرنا چاہیے؟ دو ہزار روپیہ دینے کا اس نے وعدہ کیا ہے، تو کیا دو ہزار روپے اور سامان تعمیر میں لگایا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ پارسی وہ سامان اور روپیہ کسی مسلمان کو دے دے اور مالک بنادے، پھر وہ مسلمان اس سے تعلیم کا

کمرہ اور مسجد کے منار بنادے(۱)، مسجد کے صحن میں جو جگہ خالی ہے یعنی وہ جگہ نماز کے لئے نہیں ہے، اگر وہ مسجد کی ملک ہے، تو اس جگہ کا کرایہ مسجد کے لئے تجویز کردیا جائے، اس طرح کہ جگہ مسجد کی رہے اور اس پر کمرہ مدرسہ کا رہے(۲)، اگر وہ مسجد کی ملک نہیں تو کرایہ تجویز کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۱۵ھ۔

---

(۱) مسلمان کو مالک بنادینے سے ملک تبدیل ہوگئی اور شرط تبدل ملک سے تبدل عین بھی ہوجاتا ہے، گویا کہ بعد التملیک یہ روپیہ مسلمان کا ہی ہے۔ البتہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امداد الاحکام میں لکھا ہے کہ ہندو کے ہاں بھی مسجد بنانا قربت اور ثواب کا کام ہے، لہٰذا یہ پارسی ہندو براہِ راست بھی مسجد بنواسکتا ہے۔

"وأما الإسلام فليس بشرط، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۶/۵، رشيديه)

"عن أم عطية الأنصارية رضي الله تعالىٰ عنها قالت: دخل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على عائشة رضي الله تعالىٰ عنها فقال هل عندكم شيء؟ فقالت: لا إلا شيء بعثت به إلينا نُسَيبة من الشاة التي بعثت لها من الصدقة، فقال: إنها قد بلغت محلها (قد بلغت محلها) أي: لما تصرفت فيها بالهدية لصحة ملكها لها انتقلت من الصدقة دخلت محل الهدية". (فتح الباري، كتاب الزكاة، باب إذا تحولت الصدقة: ۴۵۴/۳، ۴۵۵، قديمي)

"(وما أدى المكاتب من الصدقات إلى مولاه ثم عجز فهو طيب للمولى لتبدل الملك) وتبدل الملك بمنزلة تبدل العين في الشريعة". (فتح القدير، كتاب المكاتب: ۲۱۷/۹، رشيديه)

"ولا يجوز أن يبنى المسجد بالزكاة ...... والحيلة في هذه الأشياء أن يتصدق بها على الفقير، ثم يأمره أن يفعل هذه الأشياء". (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۱۲۰/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيئجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً ويؤاجرها؛ لأن الاستغلال بهذا الوجه أنفع للفقراء". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳۰۰/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في =

غیر مسلم کا پیسہ تعمیر مسجد میں لگانا

سوال[۱۰۸۵۴]: ہمارے پاس کچھ رقم مشاعرہ فنڈ میں سے باقی ہے، اس میں اہلِ ہنود کی رقم بھی شامل ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ اس رقم کو مسجد کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رقم دینے والوں کی اجازت سے مسجد میں بھی لگائی جاسکتی ہے(۱)، لیکن اہلِ ہنود صاحبان کی رقم بہتر یہ ہے کہ ان کو واپس کردی جائے، از خود مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنے کی اجازت نہ لی جائے (۲)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۹ھ۔

= الأوقات: ۲/۴۱۴، رشیدیہ)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۷/۴۲، حقانيه پشاور)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ الا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي على الأشباه، كتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچی)

"لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي". (القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۲) "ليس للكافر أن يقدم على مرمة المسجد، وإنما لم يحزله ذلك؛ لأن المسجد موضع العبادة فيجب أن يكون معظماً، والكافر يهينه ولا يعظمه ...... وأيضاً إقدامه على حرمة المسجد يجري مجرى الإنعام على المسلمين، ولا يجوز أن يصير الكافر صاحب المنة على المسلمين". (التفسير الكبير للإمام الفخر الرازي: ۱۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنو لا تتخذوا بطانة من دونكم لا يألونكم خبالاً﴾ (ال عمران: ۱۱۸)

"وقال الله تعالىٰ: ﴿لا تتخذوا اليهود والنصارىٰ أولياء، بعضهم أولياء بعض ومن يتولّهم منكم فإنه منهم﴾ الآية "فنهي في هذه الآيات عن موالات الكفار، وإكرامهم، وأمر بإهانتهم، وإذلالهم، ونهي=

شیعہ اور پھرائیوں اور غیر مسلم کا روپیہ مسجد میں لگانا

سوال[۱۰۸۵۵]: سائل کا بیان ہے کہ مسجد کی تعمیر میں شیعہ حضرات کا اوران پھرائیوں کا جن کے گھر آدمی مانگنے والے ایک دو ہوں اور محنت مزدوری کرنے والے زیادہ ہوں، پیسہ لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اہلِ ہنود کا روپیہ بھی مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اوپر لکھے گئے لوگوں کے گھروں کے پیسے مسجد کی لکڑیوں میں جو پانی گرم کرنے کے لئے فراہم کی جاتی ہیں اور رمضان المبارک میں جو ختم قرآن کے نام سے وصول کئے جاتے ہیں، جن سے مؤذن اور امام مسجد کی خدمت کی جاتی ہے، لئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص بھی مسلم یا غیر مسلم شیعہ یا سنی روپیہ مسجد کی تعمیر یا دیگر ضروریات سوختہ وختم قرآن شریف وتنخواہِ امام یا مؤذن کے لئے بخوشی دے اور اس کو ثواب سمجھتا ہو، اس کا روپیہ لینا درست ہے(۱)، بشرطیکہ حلال روپیہ دے(۲)، یا

= عن الاستعانة بهم في أمور المسلمين لما فيه من العز وعلو اليد". (أحكام القرآن للجصاص، البراءة: ۱۲۶/۳، قديمى)

(۱) "وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱٦/۵، رشيديه)

"شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد قدس".

(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۴۱/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه: ۳۵۳/۲، رشيديه)

(۲) "(وبماله الحلال) أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن الله تعالىٰ طيب لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في غنية ذوي الأحكام في بغية درر الحكام على هامش كتاب الدرر الحكام، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر والنوافل: ۱۱۱/۱، مير محمد كتب خانه كراچى)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲۸۷/۱، دارالمعرفة بيروت) .... =

غالب روپیہ اس کا حلال ہو، اس میں سے دے(۱) اور اندیشہ نہ ہو کہ یہ بعد میں احسان جتائے گا یا ملکیت کا دعویٰ کرے گا یا یہ کہے گا کہ ہم نے تمہاری مسجد میں چندہ دیا تھا، تم ہمارے مندر یا امام باڑہ میں چندہ دو(۲)۔

غیر مسلم کا مسجد کے لئے نذر ماننا اور پھر اس میں نماز پڑھنا

سوال[۱۰۸۵۶]: ایک بزرگ کے مزار پر جہاں سالانہ عرس ہوتا ہے، ایک بزرگ عبدالرحیم شاہ صاحب (مدفون در بنارس) نے ایک مسجد بنائی تھی جو شہید ہوگئی، ایک ہندو تیلی نے منت مانی کہ اگر مراد پوری

= "قال هشام: لما أجمعو أمرهم في هدمها (الكعبة) وبنائها قام أبو وهب بن عمر بن عمران بن مخزوم فتناول من الكعبة حجراً، فوثب من يده حتى رجع إلى موضعه، فقال: يامعشر قريش! لا تدخلوا في بنائها من كسبكم إلا طيباً، لا يدخل فيها مهر بغي، ولا بيع ربا ولا مظلمة أحد من الناس". (السيرة النبوية لابن هشام: ۱/۲۰۵، ۲۰۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) "غالب مال المهدي إن حلالاً: لا بأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتعين أنه حرام، وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية: ۱/۳۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "ليس للكافر أن يقدم على مرمة المسجد، وإنما لم يحزله ذلک؛ لأن المسجد موضع العبادة فيجب أن يكون معظماً، والكافر يهينه ولا يعظمه ...... وأيضاً إقدامه على حرمة المسجد يجري مجرى الإنعام على المسلمين، ولا يجوز أن يصير الكافر صاحب المنة على المسلمين". (التفسير الكبير للإمام الفخر الرازي: ۶/۱۶، دارالكتب العلمية بيروت)

قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنو لا تتخذوا بطانة من دونكم لا يألونكم خبالاً﴾ (ال عمران: ۱۱۸)

"وقال الله تعالیٰ: ﴿لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء، بعضهم أولياء بعض ومن يتولّهم منكم فإنه منهم﴾ الآية "فنهي في هذه الآيات عن موالات الكفار، وإكرامهم، وأمر بإهانتهم، وإذلالهم، ونهي عن الاستعانة بهم في أمور المسلمين لما فيه من العزو علو اليد". (أحكام القرآن للجصاص، البراءة: ۳/۱۴۶، قديمی)

ہوگی تو مسجد بنواؤں گا اور کنواں کھدواؤں گا، مراد پوری ہوگئی اس نے یہ دونوں کام کردیئے، اس مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ اس نے ثواب کی نیت سے خدا کو راضی کرنے کے لئے وہ مسجد بنوائی ہے تو وہاں نماز درست ہے اور اس کنوئیں کا پانی استعمال کرنا بھی درست ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر مسلم کا مسجد تعمیر کرنا

سوال[۱۰۸۵۷]: سائل کا بیان ہے کہ چھتر پور مدھیہ پردیش میں ایک مشہور تاریخی مقام کھجورا ہے، جہاں پر کہ ہندو دھرم کی تہذیب وتمدن کی کچھ نادر ونایاب یادگاریں محفوظ ہیں، ان کو دیکھنے کے لئے تمام دنیا کے تمام ممالک سے بکثرت سیاح روزانہ آتے ہیں، جن میں مسلم وغیر مسلم سب ہی لوگ آتے ہیں، اس تاریخی مقام میں مسجد نہیں ہے، والی ریاست چھرپور کا ارادہ یہ کہ ڈاکٹر شاکر حسین صاحب مرحوم کی یادگاہ کے طور پر کھجور کے مقام پر ایک مسجد تعمیر کرادیں۔

اب فرمائیں کہ کیا غیر مسلم کے روپیہ سے مسجد بنانا اور اس کو نماز کے لئے استعمال کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو والیٔ ریاست کی خواہش کی تکمیل کے لئے کیا جائز صورت ہوسکتی ہے؟

---

(۱) "وشرطه شرط سائر التبرعات ...... أن يكون قربة في ذاته معلوماً". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "أن هذا شرط في وقف المسلم فقط، بخلاف الذمي لما في البحر وغيره: أن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد قدس". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۱، سعيد)

"وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم".
(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه: ۲/۳۵۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ والیٔ ریاست کسی قابلِ اعتماد کو روپیہ دے دے، وہ اپنے انتظام سے مسجد بنوادے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) مسلمان کو مالک بنادینے سے ملک تبدیل ہوجائے گی اور شرعاً تبدلِ ملک سے تبدلِ عین بھی ہوجاتا ہے، گویا کہ بعد التملیک مسجد میں لگنے والا روپیہ مسلمان کا ہی روپیہ ہے۔

"(وما أدى المكاتب من الصدقات وعجز طاب لسيده)؛ لأن الملک يتبدل، وتبدل الملک كتبدل العين، فصار كعين أخرى، وإليه أشار النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بقوله في حق بريدة: هي لها صدقة ولنا هدية". (البحر الرائق، كتاب المكاتب: ۸/۱۱۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب المكاتب: ۹/۲۱۷، رشيديه)

"لا يجوز أن يبنى المسجد بالزكاة؛ لأن التمليک شرط فيها ...... والحيلة في هذه الأشياء: أن يتصدق بها على الفقير، ثم يأمره أن يفعل هذه الأشياء". (تبيين الحقائق، باب المصرف: ۲/۱۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

البتہ اگر والیٔ ریاست ہندو ہے اور مسجد کو کارِ خیر سمجھتا ہے تو حیلہ کی ضرورت نہیں ہے، براہِ راست مسجد بناسکتا ہے۔

"وأما الإسلام فليس بشرط، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۶، رشيديه)

الفصل الخامس عشر في جمع التبرعات للمسجد بطريق الاكتتاب

(مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے کا بیان)

مسجد کے لئے ایک مٹھی چاول ہر روز چندہ کرنا

سوال[۱۰۸۵۸]: مسجد کے چندہ کے لئے محلّہ کے گھر میں ایک برتن رکھا ہوا ہے، تاکہ ہر روز ایک مٹھی چاول اس میں ڈال دیا کریں، ایک ماہ میں تقریباً ۵۶ مٹھی چاول ہر گھر سے آتا ہے، اس کو فروخت کرکے مسجد کا کام بخوبی چلتا رہتا ہے، یہاں پر لوگ مسجد کے چندہ کے عادی نہیں ہیں اور بھی مسجدوں میں یہی صورت ہے، تو یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب وہ لوگ خوشی سے اس کا چندہ دیتے ہیں، تو اس سے مسجد کا کام چلانا درست ہے، یہ طریقہ بہت اچھا ہے، اللہ برکت دے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۷/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب –ولا يقبل الله إلا الطيب– فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبه كما يربي أحدكم فلوه، حتى تكون مثل الجبل". متق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة، الفصل الأول، ص: ۱۶۷، قديمی)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمی)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل =

چندہ بکس کی آمدنی مسجد کی تعمیر میں لگانا

سوال[۱۰۸۵۹]: جماعت کی آمدنی کے لئے ایک ڈبہ بنا کر اس ڈبہ کو مؤذن یا اور کوئی شخص دکانوں اور مکانوں میں لے جا کر جو رقم وصول ہوتی ہے، جس میں ہم قوم اور غیر قوم دونوں طبقہ کے آدمی پیسہ ڈالتے ہیں، تو اس مبلغ کو مسجد کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لگا سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۲۹ھ۔

بھیک کا پیسہ مسجد میں صرف کرنا

سوال[۱۰۸۶۰]: ہمارے ایک قریب کے گاؤں میں ایک موذن بانگی نے اپنے قرب جوار میں مدِ زکوۃ فطرہ، چرم قربانی، چالیسواں، دسواں کا پیسہ اور غلہ وغیرہ بھیک مانگ کر چندہ کر کے جمع کیا حج کرنے کے لئے، جملہ رقم سات سو اکٹھا ہوئی تھی، تو اس گاؤں میں جس مسجد میں بانگی تھے، اس مسجد کی تعمیر کے لئے گاؤں والے اس میں چندہ اکٹھا کر رہے تھے تو بانگی نے جذبہ میں آکر سب روپیہ مسجد کی تعمیر میں دے دیا، تو بتائیے اس روپے کو مسجد میں لگانا درست ہے؟ یہ بھی ہے کہ مسجد غریب بھی نہیں ہے، اس لئے بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسے روپیہ کو ایسی مسجد میں لگانا درست نہیں۔

= الأول: ۱۳۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشیدیه)

(۱) جب ہر شخص بطیب خاطر اس میں پیسہ ڈالتا ہے تو اس پیسہ کو مسجد میں لگانے میں کوئی حرج نہیں۔

"لأن الملک ما من شانه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب في تعریف المال والملک: ۵۰۲/۴، سعید)

"کل یتصرف في ملکه کیف یشاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۱۳۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشیدیه)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی الدرالمختار، کتاب البیوع: ۳/۳، دارالمعرفة بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کواس طرح بھیک مانگنے کی اجازت نہیں تھی (۱)، لیکن جو روپیہ اس کی ملک ہو چکا اور اس نے مسجد میں دے دیا وہ مسجد کے لئے درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چندہ دینے والے نے جس کام کے لئے روپیہ دیا ہے اس کو کسی دوسرے کام میں صَرف کرنا

سوال [۱۱۰۸۶]: زید نے مسجد کی سفیدی کرانے کے لئے روپے دیئے، یا کسی اور کام کا نام خاص کر دیا کہ ان روپے کو اس کام میں خرچ کرنا، پیسے دینے والے کے بتائے ہوئے کام میں ہی خرچ کرنا چاہیے یا مسجد کے دوسرے اخراجات مثلاً: تیل، لوٹے، فرش، رسی، بالٹی یا تعمیر مسجد یا خرچ بجلی میں خرچ کئے جا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب معطی نے مصرف کی تعیین کردی تو کسی دوسرے کام میں روپے خرچ نہ کریں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : من سأل الناس وله ما يغنيه جاء يوم القيامة ومسألته في وجهه خموش أو خدوش أو كدوح". (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب من لاتحل له المسألة ومن تحل له، الفصل الثاني: ۱/۱۶۲، ۱۶۳، قديمى)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۵۵، ۵۶، رقم الحديث: ۳۶۲۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وجامع الترمذي، أبواب الزكاة، باب ماجاء من لاتحل له الصدقة: ۱/۱۴۱، سعيد)

(۲) "لأن الملك ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۴/۵۰۲، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف يشاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۴/۱۳۲، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

(۳) "الواقف لو عين إنساناً للصرف تعين حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب =

مورتی، پوجا میں کام آنے والی اشیا کی کمائی سے چندہ لینا

سوال[۱۰۸۶۲]: ہمارے محلّہ میں ایک عطار طبقہ ہے، وہ تمام ناجائز طریقہ سے روزی کماتا ہے، جیسا کہ کافور(۱) سندور(۲) ورگینی(۳) مودھص(۴) نرسوہا(۵)۔ ہندو دیوتاؤں سے جو روزی کمائی جاتی ہے، وہ جائز ہے یا نہیں؟ براہِ کرم جلد سے جلد جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عطار طبقہ اگر ایسی چیزیں فروخت کرتا ہے کہ وہ غیر مسلموں کے پوجا کے کام بھی آتی ہے اور خود وہ چیزیں نجس اور حرام نہیں، جیسے کافور تو ایسی چیزوں کی قیمت جائز ہے، ان کا مسجد میں دینا درست ہے، اگر مورتی کی تجارت کرتا ہے تو وہ منع ہے(۲)۔

= الوقف: ۳۸۱/۵، رشيديه)

"شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "کافور: کپور، ایک نہایت خوشبودار تلخ ذائقے کا سفید مادہ جو بطور دوا استعمال ہوتا ہے اور کھلا رہنے سے اڑ جاتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص:۱۰۳۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) "سندور: سرخ رنگ کا ایک سفوف جسے ہندو عورتیں مانگ میں بھرتی ہیں، اس کے کھانے سے آواز بیٹھ جاتی ہے"۔ (فیروز اللغات، ص:۸۷۷، فیروز سنز لاہور)

(۳) لم أجد

(۴) لم أجد

(۵) لم أجد

(۶) "ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً، وإلا فتنزيها". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۱/۶، سعيد)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۲۶۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۷۱/۸، رشيديه)

ان سے کہہ دیا جائے کہ جائز چیزوں کی قیمت سے روپیہ حاصل کر کے دیں، تو مسجد میں لیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۹/ ۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

الفصل السادس عشر في بناء المسجد في ملک الغیر
(غیر کی زمین پر مسجد تعمیر کرنا)

بلا اجازت وارث زمین پر مسجد بنانا

سوال[۱۰۸۶۳]: محمد حسین مرحوم، امیر حسین مرحوم، وزیر حسین مرحوم تینوں حقیقی بھائی تھے، اس میں سے محمد حسین مرحوم کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ ہی اہلیہ زندہ ہیں، امیر حسین مرحوم کے دولڑکیاں جمیلہ اور جلیلہ اور ایک حقیقی پوتہ محمود جو کہ اس وقت پاکستان میں موجود ہے، وزیر حسین مرحوم کے دو پوتے نفیس الحسن اور حبیب الحسن ہیں جو کہ بھوپال میں ہیں۔

الف...... دریافت طلب یہ ہے کہ محمد حسین اور امیر حسین مرحوم کی افتادہ زمین اور مکان جو موجود ہے، اس کے وارث صحیح پاکستان میں رہتے ہیں، امیر حسین مرحوم کی لڑکیاں جلیلہ وجمیلہ اور پوتا محمود ہوں گے یا محمد حسین مرحوم اور امیر حسین مرحوم کے بھائی وزیر حسین مرحوم کے پوتے نفیس الحسن اور حبیب الحسن جو کہ ہندوستان میں موجود ہیں، یہ بھی ملحوظ رہے کہ:

ب...... محمد حسین مرحوم نے مرنے سے قبل اپنی بھائی کی اہلیہ مرحومہ سے وصیت کردی تھی کہ میری جائیداد سے وزیر حسن مرحوم کے بیٹے یا پوتے کو کچھ نہ دیا جائے اور اسی طرح محمد حسین مرحوم کی بھابھی اہلیہ امیر حسن مرحوم نے بھی وصیت کردی تھی کہ وزیر حسن کے بیٹے یا پوتوں یعنی نفیس الحسن اور حبیب الحسن کو کچھ نہ دیا جائے۔

ج...... محمد حسین مرحوم اور امیر حسین مرحوم کے مکان ونزداس کے صحن کی زمین پر کچھ پڑوس کے لوگوں نے چندہ سے مسجد بنانا شروع کردی ہے اور کسی بھی وارث سے اجازت نہیں لی ہے، لہذا ایسی زمین پر مسجد بنانا جائز ہے؟ اور اس میں چندہ دینا اور نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور یہ مسجد مسجد کا حکم رکھتی ہے یا نہیں؟

د...... مسجد بنوانے والے لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم کسی نہ کسی وقت وارثان سے یہ زمین خرید لیں گے یا ان

سے اجازت لے لیں گے، کیا ان کا یہ کہنا اور خیال از روئے شرع کچھ وقعت رکھتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف...... امیر حسین کا ترکہ افتادہ زمین وغیرہ تین حصے قرار دے کر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ایک حصہ جمیلہ کو ملے گا، ایک حصہ جلیلہ کو ملے گا، ایک حصہ محمود کو ملے گا(۱)، محمد حسین مرحوم کا انتقال اگر ایسے وقت ہوا کہ امیر حسین، وزیر حسین اور اس کا لڑکا پہلے انتقال کر چکے تھے، تو محمد حسین کا ترکہ (افتادہ زمین وغیرہ) تین حصے بنا کر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ایک حصہ محمود کو ملے گا، ایک حصہ نفیس الحسن کو ملے گا، ایک حصہ حبیب الحسن کو ملے گا(۲)، کسی دوسرے ملک میں جا کر رہنے سے حصہ وارث ختم نہیں ہوگا۔

ب...... شرعاً یہ وصیت معتبر نہیں، شریعت نے جو حق جس وارث کا مقرر کر دیا ہے، وہ ایسی وصیت سے ختم نہیں ہوگا(۳)۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن كن نساء فوق اثنتين فلهن ثلثا ماترك﴾ (النساء: ۱۱)

"وللبنت النصف وللأكثر الثلثان". (البحرالرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۷۴، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۷۲، سعيد)

(۲) "وعصبه أي: من يأخذ الكل والأحق الابن، ثم ابنه.

(قوله من يأخذ الكل) أي: إذا انفرد وما أبقته أصحاب الفروض". (البحرالرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۸۱، رشيديه)

"يحوز العصبة بنفسه، وهو كل ذكر لم يدخل في نسبته إلى الميت أنثى ما أبقت الفرائض، وعند الانفراد يحوز جميع المال، ويقدم الأقرب فالأقرب كالابن، ثم ابنه". (الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۹/۷۷۴، سعيد)

(۳) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكاة المصابيح، كتاب الوصايا، الفصل الثالث، ص: ۲۶۶، قديمى)

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإقرار، مطلب الإرث جبري لايسقط بالإسقاط: ۲/۵۴، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الفرائض: ۷/۴۷۱، دارالكتب العلمية بيروت)

ج...... جب تک زمین کے مالک اجازت نہ دیں، وہاں مسجد بنانا جائز نہیں، اس میں چندہ نہ دیا جائے، وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی، اولاً مالکان سے اجازت حاصل کی جائے یا ان سے زمین خریدی جائے تب مسجد بنائی جائے (۱)۔

د...... یہ تجویز غلط ہے، قابلِ عمل نہیں، پہلے اجازت لیں ورنہ شرعاً غاصب شمار ہوں گے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۲۶ھ۔

جتنی زمین خریدی، اس سے زائد پر مکان بنالیا

سوال [۱۰۸۶۴]: ۱...... یسین نے مسجد کی زمین مکان بنانے کے لئے کرایہ پر لی اور حرکت یہ کی کہ جتنی زمین لی تھی، اس سے زیادہ زمین پر مکان بنالیا، یہ حرکت یسین کی جائز تھی یا نہیں؟

۲...... یسین یہ مکان انجمن اسلامیہ والوں کو بیچ کر پاکستان چلا گیا، انجمن اسلامیہ انٹر کالج والے یہ کہہ

(۱) "أفاد أن الواقف لأبد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ...... حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح وإن ملكه بعد بشراء أو صلح، ولو أجاز المالک وقف فضولي جاز، وصح وقف ماشراه فاسداً ...... وينقض وقف استحق بملک أو شفعة وإن جعله مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، سعيد)

"ومن الشروط الملک وقت الوقف، حتى لو غصب أرضا فوقفها ثم اشتراها من مالكها، ودفع ثمنها إليه، أو صالح على مال دفعه إليه لاتكون وقفاً". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشيديه)

(۲) "اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب وهو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع في الكتاب والسنة". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۲/۵۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"الغصب: شرعاً: استيلاء على حق الغير بلا حق، وقال أيضاً: هو أخذ مال متقوم محترم بلا إذن مالكه بلاخفية". (القاموس الفقهي، ص: ۲۷۵، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۹۶، رشيديه)

رہے ہیں کہ جواس مکان کے باہر (مسجد کی) زمین ہے، وہ بھی ہماری ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں معلوم کرنی ہیں۔

الف...... مکان کے اندر جو زائد زمین ہے، انجمن اسلامیہ والوں کو اس زائد زمین کو مسجد کو دے دینا چاہیے یا نہیں؟

ب...... مکان کے باہر والی مسجد کی زمین پر انجمن اسلامیہ والے قبضہ کرنے کی فکر میں ہیں، ان کو ایسا کرنا چاہیے یا نہیں؟

۳...... انجمن اسلامیہ والے ایسی حرکتیں کرنے کے سبب فاسق قرار پائیں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... ناجائز تھی (۱)۔

۲...... اگر واقعہ اسی طرح ہے تو:

الف...... وہ زائد زمین مسجد کو دے دیں یا اس کا بھی کرایہ تجویز کرلیں، جیسے کہ یسین نے مسجد سے کرایہ پر لی ہے۔

ب...... اس پر قبضہ کا کوئی حق نہیں، یہ غصب ہوگا، جو کبیرہ گناہ ہے (۲) اور اس کا واگزر کرانا ضروری ہوگا (۳)۔

---

(۱) "عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين.

وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لايأخذ أحد شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض: ۲/ ۳۲، ۳۳، قديمي)

"اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب، ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۶/ ۵۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وصحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين: ۱/ ۴۵۳، قديمي)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱

(۳) "إذا ثبت بالوجه الشرعي استيلاء شخص على شيء من المسجد كان الواجب رفع يده عنه، =

۳...... مسجد کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کرنے والے بلا شبہ فاسق اور گنہگار ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= وإعادته مسجدا كما كان". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/ ۴۷۲، مكتبه عربيه كوئٹه)

"رجل وقف أرضاً أو داراً، ودفعها إلى رجل، وولاه القيام بذلك، فجحد المدفوع إليه فهو غاصب يحرم الأرض من يده، والخصم فيه الواقف". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الواقف: ۲/ ۴۴۷، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/ ۲۳۰، حقانيه پشاور)

باب اٰداب المسجد

(آدابِ مسجد کا بیان)

الفصل الأول فیما یستحب في المسجد ومایکره

(مسجد میں مستحب اور مکروہ کاموں کا بیان)

مسجد میں پرندوں کے گھونسلے کا حکم

سوال[۱۰۸۶۵]: پرندوں کا گھونسلہ مسجد یا مکان میں ہوتو اس کو نکال کر پھینک دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں پرندوں کا گھونسلہ ہو اور وہ بیٹ کرکے مسجد کو خراب کرتے ہوں تو گھونسلہ وہاں سے باہر پھینک دینا درست ہے(۱)، مکان سے بھی پھینکنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے دروازے پر لغویات کی مجلس کرنا

سوال[۱۰۸۶۶]: حدودِ مسجد کے دروازہ پر نماز کے وقت یا غیر وقت نماز میں چند حضرات جمع ہوتے ہیں، جن میں اہل دین کی سمجھ رکھنے والے اور کچھ کم سمجھ رکھنے والے دونوں قسم کے افراد ہوتے ہیں اور

---

(۱) "إذا کان في المسجد عش الخطاف، ویقذر المسجد لابأس بأن یرمی بما فیه؛ لأن فیه تنقیة المسجد".

(المحیط البرهاني، کتاب الکراهية، الفصل الخامس في المسجد: ۴۸/۶، ۴۹، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"ولو کان في المسجد عش خطاف أو خفاش یقذر المسجد لابأس برمیه بما فیه من الفراخ".

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهية، الباب الخامس في اٰداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشیدیه)

(وکذا في الملتقط في الفتاویٰ الحنفیة، کتاب الأداب، :ص ۲۶۷، مکتبه حقانیه پشاور)

وہاں بیٹھ کر لایعنی باتیں کرتے رہتے ہیں، کبھی فلمی کہانی وہاں بیٹھ کر ہوتی ہے اور کبھی کوئی گانا بھی گالیتا ہے اور کبھی باتوں میں گالی بھی ایک دوسرے کو کہہ دیتے ہیں اور دوسری بھی ناجائز باتیں اور غیبت وغیرہ بھی ہوجاتی ہے۔

تو کیا ایسے حضرات کو حدودِ مسجد کے دروازہ پر بیٹھنے سے روکا جائے یا نہیں؟ ان کو روکنے کا کس کو حق ہے؟ متولی صاحب یا مسجد کے اہل جماعت، اگر متولی صاحب یا اہلِ جماعت میں سے کسی نے ان کو بیٹھنے سے منع کیا، اس کے باوجود وہ نہ مانے اور دروازہ پر بیٹھنا جاری رکھیں تو اس کا کیا گناہ ہوگا؟ اور کوئی دوسرا شخص کچھ دیر کے لئے ان کے ساتھ ایسے ہی تفریحاً بیٹھ جائے، تو کیا وہ بھی گناہ میں شریک ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی مجالس کرنا خاص کر حدودِ مسجد میں شرعاً قبیح ومذموم ہے(۱)، ان لوگوں کو متولی اور دوسرے بااثر لوگ فہمائش کریں کہ شرعاً یہ غیبت کرنا گالی دینا وغیرہ جائز نہیں، گناہ ہے(۲)، ایسی چیزوں سے باز آنا اور توبہ کرنا

---

(۱) "وعن الحسن مرسلاً قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: یأتي علی الناس زمان یکون حدیثهم في مساجدهم في أمر دنیاهم فلا تجالسوهم، فلیس لله فیه حاجة". (مشکاة المصابیح، کتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع: ۱/۷۱، قدیمی)

"الجلوس في المسجد لتکلم أحادیث الدنیا یحرم بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لذلک ...... ولا یجوز الکلام المنکر کالقصص وحکایات الدنیا الکاذبة". (مجموع رسائل اللکنوي، رساله نفع المفتي والمسائل: ۳/۱۸۱، مکتبه إمدادیه ملتان)

"والکلام المباح، وقیده في الظهیریة بأن یجلس لأجله". (الدرالمختار).

"(قوله: بأن یجلس لأجله) فإنه حینئذ لایباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنیا ...... وفي المدارک -ومن الناس من یشتری لهو الحدیث- المراد بالحدیث الحدیث المنکر کما جاء "الحدیث في المسجد یأکل الحسنات کما تأکل البهیمة الحشیش" فقد أفاد أن المنع خالص المنکر عن القول". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۱/۶۶۲، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الصلاة، قبیل باب الوتر: ۲/۶۳، رشیدیه)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب الصلاة، قبیل باب الوتر: ۱/۳۶۹، رشیدیه)

(۲) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: سباب =

ضروری ہے، سب کو اپنے اپنے جائز کام میں مشغول رہنا چاہیے، وقت اللہ کی بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کی جائے (۱)، لغویات میں اس کو ضائع کرنا بڑی دولت کو برباد کرنا ہے، ایسے آدمیوں سے لڑائی نہ کی جائے، کہ اس کے نتائج نہایت خراب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۱۵ھ۔

مسجد میں سیاسی واقتصادی باتیں کرنا

سوال [۱۰۸۶۷]: مسجد میں دینی باتوں کے علاوہ سماجی، سیاسی، اقتصادی باتیں کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد اللہ کا گھر ہے جو کہ اس کی عبادت کے لئے ہے، اس میں دنیا کی باتیں کرنے کے لئے بیٹھنا اس

= المسلم فسوق، وقتاله كفر.

وعن أبي سعيد وجابر رضي الله تعالىٰ عنهما قالا: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الغيبة أشد من الزنا". (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب حفظ اللسان والغيبة: ۲/ ۴۱۱، ۴۱۵، قديمى)

(وصحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى عن السباب: ۲/ ۸۹۳، قديمى)

(وسنن أبي داود، كتاب الأدب: ۲/ ۳۲۶، رحمانيه)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها سواء كانت المعصية صغيرة كانت أو كبيرة". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/ ۳۵۴، قديمى)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۵۵، قديمى)

(وكذا في رياض الصالحين، باب التوبة، ص: ۲۵، قديمى)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس الصحة والفراغ". (سنن الترمذي، كتاب الزهد، باب الصحة والفراغ نعمتان ...... الخ: ۳/ ۲۸۷، رقم الحديث: ۲۳۰۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وصحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب الصحة والفراغ، ص: ۱۱۱۳، رقم الحديث: ۶۴۱۲، دارالسلام رياض)

کے ادب واحترام کے خلاف ہے، اس سے نیکیاں اسی طرح برباد ہوجاتی ہیں، جس طرح آگ سے لکڑی جل جاتی ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸۹ھ۔

مصلیٰ کے قریب باتیں کرنا

سوال[۱۰۸٦۸]: امام کے لئے جماعت کے فوراً بعد مسجد میں ہی مصلیٰ کے قریب لوگوں سے روزانہ عادتاً باتیں کرنا اوروہ بھی اس طرح زور سے کہ لوگوں کی نماز میں خلل آئے، جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح زور سے باتیں کرنا کہ دوسروں کی نماز میں خلل آئے، منع ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "والكلام المباح، وفي فتح القدير: أنه يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب. وقال الحموي: نقلاً عن شرح الجامع الصغير: الجلوس في المسجد للحديث لايباح بالاتفاق؛ لأن المساجد ما بنيت لأمور الدنيا، وفي خزانة الفقه مايدل على أن الكلام المباح من حديث الدنيا حرام، فإنه قال: ولا يتكلم في المساجد بكلام الدنيا فمن تكلم في المساجد بكلام الدنيا أحبط الله عنه عمل أربعين سنة". (شرح الحموي على الأشباه، القول في أحكام المسجد: ۴/۶۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/٦٦۲، سعيد)

(وكذا في مجموع رسائل اللكنوي، رسالة نفع المفتي والسائل، ومنها مايتعلق بالمسجد: ۴/۱۸۱، إمداديه)

(۲) "عن السائب بن يزيد قال: كنت قائماً في المسجد فحصبني رجل، فنظرت فإذا عمر بن الخطاب فقال: اذهب فأتني بهذين فجئته بهما فقال: من أنتما؟ أو من أين انتما؟ قالا: من أهل الطائف قال: لو كنتما من أهل البلد لأوجعتكما ترفعان أصواتكما في مسجد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم".

(صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب رفع الصوت في المسجد: ۱/٦۷، قديمي)

"(قوله: ورفع صوت بذكر الخ) ...... وفي حاشية الحموي عن الإمام الشعراني: أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أوقارئ الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/٦٦۰، سعيد) =

عورتوں کا طاق بھرنے کے لئے مسجد میں جانا

سوال[۱۰۸۲۹]: عورتوں کو مسجد کے اندر چراغ جلانے اور خوشبوں میں گلگلے لاکر طاق بھرنے یا اور دیگر کاموں کو پورا کرنے کے لئے مسجد کے اندر جانا اور نمازیوں کو وہ گلگلے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد نماز، ذکر وغیرہ عبادت کے لئے ہے(۱)، عورتوں کو چراغ جلانے اور خوشی میں گلگلوں سے طاق بھرنے کے لئے وہاں جانے سے روک دیا جائے (۲)، جو کچھ صدقہ دینا ہو، غرباء کے پاس بھیج دیں، چراغ کے

= "وههنا أبحاث: الأول فيما تصان عنه المساجد: يجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة ...... وتشدان الضالة، والسرور فيها لغير ضرورة، ورفع الصوت". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المساجد، ص: ۶۱۰، سهيل اکیڈمی لاهور)

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينما نحن في المسجد مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ جاء أعرابي فقام يبول في المسجد، فقال: أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مه مه، فقال: رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا تزرموه دعوه، فتركوه، حتى بال، ثم أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دعاه فقال له: إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول والقذر، وإنما هي لذكر الله، والصلاة، وقرأه القرآن. أو كما قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب تطهير النجاسات: ۱/۵۲، قديمي)

"لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة، أو اعتكاف، وذكر شرعي، وتعليم علم، وتعلمه، وقرأة قرآن". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۶۰، رشيديه)

(۲) "عن عمرة بن عبدالرحمن أنها سمعت عائشة زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تقول: لو أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: رأى ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل". (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد: ۱/۱۸۳، قديمي)

"ويكره حضورهن الجماعة، ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقاً، ولو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتى به لفساد الزمان". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۶، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۲۸، رشيديه)

لئے تیل وغیرہ دینا ہو، تو وہ بھی کسی کی معرفت بھیج دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تصویر دار اخبار مسجد میں پڑھنا

سوال[۱۰۸۷۰]: مسجد میں اخبار لے جانا جس میں تصویریں ہوں، ونیز مسجد میں اخبار پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تصویریں جاندار کی رکھنا اپنے مکان میں بھی منع ہے، چہ جائیکہ مسجد میں، اس لئے مسجد میں نہ لے جائیں(۱)، اخبار میں عامۃً سچی جھوٹی، جائز ناجائز سب قسم کی باتیں ہوتی ہیں، اس لئے احتیاط یہ ہے کہ اس کو مسجد میں نہ پڑھا جائے، کوئی خاص ضروری وقتی چیز ہو تو اتفاقاً مسجد میں بھی گنجائش ہے، ورنہ اخبار کی جگہ مسجد کو تجویز نہ کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۸۹ھ۔

---

(۱) "عن أبي طلحة رضي الله تعالىٰ عنه ، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة.

قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ : قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث، وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره، فصنعة حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهة لخلق الله تعالىٰ، وسواء ماكان في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو فلس ...... وقال الزهري: النهي في الصورة على العموم، وكذلك استعمال ما هي فيه، ودخول البيت الذي هي فيه سواء كانت رقما في ثوب أو غير رقم، وسواء كانت في ثوب أو حائط ...... الخ". (شرح النووي على صحيح مسلم، باب تحريم صورة الحيوان: ۱۹۹/۲، سعيد)

(وكذا في عمدة القارئ، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة: ۱۱۰/۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۶۴۷/۱، سعيد)

(۲) "والكلام المباح، وفي فتح القدير: أنه يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب. وقال الحموي: نقلاً عن شرح الجامع الصغير: الجلوس في المسجد للحديث لايباح بالاتفاق؛ لأن المساجد ما بنيت لأمور الدنيا، وفي خزانة الفقه مايدل على أن الكلام المباح من حديث الدنيا حرام، فإنه قال: ولا يتكلم=

تعمیر کے وقت جوتے پہن کر مسجد میں جانا

سوال[۱۰۸۷۱]: مساجد کی تعمیر کے وقت کام کرنے اور کرانے والے جوتے پہنے ہوئے اندر بھی جاتے ہیں مسجد کے اور چھت کے ڈالتے وقت جوتے لے کر مسجد کی چھت پر بھی جاتے ہیں، مسجد کے اندر جانے کی صورت میں کبھی ان اینٹوں اور لکڑیوں پر جوتے لے کر جاتے ہیں، جن اشیاء کو تکمیل مسجد پر مسجد کے اندر سے نکال کر باہر پھینک دیا جاتا ہے اور کبھی جوتے اندر جانے کی صورت میں یہ بن واسطہ مسجد کی چھت پر جوتے لگتے ہیں، اکثر وبیشتر ایسا ہی ہوتا ہے، چھت پر جوتے لے جانے کی صورت میں اگر چہ بعض اوقات مسجد کی چھت پر بھی جوتے بالواسطہ مسجد کی چھت پر پڑتے ہیں، نیز کام کرانے اور کرنے والے کبھی مجبور ہوتے ہیں، جوتا پہننے پر جیسے شدید گرمی اور شدید سردی کے وقت اور جب خاردار تاریں چھت پر بچھا دی جائیں اور کبھی کام کرنے اور کرانے والے جوتا پہننے پر مجبور نہیں ہوتے ہیں، مذکورہ بالا جملہ صورتوں کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوتا اگر پاک ہو، اس میں نجاست نہ لگی ہو اور مسجد میں تعمیر ہو رہی ہو، سامان تعمیر پڑا ہو، گارہ وغیرہ ہو، یا سردی گرمی کی وجہ سے تعمیری کام کے لئے جانے کے وقت جوتا پہننے کی ضرورت ہو یا چھت پر ہو، اگر یہ بات نہ ہو، تو مسجد میں نماز کے لئے جب جائے اس وقت جوتا پہن کر جانا مسجد کے کسی حصہ میں ہو مکروہ ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۹۳ھ۔

= في المساجد بكلام الدنيا فمن تكلم في المساجد بكلام الدنيا أحبط الله عنه عمل أربعين سنة".
(شرح الحموي على الأشباه، القول في أحكام المسجد: ۴/ ۶۰، إدارة القرآن كراچی)
(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/ ۶۶۲، سعيد)
(وكذا في مجموع رسائل اللكنوي، رسالة نفع المفتي والسائل، ومنها مايتعلق بالمسجد: ۴/ ۱۸۱، إمداديه)

(۱) "وينبغي لمن أراد أن يدخل المسجد أن يتعاهد النعل والخف عن النجاسة، ثم يدخل فيه احترازاً عن تلويث النجاسة. وقد قيل: دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/ ۶۱، رشيديه) .... =

گوبر سے دیوار لیپ کر وہاں نماز پڑھنا

سوال[۱۰۸۷۲]: خام مسجدوں کی دیوارں میں مٹی میں گوبر ملاکراور سڑاکر پتوانا کیسا ہے؟ جب کہ گوبر نجاست غلیظہ ہے اور ایسی مسجدوں میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر گوبر قلیل ہو اور مٹی زیادہ ہو اور گوبر کا اثر ظاہر نہ ہو، تو وہاں نماز درست ہے، فقہا نے گنجائش لکھی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

مسجد میں لوٹا رکھ کر اس میں تھوکنا

سوال[۱۰۸۷۳]: اگر کسی شخص کو بلغم کھانسی کا عارضہ ہو اور اس کو سردی سے تکلیف ہوتی ہو تو اس کو مسجد میں تھوکنے کے لئے لوٹا رکھنا کیسا ہے؟ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی شخص معذور ہو اور کھانسی کی وجہ سے باہر آکر سردی میں تھوکنا مشکل ہو، تو اس کے لئے مسجد میں

= "وينبغي لداخله تعاهد نعله وخفه". (الدر المختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: أن دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۱) "ويكره أن يطين المسجد بطين قد بل بماء نجس بخلاف السرقين إذا جعل فيه الطين؛ لأن في ذلک ضرورة وهو تحصيل غرض لايحصل إلا به". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ السراجية في آخر قاضي خان، باب الكراهية والاستحسان، باب المسجد، ص: ۲۹، المطبع العالي الواقع في اللكنو)

لوٹا رکھ کر اس میں تھوکنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) "عن أنس بن مالک رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: البزاق في المسجد خطیئة وکفارتها دفنها". (صحیح البخاري، کتاب الصلاة، باب کفارة البزاق في المسجد: ۱/۵۹، قدیمی)

"قال الإمام النووي رحمه الله تعالیٰ: اعلم أن البزاق في المسجد خطیئة مطلقاً سواء احتاج إلی البزاق أو لم یحتج، بل یبزق في ثوبه. فإن بزق في المسجد فقد ارتکب الخطیئة، وعلیه أن یکفر هذه الخطیئة بدفن البزاق ...... والمراد دفنها في تراب المسجد ورمله وحصاته، إن کان فیه تراب ورمل وحصاة، وإلا فیخرجها". (شرح صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب النهي عن البصاق في المسجد: ۱/۵۹، قدیمی)

(وکذا في عمدة القاري شرح صحیح البخاري، کتاب الصلاة: ۴/۲۲۲، ۲۲۳، دارالکتب العلمیة بیروت)

البتہ لوٹے کی صفائی کا خیال رکھا جائے، تا کہ اس کی بدبو سے دوسروں کو تکلیف نہ ہو، وگرنہ لوٹا رکھنے کی اجازت نہ ہوگی۔

الفصل الثاني في دخول الجنب والحائض في المسجد

(مسجد میں جنبی اور حائضہ کے داخل ہونے کا بیان)

مسجد کے حجرہ سے بحالتِ جنابت مسجد سے گزرنا

سوال[۱۰۸۷۴]: مسجد کے متصل ایک حجرۂ امام بھی ہے، امام صاحب وہاں آرام کرتے ہیں، لیکن چندلوگوں کے کہنے پر امام صاحب نے اپنے اہل وعیال کو اپنے ہمراہ لاکر اس حجرہ میں رکھتے ہیں اور مباشرت ضرور ہوتی ہوگی، کیونکہ جوان آدمی ہیں، حجرہ سے مسجد کے اندر راستہ ہے اور ناپاک حالت میں مسجد سے نکل کر تالاب میں جاتے ہیں، دوسرا اور کوئی راستہ نہیں، کیا یہ روا ہے؟ جو کہ داخل مسجد میں اہل وعیال کو لے کر رہے اور ناپاک حالت میں باہر اسی راستہ سے نکلے، ایسی حرکت ہوئی تو صدر صاحب نے بلا کر کہا، کیا یہ ٹھیک نہیں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم ٹھیک کرتے ہیں۔

اب ایسا امام جو جماعت میں پھوٹ ڈالتا اور فساد پھیلاتا ہو، ایسا شخص امام ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ کہ ناپاکی کی حالت میں مسجد میں آئیں اور اہلیہ کو مسجد کے حجرہ میں رکھ کر اس سے مباشرت کرے، جب کہ حجرہ کا راستہ مسجد ہی میں ہے، دوسرا راستہ نہیں، شرعاً جائز نہیں (۱) اور جس امام کو امامت

---

(۱) "ويحرم بالحدث الأكبر دخول مسجد ولو للعبور إلا لضرورة حيث لا يمكنه غيره، ولو احتلم فيه، إن خرج مسرعاً تيمم ندباً، وإن مكث لخوف فوجوباً". (الدر المختار). "وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: أقول: والظاهر أن هذا في الخروج، أما في الدخول فيجب". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب مسح الخفين: ۱/۱۷۱، ۱۷۲، سعيد)

"وحرم على الجنب دخول المسجد ولو للعبور إلا لضرورة، كأن يكون باب بيته إلى المسجد=

سے الگ کر دیا گیا ہو، اس کا مسجد کے حجرہ میں رہنا بھی درست نہیں، بلکہ ظلم اور غصب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= ...... ويتبغي أن يقيد بكونه لا يمكنه تحويل بابه إلى غير المسجد، وليس قادرا على السكنى في غيره، كما لا يخفى وإلا لم تتحق الضرورة". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۳۹، رشيديه)

"ويحرم الوطء فيه وفوقه كالتخلي". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/۵۸، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض: ۱/۳۸، رشيديه)

(۱) "اعلم بأن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب ...... ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين أمنو لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ وقال عليه الصلاة والسلام: لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيبه نفس منه...... الخ". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۲/۵۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۶-۱۷۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۶/۳۱۵، دارالكتب العلمية بيروت)

الفصل الثالث في إدخال الأشياء المنتنة في المسجد

(مسجد میں بدبودار چیزوں کے داخل کرنے کا بیان)

مٹی کا تیل مسجد میں جلانا

سوال[۱۰۸۷۵]: اگر کسی علاقہ میں پہلے سے ہی مسجدوں میں مٹی کا تیل جلتا آرہا ہو اور یک بیک اس کا اٹھانا بھی مشکل ہو، تو مٹی کا تیل جلانا اس مجبوری کے بعد کیسا ہے؟ اور مٹی کے تیل سے نماز میں کوئی خلل پڑتا ہے یا نہیں؟ اگر مٹی کا تیل جلانے میں گناہ ہوتا ہے تو اس بستی میں کس پر گناہ ہوگا؟ اور اگر امام مٹی کا تیل جلانے سے نالاں ہو، لیکن بستی والوں کو سمجھانے کے باوجود وہ لوگ نہ مانتے ہوں تو اس امام کو گناہ ہوگا یا نہیں؟ اگر کسی علاقہ میں اس بات کو اٹھانے پر جھگڑا ہونے کا خطرہ ہو، تو اس بات کو جانتے ہوئے بھی اٹھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بدبودار تیل، مٹی کا تیل مسجد میں جلانا مکروہ تحریمی ہے، اس سے ملائکہ کو بھی اذیت ہوتی ہے(۱)، اگر

---

(۱) "وعن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

"قال الإمام العيني رحمه الله تعالىٰ: قلت علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين، ولا يختص بمسجد عليه الصلاة والسلام، بل الكل سواء ...... ويلحق بما نص عليه كل ماله رائحة كريهة من المأكولات وغيرها". (عمدة القارئ، كتاب الأذان، باب ماجاء في الثوم النيء والبصل: ۶/۲۱۰، دار الكتب العلمية بيروت)

"وأشار المصنف إلى أنه لايجوز إدخال النجاسة المسجد وهو مصرح به، فلذا ذكر العلامة قاسم في بعض فتاويه: أن قولهم إن الدهن المتنجس يجوز الاستصباح به مقيد بغير المساجد، فإنه لايجوز الاستصباح به في المسجد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها:=

روشنی کا کوئی اورانتظام نہ ہو سکے، تو مٹی کا تیل ایسی طرح جلایا جائے کہ مسجد کے اندر نہ ہو، بلکہ باہر ہو اور روشنی مسجد میں آتی رہے، اگر صحیح مسئلہ بتا تا ہے اور لوگ نہیں مانتے، بلکہ ضد کرتے ہیں، تو لوگوں کی پکڑ ہوگی (۱)، اگر ایک آدمی یا چند آدمی مٹی کے علاوہ سرسوں وغیرہ کے تیل کا انتظام کرلیں یا موم بتی کا انتظام کرلیں، تو انشاء اللہ تعالیٰ نزاع نہیں ہوگا۔ عامۂ نزاع اس وقت ہوتا ہے جب کوئی فریق یہ سمجھتا ہے کہ ہماری مخالفت مقصود ہے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۶/ ۸۷ھ۔

مسجد کی تپائی میں بدبودار رنگ کا استعمال کرنا

سوال[۱۰۸۷۶]: مسجد کی تپائی ورنگائی کے لئے ان رنگوں کا استعمال، جس میں اسپرٹ، مٹی کا تیل استعمال کیا جاتا ہے، جب کہ اس کی تپائی بغیر ان اشیاء کے ملائے ہوئے ناممکن ہے، مگر چونکہ تزئین مقصود ہے، اس لئے ان اشیاء کی ملاوٹ کی جاتی ہے، اس حکم کے پیش نظر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد میں پیاز کھا کر جانے کو منع فرمایا ہے، تا کہ ملائکہ کو اذیت نہ ہو، کیا اس سے ملائکہ کو تکلیف نہیں ہوتی؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

= ۲/ ۶۱، رشیدیه)

"ويجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة لقوله عليه السلام: من أكل الثوم والبصل والكراث، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فذكر إنما أنت مذكر لست عليهم بمصيطر إلا من تولى وكفر فيعذبه الله العذاب الأكبر﴾. (الغاشية: ۲۴)

"إذا جاء أحد الخصمين إلى صاحبه بفتوىٰ الأئمة فقال صاحبه: ليس كما أفتوا، أو قال: لا يعمل بهذا كان عليه التعزير وفي "اليتيمة" سئل والدي عن قائل يقول: "لا أقول بفتوىٰ الأيمة ولا أعمل بفتواهم" ما حاله؟ قال: يلزمه التوبة والاستغفار". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في العلم والعلماء: ۵/ ۳۴۶، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ومنها مايتعلق بالعلم والعلماء: ۲/ ۲۷۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بدبودار چیز کا مسجد میں لانا مکروہ ہے۔ایسے رنگ سے بھی اجتناب چاہیے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۴/ ۸/ ۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) راجع العنوان السابق، رقم الحاشیة: ۱

الفصل الرابع في زخرفة المساجد و الكتابة عليها

(مسجد کے نقش ونگار اور اس پر لکھنے کا بیان)

مسجد کی زیبائش کے لئے روپیہ خرچ کرنا

سوال[۱۰۸۷۷]: وقف مسجد کے روپے سے رنگ برنگ کے ٹائل اور مارول وغیرہ سے مسجد کو روشن کرنا درست ہے یا نہیں؟ بلاضرورت کسی تعمیر کو توڑ کر دوسری تعمیر کردی ہے، تاکہ جاذب نظر اور دل کش ہوجائے، یہ علاماتِ قیامت میں سے تو نہیں ہے؟ اور مسجد کی ضرورت میں کیا چیزیں داخل ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کا پیسہ زیبائش کے لئے خرچ کرنا جائز نہیں۔ استحکام کے لئے خرچ کیا جائے۔

"كذا في كتب الفقه من ردالمحتار(۱)، والبحر الرائق، وغيرهما(۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تعمیر مسجد کی تاریخ کندہ کراکے مسجد میں لگانا

سوال[۱۰۸۷۸]: مسجد میں بھی پتھر کھدوا کر لگا دیتے ہیں، سنہ ہجری بھی لکھ دیتے ہیں، یہ جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) "(ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص، وماء ذهب بماله لا من مال الواقف، وضمن متوليه لو فعل) النقش والبياض ...... إلا إذا كان لإحكام البناء". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

(۲) "أما المتولي فإنما يفعل من مال الوقف مايحكم البناء دون النقش، فلو فعل ضمن حينئذٍ لما فيه من تضييع المال". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر: ۲/۶۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر: ۱/۳۶۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر والنوافل: ۱/۴۲۰، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد وغیرہ کی تعمیر کی تاریخ پتھر میں کندہ کرا کے لگوا دینے میں مضائقہ نہیں، مگر ایسی جگہ نہ ہو کہ نماز کی حالت میں اس پر نظر جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں ناپاک کپڑوں کو دھونا

سوال[۱۰۸۷۹]: دوبارہ پھر یہی حرکت کی اور کپڑے بھی مسجد میں دھوئے اور وہیں سکھائے، کیا مسجد ایسے کام کے لئے ہے، ایسی حالت میں دل نے کراہت کی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرش مسجد پر ناپاک کپڑوں کا دھونا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۳۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(ولا بأس بنقشه خلا محرابه) فإنه يكره؛ لأنه يلهي المصلي، ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً في جدار القبلة، وفي حظر المجتبیٰ: يكره في المحراب دون السقف والمؤخر". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

"ولا يكره نقش المسجد ...... وقيل: يكره ...... ومحل الاختلاف في غير نقش المحراب، أما نقشه فهو مكروه؛ لأنه يلهي المصلي". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر والنوافل: ۲/۶۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة الوتر: ۱/۳۶۹، رشيديه)

(۲) "و إدخال نجاسة فيه". (الدرالمختار). "(قوله وإدخال النجاسة فيه) عبارة الأشباه: وإدخال النجاسة فيه يخاف منه التلويث ...... وفي الفتاویٰ الهندية: لايدخل المسجد من على بدنه نجاسة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۶، سعيد)

"وأشار إلى أنه لايجوز إدخال النجاسة المسجد وهو مصرح به". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۶۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

الفصل الخامس في الحفلات للوعظ والأناشيد في المسجد

(مسجد میں وعظ ونظم کی محفلوں کا بیان)

مسجد میں سیاسی جلسہ کرنا

سوال[۱۰۸۸۰]: ۱...... کیا یہ مسجدیں سیاسی جلسوں کے لئے ہیں، جھوٹا پروپیگنڈا کرکے غلط باتیں بیان کرکے، فریب وچالاکی سے چندہ جمع کرنا جائز ہے؟ کیا یہ مسجدیں دینی وعظ کے لئے نہیں ہیں؟

۲...... جو شخص مسجد میں وعظ وذکر سے روکے، وہ کیسا ہے؟ اور جو سیاسی جلسوں کی اجازت دے اور کرائے وہ کیسا ہے؟ اور اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مسجدیں، نماز، تلاوت، ذکر، دینی وعظ وتبلیغ کے لئے ہیں(۱)، سیاسی جلسوں کے لئے کوئی اور میدان تجویز کیا جائے، کیونکہ آج کل عامۃً سیاسی جلسے حدودِ شرع میں نہیں ہوتے، جس سے مسجد کا احترام باقی نہیں رہتا ہے، شور وشغب بھی بہت اور حدود سے متجاوز ہوتا ہے(۲)۔

---

(۱) "وعن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: بينما نحن مع رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم إذ جاء أعرابي فقام يبول في المسجد ...... فقال له: إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا القذر والبول، إنما هي لذكر الله تعالیٰ، والصلاة، وقرأة قرآن أو كما قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم". (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب تطهير النجاسات: ۱/۵۲، قديمی)

"لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة أو اعتكاف وذكر شرعي ...... وتعليم علم وتعلمه وقرأة قرآن". (شرح الحموي على الأشباه، القول في أحكام المسجد: ۴/۶۳، إدارة القرآن كراچی)

"أن الأصل ألا يعمل في المسجد غير الصلوات والأذكار وقرأة القرآن". (الجامع لأحكام القرآن: ۱۲/۱۷۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "والكلام المباح، وفي فتح القدير: أنه يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب. وقال الحموي: =

۲......اگر وعظ وذکر سے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ آتا ہو اور وعظ بھی صحیح صحیح ہو، تو اس کو روکنا ظلم ہے، بلکہ بڑا ظلم ہے۔

لقوله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾ الآية (١).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں سیاسی جلسہ وغیرہ کرنا

سوال[۱۰۸۸۱]: شہر جلگاؤں میں ایک جامع مسجد ہے، اس کی ایک کمیٹی ہے، کمیٹی کے صدر محمد موسیٰ مالی اعتبار سے ذی حیثیت ہیں، مگر کردار کے لحاظ سے شرابی ہیں، زانی ہیں، شراب کا باقاعدہ پرمٹ حکومت سے حاصل کر رکھا ہے اور ہر ماہ سینکڑوں روپیہ کی شراب آتی ہے، اب چیئرمین بھی منتخب کر لئے گئے جامع مسجد میں، آپ کا استقبال کیا گیا مسجد کے اندر آپ کی شان میں قصائد بھی پڑھے گئے، واہ واہ کے نعرے اور تالیاں بھی

= نقلاً عن شرح الجامع الصغير: الجلوس في المسجد للحديث لايباح بالاتفاق؛ لأن المساجد ما بنيت لأمور الدنيا، وفي خزانة الفقه مايدل على أن الكلام المباح من حديث الدنيا حرام، فإنه قال: ولا يتكلم في المساجد بكلام الدنيا فمن تكلم في المساجد بكلام الدنيا أحبط الله عنه عمل أربعين سنة". (شرح الحموي على الأشباه، القول في أحكام المسجد: ۴/٦٠، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ١/٦٦٢، سعيد)

(وكذا في مجموع رسائل اللكنوي، رسالة نفع المفتي والسائل، ومنها مايتعلق بالمسجد: ۴/١٨١، إمداديه)

(١) (البقرة: ١١۴)

"لايجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمنا من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأن المسجد مابني إلا لها من صلاة، أو اعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقرأة القرآن". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ٢/٦٠، رشيديه)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه، القول في أحكام المسجد: ۴/٦٠، إدارة القرآن كراچى)

بجائی گئی۔سوال یہ ہے کہ سیاسی جلسہ مسجد میں کرنا کیسا ہے؟ اور موصوف کا استقبال مسجد کے اندر کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدر کمیٹی مسجد متقی آدمی ہونا چاہیے (۱)، مسجد کو اس قسم کی محفلوں سے پاک صاف رکھا جائے، تالیاں بجانا اور اس قسم کا شور وشغب احترام مسجد کے خلاف ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/ ۵/ ۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/ ۵/ ۸۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۷۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/ ۳۸۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/ ۴۰۸، رشيديه)

(۲) "مما تصان عنه المساجد وتنزه عنه الروائح الكريهة، والأقوال السيئة ...... وتصان المساجد أيضاً عن البيع والشراء وجميع الاشتغال ...... والأصل ألا يعمل في المسجد غير الصلوات والأذكار وقرأة القران؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال لأعرابي بال في المسجد، إن هذه المساجد لاتصلح لشيء من هذا البول ولا القذر؛ إنما هي لذكر الله والصلاة وقرأة القرآن". (الجامع لأحكام القرآن: ۱۲/ ۱۷۸، ۱۷۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في اداب المسجد: ۵/ ۳۲۱، رشيديه)

(وكذا في رسائل اللكنوي، رسالة نفع المفتي والسائل، منها مايتعلق المسجد: ۳/ ۱۸۱، إمداديه)

باب المتفرقات

مسجد کے قریب جگہ کو راستہ بنانا

سوال[۱۰۸۸۲]: ایک مسجد کے اردگرد جگہ ہے، اتر کی جانب جو جگہ ہے اس میں ایک شخص نے آنے جانے کا راستہ نکال لیا جو راستہ نکالا گیا اس راستے سے گائے بیل سب کچھ نکل کر آتا جاتا ہے اور اس راستہ کی اجازت سب محلّہ والوں نے نہیں دی، چند شخصوں نے دے دیا تو کیا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا.

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس جگہ کے وقف مسجد ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور عام ضرورت کی وجہ سے وہاں راستہ بنالیا ہے، تو اس پر اعتراض نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

برمے کی مشین بدل دی تو کیا اب بھی اول برما لگانے والوں کو ثواب ملے گا؟

سوال[۱۰۸۸۳]: ہمارے یہاں مسجد میں کنویں کے اندر پانی نکالنے کا برما جس کو ہینڈ پمپ بھی کہتے ہیں لگا ہوا ہے، یہ چونکہ دس گیارہ سال سے لگا ہوا تھا، اس لئے بوجہ پرانا ہونے کے اکثر خراب رہتا تھا جس کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف اٹھانی پڑتی تھی اور اس کی مرمت بھی ہمیشہ ہوتی رہتی تھی، اس برمے سے اہل محلّہ اور

(۱) "(للإمام الذي ولاه الخليفة أن يقطع)". (الدرالمختار). "(قوله : أن يقطع) أي: يعين له قطعة ...... قوله: (لأن للإمام ولاية ذلک) ...... فإذا رأی مصلحة لهم كان له أن يفعله ...... ألا ترىٰ أنه رأى أن يدخل بعض الطريق في المسجد، أو عكسه وكان في ذلک مصلحة بالمسلمين كان له أن يفعل ذلک".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الخنثیٰ، مسائل شتیٰ: ۶/۷۴۵، ۷۴۶، سعید)

"الضرورات تبيح المخطورات". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۲۱: ۱/۵۵، رشیدیه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الخنثیٰ، مسائل شتی: ۴/۳۵۹، دارالمعرفة بيروت)

بازار کے لوگ فیض یاب ہوتے تھے، اس برمے کی مکمل مرمت کرانے میں خرچ کافی آرہا تھا، اس لئے بعض لوگوں نے بغیر اطلاع منتظمہ کمیٹی مسجد مذکورہ برمے کی مشین بدل کر دوسری مشین لگادی، لیکن پہلے برمے کا کچھ سامان (ہینڈ پمپ) اس نئے برمے میں بھی بطریق سابق لگا رہا۔

اب قابلِ دریافت امر یہ ہے کہ پہلے برمے لگواتے والے کو ثواب اب بھی ملے گا یا ختم ہوگیا؟ جب کہ اس کا کچھ مذکورہ سامان اس نئے برمے میں بھی موجود ہے۔

اگر برمے میں سے مذکورہ سامان (ہینڈ پمپ) نکال دیئے جائیں تو بھی اس کو بدستور ثواب ملتا رہے گا یا ختم ہوجائے گا؟ جب کہ یہ سابقون اولون میں ہے، بعد میں لوگوں نے اس کی سنت میں عمل کیا ہے اور یہ صرف الداعی علی الخیر ہی نہیں بلکہ خود فاعل بھی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک پہلا کچھ بھی سامان موجود ہے، اس کو ثواب پہونچتا رہے گا، اگر سب سامان بدل دیا گیا تب بھی برمے کو فٹ کرنے کے لئے جوراستہ پانی تک پہلے شخص کا بنوایا ہوا ہے، وہ باقی ہے، اس کا ثواب پہونچتا ہی رہے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۶/ ۷/ ۹۶ھ۔

---

(۱) "أربعة تجري عليهم أجورهم بعد الموت: من مات مرابطا في سبيل الله، ومن علم علماً أجري له عمله ما عمل به، ومن تصدق بصدقة فأجرها يجري له ما وجدت، ورجل ترك ولدا صالحاً فهو يدعو له. وقال العلامة المناوي رحمه الله تعالىٰ: تحت قوله: فأجرها يجري له ماوجدت أي: فيجري له أجره مدة بقاء العين المتصدق بها". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۲/۹۲۵، ۹۲۶، رقم الحديث: ۹۳۳، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكه)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية ...... الخ". (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب الوقف: ۱/۲۵۹، سعيد)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جعلت لي الأرض مسجداً: ۱/۶۲، قديمي)

متعلقین مسجد کو انعام دینا

سوال[۱۰۸۸۴]: زید ایک مسجد میں قرآن کا ترجمہ بیان کرتا ہے اور مقررہ امام کی عدم موجودگی میں نماز پڑھاتا ہے، اہل مسجد رمضان المبارک میں جب کہ قاری اور سامع کو بعد ختم قرآن انعام دیتے ہیں، اس موقع پر زید کو بھی کچھ رقم دیتے ہیں، تو زید کا اس رقم کو لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر وہ رقم بطور چندہ کے لوگ اپنے پاس سے جمع کر کے دیں تو کیسا ہے؟ یا انعام کے نام سے جمع کریں اور اگر مسجد کے فنڈ میں سے دیں جس مسجد میں دکان کی آمد اور بیاہ برات موقع پر ہونے والی آمد جمع ہو، تو اس میں سے زید کو دینا اور اس کو لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

متعلقین مسجد جو کہ سال بھر خدمت کرتے ہیں ان کو تنخواہ کے علاوہ رمضان المبارک میں اہل مسجد زیادہ دیتے ہیں، اس میں مضائقہ نہیں درست ہے، چاہے وقف مسجد کی آمدنی سے دیں یا چندہ کر کے(۱)، جب کہ چندہ کرنے میں جبر نہ ہو(۲)، تقریبات کے موقع پر جو کچھ آمدنی ہوتی ہے، اس آمدنی سے بھی دینا درست ہے۔

---

(۱) "والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف أي: من غلته عمارته شرط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة، كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط، كذلك إلى آخر المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۶۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۷/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رحمه الله تعالىٰ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس". (السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب من غصب لوحاً ...... الخ: ۱۶۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۱/۴، سعيد)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

محض قرآن کریم سنانے کی اجرت دینا درست نہیں، انعام کے نام سے دی جائے یا کسی اور نام سے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا اپنی مسجد کو راستہ کی مسجد پر فوقیت ہے

سوال [۱۰۸۸۵]: اگر کوئی شخص کسی کام کی وجہ سے کہیں جائے اور اپنے کام سے فارغ ہوکر وہ اپنے گھر واپس ہوتا ہے (گھر کے پاس مسجد ہی کا وہ مقامی نمازی بھی ہے) راستے میں اذان ہوگئی اور اس شخص کے پاس اتنا وقت ہے اور اسے یقین ہے کہ اگر وہ اپنی مقامی مسجد میں پہنچ جائے تو اس کو جماعت مع تکبیر اولیٰ کے مل جائے گی، تو کون سی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے؟ اس مسجد میں جہاں پر کہ راستہ میں اذان ہوئی یا اس میں جس کا وہ مقامی نمازی ہے، اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اپنی مسجد میں پہنچ کر تکبیر اولیٰ سے جماعت مل جائے گی، تو محض راستے میں کسی مسجد کی اذان سن کر اپنی مسجد چھوڑنے کی ضرورت نہیں (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، ۹۲/۳/۲۲ھ۔

---

(۱) "الأصل: أن كل طاعة يختص بها المسلم لايجوز الاستئجار عليها عندنا لقوله عليه الصلاة والسلام: "اقرء وا القرآن ولا تأكلوا به ...... والاستئجار على مجرد التلاوة لم يقل به أحد من الأئمة، وإنما تنازعوا في الاستئجار على التعليم". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۵/۶، ۵۶، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۱۳۸/۲، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الإجارة الفاسدة: ۵۳۳/۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "مسجد المحلة أفضل من الجامع إلا إذا كان إمامه عالماً، قوله: مسجد المحلة أفضل الخ، قيل: لعل الأفضلية بالنسبة إلى أهل المحلة دون غيرهم لئلا يؤدي إلى تعطيل مسجد المحلة". (شرح =

مسجد کے درخت پر قلعی پھیرنا اور ایک دوسرے کو سخت الفاظ بولنا

سوال[۱۰۸۸۶]: ایک درخت مسجد میں کھڑا ہے، اس کو قلعی (۱) پھیرنے والے نے پوت دیا تھا، یعنی قلعی پھیر دی تھی، ایک شخص نے کہا: بھائی! تو نے یہ قلعی اس پر کیوں پھیر دی؟ ایک شخص وہاں موجود تھا، اس نے کہا کہ کیوں کیا بات ہوگئی؟ منع کرنے والے نے کہا، یہ طریقہ یہودیوں اور نصرانیوں کا ہے، تو اس شخص نے کہا کہ اگر تمہارا یہ خیال ہے تو اسلام سے خارج ہوگئے، اب بتایئے منع کرنے والا ٹھیک رہا، یا جس نے یہ کہا کہ تم اسلام سے خارج ہوگئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد کے درخت پر قلعی پھیرنا بلاضرورت ہوا، ایک دوسرے کو یہودی یا نصرانی یا اسلام سے خارج نہ کہیں، توبہ کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= الحموي على الأشباه الفن الثاني من الأشباه والنظائر في الفوائد: ۱/ ۴۳۰، إدارة القرآن كراچی)

"واختلفوا هل الأفضل مسجد حية أم جماعة المسجد الجامع، وإن استوى المسجدان فأقدمها أفضل فإن استويا فأقربهما". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۸۷، قديمی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۶۰۲، رشيديه)

(۱) "قلعی: رانگ، رانگا، سفیدی، مکانوں کی دیواروں پر پھیرنے کا چونا"۔ (فیروز اللغات، ص:۱۰۱۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تنابزوا بالألقاب بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان ومن لم يتب فأولئک هم الظلمون﴾ (الحجرات: ۱۱)

"قال الحسن ومجاهد: كان الرجل يعير بعد إسلامه بكفره يا يهودي يا نصراني، فنزلت ...... بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان" أي: بئس أن يسمى الرجل كافراً يا زانياً بعد إسلامه وتوبته". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۹/ ۲۱۰، ۲۱۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال النووي: اتفق العلماء على تحريم تلقيب الإنسان بما يكره ...... وعن ابن مسعود (في تفسير "ولا تنابزوا بالألقاب") هو أن يقال: لليهودي أو النصراني أو المجوسي إذا أسلم "يا يهودي يا نصراني يا مجوسي". (روح المعاني: ۲۶/ ۱۵۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"من قذف مسلماً بيا فاسق وهو ليس بفاسق، أو يا ابن فاسق يا كافر يا يهودي يا نصراني ...... عزر". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، فصل في التعزير: ۲/ ۱۶۸، رشيديه)

باب المصلیٰ

(عیدگاہ کابیان)

عذر کی وجہ سے عیدگاہ کودوسری جگہ منتقل کرنا

سوال[۱۰۸۸۷]: ہماری عیدگاہ اورقصبہ کے درمیان ایک ندی پڑتی ہے، جس کی بناء پرعیدگاہ جاتے ہوئے بہت سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حتیٰ کہ بہت سے لوگ بغیر نماز کے رہ جاتے ہیں، اس صورت میں تمام اہل قصبہ نے رائے کرلی ہے کہ عیدگاہ کوکسی اورجگہ منتقل کیا جائے توسابقہ عیدگاہ کا کیا ہوگا اوراس کوکس کام میں لایا جائے؟ آپ کاجواب بھی شریعت کے مطابق ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ عیدگاہ وقف ہے اورندی حائل ہونے کی وجہ سے وہاں جاکرنماز پڑھنا دشوار ہے اورندی کا پل بھی نہیں بنایا جاسکتا، تواس جگہ باغ لگادیا جائے اوردوسری جگہ عیدگاہ بناکر باغ کی آمدنی اس میں صَرف کی جائے، تاکہ اصل وقف بھی باقی رہے اوراس کی آمدنی بھی عیدگاہ پرصَرف ہو(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "إنما يحل للمتولي الإذن فيما يزيد الوقف به خيراً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

"وإن أراد قيم الوقف أن يبني في الأرض الموقوفة بيوتا يستغلها لايكون له ذلك؛ لأن استغلال أرض الوقف يكون بالزرع". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۲۳، رشيديه)

عیدگاہ کے روپے سے ہسپتال بنانا

سوال[۱۰۸۸۸]: ۱......مظفرنگر میں عیدگاہ کی دکانوں سے کافی آمد ہے، عیدگاہ نمازیوں کے لئے ناکافی ہے، کافی مقدار میں نمازی سڑک پر ہوتے ہیں، رخ بھی بالکل قبلہ سے ہٹا ہوا ہوتا ہے، اتنی رقم ہے کہ عیدگاہ کو دومنزل بنا سکتے ہیں بایں صورت عیدگاہ کی رقم سے ہسپتال جاری کرنا جائز ہے یانہیں؟

۲......قبرستان میں دکانیں وغیرہ بنانا جائز ہے یانہیں؟ اگر بنالی گئی تو بقاء کے لئے شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جو رقم بطور چندہ عیدگاہ کے واسطے جمع کی گئی ہے، یا وقف عیدگاہ سے حاصل ہوئی ہے، اس کو ہسپتال میں صَرف کرنا یا اس سے ہسپتال جاری کرنا درست نہیں ہے(۱)، منشاء معطی اور منشاء واقف کے خلاف ہے، جس کا حق متولی کو نہیں متولی امین ہوتا ہے(۲)، اس کو بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

---

(۱) "اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الأخر إليه، وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً لايجوز له ذلك". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۳۶۰/۴، سعيد)

"وقد علم منه أنه لايجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۶۲/۵، رشيديه)

"أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مسجداً ومدرسة، وعين لكل وقفاً، وفضل من غلة أحدهما لايبدل شرط الواقف، وكذا إذا اختلف الواقف لا الجهة". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۶۱/۶، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها......: ۱۵۰/۷، رشيديه)

(۲) "ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۳۸۰/۴، سعيد)

"وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۰۸/۲، رشيديه) .... =

"شرط الوقف کنص الشارع" کذا في ردالمحتار(۱).

۲...... جو قبرستان مردے دفن کرنے کے لئے وقف ہے اور وہاں مردے دفن ہوتے ہیں، وہاں دکانیں بنانے کی اجازت نہیں (۲)، ضرورتِ دفن کی خاطر دکانوں کو وہاں سے ختم کیا جاسکتا ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۵/۱۱ھ۔

شاہراہ کی توسیع کے لئے عیدگاہ کی دیواریں توڑنا

سوال[۱۰۸۸۹]: قصبہ سوپور کشمیر میں ایک سیکڑوں سالہ قدیم عیدگاہ ہے، جو طول وعرض کے اعتبار

= (وكذا في الفتاویٰ المهدية، كتاب الوقف: ۲/۴۸۰، المكتبة العربية كويته)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص: ۴/۴۹۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "سئل القاضي الإمام شمس الإسلام محمود الأزوجندي عن المقبرة في القرى إذا اندرست، ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم، ولا غيره هل يجوز زراعتها واستغلالها؟ قال: لا ولها حكم المقبرة". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۷/۱۴۵، رشيديه)

"مقبرة قديمة لمحلة لم يبق فيها أثر المقبرة هل يباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبونصر رحمه الله تعالیٰ: لايباح". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني عشر في الرباطات والمقابر: ۲/۴۷۱، رشيديه)

(۳) "أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة ...... ثم إن واحداً من أهل القرية بنى فيها بيتاً ...... إن كان في المقبرة سعة بحيث لايحتاج إلى ذلك المكان لا بأس به، وبعد ما بنى لو احتاج إلى ذلك المكان رفع البناء حتى يقبر فيه". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر: ۳/۳۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود الى الرباطات والمقابر: ۵/۵۸۹، قديمي)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

سے کافی وسیع ہے اور چہار طرف سے چھ فٹ بلند پختہ دیوار سے حصر بھی کی گئی ہے، لیکن آبادی کی کثرت کے باعث عیدین کی نماز کے لئے یہ جگہ تنگ ہے، جس کے باعث اب دوسال سے نئی عیدگاہ منتخب کی گئی ہے اور دو سال سے شہر سے باہر جدید عیدگاہ میں نماز ادا کی جاتی ہے، ساتھ ہی اس عیدگاہ قدیم میں ایک تالاب بھی تعمیر کیا گیا تھا، چونکہ یہ عیدگاہ شہر کے وسط میں ہونے کی وجہ سے گاہے گاہے پنجگانہ نمازیں بھی انفرادی طور پر لوگ ادا کرتے رہتے ہیں، اب چونکہ چند افراد یہ چاہتے ہیں کہ اس عیدگاہِ قدیم کی چہاردیواری کو مسمار کرکے دکانیں تعمیر کی جائیں اور بیچ میں عیدگاہ سے لمبی عوامی شاہراہ بھی تعمیر کی جائے۔

یادرہے کہ ان دکانوں کو سودی کاروبار اور ناجائز کاروبار کے لئے بھی کرایہ پر دیا جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قدیم عیدگاہ کی پختہ دیواروں کو مسمار کرکے دکانیں تعمیر کرنا اور عیدگاہ کے بیچ سے جنرل روڈ یعنی عوامی شاہراہ نکالنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو عیدگاہ نماز کے لئے وقف کی گئی ہو، اس میں اس تصرف کی اجازت نہیں۔

"لأن شرط الواقف کنص الشارع" (۱)۔

البتہ پنجگانہ نماز وجمعہ اس میں ادا کرلیا کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف کنص الشارع أي: في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشیدیه)

(۲) "أما مصلی العید لایکون مسجداً مطلقاً، وإنما یعطی له حکم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام، وإن کان منفصلاً عن الصفوف". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۶، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد: ۵/۴۱۸، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب الوقف، مسائل وقف المسجد: ۵/۸۴۵، إدارة القرآن کراچی)

واقف کے مرنے کے بعد تحدیدِ وقف میں کس کا قول معتبر ہوگا؟ نیز عیدگاہ میں جانوروں کی غلاظت کا حکم

سوال[۱۰۸۹۰]: ۱...... ہمارے یہاں ایک عیدگاہ ہے، جس میں لوگ قدیم زمانے سے نماز عید ادا کرتے چلے آرہے ہیں، بعد میں چل کر اختلاف ہوگیا اس زمین کے بارے میں کہ زمین ایک بیگھہ تھی یا نصف بیگھہ تھی، واقف کی وفات ہوگئی، اس کی اولاد واقرباء کہتے ہیں کہ زمین نصف بیگھہ تھی، لیکن گاؤں کے عام آدمی زمین کا حد طول وعرض دکھاتے ہیں، جس میں تقریباً ایک بیگھہ یا اس سے کچھ زائد ہوجاتا ہے، اب واقف کی اولاد نے زمین آدھا بیگھہ چھوڑ کر بقیہ حصہ بیچ دیا۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کن کے قول کا اعتبار ہوگا، جب کہ وارث آدھا بیگھہ کے زائد کا اقرار کرتا ہے اور عوام لوگ ایک بیگھہ کے قائل ہیں، کیا اس زمین میں نماز پڑھنے سے نماز ادا ہوجائے گی یا نہیں؟ واقف کے ہم عمر آدمی بھی موجود ہیں، لیکن کثیر تعداد کے لوگ ایک بیگھہ کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۲...... نیز اس عیدگاہ میں لوگ بھینس بیل وغیرہ چراتے ہیں، جو کہ پیشاب پاخانہ بھی کرتے ہیں، لہٰذا اس کی پاکی کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جب کہ وقف نامہ موجود نہیں اور اس زمین میں کچھ علامات بطورِ حد بندی کے نہیں لگائی گئی ہیں اور نہ کوئی اس بات کا گواہ ہے کہ واقف نے یہاں سے وہاں تک ہم کو بتا کر وقف کی ہے، تو ایسی حالت میں واقف کے ورثاء جتنا حصہ عیدگاہ کے لئے وقف بتائیں اس کو ہی وقف تسلیم کیا جائے گا(۱)، نماز عید میں اگر مجمع

---

(۱) "وإن شهدوا على الواقف بإقراره ولم يعرفوا ماله من الأرض أو من الدار أخذه القاضي بأن يسمى ماله من ذلك فما سمى من شيء فالقول قوله فيه، ويحكم عليه بوقفية ذلك، وإن كان الواقف قدمات فوارثه يقوم مقامه في ذلك فما أقربه من ذلك لزمه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الشهادة عليه: ۴۳۵/۲، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، نوع في المسائل التي تعود إلى الشهادة في الوقف: ۱۲۵/۷، مكتبه غفاريه كوئٹه) .... =

زیادہ ہے اور ورثاء واقف کی تجویز کردہ زمین سے باہر بھی ان کی اجازت سے لوگ کھڑے ہوکر نماز ادا کرلیں تو نماز ادا ہوجائے گی (۱)۔

۲...... جانور بیل وغیرہ اگر وہاں غلاظت کرتے ہیں تو بہتر یہ ہے کہ جگہ کے تحفظ کے لئے عیدگاہ کے اردگرد سب طرف دیوار قائم کردی جائے یا تار لگادیا جائے، یا خندق نما گڑھا کھود دیا جائے، تاکہ جانور وہاں تک نہیں پہنچ سکیں (۲) اور جس جگہ کو جانور گندہ کرچکے ہیں، وہاں کی زمین جب خشک ہوجائے اور نجاست کا اثر نہ رہے تو نماز کے لئے وہ زمین پاک سمجھی جائے گی (۳)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف: ٥/٥٦٧، ٥٦٨، قديمي)

(١) "وفيها أي: "مختارات النوازل" تكره في أرض الغير لو مزروعة أو مكروبة، إلا إذا كانت بينهما صداقة أو رأى صاحبها لايكره فلا بأس ...... نقل سيدي عبدالغني عن الأحكام لوالده الشيخ إسماعيل: أن النزول في أرض الغير إن لها حائط أو حائل يمنع منه، وإلا فلا، والمعتبر فيه العرف قال: يعني عرف الناس بالرضا وعدمه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة: ١/٣٨١، سعيد)

"رجل بنى مسجداً على سور المدينة لاينبغي أن يصلى فيه؛ لأنه حق العامة ...... ولو فعله بإذن الإمام ينبغي أن يجوز فيها لاضرر فيه". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ٦١٥، سهيل اكيڈمی لاهور)

(٢) "وقد اعتاد أهل مصر وضع الأحجار حفظاً للقبور عند الاندارس والنبش ولا بأس به". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في حملها ودفنها، ص: ٦١١، قديمي)

(٣) "قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: وتطهر أرض بيبسها أي: جفافها ولو بريح وذهاب أثرها كلون وريح لأجل صلاة عليها". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ١/٣١١، سعيد)

"وإذا ذهب أثر النجاسة عن الأرض وقد جفت ولو بغير الشمس على الصحيح، طهرت وجازت الصلاه عليها: لقوله عليه السلام "أيما أرض جفت فقد زكت". (مراقي الفلاح، باب الانجاس، ص: ١٦٢، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، الفصل الثامن في تطهير النجاسات: ١/٣٠٩، إدارة القرآن كراچی)

باب في أحكام المقابر

(قبرستان کے احکام کا بیان)

قبرستان میں مدرسہ بنانا

سوال[۱۰۸۹۱]: ہم نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا ہے، جس کے اندر قرآن، نماز، دینی مسائل کی تعلیمات وغیرہ دی جاتی ہیں، اس جگہ میں پہلے آٹھ دس قبریں بھی تھیں، قبریں مسمار ہونے پر لوگ رہنے لگے، اس کے بعد اس جگہ میں تعزیوں کا امام باڑہ بنالیا، جس میں ابھی ایک قبر کا نشان باقی ہے، ہم نے اس میں دینی تعلیم کا مدرسہ قائم کرلیا ہے، کچھ دیواریں بھی بنالی ہیں، اس کے قبل تکیہ دار بھی مویشی بکری وغیرہ رکھتا تھا، آپ فرمائیں کہ اس جگہ پر دینی مدرسہ رکھنا مناسب ہے یا نہیں؟ جو جگہ تکیہ کے نام سے کبھی مشہور تھی، آج امام باڑہ کے نام سے مشہور ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جگہ قبروں کے لئے تھی اور مدت دراز سے وہاں کسی کو دفن نہیں کیا گیا، پرانی قبریں ختم ہوجانے پر لوگ وہاں رہنے لگے، پھر وہاں امام باڑہ تعزیوں کے لئے بنالیا گیا، کیونکہ وہ جگہ لاوارث اور وقف ہے، یعنی اس کا کوئی مالک ہی نہیں جو چاہتا ہے لیتا ہے، قبضہ کرلیتا ہے، ایسی جگہ اگر دینی تعلیم کے لئے مدرسہ بنالیا جائے تو درست ہے(۱)، مگر ایسا طریقہ اختیار نہ کریں کہ فساد برپا ہو، بلکہ حسن تدبیر سے کام

---

(۱) "لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم فيها مسجداً، لم أر بذلك بأسا وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى من الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، فمعناهما واحد". (عمدة القارئ شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية: ۱۷۴/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخادمات: =

لیا جائے (۱)، ایسی جگہ دینی کام کے لئے ہونا درست ہے، بجائے اس سے کہ وہاں اپنا کوئی ذاتی مکان بنائے یا غلط کام کے لئے اس کو استعمال کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی نائب، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۵/ ۸۹ھ۔

قبرستان کی زمین میں مدرسہ

سوال[۱۰۸۹۲]: قدیم قبرستان جہاں قبروں کے نشانات چند جگہ پر موجود ہیں اور ایک حصہ میں تدفین بھی جاری ہے، لیکن اہل ہنود اس قبرستان میں شراب وغیرہ کی دکانیں ودیگر قسم کی شی کے ذریعہ قابض ہوتے چلے جارہے ہیں، جس کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ جگہ بھی محفوظ ہوجائے گی اور قبضہ بھی ہٹ جائے گا، مدرسہ کی تعمیر کروائی جائے، جس میں بچے بچیاں دینی ماحول سے آشنا ہوتے رہیں، جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ نیچے دکانیں اور اوپر مدرسہ تاکہ مدرسہ اپنے ہی پیروں پر کھڑا ہوجائے، ان مسلمانوں کی تمنا کے بارے میں شرعی حکم مطلوب ہے۔ نیز یہ قبرستان حدود میونسپلٹی میں واقع ہے اور جہاں تدفین جاری ہے، اس جگہ کے متعلق بھی کوئی شرعی حکم ہے کہ مدرسہ قائم ہوسکے؟ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ قبرستان حدود میونسپلٹی میں ہے تو اس میں دفن کرنا قانوناً بھی ممنوع ہوگا اور جو قبریں وہاں ہیں،

= ۲/ ۴۶۹، رشیدیہ)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۵/ ۵۹۰، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ادفع بالتي هي أحسن......﴾ (حم: ۳۴)

"قال الإمام القرطبي رحمه الله تعالىٰ: نقلاً عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أي: ادفع بحلمک جهل من يجهل عليک". (الجامع لأحكام القرآن: ۸/ ۲۳۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"درء المفاسد أولىٰ من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة، قدم دفع المفسدة غالباً؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، ص: ۹۹، دار الفكر دمشق)

وہ اتنی پرانی ہیں کہ ان میں اب میت باقی نہیں مٹی بن چکی ہے، ایسی حالت میں وہاں دینی مدرسہ باہمی مشورہ سے قائم کر لینا درست ہے(۱)اور مدرسہ کے مصارف کے لئے اگر نیچے دکانیں بنادی جائیں اوراوپر مدرسہ رہے تو بھی درست ہے(۲)، نہ یہ زمین کسی کی ملک ہوگی نہ دکانیں اور مدرسہ کسی کی ملک نہ ہوگا، بلکہ مسلمانوں کے نفع کے لئے وقف کی یہ صورت ہوگی (۳)۔ جس حصہ زمین میں تدفین کی اجازت ہے، اس میں حسبِ ضرورت تدفین کا سلسلہ

---

(۱) "فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المسجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأسا وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين لاتجوز تمليكها لأحد فمعناهما على هذا واحد". (عمدة القارئ شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۲۶۵/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

"جاز زرعه أي: القبر والبناء عليه إذا بلي، وصار الميت تراباً". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ: ۱۶۷/۱، رشيديه)

(۲) "ولو جعل تحته حانوتاً وجعله وقفاً على المسجد، قيل: لا يستحب ذلك، ولكنه لو جعل في الابتداء هكذا صار مسجداً، وما تحته صار وقفاً عليه، ويجوز المسجد والوقف الذي تحته". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۷۱/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

"وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه جاز كمسجد القدس". (الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: صرح في الإسعاف قال: وإذا كان السرداب والعلو لمصالح المسجد أو كان وقفاً عليه صار مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۷/۴، سعيد)

(وكذا في الدرالمنتقى على شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۹۴/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "إذا تم ولزم لايملك، ولايملك، ولايعار، ولايرهن". (الدرالمختار). "لايكون مملوكاً لصاحبه ولا يملك أي: لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه الخ". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۱/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

جاری رکھا جائے اور قبضۂ اغیار سے تحفظ کے لئے اس کا احاطہ بنادیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۵/ ۱۴۰۰ھ۔

قدیم قبرستان میں مدرسہ اور دکانیں بنانا

سوال[۱۰۸۹۳]: بیچ گاؤں میں ایک قبرستان ہے، اس کا استعمال ڈیڑھ سوسال پہلے ہوتا تھا، ڈیڑھ سوسال کے بعد سے اب تک اس میں مُردوں کو دفنانا چھوڑ دیا، اب اس جگہ میں سور اور مرے ہوئے جانور اور زناکاری اور لوگوں کا بیت الخلا جانا یہ تمام افعالِ بد ہورہے ہیں، اس لئے وقف بورڈ ضلع کمیٹی مذکورہ قبرستان کی جگہ میں عربی دینی مدرسہ بنانا چاہتی ہے اور اس مدرسہ کے بعد جو جگہ رہے گی، اس میں دکانیں بناکر کرائے پر دینا چاہتی ہے، تاکہ مدرسہ کے مدرسین کو اس کرائے سے تنخواہ وغیرہ دے سکیں، اس مذکورہ قبرستان کی غیر آباد ہونے کی وجہ سے مدرسہ ودکانوں کا بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ وہ قبرستان ڈیڑھ سوسال سے غیر آباد ہے، وہاں مُردے دفن نہیں ہوتے اور اس کا استعمال غلط ہورہا ہے، تو باہمی مشورہ سے وہاں دینی مدرسہ بنالینا شرعاً درست ہے(۱)۔ جو جگہ زائد بچ جائے وہاں دکانیں بنا کر ان کو مدرسہ کے لئے وقف کردیا جائے تاکہ مدرسہ کے اخراجات سہولت سے پورے ہوسکیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۱۰/ ۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "أما المقبرة الداثرہ إذا بني فيها مسجداً ليصلي فيه فلم أر فيه بأسا؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القارئ شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/ ۲۵۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/ ۲۳۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات: ۲/ ۴۶۹، رشيديه)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيئجار بيوتها...... كان للقيم أن يبني =

پرانے قبرستان میں دینی مدرسہ قائم کرنا

سوال[۱۰۸۹۴]: قصبہ پلکوہ میں ایک قبرستان ہے، جو بالکل آبادی میں واقع ہے، ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۴ء تک اس قبرستان میں مقامی میونسپل بورڈ کی مزاحمت کرنے کی بناء پر مردوں کا دفن ہونا بند ہوگیا تھا، اس وقت تک کا چیئرمین ان قبرستان کے وسط میں سڑک نکال کر قبرستان سے متصل مل میونسپل بورڈ کے خرچے سے لے جانا چاہتا تھا، مسلمانوں نے اس سڑک کو بذریعہ عدالت روکا جو کہ سڑک مذکور آج تک نہیں بن سکی، بعد میں میونسپل بورڈ میں دوسرا چیئرمین منتخب ہوا، اس نے اس قبرستان میں دوبارہ دفن کرنے کی اجازت دے دی، آج تک اس قبرستان میں مُردے دفن ہورہے ہیں۔

چند غیر مسلموں نے اس قبرستان پر راستے کے نام سے عدالت غازی آباد میں دعویٰ دائر کررکھا ہے، چونکہ یہ قبرستان مسلمانوں کے خریدے ہوئے نہیں ہے، اس وقت قصبہ کے زمیندار ایس-ایم جیکشن نے جو انگریز تھا، اس سرزمین میں مسلمانوں کو مردے دفن کرنے کی اجازت دے دی تھی، مگر کسی سرکاری کاغذات میں قبرستان اندراج نہیں ہوا۔

اب خدشہ یہ ہے کہ کہیں یہ تمام قبرستان مسلمانوں کے ہاتھ سے نہ نکل جائے اور غیر مسلم ان قبرستانوں پر قابض نہ ہوجائیں، حالانکہ مقامی مسلمان جو غریب مزدور ہیں، بہت روک تھام کررہے ہیں اور مسلمانوں نے دوڑ دھوپ کرکے کاغذات پٹوریان میں ۱۹۶۴ء میں اس جگہ پر قبرستان ہونا درج کرایا ہے، اب کہا جاتا ہے کہ قبرستان آبادی میں آنے کی بناء پر حکومت اس قبرستان میں قانوناً مُردے دفن ہونے نہیں دے گی۔

۱......کیا اس قبرستان میں عربی کا مدرسہ قائم ہوسکتا ہے، جس میں قرآن شریف، حفظ، ناظرہ، تفسیر، علم فقہ ونحو وصرف وغیرہ کے لئے تعلیم گاہ کا اہتمام ہو، کیونکہ پوری تحصیل غازی آباد میں عربی کا مدرسہ نہیں ہے۔

۲......کیا اس قبرستان کی چہاردیواری میں اور مدرسہ عربی کی تعمیر میں قیمت چرم قربانی، فطرہ، صدقات،

= فیها بیوتاً ویؤاجرها". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الخامس في ولایة الوقف وتصرف القیم في الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، تصرف القیم في الأوقاف: ۵/۷۴۲، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان، باب الرجل یجعل داره مسجداً: ۳/۳۰۰، رشیدیه)

زکوۃ کا پیسہ لگ سکتا ہے یا نہیں؟

۳.....اس قبرستان میں مدرسہ عربی قائم ہونے کے بعد قیمت چرم قربانی سے دوسرا قبرستان خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ مقامی مسلمانوں کی مالی حالت کمزور ہے۔

۴.....علاوہ ازیں اگر دینی مدرسہ قائم نہیں ہوسکتا اور مقامی مسلمانوں کی غربت اور کمزوری کی بناء پر اس قبرستان کا کیا ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اگر قبرستان موقوفہ کے ضائع ہوجانے کا قوی اندیشہ ہو اور کوئی صورت تحفظ کی نہ ہو، تو ایسی صورت میں وہاں دینی مدرسہ قائم کرنا درست ہے، جس میں قرآن کریم، ناظرہ، حفظ، فقہ، حدیث، تفسیر کی تعلیم دی جائے (۱)، مگر اس کا خیال رہے کہ قبور پر تعمیر نہ ہو، نہ ان پر چلت پھرت ہو، بلکہ وہ محفوظ رہیں (۲)، ہاں! جو قبور اتنی پرانی ہوگئی ہوں کہ ان میں میت مٹی بن چکی ہو، ان کا حکم بدل کر عام زمین کا حکم ہوگا، وہاں تعمیر وغیرہ کی

---

(۱) "قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأسا وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين لاتجوز تمليكها لأحد فمعناهما على هذا واحد". (عمدة القارئ شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۳۲۵/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۴/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات: ۴۶۹/۲، رشيديه)

(۲) "وكره أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ أن يوطأ على القبر أو يجلس عليه أو ينام عليه". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنة الدفن: /۲۵، رشيديه)

"ويكره أن يوطأ على القبر يعني بالرجل أو يقعد عليه". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، الجنائز، القبر والدفن: ۱۷۱/۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۴۱/۲، رشيديه)

اجازت ہے(۱)۔

۲...... چرمِ قربانی اگر مہتمم اور متولی کو تملیکاً دے دیں وہ اپنی طرف سے فروخت کر کے قیمت تعمیر میں لگائے تو درست ہے(۲)، قیمت چرم صدقہ فطر اور زکوۃ کے مستحق غریب کو دینا ضروری ہے، پھر وہ مالک وقابض ہو کر بغیر کسی دباؤ کے تعمیر کے لئے دے دے تو تعمیر میں خرچ کرنا درست ہوگا(۳)۔

۳......اس کا جواب نمبر۲ کے مطابق ہے، جو اوپر تحریر کیا گیا ہے۔

۴......مدرسہ دینی قائم کیا جاسکتا ہے۔جیسا کہ نمبر ا میں مذکور ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۲/۹۶ھ۔

قبرستان میں دکانیں بنانا

سوال[۱۰۸۹۵]: بابوگڑھ چھاؤنی کا قبرستان ہے، اس میں کتے پھرتے رہتے ہیں، اس میں دکانیں بنانا کیسا ہے؟ چمار لوگ گندے پھرتے رہتے ہیں اور ناپاکی ڈال دیتے ہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

---

(۱) "ولو بلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیرہ في قبرہ، وزرعہ، والبناء علیہ". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۸، سعيد)

(۲) "من عليه الزكاة لو أراد صرفها إلى بناء المسجد والقنطرة لايجوز. فإن أراد الحيلة، فالحيلة: أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذلك". (الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات الخ، ص: ۴۷۳، رشيديه)

"ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر لايصرف إلى بناء نحو مسجد...... وقد منا أن الحيلة: أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، وهل له أن يخالف أمره؟ والظاهر نعم".

(الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، ۳۴۵، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الزكاة: ۱/۳۲۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ قبرستان وقف ہے، تو واقف نے مردے دفن کرنے کے لئے وقف کیا ہے، دکانیں بنا کر آمدنی حاصل کرنے کے لئے وقف نہیں کیا، اس لئے اس کی اجازت نہیں (۱)، اس کی چہار دیواری بنادی جائے اور ایک دروازہ آنے جانے کے لئے بنا دیا جائے تا کہ اس میں غلط کام نہ کئے جاسکیں، کسی نگراں کو وہاں رکھ دیا جائے، تو زیادہ بہتر ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۶/۲۶ھ۔

پرانے قبرستان میں دکانیں بنوانا

سوال [۱۰۸۹۶]: اراضی منسلکہ گورستان ایسی واقع ہے کہ جس میں غالباً کبھی قبر وغیرہ نہیں ملی اور وہ قطعی اور عام راستہ پر واقعہ ہے، اگر اس اراضی میں دکانیں بنوا کر کرایہ پر دے دی جائیں تو کوئی شرعی نقص واقع نہیں ہوگا، اس سے قبل اسی ذیل دکانیں بنی ہوئی بھی ہیں۔ اس کی آمدنی بھی گورستان کے صرفہ میں اسی طرح آئیں گی، جیسا کہ پہلی دکانوں کی آرہی تھی۔

---

(۱) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين ...... الخ : ۴/۴۴۵، سعيد)

"شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي: في وجب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة وأقبروا فيها، ثم إن واحداً من أهل القرية بنى فيها بيتا لوضع اللبن وأداة القبر، وأجلس فيها من يحفظ المتاع ...... قالوا: إن كان في المقبرة سعة لايحتاج إلى ذلك المكان لابأس به". (فتاوىٰ قاضي خان، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۱۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات: ۲/۴۶۷، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۷/۱۴۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر قبرستان میں وسعت کافی ہے اور یہ قطعہ منسلکہ مصالح قبرستان کے لئے وقف ہے اور اس میں دکانیں بنوانے سے تدفین میں کوئی تنگی نہیں ہوگی، تو دکانیں بنوانا درست ہے، پھر ان دکانوں کی آمدنی قبرستان ہی کی مصالح میں صَرف کی جائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۶ھ۔

قبرستان میں مکان بنا کر رہنا اور نماز پڑھنا

سوال[۱۰۸۹۷]: زید احاطۂ قبرستان میں گھر بنا کر مستقل طور پر رات دن وہیں پر رہنا چاہتا ہے، تو قبرستان کے احاطہ میں مکان بنا کر مستقل طور پر رہنا جائز ہے یا نہیں؟ گھر میں مستقل رہنے پر فرض نماز یا سنت نوافل وغیرہ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ جہاں پر گھر بنانے کا خیال ہے، وہاں قبر نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر قبرستان کی حفاظت مقصود ہو، تو سب کے مشورہ سے وہاں معمولی مکان بنا کر آدمی کو رکھا جاسکتا ہے (۲)

---

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيئجار بيوتها...... كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً ويؤاجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۴۶، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(۲) "أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة وأقبروا فيها، ثم إن واحداً من أهل القرية بنى فيها بيتاً لوضع اللبن والات القبر، وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلك قالوا: إن كان في المقبرة سعة بحيث لايحتاج إلى ذلك المكان فلا بأس به". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر: ۲/۴۶۷، ۴۶۸، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر: ۳/۳۱۳، رشيديه) .... =

اور وہ مکان قبرستان ہی کا رہے گا(۱)، اس مکان میں نماز پڑھنا درست ہوگا، جب کہ وہاں قبریں موجود نہیں (۲)، قبر سامنے ہوتو نماز پڑھنا مکروہ ہے، جیسا کہ کبیری میں ہے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۶ھ۔

قبرستان کی حفاظت کرنے والوں کے لئے وہاں کی لکڑی استعمال کرنا

سوال[۱۰۸۹۸]: قبرستان کی حفاظت کرنے والے شخص کا قبرستان کی زمین سے سبزی وغیرہ بوکر

= (وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "وأما البنا في أرض الوقف، فإن كان الباني المتولي عليه، فإن كان بمال الوقف فهو وقف، وإن كان من ماله للوقف أو أطلق فهو وقف، وإن كان لنفسه فهو له، وإن لم يكن متولياً فإن كان بإذن المتولي ليرجع به فهو وقف، وإلا فإن بنى للوقف فهو وقف، وإن بنى لنفسه أو أطلق له رفعه لو لم يضر، وإن أضر فهو المضيع لماله فليتربص إلى خلاصه". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الوقف: ۱۰۱/۲، ۱۰۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ المهدية، كتاب الوقف: ۲۶۴/۲، المكتبة العربية كويته)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۲۱۳/۱، إمداديه ملتان)

(۲) "فإن كان فيها (المقبرة) موضع أعد للصلاة ليس فيه قبر ولا نجاسة لا بأس به". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان مايكره للمصلي أن يفعل في صلاته ومالايكره: ۴۱۵/۱، قديمی)

"وذكر في الفتاوىٰ إذا غسل موضعاً في الحمام ليس فيه تمثال وصلى فيه لابأس به، وكذا في المقبرة إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره: ۵۸/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۶۵۴/۱، سعيد)

(۳) "(و) تكره الصلاة ...... (في المقبرة) لما مر من الحديث". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، كراهية الصلاة، ص: ۳۶۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

"ومنها أي من المكروهات ...... الصلاة في مظان النجاسة كمقبرة وحمام ...... وفي القهستاني: لا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره: ۶۵۴/۱، سعيد)

آمدنی اپنے صَرف میں لانا کیسا ہے؟ جب کہ اس کی تنخواہ مقرر نہیں ہے اور یہی طے پایا تھا کہ قبرستان کے درختوں کی پرورش کرو اور کچھ سبزی وغیرہ بو کر اپنی گزراوقات کرلیا کرو، نیز قبرستان کے درختوں کی لکڑی قبر میں میت کے اوپر رکھنا کیسا ہے؟ اور وہ لکڑی حجرہ یا مسجد کے باہر غسل خانہ وغیرہ میں لگانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قبرستان کی حفاظت کرنے والے کا اس طرح سبزی وغیرہ سے منتفع ہونا درست ہے(۱)، قبرستان کے درختوں کی لکڑی حسبِ ضرورت قبروں میں استعمال کرنا درست ہے، مسجد یا مسجد کے حجرہ وغسل خانہ میں بلا قیمت لگانا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۸/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن۔

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالک، فله أن يجعل ماله حيث شاء". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۳، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۲۱۱، رشيديه)

(۲) "سئل نجم الدين عن أشجار في مقبرة هل يجوز صرفها في عمارة المسجد؟ قال: نعم! إن لم تكن وقفاً على وجه آخر. فقيل له: فإن تداعت حوائط المقبرة إلى الخراب يصرف اليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ماهي وقف عليه". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثالث والعشرون في المسائل التي تعود إلى الأشجار: ۵/۵۹۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، المسائل التي تعود إلى الأشجار التي في المقبرة: ۲/۴۷۳، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثالث والعشرون في المسائل التي تعود إلى الأشجار التي في المقابر: ۷/۱۴۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

قبرستان میں میت لے جانے کے لئے راستہ بنانا

سوال[۱۰۸۹۹]: ۱...... قبرستان کی زمین جہاں مکرر سہ کرر قبر ہوچکی ہیں، اس وقت اگر چہ اکثر قبر بظاہر صورت نظر نہیں آتیں، البتہ جا بجا خلا نظر آتا ہے، جس کی وجہ سے خصوصاً بارش کے زمانہ میں میت لے جانے والے کو سخت تکلیف اٹھانا پڑتی ہے، ان باتوں کے مدنظر زید کا خیال ہے کہ احتیاطی صورت اختیار کرتے ہوئے قبرستان کے درمیان خام راستہ بنا دیا جائے، تاکہ میت کے لے جانے میں سہولت ہوجائے۔

۲...... قبرستان کی زمین کا وہ حصہ جس کے متعلق شہادت سے علم ہو کہ یہاں کافی عرصہ قبل میت دفن کی جاچکی ہے، اب وہ حصہ ندی قریب ہونے کے باعث اور بارش وغیرہ کی وجہ سے نہایت خستہ صورت اختیار کرگیا، حتیٰ کہ قدآدم کے برابر خلا پیدا ہوگیا، ایسی شکل میں قبر کا کسی طرح کا نشان کیوں کر باقی رہ سکتا ہے؟ چنانچہ مذکورہ حصہ کو درست اور ہموار کرکے اس زمین میں کاشت کرنا اور اس کی آمدنی کو قبرستان کے مصارف میں لانا کیسا ہے؟

۳...... قبرستان کی زمین کا کچھ حصہ مدتوں سے ٹیلہ کے مانند اونچا ہے، زمین کی قلت کے باعث اس جگہ میت دفن ہوتی رہی ہے، زید کا خیال ہے کہ مذکور ٹیلہ کی مٹی لے کر نشیب والی زمین ہموار کردی جائے، تاکہ زمین کی وسعت ہو اور سہولت حاصل ہو۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... اگر قبرستان کے اندر میت کو لے جانے کا کوئی راستہ نہیں، سب طرف قبریں ہیں، یا غار ہیں، تو جہاں ظن غالب ہو کہ اس جگہ زمین کے نیچے قبر میں میت باقی نہیں رہی، بلکہ مٹی بن چکی ہے، تو وہاں کو خام راستہ بنا دیا جائے، تاکہ میت کو لے جانے اور دفن کرنے میں سہولت ہوسکے، پھر جب وہاں دفن کرنے کی ضرورت پیش آئے تو وہاں دفن کرنا شروع کردیں اور دوسری جانب راستہ بنادیں (۱)۔

---

(۱) "ولو بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره، وزرعه، والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن: ۱/۱۶۷، رشيديه)

۲......اگر اس جگہ اب میت دفن کرنا دشوار ہوگیا وہاں قبر نہیں بن سکتی، وہاں کاشت کر کے قبرستان کے کام میں اس کی آمدنی کو خرچ کرنا درست ہے، جب میت مٹی بن جائے تو قبر کے احکام بدل جاتے ہیں۔ (كذا في درمختار)(۱)۔

یہ اجازت اس وقت ہے کہ قبرستان پر کسی کے غاصبانہ قبضہ کا ظن غالب ہو، ورنہ نہیں۔

۳......اگر وہاں قبروں میں میت موجود نہیں، تو وہاں کی مٹی لے کر قبروں کی سہولت کے لئے زمین ہموار کرنا درست ہے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۲/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۶/۲/۸۶ھ۔

پرانی قبروں کو مسجد میں شامل کرنا

سوال[۱۰۹۰۰]: میں نے ایک حدیث بیان کی، لوگوں نے انکار کیا، پھر میں نے علیحدگی اختیار کی ہے۔

"عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها: أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: في مرضه الذي لم يقم منه: لعن الله اليهود والنصاریٰ اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد" متفق عليه. (مشكاة: ۱/۶۹)(۳).

میرا کیا حکم ہے؟ اس مسجد میں اگر نماز ادا کروں، تو جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ کچھ پرانے بوڑھوں سے شہادت ملی ہے کہ پہلے یہ مسجد چھوٹی تھی، پھر کشادہ کر لی گئی، اس وقت مسجد کے ساتھ دو تین قبریں پرانی تھیں، جن کا نشان مٹ گیا تھا، ان کو بھی ہموار کر کے مسجد میں شامل کیا گیا۔

---

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱

(۳) (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الأول: ۱/۶۹، قديمی)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب بلا ترجمة ۱/۶۲، قديمی)

(وصحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد على القبور ......: ۱/۲۰۱، قديمی)

الجواب حامداً ومصلياً:

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ قبروں کو سجدہ نہ کیا جائے، ان کو معبود نہ بنایا جائے (۱)، اگر قبر پرانی ہواور اس کی جگہ ہموار کر کے داخل مسجد کرلیا جائے اور قبر کا نشان باقی نہ رہے، تو وہ اس حکم میں داخل نہیں، بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ قبرستان پرانا ہوگیا، میت باقی نہیں رہی اور وہاں دفن کا سلسلہ بند ہوگیا، تو اس جگہ کو مسجد بنالینا شرعاً درست ہے (۲)، کیونکہ قبرستان بھی عام اہل اسلام کے لئے ہے اور مسجد بھی عام اہل اسلام کے لئے ہے۔

نیز درمختار میں ہے:

"جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار ترابا". زيلعي درمختار مع هامش الشامي نعمانيه: ۱/۶۰۲.

"ويجوز دفن غيره عليه، كما في الزيلعي أيضاً اه" شامي نعمانيه: ۱/۶۰۲(۳).

---

(۱) "سبب لعنهم إما: لأنهم كانوا يسجدون لقبور أنبيائهم تعظيماً لهم، وذلك هو الشرك الجلي، وإما: لأنهم كانوا يتخذون الصلاة لله تعالىٰ في مدافن الأنبياء والسجود على مقابرهم والتوجه إلى قبورهم حالة الصلاة، نظراً منهم بذلك إلى عبادة الله والمبالغة في تعظيم الأنبياء، وذلك هو الشرك الخفي، لتضمنه مايرجع إلى تعظيم مخلوق فيما لم يؤذن له، فنهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمته عن ذلك إما لمشابهة ذلك الفعل سنة اليهود، أو لتضمنه الشرك الخفي". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الأول: ۲/۳۸۹، رقم الحديث: ۷۱۲، رشيديه)

(وكذا في عمدة القارئ، كتاب الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۲۵۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأسا وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين لاتجوز تمليكها لأحد فمعناهما على هذا واحد". (عمدة القارئ شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۲۶۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) (الدرالمختار، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

آپ اپنے عمل پر نظر ثانی کرلیں۔ واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

قبرستان کی لکڑی کا مصرف

سوال[۱۰۹۰۱]: قبرستان کی لکڑی فروخت کرکے مدرسہ یا مسجد میں عمارت کے کام میں لگانا، یہ جائز ہوگا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان کی لکڑی بیچ کر، اس کا روپیہ قبرستان کی حفاظت چہار دیواری وغیرہ میں خرچ کیا جائے (۱)، اگر وہاں صَرف کرنے کی جگہ نہ ہو، نہ آئندہ ضرورت کا گمان غالب ہو اور وہ روپیہ محفوظ ہونے کی کوئی صورت نہ ہو، بلکہ ضائع ہوجانے کا خطرہ ہو، تو باہم مشورہ کرکے مدرسہ دینیہ یا مسجد کی مصرف میں صَرف کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۸/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "إن غرس للمسجد لايجوز صرفها إلا إلی مصالح المسجد الأهم فالأهم كسائر الوقوف".
(البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۴۲، رشیدیہ)

"غرس في المسجد أشجار تثمر إن غرس للسبيل فلكل مسلم الأكل، وإلا فتباع لمصالح المسجد". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/ ۴۲۲، سعید)

"سئل نجم الدين عن أشجار في مقبرة هل يجوز صرفها في عمارة المسجد؟ قال: نعم! إن لم تكن وقفاً على وجه اخر. قيل له: فإن تداعت حوائط المقبرة إلى الخراب انصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما وقف عليه إن عرف". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، فصل في الأشجار: ۷/ ۱۴۹، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، فصل في الأشجار: ۵/ ۵۹۴، قدیمی)

(۲) "وما فضل من ربع الوقف واستغنى عنه، فإنه يصرف في نظير ذلک الجهة كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه صرف في مسجد آخر؛ لأن الواقف غرضه في الجنس والجنس واحد". (فقه =

غیر موقوفہ قبرستان میں موجود اخروٹ کے درختوں کا حکم

سوال[۱۰۹۰۲]: آج سے پہلے ہمارے بزرگوں نے چند درخت اخروٹ نصب کئے ہیں، اس سے پہلے یہ قبرستان نہیں تھا، وہ قبرستان گاؤں کے دوسری طرف واقع ہے، لیکن بہت دور بھی ہے، پھر گاؤں والوں نے نزدیک ہی ایک خشک جگہ کو اپنا قبرستان مقرر کیا، لیکن اس میں کچھ درخت اخروٹ موجود تھے، یہ درخت گاؤں کے کچھ اشخاص نے ظلم اور جبر سے حاصل کرنا چاہے اور اس پر اوقاف بنانا بھی چاہتے ہیں اور یہ حاصل شدہ رقم وہ ٹٹی، پل، کنواں اور کچھ حصہ مسجد پر بھی صَرف کرنا چاہتے ہیں، یہ درخت ہائے اخروٹ صرف گیارہ اشخاص کے ہیں، یہ ہم پر حلال ہیں یا نہیں؟ کیونکہ یہ ہمارے بزرگوں کے نصب کردہ ہیں اور آج تک ہم ہی ان کی بھنڈ ال کرتے آئے ہیں۔

پٹواری ریکارڈ کے مطابق یہ ہمارے ہیں اور اس کا انتخاب بھی ہمارے پاس ہے، روینیو ریکارڈ کے مطابق یہ ہمارے ہیں، محکمہ ہائی چلکر کے مطابق یہ ہمارے ہیں، غرض کاغذات ہمارے حق میں ہیں، ہمارا مذہب اسلام اس بارے میں کیا کہتا ہے، یہ اوقاف ہم پر حلال ہیں یا نہیں؟ یا نصب کرنے والوں پر یا کسی پر نہیں۔ اگر کاغذات کی بھی ضرورت ہو، تو وہ بعد میں طلب کرنا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ درخت اپنی مملوکہ زمین میں لگائے تھے اور پھر اس زمین کو قبرستان کے لئے وقف نہیں کیا، اپنی ہی ملک میں رکھا تو وہ ان کے ہی ہیں (۱)، کسی کو ان پر قبضہ کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۱۴۰۱ھ۔

= السنة، كتاب الواقف، فاصل ربع الوقف: ۳/ ۵۲۹، دار الكتاب العربي)

"وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۹، سعيد)

"أما المقبرة الداثرة إذا بنى فيها مسجد...... فلم أربه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تبش قبور مشركي الجاهلية......: ۴/ ۲۵۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "في فتاوىٰ أبي الليث: مقبرة فيها أشجار فهذه المسئلة على وجهين: أحدهما: أن تكون الأشجار =

قبرستان میں کاشت کرنے اور حاصل ہونے والے غلہ کا مصرف

سوال[۱۰۹۰۳]: ایک قبرستان بہت ہی وسیع ہے، اس کا کچھ حصہ ایسا بھی ہے جو عرصہ دراز سے یوں ہی پڑا ہے، فی الحال اس پر کوئی قبر نہیں ہے اور نہ بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ کسی زمانہ میں اس حصہ میں مُردے دفنائے گئے ہیں یا نہیں، اس سال زبردست سیلاب آکر قبرستان کو کمر بھر اونچا کیچڑ کر دیا، جس کو ہماری اصطلاح میں پانگ پڑنا کہتے ہیں، قبر کا نام ونشان مٹ گیا، ایک شخص نے اس حصہ پر جس پر اپنی دیدہ دانستہ قبر نہیں بلا جوتے ہوئے دھان کی تخم ریزی کر دی، ہاں! اگر غلطی سے دو چار قبروں میں بھی بیج پڑ گئے ہوں تو نہیں کہا جا سکتا، دھان (۲) ماشاء اللہ بہت اچھا ہے اور اس میں فصل ربیع بھی بلا جوتے کھودے لگا دی ہے۔

تو اب قابل سوال مسئلہ یہ ہے کہ اس شخص کا یہ فعل کیسا ہے؟ اور اس زمین کی حاصل شدہ پیداوار کو کس

= نابتة قبل اتخاد الأرض مقبرة، وأنه على وجهين أيضاً: إن كانت الأرض مملوكة لها مالك فالأشجار بأصلها على ملك رب الأرض يصنع بالأشجار ماشاء؛ لأن موضع الأشجار من الأرض لم يصر مقبرة؛ لأنه مشغول بملك صاحب الشجر، وإن كانت الأرض مواتا لا مالك لها واتخذها أهل القرية فالأشجار بأصلها على حالها القديم". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثالث والعشرون في المسائل التي تعود إلى الأشجار التي في المقابر: ۱۴۷/۷، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، المسائل التي تعود إلى الأشجار التي في المقبرة: ۴۷۳/۲، ۴۷۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثالث والعشرون: ۵۹۲/۵، قديمى)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمى)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۴۴۴/۲، إدارة القرآن كراچى)

"ولا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي". (القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه كراچى)

(۲) "دھان: چاول کا پودا، چھلکے دار چاول"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۹۸، فیروز سنز لاہور)

مصرف میں صَرف کیا جائے، کسی مدرسہ میں دے دیا جائے یا ازخود طلبہ پر خرچ کردیا جائے، تو کیا درست نہیں ہے؟ نیز قبرستان کب قابلِ کاشت ہوسکتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو قبرستان مردے دفن کرنے کے لئے وقف ہو، اس میں کاشت کرنا جائز نہیں (۱)، خواہ بالفعل اس میں قبریں موجود ہوں یا نہ ہوں۔

"لأن شرط الواقف كنص الشارع" كذا في ردالمحتار(۲).

اب جو دھان اس میں پیدا ہوا ہو بہتر یہ ہے کہ اس کو یا طلباء پر صدقہ کردیا جائے یا بیواؤں یتیموں کو دے دیا جائے، خواہ مدرسہ کے مہتمم کو دے دیں کہ وہ نادار طلبہ کے کپڑے کھانے پر صَرف کردیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۹۲ھ۔

---

(۱) "وسئل القاضي الإمام شمس الأئمة محمود الأزوجندي عن المقبرة في القرى إذا اندرست، ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم، ولا غيره هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا ولها حكم المقبرة".
(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني عشر في الرباطات والمقابر: ۲/ ۴۷۱، رشيديه)
(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۷/۱۳۵، حقانيه)
(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۳۰، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص: ۴/۴۹۵، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۴۱۲، رشيديه)
(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الوقف: ۲/ ۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "إذا اجتمع من غلة الأرض في يد القيم فظهر له وجه من وجوه البر، والوقف محتاج إلى الإصلاح والعمارة ...... فإنه ينظر أنه إن لم يكن في تأخير إصلاح الأرض وحرمته إلى الغلة الثانية ضرر بين يخاف خراب الوقف، فإنه يصرف الغلة إلى ذلك البر ...... وإن كان في تأخير المرمة ضرر بين، فإنه يصرف الغلة إلى المرمة، فإن فضل شيء يصرف إلى ذلك البر، والمراد من البئر هنا وجه فيه تصدق بالغلة على نوع من الفقراء نحو فك أسارى المسلمين، أو إعانة الغازي المنقطع ...... الخ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۸، ۳۴۹، رشيديه) .... =

قبرستان کی زمین کا تبادلہ

سوال[۱۰۹۰۴]: ایک نمبر باغ کا تھا، جس میں ہمارے قدیم قبرستان چلے آرہے ہیں، جس کے ہم مالک ہیں، ان نمبروں میں پرانی قبروں کے نام نشان نہیں کچھ عرصہ سے باغ کٹوا کر اس نمبر کو کاشت کاری کے لئے لیا گیا اور اب بھی عرصہ سے ہمارے زیرِ کاشت ہے، جہاں پر ہماری تازہ قبریں ہیں، صرف وہ جگہ چھوڑ رکھی ہے اب ہم اس نمبر کا تبادلہ کسی دوسری جگہ کرنا چاہتے ہیں (جس میں اب قبریں ہیں وہ جگہ اب بھی باقی رہے گی) ایسی صورت میں ہم اس جگہ کا تبادلہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ وقف نہیں بلکہ آپ کی ملک ہے، تو شرعاً آپ کے لئے اس کا طریقہ مذکورہ پر تبادلہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۸ھ۔

کنواں کھودتے ہوئے کھوپڑی نکل آنے کا حکم

سوال[۱۰۹۰۵]: ہم لوگ کنواں کھود رہے تھے کہ اس میں ایک کھوپڑی مردہ کی نکلی، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قبرستان تھا، بعض کہتے ہیں کہ کبھی بھی قبرستان نہیں تھا، اس زمین پر دس سال قبل کھیتی ہوا کرتی تھی۔

= "وإذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين فيجوز ذلك؛ لأن جنس هذه القربة مما لاينقطع". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۸/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون: ۵۹۶/۵، قديمي)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول في بيان بعض قواعد أحكام الأملاك: ۱۳۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

"لأن الملك ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دارالمعرفة بيروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر یہ جگہ وقف نہیں بلکہ مملوک ہے، تو یہاں کنواں کھودنا، کھیتی کرنا، باغ لگانا سب کچھ درست ہے(۱)، اتنی مدتِ طویلہ گزرنے کے بعد جب میت قبر میں مٹی بن جائے تو قبر کا حکم باقی نہیں رہتا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۴/۲ھ۔

درگاہ سے متعلق زمین سے مجاور کا نفع اٹھانا

سوال[۱۰۹۰۲]: یہاں گاؤں میں ایک درگاہ شریف ہے، اس کی مجاوری کے لئے مہاراجہ گائیکواد نے کچھ زمین دی ہے کہ جو مجاوری کرے وہ اس زمین کی کاشت کرکے اس کی پیداوار کھائے اور مجاوری کا کام ایک مؤذن کرتا ہے اور گاؤں کے لوگ سب درگاہ پر پھول چڑھاتے ہیں اور دیا بھی جلاتے ہیں، مؤذن کا کہنا ہے کہ میں اس قبر پرستی کو برا سمجھتا ہوں، اگر میں یہ کام نہ کروں تو یہ زمین کی پیداوار کھا سکتا ہوں کہ نہیں؟ چونکہ اس کی تنخواہ بہت کم ہے، اس لئے اس نے ایسا کام اختیار کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

درگاہ کی حفاظت کرے، پھول چڑھانے والوں کو نرمی وشفقت سے سمجھا دیا کرے کہ اس چڑھاوے سے نہ تم کو فائدہ ہے، نہ صاحبِ مزار کو فائدہ ہے(۳)۔ اگر دو رکعت نماز پڑھ کر یا کچھ قرآن کریم پڑھ کر ان کو

---

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۱۳۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

"لأن الملك ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

(۲) "ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه، والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۴۲/۲، رشيديه)

(۳) "قال العلامة العيني رحمه الله تعالىٰ: أنكر الخطابي ومن تبعه وضع الجريد اليابس، وكذلك =

ثواب پہنچا دو، تو تم کو بھی نفع ہے اور ان کو بھی نفع ہے(۱) اور اس طریقہ پر ثواب پہونچانا حدیث شریف سے ثابت بھی ہے(۲)۔ درگاہ سے متعلق جو زمین ہے، اس کی پیداوار کھانا اس کے لئے جائز ہوگا (۳)، مگر جو چیز

= مايفعله أكثر الناس من وضع مافيه رطوبة من الرياحين والبقول ونحوهما على القبور ليس بشيء". (عمدة القارئ، كتاب الوضوء: ۳/ ۱۲۱، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

"إن إلقاء الرياحين ليس بشيء". (فيض الباري، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر: ۲/ ۴۸۹، خضر راه بک ڈپو دیوبند)

"وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء تقرباً إليهم فهو بالإجماع باطل وحرام". (الدرالمختار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، مطلب في النذر الذي يقع للأموات: ۲/ ۴۳۹، سعيد)

(۱) "الأصل أن كل من أتى بعبادة ما له جعل ثوابها لغيره وإن نواها عند الفعل لنفسه". (الدرالمختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۴/ ۱۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلاة كان أو صوماً أو حجاً أو صدقة أو قرأة للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت وينفعه". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قديمي)
(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/ ۱۰۵، رشيديه)

(۲) "أن رجلاً سأله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: كان لي أبوان أبرهما حال حياتهما فكيف لي ببرهما بعد موتهما؟ فقال له صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إن من البر بعد الموت أن تصلي لهما مع صلاتک، وتصوم لهما مع صيامک". (فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/ ۱۴۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"عن مالک بن دينار قال: دخلت المقبرة ليلة الجمعة فإذا أنا بنور مشرق فيها فقلت: لا إله إلا الله! نرى أن الله قد غفر لأهل المقبرة، فإذا أنا بهاتف يهتف من البعد وهو يقول: يا مالک بن دينار، هذه هدية المؤمنين إلى أخوانهم من أهل المقابر، قلت ماهو؟ قال: رجل من المؤمنين قام في هذه الليلة: فأسبغ الوضوء، وصلى ركعتين، وقرأ فيهما فاتحة الكتاب و﴿قل يا أيها الكافرون﴾ و﴿قل هو الله احد﴾ وقال: اللهم إني قد وهبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنين فأدخل الله علينا الضياء والنور والفسحة والسرور في المشرق والمغرب". (شرح الصدور للسيوطي، ص: ۲۹۸، دارالمعرفة بيروت)

(۳) "وأما الناظر، فإن كان المشروط له من الواقف فهو كأحد المستحقين". (البحرالرائق، كتاب =

مزار پر چڑھائی جائے، اس کا کھانا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

قبرستان میں قربانی کرنا

سوال[۱۱۰۹۰۷]: رمام نگر نینی تال کے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ قبرستان میں قربانی کرنا جائز نہیں ہے، اس کے باوجود مسلمانوں نے کوئی توجہ نہیں دی، بورڈ دوسری جگہ دینے کو تیار ہے، لیکن پھر بھی اکثر مسلمانوں نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا کہ اگر قربانی دوسری جگہ ہوگی تو فساد ہونے کا اندیشہ ہے، تو اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہیے؟ اور مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قبرستان مردے دفن کرنے کے لئے ہے، وہاں قربانی نہ کی جائے (۲)۔ جب کہ بورڈ قربانی کے لئے

= الوقف: ۵/۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۲/۳۶۸، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله﴾ (البقرة: ۱۷۳)

"اعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، ومايؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم فهو باطل وحرام ...... قال في البحر: ولا يجوز لخادم الشيخ أخذه ولا أكله ولا التصرف فيه بوجه من الوجوه". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسد: ۱/۴۷۱، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۱، رشيدية)

(۲) "وسئل القاضي الإمام شمس الأئمة محمود الأزوجندي عن المقبرة في القرى إذا اندرست، ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم، ولا غيره هل يجوز زرعها، واستغلالها؟ قال: لا ولها حكم المقبرة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر...... : ۲/۴۷۱، رشيديه)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب =

جگہ دینے کو تیار ہے، تو جگہ حاصل کر کے اس کو محفوظ کر دیا جائے اور اس میں ہی قربانی کی جائے، بورڈ کی تجویز قانونی تجویز ہوگی، اس میں فساد کا اندیشہ کیوں ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= مراعاة الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۷/۱۴۵، حقانيه پشاور)

باب مایتعلق بالمدارس

(مدارس کا بیان)

کیا مدارس بیت المال ہیں؟

سوال[۱۰۹۰۸]: اس زمانے میں کیا مدرسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کی طرح سے بیت المال ہیں، کیا اس میں بھوکے غریبوں کا بھی حق ہے؟ کیا غلہ وغیرہ بطور قرض یا خیرات دیا جا سکتا ہے؟ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں بیت المال سے امداد کی جاتی تھی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پورے طور پر تو یہ بیت المال نہیں، اس لئے کہ بیت المال کی طرف سے عاشر، ساعی، مصدق مقرر ہوتے جو کہ قانون شرع کے مطابق اموال ظاہرہ کی زکوۃ وغیرہ وصول کر کے دے دیتے تھے، اربابِ اموال کے ذمہ ان کو ادا کرنا ضروری تھا، یہاں تک کہ اگر وہ لوگ اپنے اموال کی زکوۃ از خود ادا کریں اور بیت المال کو نہ دیں تو ان کا یہ ادا کرنا معتبر نہیں تھا(۱)، ان مدارس کا ایسا حال نہیں اس لئے کہ جو روپیہ مدارس کے لئے دیا جاتا ہے، وہ

(۱) "حاصله: أن مال الزكاة نوعان: ظاهر وهو المواشي والمال الذي يمربه التاجر على العاشر، وباطن وهو الذهب والفضة وأموال التجارة في مواضعها، أما الظاهر فللإمام ونوابه وهم المصدقون من السعاة والعشار ولاية الأخذ للآية ﴿خذ من أموالهم صدقة﴾". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العاشر: ۲/۴۰۳، رشيديه)

"وكذا الجواب في صدقة السوائم في ثلاثة فصول وفي الفصل الرابع وهو ما إذا قال: أديت بنفسي إلى الفقراء في المصر لايصدق وقال الشافعي: يصدق ...... ولنا أن حق الأخذ للسلطان فلا يملك إبطاله بخلاف الأموال الباطنة". (الهداية، كتاب الزكاة، فصل فيمن يمر على العاشر: ۲/۱۹۷، مكتبه شركت علميه ملتان) ...... =

عام ضرورت مندوں اور بھوکوں کو نہیں دیا جاسکتا، نہ قرض دیا جاسکتا ہے، بلکہ مدارس سے متعلق جو مصارف ہیں حسبِ قواعد شرع ان ہی مصارف میں صَرف کیا جائے گا(۱)، اس لحاظ سے ان مدارس میں کچھ شان بیت المال کی بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۸۶ھ۔

دینی مکاتب کی مخالفت کرنا

سوال[۱۰۹۰۹]: اس زمانہ میں یہ چھوٹے چھوٹے مکاتب ایک ایسا سرمایہ دین کا نظر آتے ہیں کہ جن میں بچوں کو مذہبی باتوں سے روشناس کرایا جاتا ہے، مگر بڑی مشکل کی بات یہ ہے کہ خود مسلمان اس کو چلنے نہیں دیتے اور آپسی اختلاف کے باعث ان کا قلع قمع کردیتے ہیں، یہاں شاہ جہاں پور میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد قائم کی گئی، کچھ لوگوں کی مساعی سے یہ کام چلتا رہا، مگر چند لوگ ایسے ہیں جن کی فتنہ پردازی سے اس کی بنیاد بھی تزلزل میں ہوگئی اور اس سلسلہ کے ختم پر ہی آمادہ ہوگئے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسے لوگوں کے سلسلہ میں شریعت کیا کہتی ہے؟ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اگر کوئی وعید حدیث میں منقول ہو، تو تحریر فرمائیں۔

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل فيمن له المطالبة بأداء الواجب: ۲/۴۴۸، دارالكتب العلمية)

(۱) "ليس للقيم أن يأخذ ما فضل عن وجه عمارة المسجد دينا ليصرفها إلى الفقراء، وإن احتاجوا إليه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۵، رشيديه)

مدرسہ کا روپیہ قرض دینے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ مہتمم امین ہے۔

"أما حكمها: فوجوب الحفظ على المودوع، وصيرورة المال أمانة في يده، ووجوب أدائه عند الطلب، والوديعة لاتودع، ولاتعار، ولاتواجر، ولا ترهن، وإن فعل شيئاً منها ضمن". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة والأمانة: ۴/۳۳۸، رشيديه)

"والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف أي: من غلة عمارته شرط الواقف أولاً، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة، كالإمام لمسجد والمدرس للمدرسة ...... ثم السراج والبساط إلى آخر المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوديعة: ۷/۴۶۷، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپس کا جو اختلاف ونزاع نفسانیت (جاہ پسندی وغیرہ) کی بناء پر ہو تو وہ سخت مذموم وقبیح ہے، احادیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے اور اس قسم کی نزاعات سے دینی مکتب ومدرسہ بھی تباہ ہوتا ہو تو اس کا وبال بہت سخت ہے۔

﴿واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخواناً﴾ الآية (ال عمران: ١٠٣)(١).

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث. مسند أحمد: ٢/٢٤٥(٢).

"ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولاتباغضوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله إخواناً" وفي رواية ولا تنافسوا" متفق عليه مشكاة شريف، ص: ٤٢٧(٣).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۷ھ۔

دینی مدرسہ میں سرکاری امداد کے اثرات

سوال[۱۰۹۱۰]: قصبہ مگہر میں مدارس مذہبی تعلیم ۱۹۱۴ء سے جاری ہے، جس کو ڈسٹرکٹ بورڈ

---

(۱) (آل عمران: ۱۰۳)

(۲) (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۱۳، رقم الحديث: ۸۲۹۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)
(وصحيح البخاري، كتاب الأدب، باب قول الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنو اجتنبوا كثيرا من الظن﴾ الآية: ۲/۸۹۶، قديمى)
(وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الظن: ۲/۳۳۱، رحمانيه لاهور)

(۳) (مشكاة المصابيح، باب ماينهى عن التهاجر، والتقاطع واتباع العورات: ۲/۴۲۷، قديمى)
وأيضاً راجع رقم الحاشية: ۲

سے امداد ماہواری ملتی ہے، جس میں روزانہ پہلی پہر میں ڈیڑھ گھنٹہ قرآن پاک کی تعلیم ہوتی ہے اور مابقیہ ایام (دو شنبہ پنج شنبہ) کو کلمہ دعاء قنوت، آیت الکرسی، دعاء جنازہ، باقی اوقات میں اردو پڑھائی جاتی ہے۔

دوسرا مدرسہ عربیہ ہے، جو شاہی جامع مسجد میں چل رہا ہے، اس کا مدرسہ عربیہ نام ہی ہے، اس میں عربی، فارسی، اردو، ہندی سبھی کی تعلیم ہوتی ہے، مگر مدرسہ کسی قسم کی امداد بورڈ سے نہیں لیتا اور نہ کوئی مستقل ذریعہ آمدنی ہے، (اصحاب خیر) کی امداد سے چلتا ہے۔

تیسرا مدرسہ مؤید الاسلام ہے، غالباً کسی سے کوئی امداد نہیں پاتا۔

ایسی صورت میں دریافت طلب یہ ہے کہ مکتب جو ۱۹۱۴ء سے جاری ہے، اسے دینی مدرسہ کہا جاسکتا ہے یا یہ کہ بورڈ سے امداد لینے کی وجہ سے دنیاوی مدرسہ کہا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکتب میں پہلے صرف قرآن پاک اور مسائل دینیہ کی تعلیم ہوا کرتی تھی، وہ خالص دینی مدرسہ ہوتا تھا، پھر وہاں سے فارغ بچے عربی فارسی پڑھنے کے لئے مدرسہ میں جایا کرتے تھے، وہاں حساب بھی کچھ بقدرِ ضرورت سکھا دیا جاتا تھا، وہ بھی خالص دینی مدرسہ ہوتا تھا، پھر بورڈ سے امداد کا لالچ دیا گیا، مسلمانوں نے غربت سادہ پن سے امداد لینا شروع کردی، جس پر نگرانی اور امتحانات کا سلسلہ شروع ہوا، پھر امداد دینے والوں نے آہستہ آہستہ اپنا کورس پڑھانے کے لئے کہا، امداد بند ہونے کے ڈر سے اس کی پابندی کی گئی، اب جیسے جیسے ان کا کورس آتا گیا، دینی تعلیم میں کمی ہوتی گئی، یہاں تک کہ دینی تعلیم برائے نام معمولی رہ گئی اور یہ قید بھی لگائی گئی کہ ان کا کورس پڑھانے کے لئے ان کا ہی سند یافتہ ہونا چاہیے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تربیت اور عملی حالت بھی کمزور ہوگئی۔

دینی تعلیم کا مقصد بہت کم رہ گیا، اس کی جگہ کورس نے لے لی، ایسی حالت میں اس کو دینی مکتب یا دینی مدرسہ کہنا یا تو اس کی ابتدائی حالت کے اعتبار سے ہے، یا محض برائے نام دینی تعلیم کا کوئی حصہ باقی رہ جانے کے اعتبار سے ہے۔ حقیقی اور اصلی معنی کے اعتبار سے نہیں اور جس مدرسہ میں اصلی تعلیم تو دین ہی کی ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ دین ہی کی خدمت اور اعانت کے لئے ہے، وہ حقیقۃً دینی مدرسہ ہے، اس معیار پر آپ

دیکھ لیں کہ مکتب کی کیا حالت ہے اور امداد اور اس کے اثرات کورس وغیرہ سے کس قدر متاثر ہے اور وہ اثرات کس رفتار سے پیدا ہورہے ہیں، پھر دینی عربی مدارس کے مقابلہ میں اس کو کیسے دینی مکتب کہا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

الفصل الأول في مصارف المدرسة واستبدالها

(مدرسہ کے مصارف اوراس کو بدلنے کا بیان)

مدرسہ کا سامان مسجد کی چھت میں استعمال کرنا

سوال[۱۱۰۹۱]: یہاں پر مدرسہ کی چھت بالکل مسجد کے برابر تھی، اس کی برابری یعنی چھت ملانے کے لئے مسجد کی چھت اکھاڑی گئی، اس پر یعنی مسجد پر مدرسہ کی کچھ لکڑی استعمال ہوئی ہے اور آٹھ دس چادر ٹین استعمال ہوا ہے، جو لگ چکا ہے، مسجد کا اپنا کوئی پیسہ موجود نہیں ہے جو مدرسہ کو ادا کرے اور مدرسہ کی رقم میں زکوۃ وغیرہ بلکہ بعض غیر مسلموں کا بھی چندہ ہے، اب کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کام غلط ہوا(۱)، جن لوگوں نے مدرسہ میں وہ ٹین وغیرہ دیا تھا، وہ بخوشی مسجد کے لئے اجازت دے دیں تو اب مزید کسی تغیر کی ضرورت نہیں (۲)، لیکن مدرسہ کی تعمیر کا کوئی بوجھ لکڑی وغیرہ مسجد پر ہرگز نہ

---

(۱) "أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسة ومسجداً وعين لكل وقفا وفضل من غلة أحدهما لايبدل شرط الواقف ...... وقد علم منه أنه لايجوز لمتولي الشيخونة بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳٦۲/۵، رشيديه)

"وإن اختلف أحدهما بان بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً لايجوز له ذلک". (الدرالمختار). "أي الصرف المذكور". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳٦۰/۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۹٦/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ٦۱/۱، رقم المادة: ۹٦، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الغصب: ۴۴۴/۲، إدارة القرآن كراچی)

ہونا چاہیے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مدرسہ کی ملک میں بلا اجازت تصرف کا کفارہ

سوال[۱۰۹۱۲]: ایک شخص زمانہ طالب علمی میں زائد خوراکیں لاتا رہا، مطبخ کے کوئلے بھی لاتا رہا، اب اس گناہ پر نادم ہوکر اب اس کا کفارہ دینا چاہتا ہے، کیا صورت کرے؟ اور اگر دارالعلوم میں کچھ بھیجے تو کس مد میں خرچ کردے۔فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کل رقم کا تخمینہ کرکے واجب التملیک (صدقۃ الفطر قیمت چرم قربانی زکوۃ نذر وغیرہ کے) مد میں مدرسہ دارالعلوم کو بھیجتا رہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) راجع رقم الحاشية: ا

(۲) "ويجب رد عين المغصوب أو مثله إن هلك وهو مثلي ...... وتجب القيمة في القيمي يوم غصبه". (الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: لقوله عليه السلام: "على اليد ما أخذت حتى ترد" ولقوله عليه السلام: "لايحل لأحد أن يأخذ مال أخيه لا عبا أو جادا وإن أخذه فليرده عليه".

(ردالمحتار، كتاب الغصب: ۱۸۲/۶، ۱۸۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹۸/۸، ۲۰۰، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۵۳/۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الفصل الثاني في بيع وقف المدرسة والتصرف فيه

(مدرسہ کا فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنے کا بیان)

دینی مدرسہ کو اسکول بنانا

سوال[۱۰۹۱۳]: ۱...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حضرت مصلح الامت شاہ وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا اور انہوں نے اس مدرسہ کا نام تجویز کر کے مدرسہ تعلیم الدین رکھا اور سنگ بنیاد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے دیگر اکابر علماء حق کی موجودگی میں رکھا، مدرسہ کی بنیاد محض دینی ومذہبی تعلیم وترتیب کے پیش نظر رکھی گئی تھی اور اب تک جتنی عمارتیں مدرسہ کی تعمیر ہوئی ہیں، سب تعلیم الدین ہی کے نام پر بنی ہوئی ہیں اور ذریعہ آمدنی چرم قربانی زکوۃ فطرہ کے پیسہ ہیں۔

لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ آہستہ آہستہ دینی تعلیم کو مختصر کردیا گیا اور دنیوی تعلیم کو ترقی دے دی گئی، اس وقت کل اساتذہ دس ہیں، جن میں تین دینی تعلیم کے لئے ہیں اور سات دنیوی تعلیم کے لئے ہیں، مدرسہ کو اب جونیئر ہائی اسکول کردیا گیا ہے اور مدرسہ کا نام بدل کر جونیئر ہائی اسکول تعلیم الدین رکھ دیا گیا اور ذریعہ آمدنی وہی پہلے والی یعنی چرم قربانی مدزکوۃ فطرہ ہے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ چرم قربانی کے پیسہ سے اس مدرسہ میں خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

۲...... دو برس سے اس کا خزانچی ایک جاہل آدمی ہے، جو بغیر حیلۂ شرعی تمام رقم خرچ کرتا ہے، آیا اس طرح زکوۃ، فطرہ، چرم قربانی خرچ کریں تو ادا ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... جو عمارت دینی تعلیم کے لئے بنائی گئی اور وقف کی گئی ہے، اس کو دنیوی تعلیم کے لئے استعمال کرنا شرعاً درست نہیں۔

"لأن شرط الواقف کنص الشارع"(۱)۔

اس کا نام بدلنا بھی درست نہیں۔ زکوۃ، فطرہ، قیمت چرم قربانی کا مصرف غرباء وفقراء ہیں (۲)، کسی مالدار کو دینا یا تعمیر وتنخواہ وغیرہ میں براہِ راست خرچ کرنا جائز نہیں (۳)۔

۲.....اس طرح کسی کی زکوۃ ادا نہیں ہوتی، نہ فطرہ ادا ہوتا ہے، جس نے خرچ کیا ہے اس کے ذمہ ضمان لازم ہے، زکوۃ دینے والے خوب سمجھ لیں کہ ان کی زکوۃ ذمہ میں باقی رہتی ہے اور جو کچھ ایسی جگہ دیتے

---

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف کنص الشارع أي: في وجب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۸۹، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساکین......﴾ (التوبة: ۶۰)

"مصرف الزکاة والعشر (هو فقیر من له أدنی شيء ومسکین من لا شيء له". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: وهو مصرف أیضاً لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبة". (رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۳۳۹، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۴۱۹، رشیدیه)

(۳) "ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة کما مر لا یصرف إلی بناء نحو مسجد". (الدر المختار). "قوله: (نحو مسجد) کبناء القناطر والسقایات، وإصلاح الطرقات، وکري الأنهار والحج والجهاد وکل ما لا تملیک فیه". (رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعید)

"ولا یجوز أن یبني بالزکاة المسجد وکذا القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکري الأنهار والحج والجهاد وکل مالا تملیک فیه". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الزکاة، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۸، رشیدیه)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الزکاة: ۲/۱۰۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

ہیں وہ ادا نہیں ہوتی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۶/۱۳۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

غاصبانہ قبضہ کرکے اسلامیہ اسکول بنانے کا حکم

سوال[۱۰۹۱۴]: متصل مسجد ایک بلڈنگ تعمیر ہے، ۱۸/مئی ۱۸۸۴ء میں جو سرکاری تقسیم ہوئی تھی، اس کے اندر یہ بلڈنگ امام باڑہ مرلع ہے، جب سے لے کر آج تک امام باڑہ کی حیثیت سے ہوتا چلا آرہا ہے، ۱۸۸۴ء سے لے کر آج تک شیعہ فرقہ اس کا زمیندار ہے، اب ہم فریقین اہل سنت والجماعت کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اس امام باڑہ پر غاصبانہ قبضہ کرکے اسلامیہ اسکول قائم کرلیا جائے اور ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ بغیر زمیندار صاحبان کی اجازت کے اسکول قائم کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا آپ سے استدعا ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اس مسئلہ کو حل فرمادیجئے گا، اس کے حل ہونے سے آپس کا تنازع ختم ہوجائے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غاصبانہ قبضہ میں بڑے مفاسد ہیں، شرعاً بھی اس میں قباحت ہے اور قانوناً بھی جرم ہے (۲)، سر

---

(۱) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : لا يأخذ أحد شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض: ۲/۳۳، قديمي)

"اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب، ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا لا تاكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ وقال عليه الصلاة والسلام: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۶/۵۲، ۵۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۶-۱۷۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۶/۲۱۵، دارالكتب العلمية بيروت)

چھوٹنے کا بھی اندیشہ ہے، مقدمہ بازی کا بھی سخت خطرہ ہے، زمیندار سے مل کر سمجھوتہ کرلینا بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۹/ ۱۳۹۹ھ۔

وقف زمین پر اسکول تعمیر کرنا

سوال[۱۰۹۱۵]: اسلامیہ اسکول کو گاؤں کے تمام قوموں نے چک بندی کے زمانہ میں کچھ زمین دی ہے تقریباً بیس بیگھہ کی اور وہ مدرسہ کے لئے ہے، اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس کا مالک مدرسہ ہو یا قوم؟ اور کیا اس زمین کو مدرسہ اسلامیہ کے معاملہ کے علاوہ اور کہیں استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا اس پر انگریزی مدرسہ بنایا جاسکتا ہے؟ اور کیا قوم کو اور ناظم وممبران کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ اس زمین کو جہاں چاہے، استعمال کریں؟ مدلل تحریر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ولو قال: وهبت داري للمسجد أو أعطيتها له صح، ويكون تمليكاً(۲) ولا يملك، ولا يعار، ولا يرهن": ۳/۵٦۷.

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (النساء: ۲۹)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ...... ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/٦۸، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الخ، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره في مال الوقف: ۲/۴٦۰، رشيديه)

شامی میں ہے:

"قوله لا يملك أي: لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك أي: لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحاله تمليك الخارج عن ملكه": ۳/۵٦٧(۱).

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ زمین مذکورہ مدرسہ کی ملک ہے، مدرسہ کے مفاد کے علاوہ نہیں استعمال کی جاسکتی، قوم وناظم وممبران کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ زمین کو جہاں چاہیں استعمال کریں اور اس پر انگریزی مدرسہ نہیں بنایا جاسکتا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي: في وجب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۹۶، دارالكتب العلمية بيروت)

الفصل الثالث في وظائف المدرسين

(مدرسین کی تنخواہوں کا بیان)

چھٹی کے ایام کی تنخواہ کا قانون

سوال[۱۱۰۹۱۶]: کوئی دینی ادارہ یا کوئی دینی محکمہ اپنے ملازم کو اپنے دستور اور قانون سے اطلاع کئے بغیر کسی قانون کے زد میں لے کر نقصان پہونچادے، مثلاً: بڑی تعطیل کی تنخواہ ضبط کردینا، آیا یہ شرعی قانون ہے یا دنیوی؟ اگر دنیوی ہے تو اس کا دینی اداروں میں نفاذ کہاں تک صحیح ہے؟ اور اگر شرعی ہے تو اس کی اصل کیا ہے؟ محقق اور مفصل تحریر فرمادیں کہ دینی اداروں میں دنیوی قانون کا ٹھوسنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دینی خدمت تعلیم تدریس تبلیغ میں اصل یہ ہے کہ کوئی معاوضہ کسی سے نہ لینا چاہیے، بلکہ کہہ دینا چاہیے کہ ﴿لا أسئلكم عليه أجراً إن أجرى إلا على الله﴾(۱) لیکن اگر کسی کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں تو اجرت لینے کی فقہائے متاخرین نے اجازت دی ہے، باقاعدہ معاملہ کرلیا جائے کہ اتنے گھنٹے اور دن کام کرے گا اور اس کا معاوضہ اتنا یا ماہانہ یا سالانہ لے گا(۲)۔ پھر اس معاملہ کا تقاضہ اصالۃً یہ ہے کہ جب کام نہ کرے اس کا

(۱) (هود: ۵۱)

(۲) "ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القران والفقه والإمارة والأذان، ويجبر المستأجر على دفع ماقبل ...... ثم اعلم أنهم حيث أفتوا بجواز الاستئجار على التعليم ووجوب المسمى خصوه بما إذا ضرب له مدة لتصح الإجارة، ولولم تضرب له مدة ولا تسمية أو جبوا أجر المثل كما هو الحكم في الإجارات الفاسدة". (رسائل ابن عابدين، الرسالة السابعة: ۱/۱۵۸، ۱۶۱، عثمانيه كوئٹه)

"ويفتى اليوم بالجواز أي: جواز أخذ الأجرة على الإمامة وتعليم القرآن والفقه ...... وهذا على مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ استحسنوا ذلك". (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۳۳/۳، مكتبه غفاريه كوئٹه) .... =

معاوضہ نہ لے، خواہ جمعہ کی چھٹی ہو خواہ عید بقرعید وغیرہ کی خواہ تعطیل کلاں ہو(۱)۔

لیکن شریعت نے طرفین کو اختیار دیا ہے کہ اپنے معاملہ میں جس قدر ایام کی چھٹی بلا تنخواہ اور جس قدر مع تنخواہ چاہیں، رضامندی سے طے کرلیں، کسی خاص بات پر مجبور نہیں کیا، اگر کسی جگہ اس طرح معاملہ کرلیا گیا ہے کہ بڑی تعطیل کی بلا اطلاع دو ایک یوم غیر حاضری پر پورے ایام تعطیل کی تنخواہ نہیں ملے گی تو یہ بھی درست ہے(۲)۔ اور یہ درحقیقت ایام تعطیل کی تنخواہ ضبط کرنا نہیں ہے بلکہ ایام تعطیل کی تنخواہ نہ دینا ہے، کیونکہ تنخواہ کام کی ہوتی ہے، جب کام نہیں کیا تو پھر تنخواہ کا کیا سوال ہے؟ صاحب معاملہ تبرع کرتا ہے اور اس کے لئے شرط لگا دیتا ہے، شرط کے فوت ہونے پر وہ تبرع نہیں کرتا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے(۳)۔ یہ دنیوی قانون کو دینی

= (وكذا في الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٦/٥٥، سعيد)

(۱) "قال الإمام الفضلي: والمتأخرون على جوازه، والحيلة أن يستأجر المعلم مدة معلومة، ثم يأمر بتعليم ولده".
(الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، نوع في تعليم القرآن: ۵/۳۷، ۳۸، رشيديه)

"إن كان الواقف قدر للدرس لكل يوم مبلغاً فلم يدرس يوم الجمعة أو الثلاثاء، لايحل له أن ياخذ، ويصرف أجر هذين اليومين إلى مصارف المدرسة". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۲، سعيد)

"والأجير الخاص من يعمل لواحد ...... ويستحق الأجر بتسليم نفسه مدته". (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۳/۵۴۷، ۵۴۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، ضمان الأجير: ٦/١٤٢، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "المعروف عرفاً، كالمشروط شرعاً". (شرح المجلة: ۱/۳۷، المادة: ۴۳، حنفيه كوئٹه)

"وهل يأخذ أيام البطالة كعيد ورمضان؟ لم أره وينبغي إلحاقه ببطالة القاضي واختلفوا فيه، والأصح أنه يأخذ ...... فينبغي أن يكون كذلك المدرس فينبغي أن يعطى ليوم البطالة المتعارفة بقرينة ما ذكره من البناء على العرف فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلثاء والجمعة وفي رمضان والعيدين يحل له الأخذ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة: ۴/۳۷۲، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة السادسة: ۱/۲۷۸، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "إذ لا جبر في التبرع". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۱۵۸، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية: ٦/٢٠٢، رشيديه) .... =

اداروں میں ٹھونسنا نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کام کرنے سے معذور ہونے کی صورت میں پرانے ملازم کو تنخواہ دینا

سوال[۱۰۹۱۷]: زید عرصہ ۴۵/ سال سے مدرسہ میں ملازم ہے، وہ ہر سال سال میں دو ماہ چندہ بھی لاتے رہے، اب بہت کمزور ہوگئے ہیں، کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے، اب جو مدرس چندہ لاتے ہیں، ان کی اس ماہ کی ڈیوٹی کی بھی تنخواہ دی جاتی ہے، تو قدیم مدرس کو ۲۰/ سال کی ڈیوٹی کی تنخواہ دینا کیسا ہے؟ جب کہ وہ بیمار ہے اور ذریعہ معاش سے بالکل مجبور ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کیونکہ پہلے سے ان کے متعلق اس کام کی ڈیوٹی کی تنخواہ کا کوئی معاہدہ اور تذکرہ نہیں تھا، اب گزشتہ ۲۰/ سال کی اس طرح تنخواہ دینے کا حق نہیں (۱)، آئندہ اگر کچھ طے کردے تو اس کے موافق عمل درست ہوگا، اگر وہ منتظم کا کام کر سکتے ہیں اور اس میں ان کو سہولت ہے تو منتظم بنا کر رکھنا درست ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۸ھ۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل: ومن اشترى شيئاً مما ينقل ويحول: ۶/۴۸۴، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (النساء: ۲۹)

"ذكر الخصاف: أنه لو أصاب القيم خرس أو عمي أو جنون أو فالج أو نحوه من الأفات فإن أمكنه الكلام والأمر والنهي والأخذ والإعطاء فله أخذ الأجر، وإلا فلا. قال الطرسوسي: ومقتضاه أن المدرس ونحوه، إذا أصابه عذر من مرض أو حج بحيث لايمكنه المباشرة لايستحق المعلوم؛ لأنه أدار الحكم في المعلوم على نفس المباشرة فإن وجدت استحق المعلوم وإلا فلا وهذا هو الفقه".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب إذا قبض المعلوم ..... الخ: ۴/۴۱۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف: ۵/۵۱۸، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا أوفوا بالعقود﴾ (المائدة: ۱) .... =

عربی مدرسہ کے مدرس کو پنشن دینا

سوال[۱۰۹۱۸]: مدارس عربیہ میں چندہ کے روپیہ سے پنشن دینی جائز ہے یا نہیں؟ حضرت اقدس تھانوی نوراللہ مرقدہ کے سامنے ایک مرتبہ یہ تجویز پیش ہوئی تھی، تو حضرت نے شرعی اشکال یہ پیش فرمایا تھا کہ جو پنشن دی جائے گی یہ کس چیز کا معاوضہ ہوگا؟ اس لئے غور کی ضرورت ہے۔

منجانب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی

الجواب حامداً ومصلیاً:

چندہ دینے والے دینی تعلیم کے لئے چندہ دیتے ہیں، اس کو طلبہ کی ضرورت طعام لباس وغیرہ اور مدرسین وملازمین کی تنخواہ میں صَرف کرنا درست ہے، وہ لوگ یہی سمجھ کر چندہ دیتے ہیں کہ ان مواقع میں صَرف کیا جاتا ہے، نہ پینشن کا ان کے ذہن میں تصور ہے نہ اس لئے دیتے ہیں، لہٰذا بغیر ان کی اجازت کے اس روپیہ سے پینشن دینا جائز نہیں (۱)۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ سے استفتاء کیا گیا تھا، وہ سوال وجواب درج ذیل ہے:

"**سوال۵۰۹/۱۲۰۳**: اگر کسی دیرینہ ملازم وقت کو علیحدہ کر کے اس کی حسنِ خدمات کی وجہ سے اس کو پنشن دینا چاہیں، تو شرعاً متولیان وقف میں اس کو پنشن دے

= "قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "المسلمون عند شروطهم" ذكره البخاري تعليقاً".
(صحيح البخاري، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۱/۳۰۳، قديمی)

"يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۴، المادة: ۴۷۳، حنفيه كوئٹه)

(۱) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶، حنفيه كوئٹه)

"الوكيل إنما يستفيد التصرف في المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الزكاة، المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة: ۲/۲۸۴، إدارة القرآن كراچی)

سکتے ہیں یانہیں؟

الجواب: مال وقف سے پنشن دینا بدونِ شرط واقف کے درست نہیں''(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔(فتاویٰ دارالعلوم وعزیز الفتاویٰ: ۵-۶/۲۴۳)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۷/۸۵ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح:سید احمد علی، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: جمیل الرحمٰن، دارالعلوم دیوبند۔

رخصت اور تعطیل کلاں سے متعلق

سوال[۱۰۹۱۹]: ۱......ایک شخص شروع محرم سے ایک ادارہ پر کام کررہا ہے، جس کا قانون یہ ہے کہ مدت ملازمت سے یعنی ماہ میعاد سے قبل کسی رخصت کا استحقاق نہیں ہوتا ہے، چنانچہ تین ماہ کے بعد حسب استحقاق انہوں نے رخصت لی۔ اتفاقیہ اور بیماری کی وجہ سے اب مدرسہ کی مالی مجبوریوں کی وجہ سے حسبِ تجویز ناظم ادارہ اخیر میں دوسری جگہ منتقل ہوگئے۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس مدت ملازمت کے اندر وہ شخص کل استحقاق کو استعمال کرنے کا مجاز ہے یا ان تمام حقوق کو سال یا تمام مدتِ تعلیم پر تقسیم کرنے کے بعد اسی لحاظ سے استحقاق کو استعمال کرسکتا ہے۔

۲......جو تعطیل بین الرخصتین واقع ہوتی ہے، کیا وہ رخصت اتفاقیہ شمار ہوں گی؟ فقط۔

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، وحكم لا دليل عليه ...... شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۹۵، سعيد)

"شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي: في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......حسبِ قانون ادارہ تین ماہ ملازمت پوری ہونے پر اتفاقیہ اور بیماری کی رخصت حاصل کرنے کا حق ہے اور سال پورا ہونے پر جس قدر کا حق ہوگا اس کو حاصل کرسکتا ہے، لیکن سال پورا ہونے سے پہلے ملازمت کا تعلق ختم ہوجائے تو جس قدر رخصتیں بلاوضع تنخواہ حاصل کرچکا ہے، اب اہل ادارہ ان کی تنخواہ وضع کریں گے اور جس قدر رخصتیں باقی ہیں ان کے عوض تنخواہ کا استحقاق نہیں ہوگا، بلکہ وہ باقی رخصتیں سوخت ہوجائے گی، حتیٰ کہ اگر سال پورا ہوگیا اور ایک دن کی رخصت بھی نہیں لی تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے پندرہ دن رخصت اتفاقیہ کا حق تھا، جو میں نے وصول نہیں کیا، لہٰذا اتنے یوم کی مزید تنخواہ دی جائے (۱)۔

۲...... جو تعطیل بین الرخصتین واقع ہو، وہ بھی رخصت میں شمار ہوگی، پنجشنبہ اور ہفتہ کی رخصت لی تو جمعہ کا دن بھی رخصت میں محسوب ہوگا، تعطیل میں نہیں، اس طرح اگر تعطیل کلاں سے قبل اگر رخصت لی، پھر ختم تعطیل پر حاضری کے بجائے رخصت لے لی تو یہ تعطیل کلاں بھی رخصت میں شمار ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) مدارس میں مدرسین کی تنخواہوں اور رخصت کے متعلق مدرسہ ہی کا قانون معتبر ہوتا ہے، لہٰذا مدرس کی تنخواہ اور رخصت میں ہر مدرسہ کا قانون واجب العمل ہوگا۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین أوفوا بالعقود﴾ (المائدة: ۱)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد کان مسئولا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۴)

"قال النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "المسلمون عند شروطهم". (ذکره البخاري تعلیقا).
(صحیح البخاري، کتاب البیوع، باب أجر السمسرة: ۱/۳۰۳، قدیمی)

"یعتبر ویراعی کل ما اشترط العاقدان". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۲۶۴، رقم المادة: ۴۷۳، حنفیه کوئٹه)

(۲) "المعروف عرفاً کالمشروط شرطاً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۳۷، رقم المادة: ۴۳، حنفیه کوئٹه)

(وکذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول: ۱/۲۷۸، إدارة القرآن کراچی) ا

وقف سے تنخواہ

سوال[۱۰۹۲۰]: ۱.....اوقاف کے متعلقین کواوقاف کی آمدنی سے تنخواہ دی جاسکتی ہے یانہیں؟ اگر دی جاسکتی ہے تو کس قدر؟

۲.....اگراوقاف کا کوئی متعلق (مدرسہ کا مدرس اور مسجد کا امام) فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے جائے تو غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ کا مستحق ہوگا یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقف نے مدرسہ کے مدرس اور مسجد کے امام کے لئے تنخواہ دینے کو وقف نامہ میں درج کیا ہے اور تنخواہ کی کوئی تعیین نہیں کی، تو حاجت اور عرف کے مطابق تنخواہ دی جائے گی (۱)، اسی طرح اگر واقف نے متولی اور مہتمم کو تنخواہ دینے کا اختیار دیا ہے تو وہ بھی حاجت اور عرف کے مطابق دے گا (۲)۔ جو شخص یا ملازم حج کے لئے جائے تو ایام سفر کی تنخواہ کے متعلق اگر واقف کی کوئی تصریح نہیں، تو دوسرے اوقاف اور مدارس سے تعامل معلوم کرلیا جائے، اس کے موافق عمل کیا جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۳۰، سعيد)

(۱) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته، كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم)". (الدرالمختار).

"(قوله: بقدر كفايتهم) أي: لا بقدر استحقاقهم المشروط لهم، والظاهر أن قول الحاوي هذا إذا لم يكن معيناً ...... كما فهمه في شرح الملتقى: وقال إن فرض المسألة فيما إذا كان الوقف على جملة المستحقين بلا تعيين قدر لكل، فلويه فلا ينبغي جعل الحكم كذلك، بل يصرف إلى كل منهم القدر الذي عينه الواقف". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۷، ۳۶۸، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۶، رشيديه)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۳) "وتعامل الناس ملحق بالإجماع". (نور الأنوار، تقسيم أصول الشرع، ص: ۶، سعيد) .... =

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۵/ ۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "العادة محكمة، وأصلها قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن". (شرح عقود رسم المفتي، تعريف العرف وبيان حجته، ص: ١٧٥-١٧٦، دارالكتاب كراچی)

العرف في الشرع له اعتبار لذا عليه الحكم قد يدار

(رسائل ابن عابدين، نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف: ٢/١١٤، عثمانيه)

الفصل الرابع في المبعوثين والتبرعات

(مدارس کے سُفراء اور چندہ کے احکام)

مدرسہ کے نام پر چندہ کرنا اور مدرسہ میں نہ دینا

سوال[۱۰۹۲۱]: ایک مدرس نے جن کو مدرسہ سے علیحدہ کردیا ہے، اس مدرسہ کے نام پر چندہ وصول کرتے پھرتے ہیں، عیدالفطر کے موقع پر کرنال کی عیدگاہ میں اعلان کیا کہ مدرسہ عربیہ محمدیہ دریابُرد ہوگیا ہے، اس کی امداد کرو تو ان لوگوں نے مدرسہ کے نام پر کافی روپیہ ان مدرس کو دیا، وہ اس روپیہ کو کھا گئے، عید کے موقع پر جو لوگ مدرسہ کی امداد کرتے تھے، ان کو بہکا کر جبراً صدقۂ فطر، زکوۃ وغیرہ مدرسہ میں اس روپیہ کو جانے نہیں دیا، جس نے مدرسہ کو کافی نقصان پہونچایا، بلکہ شخص فقیر کو مدرسہ کی ضد پر یہ روپیہ وغیرہ دلایا۔

آیا جن حضرات نے یہ روپیہ دیا ان کی اس فریضہ سے ادائیگی ہوئی یا نہیں؟ اور جن لوگوں نے یہ دلوایا ان کو گناہ ہوا یا ثواب؟ ایک فقیر کو کتنی شرعی مقدار دینے کا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ حرکت شرعاً معصیت ہے، جھوٹ ہے، دھوکہ ہے(۱)، اگر زکوۃ وفطرہ کو صحیح مصرف میں صَرف نہیں کیا

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ...... إياكم والكذب، وإن الكذب يهدي إلى الفجور، إن الفجور يهدي إلى النار، وما يزال الرجل يكذب، ويتحرى الكذب حتى يكتب عندالله كذابا". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الأول: ۲/۲۱۲، قديمى)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ...... من غشنا فليس منا". (فيض القدير: ۱۱/۵۹۲۳، رقم الحديث: ۸۸۷۹، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(وكذا في سنن أبي داود، باب النهي عن الغش: ۱/۱۳۳، إمداديه ملتان)

تو ان مدرسین پر ضمان واجب ہے(۱)، ان کے اس جھوٹ کو لوگوں پر ظاہر کردیا جائے کہ ان مدرس نے مدرسہ محمدیہ کے نام سے چندہ وصول کیا اور مدرسہ محمدیہ کو نہیں دیا تو شرعاً اس کی اجازت ہے تاکہ آئندہ وہ احتیاط رکھیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/ ۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "سئل عمر الحافظ عن رجل دفع إلى الآخر مالاً، فقال له: هذا زكاة مالي فادفعها إلى فلان، فدفعها الوكيل إلى الآخر هل يضمن؟ فقال: نعم، له التعيين". (الفتاویٰ التاتارخانية، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة: ۲/۲۸۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/ ۳۷۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/ ۲۶۹، سعيد)

(۲) "وإذا كان الرجل يصوم ويصلي ويضر الناس بيده ولسانه، فذكره بما فيه ليس بغيبة حتى لو أخبر السلطان بذلك ليزجره لا إثم عليه". (الدرالمختار). "أي: ليحذره الناس ولا يغتروا بصومه وصلاته، وأخرج الطبراني والبيهقي والترمذي: أترعوون في الغيبة عن ذكر الفاجر اذكروه بما فيه يحذره الناس". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۴۰۸، سعيد)

"وقد تجب الغيبة لغرض صحيح شرعي لا يتوصل إليه إلا بها". (تفسير روح المعاني: ۲۶/ ۱۶۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثالث والعشرون في الغيبة: ۵/۳۶۲، رشيديه)

باب المتفرقات

مدرسہ چھوڑ کر چلے جانے والے طالب علم کے سامان کا حکم

سوال[۱۰۹۲۲]: کوئی طالب علم کسی وجہ سے مدرسہ کو چھوڑ کر دوسرے مدرسہ میں چلا جائے اور اپنا سامان وغیرہ پہلے مدرسہ میں چھوڑ گیا ہو، تو اس سامان کو مدرسہ کے مہتمم مدرسہ ضبط کر لیتے ہیں اور اس کے وارث بن جاتے ہیں۔

آیا مدرسہ والوں کی یہ حرکت شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ یہ سامان ضبط کرنے میں مدرسہ والے حق بجانب ہیں یا ظالم؟ یہ سامان ان کے لئے حلال ہے یا حرام؟ جب کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''دستورِ زندگی'' میں لکھا ہے کہ اگر کوئی کسی کے تین پیسے رکھ لے تو اس کے عوض میں سات سو نمازیں دی جائیں گی، تو اس لحاظ سے مدرسہ والے اللہ تعالیٰ کے یہاں ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ان کو اس سامان کو ضبط کرنے کا کوئی حق نہیں، ایسا کرنا غصب اور ظلم ہے(۱)، اگر اس چلے جانے والے کے ذمہ مدرسہ کا کوئی مطالبہ صحیح ہو، تو اس کے وصول کرنے کا حق ہے(۲)، حضرت تھانوی نے جو تحریر فرمایا

---

(۱) "اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب، ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۵۲/۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۱۷۶/۲، ۱۷۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹۲/۸، رشيديه)

(۲) "والمشهور من مذهب الحنفية أنه يجوز له الأخذ إن كان ما ظفر به من جنس حقه، ولا يجوز إن كان من غير جنسه، غير أن المتأخرين من الحنفية أفتوا في هذه المسألة بمذهب الشافعي". (تكملة فتح الملهم، كتاب القضاء: ۵۷۸/۲، دار العلوم كراچی) ....=

ہے، وہ صحیح ہے، حدیث وفقہ سے ثابت ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۸۶ھ۔

شرارت پر بچوں کو کتنی سزا دی جائے؟

سوال [۱۰۹۲۳]: طلباء کو ان کی شرارت پر یا سبق یاد نہ کرنے پر ہاتھ سے، قمچی (۴) سے پٹائی کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کی جا سکتی ہے تو کتنی قمچی تک؟ جواب سے براہِ کرم مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قسمِ شرارت اور مزاج کے ساتھ قوت برداشت کی رعایت لازم ہے، چھوٹے بچے کو تین چپت سے زیادہ نہ ماریں، وہ بھی سر اور چہرے پر نہیں اور قمچی سے سزا نہ دیں، بڑوں کو زیادہ کی سزا بھی دے سکتے ہیں، جب کہ کم سزا مفید نہ ہو اور زیادہ کے مفید ہونے کی توقع ہو اور زیادہ سزا اقل حد تک نہ پہونچے (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲/۸۹ھ۔

= "للدائن أن يأخذ بيده إذا ظفر بجنس حقه بغير رضا المديون". (ردالمحتار، كتاب الحجر: ۱۵۰/۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحجر: ۸۵/۴، دار المعرفة بيروت)

(۳) "أنه يؤخذ لدانق ثواب سبعمائة صلاة بالجماعة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، فروع في النية: ۴۳۹/۱، سعيد)

"جاء في بعض الكتب: أنه يؤخذ لدانق ثواب سبعمائة صلاة بالجماعة". "قوله: "وجاء في بعض الكتب"، أقول: لعل المراد بها الكتب السماوية، لا كتب العلماء إلا أن يكون ذلك حديثا نقله العلماء في كتبهم". (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية: ۱۳۹/۱، إدارة القرآن كراچی)

(۴) "قمچی: کوڑا، چابک، ہنٹر"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۲۱، فیروز سنز لاہور)

(۵) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: إذا ضرب أحدكم =

طلباء کا بازاروں میں پھرنا

سوال[۱۰۹۲۴]: طلباء مدارس عربیہ کو بلا وجہ بازاروں میں پھرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے ضرورت سب کے لئے برا ہے اور عربی طلباء کے لئے زیادہ برا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= فليتق الوجه". رواه أبوداود. (مشكاة المصابيح، باب التعزير، الفصل الثاني: ۲/۲۶۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"والضرب في هذه الأية هو ضرب الأدب غير المبرح، وهو الذي لايكسر عظما، ولايشين جارحة، كاللكزة ونحوها، فإن المقصود منه الصلاح لاغير ...... وكذلك القول في ضرب المؤدب غلامه لتعليم القرآن والأدب". (الجامع لأحكام القرآن، البقره: ۳۴: ۱۲۳/۳، ۱۲۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وقال جمهور أصحابنا: لا يبلغ تعزير كل إنسان أدنىٰ الحدود كالشرب ...... وفي شرح السنة: مذهب أكثر الفقهاء: أن التعزير أدب يقصر عن مبلغ أقل الحدود". (مرقاة المفاتيح، كتاب الحدود، باب التعزير، الفصل الثاني: ۲۲۲/۷، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أحب البلاد إلى الله مساجدها وأبغض البلاد إلى الله أسواقها". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضعها: ۶۸/۱، قديمى)

"قال الإمام النووي في شرحه على مسلم: لأنها محل الغش والخداع، والربا، والأيمان الكاذبة، وإخلاف الوعد، والإعراض عن ذكر الله، وغير ذلك مما في معناه......". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب المساجد: ۲۳۶/۱، قديمى)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضعها: ۳۰۱/۱، رشيديه)

کتاب الشرکۃ والمضاربۃ

(شرکت اور مضاربت کا بیان)

والد کے تحریر کردہ حکم نامہ کے مطابق تجارت کرنا نیز معاہدہ کا حکم

سوال[۱۰۹۲۵]:۱..... سائل کا بیان ہے کہ زید، عمر، بکر تین بھائی تھے، ان تینوں کے کاروبار مشترک تھے، ۱۹۵۰ء کے درمیان تنخواہ کی کمی وزیادتی اور دیگر شرائط کے سلسلہ میں ایک معاہدہ ہوا، پھر ۱۹۵۲ء میں ایک بھائی، یعنی زید کا انتقال ہوا، بقیہ دو بھائیوں کے درمیان مختلف امور میں اختلاف تنازع ہوتا رہا، یہاں تک کہ ۱۹۵۸ء میں ان کے والد صاحب نے دونوں بھائیوں کو اور مرحوم زید کے وارثوں کو جمع کر کے ایک حکم نامہ حصص کی تقسیم اور تنخواہ کی کمی وزیادتی کے اور کاروبار کے سلسلہ میں لکھوا دیا، جو کہ کئی دفعات پر مشتمل تھا۔

اس کے دفعہ نمبر ۴،۵ میں ہے کہ موجودہ کاروبار، تم تینوں مل کر تین سال تک نبھانا اور اس تین سال کے اندر جو بھی نئے کاروبار ہوں گے، وہ تینوں کے مشترکہ ہوں گے اور دفعہ نمبر ۶ میں لکھا ہے کہ اس حکم نامہ سے ۱۹۵۰ء والا معاہدہ منسوخ قرار دینا، پھر آخر میں سب نے دستخط کئے اور منظور بھی کیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد والد صاحب کا انتقال ہوگیا۔

اب پھر کچھ عرصہ سے دونوں بھائیوں کے درمیان اختلاف ہوگیا، شدید اختلاف کی وجہ سے عمر نے چھوٹے بھائی بکر کو اور زید کے ورثاء کو مطلع کر دیا کہ اختلاف کی وجہ سے کاروبار بڑھانا مناسب نہیں ہے، اس لئے میں لکھتا ہوں کہ والد صاحب مرحوم نے جو حکم نامہ میں جس کاروبار کو سنبھالنے کا حکم دیا تھا، اس کو ویسے ہی تین سال تک نبھاؤں گا اور آج کے بعد سے جو بھی نیا کاروبار کروں گا، وہ میرا ذاتی ہوگا، اس میں کوئی شریک نہیں ہوگا۔

پھر عمر نے اپنی ذاتی رقم سے کچھ نئے کاروبار شروع کئے، اختلاف شدید بڑھ جانے کی بناء پر ایک ثالث کے سامنے معاملہ پیش ہوا، اب تو ثالث نے بھائیوں کے درمیان معاہدات اور ان کے والد صاحب کے حکم نامہ

کی بنیاد پر فیصلہ دیا کہ عمر کے نئے کاروبار تینوں بھائیوں کے مشترک ہیں، مطلع فرمادیں کہ ثالث نے جس بناء پر عمر کے ذاتی کاروبار کو مشترکہ کاروبار قرار دیا، کیا یہ بنیاد صحیح ہے؟

۲..... معاہدہ کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ والد صاحب کے حکم نامہ کی شرعاً کیا حقیقت ہے اور کیا اتنا بڑا کاروبار والد صاحب کے حکم پر ہی منحصر رہے گا اور اسی پر عمل ضروری ہوگا؟ اس کے بغیر کاروبار درست نہ ہوگا؟ جب کہ بھائیوں کے درمیان حالات خراب ہو چکے تھے، شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... والد صاحب کے انتقال کے بعد جب عمر نے اپنا کاروبار اپنے ذاتی روپیہ سے شروع کیا، جس میں مشترکہ روپیہ نہیں لگایا اور بکر کو نیز زید مرحوم کے ورثہ کو مطلع کر دیا کہ یہ کاروبار تنہا میرا ہے، اس میں کوئی شریک نہیں، اپنے ذاتی روپیہ سے اس کو شروع کرتا ہوں اور انہوں نے اس کو تسلیم کر لیا، تو وہ تنہا کاروبار عمر کا ہے، اس میں کوئی شریک نہیں (۱)۔ ثالث کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ مشترکہ اختلاف معاہدے کا فیصلہ کر دے، ذاتی، انفرادی کاروبار میں نہ شرکت، نہ اختلاف ہے، ثالث کا اس کے متعلق کوئی حکم لگانا، اس کے حدود واختیار سے خارج ہے، ہاں! اگر شرکاء خود ہی اس پر راضی ہو جائیں، تو دوسری بات ہے۔"وهذا ظاهر لا يخفى"(۲)۔

۲..... معاہدہ کرنا اور اس کے اندر مدت متعین کرنا شرعاً درست ہے (۳)۔ مدت ختم ہونے پر وہ معاہدہ

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمى)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي على الأشباه، كتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في القواعد الكلية، الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۳) "روى غير واحد: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خرج بمن معه إلى الحديبية حتى إذا كان بذي الحليفة قلد الهدي وأشعره، وأحرم بالعمرة ...... وانتهى الأمر إلى الصلح، وكتابة كتاب في ذلك، فدعا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عليا كرم الله وجهه فقال: ...... اكتب هذا ما صالح عليه محمد =

خود بخود ختم ہوجائے گا، اگر ضرورت اور حالات کا تقاضہ ہو، تو مدت متعینہ سے پہلے بھی شرکاء باہم اپنے معاہدہ کو ختم کرسکتے ہیں، والد صاحب نے جو حکم نامہ لکھا ہے، اس کا احترام کرنا اولاد کے لئے عین سعادت ہے (۴)، ان کا حکم نامہ اولاد کی خیر خواہی پر مبنی ہے، بلا وجہ اس کو ختم نہ کیا جائے، لیکن اگر اس کی پابندی میں مضرت ہو تو اس سے بچنے کیلئے اور آپس کے شدید تنازع کو ختم کرنے کے لئے پابندی نہ کرنے پر بھی امید ہے کہ گرفت نہ ہوگی، کیونکہ والد صاحب مرحوم اگر زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ ان کے حکم پر عمل کرنے سے اولاد کو مضرت ہے، جس کا تحمل دشوار ہے اور یہ حکم شدید نزاع کا باعث بنا ہوا ہے، تو وہ خود ہی اپنا حکم واپس لے لیتے۔

پس یہ محض صورتاً حکم کی خلاف ورزی ہے، حقیقۃً خلاف ورزی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم ربیع الاول/ ۱۴۰۹ھ

= رسول الله سهيل بن عمرو ...... اكتب هذا ما صالح عليه محمد بن عبدالله سهيل بن عمرو صلحاً على وضع الحرب عن الناس عشر سنين يأمن فيهن الناس، ويكف بعضهم عن بعض على أنه من أتى محمداً من قريش بغير إذن وليه، رده عليهم الخ". (روح المعاني، الفتح: ۲۶/ ۱۱۶، ۱۱۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلح، باب كيف يكتب هذا ما صالح فلان بن فلان الخ: ۱/ ۳۷۱، ۳۷۲، قديمي)

(وكذا في البداية والنهاية، السنة السادسة للهجرة، غزوة الحديبية: ۲/ ۵۵۲-۵۵۷، المكتبة الحقانية)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيراً﴾ (الإسراء: ۲۴)

"قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالىٰ: أي: تواضع لهما وتذلل ...... ﴿من الرحمة﴾ أي: من فرط رحمتک عليهما". (روح المعاني، الإسراء: ۱۵/ ۵۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً أتاه فقال: إن لي امرأةً وإن أمي تأمرني بطلاقها، فقال له أبو الدرداء: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: الوالد أوسط أبواب الجنة، فإن شئت فحافظ على الباب أو ضيع". (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب البر والصلة، الفصل الثاني: ۲/ ۴۱۹، قديمي)

"يجب التطليق متابعة للوالد، ورضاءً له، فقد ورد عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: رضى الرب في رضى الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد". (نفع المفتي والسائل، مايتعلق بإطاعة الوالدين، ص: ۴۱۲، دار ابن حزم)

دو بھائیوں کا دکان میں شرکت کر کے ایک کا دوسرے کے حصے پر قابض ہو جانا

سوال[۱۰۹۲۶]: عمر اور بکر دو سگے بھائی ہیں، عمر بڑا اور بکر چھوٹا ہے، کچھ عرصہ پہلے عمر اور بکر میں زبانی یہ طے پایا کہ شرکت میں ایک دکان کھولی جائے، دریں اثناء عمر کی وساطت سے عمر کے برادرِ طریقت سے ایک دکان ملی، جو کہ مذکورہ برادرِ طریقت زید نے یہ کہہ کر آٹھ ہزار روپے پگڑی پر دی کہ یہ صرف عمر کی وجہ سے دے رہا ہوں، دکان کی رسید وغیرہ بدلوانے میں دو ہزار روپے خرچ ہوئے۔

زید نے عمر اور بکر سے صرف دو ہزار روپے نقد لیا، جو کہ بکر نے اپنی جیب خاص سے ادا کیا، زید نے باقی چھ ہزار روپے بیرون ملک لینا چاہا، عمر نے اپنے کسی دوست سے چھ ہزار روپے اپنی شخصی ضمانت پر زید کی خواہش کے مطابق دلوایا اور بعد ازاں عمر نے ایک ہزار روپیہ اپنی جیب خاص سے ادا کرایا، اب زید کے صرف ایک ہزار باقی تھے، دوکان چلانے کے لئے بھی روپیہ درکار تھا، عمر نے اپنے ایک اور برادرِ طریقت شعیب سے ایک ہزار روپیہ اپنی ضمانت پر لے کر دکان میں لگا دیا، مذکورہ شعیب برادرِ طریقت ہونے کے علاوہ عمر اور بکر کی والدہ کے مکان میں کرایہ دار بھی ہے، جنہوں نے دو یا تین سال کے بعد یہ روپیہ مذکورہ لیا، اپنے کرایہ میں منہا کرایا اور مکان کی آمدنی میں سے یہ روپیہ عمر اور بکر کی والدہ کو ادا کر دیا گیا، ایک ہزار روپیہ زید کا رہ گیا تھا، وہ زید نے وہلی آکر دکان کی آمدنی سے وصول کر لیا جو کہ بخوشی دکان کی آمدنی سے ہی دیا گیا۔

دو ہزار روپیہ جو کہ رسید کے بدلوانے پر صَرف ہوا، وہ بھی دکان کی آمدنی سے دیا گیا، مذکورہ بالا چھ ہزار روپے تین سال کی مدت میں مذکورہ دوست کو آہستہ آہستہ دکان کی ہی آمدنی سے دیا گیا، اب دکان کسی کی قرض دار نہیں رہی۔

یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ دکان کی رسید بدلوانے کے دوران بکر نے دونوں دکانوں کو اپنے ہی نام رکھا، جب کہ عمر نے ایک دکان اپنے اور دوسری بکر کے نام رکھنے کی ہدایت کی تھی، مگر بکر نے ایسا نہیں کیا، جب باز پرس کی گئی تو یہ کہہ دیا گیا کہ بزرگوں کا حکم ایسا ہی ہے، عمر نے بات کو خراب نہ کرنے اور دنیا کی جگ ہنسائی سے بچنے کی خاطر کام کو اس امید پر جاری رکھا کہ کبھی تو بکر کو خیال ہوگا اور ہماری شرکت جاری رہے گی، اسی طرح سات سال بیت گئے۔

بکر نے بعد ازاں ایسا رویہ اختیار کر لیا جس کی وجہ سے عمر کو دکان جوں کی توں چھوڑنی پڑی، اس سات

سال کے دوران تمام تر آمدنی بکر کے پاس رہی اور بکر اپنی مرضی سے کچھ بھی کرتا رہا اور عمر کے پاس کوئی پیسہ اس سلسلہ میں نہیں آیا جو ایک ہزار روپیہ وہ مکان کی آمدنی سے کچھ وصول کر لیا تھا، دکان میں مرمت اور ضروریات ضرور عمر کے مشورہ سے ہوتی رہی، دکان مذکور کا کاروبار آٹھ سال تک دونوں مل کر چلاتے رہے اور پھر علیحدہ ہو جانے کے بعد بکر نے وہی دکان وغیرہ ۴۵ ہزار روپے میں ایک دکان کی آمدنی سے خرید کر لیں اور اب اس جائیداد کی قیمت قریب ایک لاکھ روپے ہوگئی۔

ازروئے شرع فرمائیں کہ عمر کی شرکت شرعی یا قانونی اس میں ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ دوئم کہ اب چونکہ جائیداد اسی مکان کی شرکت شدہ آمدنی سے نہیں ہے، کیا اس میں آدھا حصہ عمر کا ہوسکتا ہے، اگر عمر بالکل منحرف ہو جائے تو ایسے شخص کا شرع کی رو سے کیا مقام ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرکت میں تو دکان شروع ہی کی گئی ہے، اس میں کیا شبہ ہے، جب تک معاملہ شرکت کو ختم نہیں کیا گیا، برابر شرکت باقی رہی اور حسبِ قرارداد عمر بھی آمدنی کا مستحق رہا(۱)۔ شرکت کا معاملہ کر کے کام شروع کرنے کے بعد (جب آمدنی زیادہ ہو جائے) شرکت سے منحرف ہو جانا اور حسبِ قرارداد آمدنی سے حصہ نہ دینا سخت گناہ اور غصب ہے(۲)۔ جس کا وبال بھی سخت ہے، پھر بھائی کے ساتھ یہ روش تو اور بھی خطرناک ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۴/۹۲ھ۔

---

(۱) "وحكم شركة العقد صيرورة المعقود عليه، وما يستفاده به مشتركاً بينهما، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة وأركانها وشرائطها الخ، الفصل الأول الخ: ۲/۳۰۲، رشيديه)

"وحكمها في شركة الملك صيرورة المجتمع من النصيبين مشتركاً بينهما، وفي شركة العقد صيرورة المعقود عليه، أو ما يستفاد به مشتركاً بينهما". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۷۹، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الشركة: ۳/۲۹۴، رشيديه)

(۲) "(اعلم) بأن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب ..... ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين =

پریس میں شرکت اوراس کی علیحدگی اورنفع کی تقسیم

سوال[۱۰۹۲۷]: دوآدمیوں نے مشترک ہوکرایک پریس کھولا، چھ ماہ تک پریس چلتارہااور دونوں نصف نصف منافع لیتے رہے، اس کے بعد پریس مبلغ آٹھ ہزارروپے میں فروخت کردیا گیا، فریق اول چھ ہزارروپے لے رہا ہے اورفریق ثانی کومبلغ دوہزارروپیہ دے رہا ہے اور کہتا ہے کہ تو دوہزارمنافع لے چکا ہے۔ حالانکہ فریق اول بھی دوہزارمنافع لے چکا ہے، تواس صورت میں فریق ثانی دوہزارکاحق دارہوتا ہے یا چار ہزارکا، یہاں ایک عالم صاحب سے پوچھا گیا، توانہوں نے فرمایا، جب دونوں فریق نفع نقصان میں برابر کے شریک تھے، تو پریس فروخت ہونے کے بعد بھی نصف نصف رقم کے مالک ہیں، ازروئے شرع جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب روپیہ بھی دونوں کا تھا اورنفع نقصان میں شرکت بھی نصفا نصف کی تھی، تو جونفع برابرلیا گیا وہ درست ہوا(۱) اور پریس فروخت ہونے پربھی نفع ہوتوبرابرہوگا، البتہ اگرشرکت کرتے وقت اصلی روپیہ دونوں کا

= آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (النساء: ۲۹) ...... وقال عليه السلام: "سباب المسلم فسق، وقتاله كفر، وحرمة ماله كحرمة نفسه". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ٦، الجزء ۵۲/۱۱، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وركنه: إزالة اليد المحقة، وإثبات اليد المبطلة ...... وصفته أنه حرام محرم على الغاصب ذلک". (البحرالرائق، كتاب الغصب: ۱۹۲/۸، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الغصب: ۱۷۷/۶، ۱۷۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تفسير الغصب وشرطه وحكمه الخ: ۱۱۹/۵، رشيديه)

(۱) "لو كان المال منهما في شركة العنان، والعمل على أحدهما إن شرطا الربح على رؤس أموالهما جاز ......ولو شرطا العمل عليهما جميعاً صحت الشركة، وإن قل رأس مال أحدهما وكثر رأس مال الآخر واشترطا الربح بينهما على سواء أو على التفاضل، فإن الربح بينهما على الشرط والوضيعة أبداً على قدر رؤس أموالهما، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الثاني =

برابر نہ تھا، بلکہ اس میں فرق تھا، تو پریس فروخت ہونے پر اصلی روپیہ دونوں کا جتنا جتنا تھا، وہ دونوں کو دے دیا جائے گا، پھر جس قدر نفع ہوا، دونوں میں برابر تقسیم ہوگا، مثلاً: اگر شرکت کرتے وقت ایک کا روپیہ ایک ہزار تھا اور دوسرے کا دو ہزار تھا، مجموعی تین ہزار سے کام شروع کیا تھا، تو اب پریس آٹھ ہزار میں فروخت ہوا، تو اس کی قیمت سے ایک ہزار تو ایک ہزار والے کا ہوگا اور دو ہزار، دو ہزار والے کا ہوگا، باقی پانچ ہزار دونوں کا نصفا نصف ہوگا، اگر شرکت کرتے وقت روپیہ دونوں کا برابر تھا، تو اب پریس کی قیمت بھی دونوں کو برابر ملے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۶/۴/۹۱ھ۔

باہمی معاہدہ کے مطابق مدات کی تقسیم نہ کرنا

سوال[۱۰۹۲۸]: زید، بکر نے شرکت میں وثیقہ نویسی کا کام شروع کیا، جس میں حسبِ ذیل قسم کا کام اور آمدنی کی مدات ہیں:

۱- تعمیرات کے فارم ونقشے داخل کرنے کا کام۔

۲- عام قسم کی درخواستیں لکھنے کا کام۔

= في شركت العنان، الفصل الثاني الخ: ۲/ ۳۲۰، رشيديه)

"(قوله: ومع التفاضل في المال دون الربح) أي: بأن يكون لأحدهما ألف وللآخر ألفان مثلاً، واشترطا التساوي في الربح، وقوله: وعكسه أي: بأن يتساوى المالان ويتفاضلا في الربح". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الشركة، مطلب: في توقيت الشركة روايتان: ۴/ ۳۱۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الشركة: ۵/ ۲۹۱، ۲۹۲، رشيديه)

(۱) "وحكمها في شركة الملك صيرورة المجتمع من النصيبين مشتركاً بينهما، وفي شركة العقد صيرورة المعقود عليه، أو ما يستفاد به مشتركاً بينهما". (البحرالرائق، كتاب الشركة: ۵/ ۲۷۹، رشيديه)

"وحكم شركة العقد صيرورة المعقود عليه، وما يستفاده به مشتركاً بينهما، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة وأركانها وشرائطها الخ، الفصل الأول الخ: ۲/ ۳۰۲، رشيديه)

(وكذا في النهرالفائق، كتاب الشركة: ۳/ ۲۹۴، رشيديه)

۳- بیع ناموں کی نقول وغیرہ کا کام۔
۴- پروجکشن کی تعمیر کے نقشے داخل کرنے کا کام۔
۵- پیورخود فارم بھرنے کا کام۔
۶- اقرار نامے لکھنے کا کام۔

یہ چھ طرح کے کام تھے، جو زید، بکر چھ سال سے کرتے رہے ہیں اور دن بھر کی آمدنی زید کے پاس جمع ہوتی رہتی ہے، جو روز کی روز آپس میں تقسیم ہوجایا کرتی ہیں، ابتدائی تین سال تک تو اوپر لکھی ہوئی چھ مدوں میں زید نے بکر کو پہلے دن سے مقرر کیا ہوا حصہ دیا اور خود بھی لیا، مگر آخری تین سالوں میں بکر ایک دو تین کو چھوڑ کر باقی چار و پانچ و چھ مدوں کی آمدنی ایک ایک کر کے بغیر وجہ بتلائے ہوئے اپنے حق میں کرلی، زید کی کارروائی کیسی ہے؟ اس طرح زید کے پاس جو رقم پہونچے گی، وہ جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باہمی معاہدوں کے خلاف کرنا اور مذکورہ مدات کی رقوم کو تقسیم نہ کرنا درست نہیں (۱)، زید کے لئے ان تینوں مدوں کی رقوم تنہا خود رکھ لینا جائز نہیں، اپنے حصہ سے زائد رقم اس کے لئے بھی ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۳/۹۱ھ۔
الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۳/۹۱ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "آية المنافق ثلاث" ...... إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب علامات النفاق، ص: ۱۷، قديمى)

"قوله: الخلف في الوعد حرام، قال السبكي: ظاهر الآيات والسنة تقتضي وجوب الوفاء". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۶/۳، رقم المادة: ۲۲، إدارة القرآن كراچى)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱۰/۱، قديمى)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني: ۶۱۵/۸، رقم الحديث: ۴۸۸۱، رشيديه)

(۲) "ولا يجوز لأحدهما أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بأمره، وكل واحد منهما كالأجنبي في نصيب صاحبه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة وأركانها وشرائطها =

بغیر پیسے دیئے کمپنی میں شرکت کرنا

سوال[۱۰۹۲۹]: ایک شخص دودھ کی کمپنی میں سوا گیارہ روپے دے کر شریک ہوتا ہے اور جب تک اس کی شرکت ہے، اس روپے پر اس کو سو روپے دیا جاتا ہے، اگر یہی شریک اپنے دودھ کو اس کمپنی کو بیچتا ہے تو کمپنی سال پورا ہونے پر جتنی رقم کا دودھ اس نے کمپنی کو فروخت کیا، اس کے حساب سے نفع کے نام پر کچھ پیسے دیئے جاتے ہیں کمپنی کی طرف سے، حالانکہ شریک نے اپنے دودھ کی قیمت پہلے ہی سے کمپنی سے وصول کر لی تھی، لیکن یہ شخص کمپنی کا شریک ہے اور دودھ دیتا ہے اس کے بالمقابل دوسرا شخص شریکِ کمپنی تو ہے، لیکن دودھ نہیں دیتا، تو کمپنی کچھ نہیں دیتی، تو یہ نفع کے نام کی رقم بغیر پیسے کی شرکت کے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نفع کے نام پر یہ رقم بغیر پیسے کی شرکت کے لینا درست نہیں (۱)، پیسے دے کر شرکت کی ہو، تو حسبِ قرارداد حصہ اور نفع لینا درست ہے (۲)، اگر کمپنی کا کام کرنے کی وجہ سے یہ پیسہ بطور انعام ملے، وہ درست

= الخ: ۲/ ۳۰۱، رشیدیه)

"(وكل) من شركاء الملك (أجنبي) في الامتناع عن تصرف مضر (في مال صاحبه) لعدم تضمنها الوكالة". (الدر المختار، كتاب الشركة: ۴/ ۳۰۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/ ۲۸۰، رشيديه)

(۱) "والشركة لغةً: خلط النصيبين بحيث لا يتميز أحدهما ...... وفي فتح القدير: وركنها في شركة العين اختلاطهما". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/ ۲۷۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة وأركانها وشرائطها وأحكامها وما يتعلق بها: ۲/ ۳۰۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الشركة: ۴/ ۲۹۸، ۲۹۹، سعيد)

(۲) "فما كان من ربح فهو بينهما على قدر رؤوس أموالها ...... واشتراط الربح متفاوتاً عندنا صحيح". (رد المحتار، كتاب الشركة، مطلب: اشتراط الربح متفاوتاً صحيح، بخلاف اشتراط الخسران: ۴/ ۳۰۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة الخ: ۲/ ۳۰۲، رشيديه)=

ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح:العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند،۸/۱/۹۳ھ۔

مشترکہ روپیہ سے تجارت اور نفع سے حج کرنا

سوال[۱۰۹۳۰]: چند احباب کا ارادہ ہے کہ گیارہ آدمی فی نفر دوسوروپے ڈال کر مشترکہ تجارت کریں اور جو کچھ نفع ملے،اس کے ذریعہ دوسال کے بعد گیارہ آدمی مل کر حج کے لئے جائیں،کیا یہ معاملہ صحیح ہے؟ اوراس طرح حج کرنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح اوراس نیت سے تجارت تو درست ہے(۲)،مگر حج کی شرط نہ لگائی جائے،ہر ایک کا نفع اس کو

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۲۸۳/۵، رشيديه)

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الأكل: ۵۲۹/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الرابع في الهدية والميراث: ۳۶۰/۶، رشيديه)

(۲) "يعني أن علة الفساد ما ذكر من قطع الشركة، وليست العلة اشتراط شرط فاسد فيها؛ لأن الشركة لا تفسد بالشروط الفاسدة". (ردالمحتار، كتاب الشركة، مطلب: اشتركا على أن ما اشتريا من تجارة فهو بيننا: ۳۱۶/۴، سعيد)

"وفيه أيضاً إبراهيم عن محمد رحمه الله تعالىٰ، رجل قال لرجل: اشترجارية فلان بيني وبينك على أن أبيعها أنا، قال: الشرط فاسد والشركة جائز، قال: وكذلك كل شرط فاسد في الشركة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، مطلب: الشركة لا تبطل بالشروط الفاسدة: ۳۰۳/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۲۹۶/۵، رشبديه)

دے دیا جائے،اس کا جو دل چاہے کرے، حج پر مجبور نہ کیا جائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۷ھ۔

شرکاء کا ایک شریک کو پانچ سال کے لئے دکان ٹھیکہ پر دینا

سوال[۱۰۹۳۱]: موٹر کے سامان کی ایک دکان ہے، جس میں پچاس ہزار کا سامان ہے،اس میں چند آدمی شریک ہیں، شرکاء نے باہم مل کر ایک شریک کو دے دی کہ پانچ سال تک دکان چلا سکتے ہو، ہر سال پندرہ ہزار ہمیں دینے ہوں گے، دکان لینے والا شریک اگر چاہے تو دو سال کے بعد واپس کر سکتا ہے، پانچ سال کی مدت ختم ہونے پر دکان مع سامان واپس لے لی جائے گی، جو شرکاء کی مشترک ہو جائے گی، تو کیا یہ معاملہ قمار میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر یہ صورت ناجائز ہے تو جواز کے پہلو سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت غلط ہے، ناجائز ہے (۲)، جواز کی صورت یہ ہے کہ جو شخص کام کرتا ہے، اس کا حصہ منافع میں

---

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) "وشرط جواز هذه الشركات ...... وأن يكون الربح جزأً شائعاً في الجملة لا معينا، فإن عينا عشرة أو مائة أو نحو ذلك كانت الشركة فاسدة كذا في البدائع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة الخ: ۲/۳۰۱، ۳۰۲، رشيديه)

"(وشرطها) أي: شركة العقد ...... (وعدم ما يقطعها كشرط دراهم مسماة من الربح لأحدهما)؛ لأنه قد لا يربح غير المسمى". (الدرالمختار، كتاب الشركة: ۴/۳۰۵، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الشركة: ۵/۷۷، رشيديه)

فیصد کے اعتبار سے کچھ زیادہ تجویز کردیا جائے، بقیہ منافع سب شرکاء باہم حصہ رسد تقسیم کرلیں (۱)، پندرہ ہزار سالانہ متعین نہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے کہ سال بھر میں کس قدر نفع ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۱۳۹۵ھ۔

بینک کی ایک اسکیم برائے پنشن کا حکم

سوال [۱۰۹۳۲]: ہمارے اسٹیٹ بینک نے ایک اسکیم نکالی ہے، کہ ماہانہ سوروپے دس سال تک بینک میں جمع کرانے پر دس سال بعد بطور پنشن ماہانہ ایک سوانہتر روپے پچاس پیسے ملا کریں گے اور آپ کی اصل رقم اور اس کا منافع جوں کا توں رہے گا، بینک اس رقم کو تجارت وغیرہ میں خرچ کرتا ہے، کیا ایسی اسکیم میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ روپیہ بطور شرکت جمع کیا جائے، تب بھی دس سال بعد بطور پنشن ۱۶۹/۵۰ ماہانہ ہمیشہ کے لئے مقرر کردینا غلط ہے، جب کہ اصل رقم اور اس کا منافع جوں کا توں باقی رہے گا، ایسی شرکت شرعاً درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "إذا عرف هذا فنقول: إذا شرطا الربح على قدر المالين متساوياً أو متفاضلاً فلا شک أنه يجوز، ويكون الربح بينهما على الشرط، سواء شرطا العمل عليها أو على أحدهما". (بدائع الصنائع، كتاب الشركة: ۵/۸۳، رشيديه)

"قوله: (وتصح مع التساوي في المال دون الربح وعكسه) وهو التفاضل في المال والتساوي في الربح ...... ولنا قوله عليه السلام: "الربح على ما شرطا، والوضعية على قدر المالين" ولم يفصل؛ ولأن الربح كما يستحق بالمال، يستحق بالعمل، كما في المضاربة". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۹۱، ۲۹۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الشركة، مطلب: في توقيت الشركة روايتان: ۴/۳۱۲، سعيد)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۳۱۰

(۳) "وشرط جواز هذه الشركات ...... وأن يكون الربح جزأً شائعاً في الجملة، لا معينا، فإن عينا عشرة =

مشترکہ زمین کی آمدنی سے تعمیر شدہ مکان کا حکم

سوال[۱۰۹۳۳]: دوفریق نے مل کر ایک قطعہ زمین خریدی، جو ہر حیثیت سے مشترک چلتی رہی، یعنی اس میں جو کچھ پیداوار ہوتی، نصف نصف تقسیم ہوجاتی رہی، کچھ دن کے بعد فریق اول نے مشترک زمین کے ایک جزو پر بلا اجازت فریق ثانی کے ایک مکان تعمیر کرلیا اور اس میں اپنے ذاتی پاورلوم لگا کر آمدنی شروع کردی اور تعمیر مکان کا کل خرچہ لکھ کر فریق ثانی کو دیا کہ نصف دو، چنانچہ کچھ دن کے بعد فریق ثانی نے فریق اول کو نصف خرچہ دے دیا اور گاہے گاہے فریق اول سے کہتے رہے کہ جب آپ نے نصف خرچہ لے لیا، تو ہمارے فائدہ کا خیال رکھے، مگر فریق اول برابر حیلہ سے کام لیتے رہے، مگر ایک دن ان کو جبراً بلایا گیا کہ مکان کا کوئی حل نکالیں، اس پر برجستہ فریق اول نے کہا کہ مکان میں تمہارا کچھ نہیں ہے، اس لئے کہ تمہارا روپیہ تعمیر میں نہیں لگا ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ:

۱......مکان میں فریق ثانی کا شرعاً حق ہے یا نہیں؟

۲......اگر نہیں ہے تو فریق ثانی نے جو روپیہ دیا تھا، اس کو فریق اول نے اپنے کاروبار میں لگا کر جو کمائی کی، وہ کس کا حق ہے، فریق اول کا یا ثانی کا؟

۳......اس معاملہ میں فریق اول نے فریق ثانی کو دھوکہ میں رکھا یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تعمیر میں خرچ شدہ رقم کا نصف حصہ فریق اول نے فریق ثانی سے وصول کرلیا، تو جس طرح زمین میں دونوں برابر کے شریک ہیں، اسی طرح مکان میں بھی دونوں شریک ہوں گے(۱)، اب انکار کا حق نہیں،

= أو مائة، أو نحو ذلک کانت الشرکة فاسدة کذا في البدائع". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الشرکة، الباب الأول في بیان أنواع الشرکة الخ: ۲/۱ ۳۰، ۳۰۲، رشیدیه)

"(وتفسد إن شرط لأحدهما دراهم مسماة من الربح)؛ لأنه شرط یوجب انقطاع حق الشرکة، فعساه لایخرج إلا القدر المسمی لأحدهما". (البحر الرائق، کتاب الشرکة: ۲۹۶/۵، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار، کتاب الشرکة: ۳۰۵/۴، سعید)

(۱) "وحکم شرکة العقد صیرورة المعقود علیه، وما یستفاد به مشترکاً بینهما، کذا في محیط السرخسي". =

دھوکہ دینا سخت گناہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۱۴۰۱ھ۔

سوسائٹی میں رقم جمع کرنے کا حکم

سوال[۱۰۹۳۴]: افریقہ میں کچھ بہی خواہ حضرات نے ایک تعلیمی ویلز سوسائٹی قائم کی ہے، اس کا اہم کام یہ ہے کہ وہ لوگوں سے ماہانہ کچھ رقم وصول کرکے سوسائٹی فنڈ میں اس کے نام سے جمع کر لیتے ہیں اور آڑے وقت میں یہ رقم جمع کرنے والے کو دے دیتے ہیں، سوسائٹی کے قانون کے رو سے اگر رقم جمع کرنے والا مرجائے، تو جمع شدہ رقم سے اس کی اولاد کو تعلیم دلائی جاتی ہے اور اگر وہ کسی وقت اپنی کل رقم واپس لینا چاہے، تو ایک مقررہ مدت کے بعد اس کی رقم واپس کی جاتی ہے۔

اصل رقم سے کچھ زائد رقم بھی اسے دیتے ہیں، سوسائٹی مختلف کاروبار کرکے جمع شدہ رقم میں اضافہ کرتی

= (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة وأركانها وشرائطها الخ، الفصل الأول الخ: ۲/۳۰۲، رشيديه)

"وحكمها...... وفي شركة العقد صيرورة المعقود عليه، أو ما يستفاد به مشتركاً بينهما".

(البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۷۹، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الشركة: ۳/۲۹۴، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: مر على صبرة من طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً، فقال: "يا صاحب الطعام! ما هذا؟" قال: أصابته السماء يا رسول الله! فقال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس؟!" ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع: ۱/۲۴۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ...... من غشنا فليس منا". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمي)

(وكذا في الترغيب والترهيب، كتاب البيوع، الترهيب من الغش والترغيب في النصيحة في البيع وغيره: ۲/۳۵۰، دارالكتب العلمية بيروت)

ہے، شرعاً یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اور رقم سوسائٹی فنڈ میں جمع کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سوسائٹی ان رقوم سے تجارت کرتی ہے اور اس کا نفع شرکاء کو ان کے رقوم کے موافق دیتی ہے تو وہاں رقوم کا جمع کرنا اور نفع لینا درست ہے(۱)، بشرطیکہ تجارت بھی جائز ہو اور کوئی دوسری چیز بھی اس میں خلاف شرع نہ ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۰ھ۔

شرکت عنان کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۰۹۳۵]: چند آدمی مل کر اگر کوئی تجارت کریں، شرکت عنان کے طور پر اور یہ بھی باہم رضامندی سے طے کرلیں، کہ ہر شریک کے ذاتی اخراجات، مثلاً: کھانا، کپڑا، علاج وغیرہ، اس مشترکہ تجارت کے نفع سے پورے کئے جائیں گے، چاہے کسی کے ذاتی اخراجات زیادہ ہوں یا کم ہوں اور ذاتی اخراجات کے بعد جو نفع بچے گا، وہ حسب حصص مقررہ شرکاء پر تقسیم ہوگا، تو کیا یہ صورت شرکت کی جائز ہے یا کہ ناجائز ہے؟

---

(۱) "لو كان المال منهما في شركة العنان، والعمل على أحدهما إن شرطا الربح على قدر رؤوس أموالهما جاز". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الثاني في شركت العنان، الفصل الثاني الخ: ۲/۳۲۰، رشيديه)

"إذا شرط الشريكان تقسيم الربح بينهما على نسبة رأس المال صح الشرط، سواء تساويا في رأس المال أو تفاضلا، ويقسم الربح بينهما على نسبة رأس مالهما كما شرطا". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل السادس في شركة العنان، المبحث الأول: ۲/۷۲۸، رقم المادة: ۱۳۷۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الشركة، مطلب: في توقيت الشركة روايتان: ۴/۳۱۲، سعيد)

(۲) "ومنها الخلو عن الشرط الفاسد وهو أنواع ...... وأن يكون المشروط محظوراً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه وحكمه وأنواعه: ۳/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۶، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ غلط ہے، اس میں جہالت ہے، جو مفضی الی النزاع ہوگی، اس لئے درست نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۴/ ۸۶ھ۔

مال مشترک میں سے ایک شریک کا قرض لینا

سوال[۱۰۹۳۶]: ایک تجارت میں چھ شراکت دار ہیں، ہر شریک کی رقم اس شرکت میں شامل ہے اور کام کرنے والے صرف دو شریک ہیں، نفع اور خسارے کی شرائط اس طرح طے تھے، چالیس فی صد کام کرنے والے شریک کو اور بیس فیصد کل رقم پر، پھر کام کرنے والے ایک شریک نے شدید ضرورتوں کے تحت اپنے طور پر دکان سے قرضہ لیا، رمضان المبارک میں حساب کرنے کے بعد معلوم ہوا، کام کرنے والے اسی شریک کے اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے وہ شریک دکان کا مقروض ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تجارت قدیمی شرائط پر چلے گی یا کوئی جدید تبدیلی ہونی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شرائط پہلے طے کر چکے ہیں، ان میں ترمیم کی ضرورت نہیں، قرض کا معاملہ صاف کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/ ۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "وشرط جواز هذه الشركات كون المعقود عليه عقد الشركة قابلاً للوكالة، كذا في المحيط. وأن يكون الربح معلوم القدر فإن كان مجهولاً تفسد الشركة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة الخ: ۲/ ۳۰۱، ۳۰۲، رشيديه)

"يشترط أن يعلم كيف يقسم الربح بين الشركاء، فإذا بقي مبهماً ومجهولاً كان الشركة فاسدةً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب السادس في شركة العقد، الفصل الثاني في الشروط العامة لشركة العقد: ۲/ ۱۳۷، رقم المادة: ۱۳۳۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الشركة، فصل بيان شرائط جواز الشركة: ۵/ ۷۷، رشيديه)

مشترکہ جائیداد سے حج کی ادائیگی کے لئے معاہدہ کرنا

سوال[۱۰۹۳۷]: چند بھائیوں کے پاس ان کے والد مرحوم کی مشترکہ جائیداد ہے، ان سب بھائیوں نے باہمی آپسی رضامندی سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ اس مشترک جائیداد کی آمدنی سے ہر بھائی یکے بعد دیگرے ایک مرتبہ حج فرض ادا کرے، اتنی رقم کا ایک ساتھ جمع ہونا مشکل تھا کہ سب ایک ساتھ حج کریں، یہ معاہدہ ۱۹۶۳ء میں ہوا تھا، اس وقت جہاز کا تھرڈ کلاس کا کرایہ ساڑھے پانچ سو روپیہ تھا اور ہر حاجی کو ایک ہزار روپیہ لے جانے کی اجازت تھی، ۱۹۶۴ء میں ایک بھائی نے حج بھی ادا کیا، جس میں سولہ یا سترہ سو کی رقم خرچ ہوئی، بقیہ بھائیوں کا حج ادا کرنا باقی ہے۔

اب ۱۹۶۷ء میں بحری جہاز کا کرایہ پونے نو سو روپے اور حجاز مقدس ساتھ لے جانے کی رقم پندرہ سو روپیہ ہوگئی ہے، روپے کی قیمت میں تخفیف کے باعث اب حاجی تقریباً دو ہزار ساڑھے چار سو روپے کی رقم خرچ کرتے ہیں۔ اب اس اضافہ کی شکل میں پہلے کی بہ نسبت نو سو یا ہزار روپیہ کا فرق ہو جائے گا، بقیہ بھائیوں کا کہنا ہے مجھ سے اور مطالبہ ہے کہ ہم آج کے حساب سے اپنے حج کی پوری رقم ڈھائی ہزار روپیہ اس مشترک جائیداد کی آمدنی سے وصول کر کے حج ادا کریں گے اور حج کئے ہوئے بھائی کا کہنا ہے کہ میرے سفر حج میں پندرہ یا سولہ سو روپے خرچ ہوئے تھے، اتنی ہی رقم تم لے لو، بقیہ اپنے آپ خرچ کرو، آں جناب حکم شرعی سے تحریر کریں کہ حق پر کون ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نوٹ کی قیمت کا کم ہونا اندرون ملک کچھ زیادہ اثر انداز نہیں، حج وغیرہ کے سلسلہ میں ضرور اثر انداز ہے، جو معاہدہ ہوا تھا، وہ اگرچہ صراحۃً رقم کی تعین کے ساتھ نہیں ہوا تھا، مگر سرکاری طور پر معین ہونے کی وجہ سے گویا کہ رقم متعین ہی نہیں تھی، لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ اس معاہدہ میں رقم مقصود اصلی نہیں، ورنہ معاہدہ کی یہ شکل بھی ممکن تھی کہ ہر شریک ایک ایک سال کے وقفہ سے اپنی اپنی رقم مشترک آمدنی سے لے لے، پھر جس مصرف میں چاہے، خرچ کرے، بلکہ مقصود یہ تھا کہ ہر شریک بہ سہولت حج ادا کر سکے اور ۶۴ء میں جتنی رقم میں حج ادا ہو جاتا تھا، اب اتنی رقم میں حج ادا نہیں ہو سکتا، یہ بھی مسلم ہے، لہٰذا اس مقصود کے پیش نظر موجودہ وقت میں جتنی رقم کافی ہو،

اتنی رقم لینے کا حق ہوگا (۱)۔اس مسئلہ کا صریح جزئیہ نہیں ملا،لیکن شامی کا رسالہ "تنبیه الرقود فی أحکام النقود" بہت سی جزئیات پر مشتمل ہے،اس سے کچھ ایسا ہی مستفاد ہوتا ہے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۵/۵/۸۶ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۷/۵/۸۶ھ۔

مضاربت میں نقصان کس پر ہے؟

سوال[۱۰۹۳۸]: ہم دوشخصوں نے شرکت میں کام شروع کیا،ایک نے پیسے لگائے،دوسرے نے اس مال کو فروخت کیا اور چار ماہ بعد معلوم ہوا کہ اصل رقم میں ۵۰۰/روپیہ کمی رہ گئی تھی،مال فروخت کرنے والے نے ۵۰۰/روپیہ اپنے گھر میں بھی خرچ کئے،آپس میں طے تھا کہ نفع آدھا آدھا ہوگا اور کچھ پیسہ ادھار میں اٹک گیا اور کچھ سامان خراب ہوگیا،مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ:

۱......اصل رقم کا پورا کرنا ایک کے ذمہ ہے یا دونوں کے؟

۲......جو خرچہ آمدنی میں سے دوسرے "ساجھی" (۳) نے کیا ہے،اس نفع کا کیا ہوگا؟ دوسرے کو سارا

---

(۱) جب بھائیوں نے آپس میں معاہدہ کرلیا کہ مشترک جائیداد کی آمدنی سے ہر بھائی یکے بعد دیگرے ایک ایک مرتبہ حج ادا کرے گا،تو اب اس معاہدے کی پاسداری لازم اور ضروری ہے۔لہٰذا ہر بھائی کو اتنی رقم دی جائے گی،جس سے اس کا حج ادا ہو سکے،خواہ وہ زیادہ ہو یا کم ہو۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ (الإسراء: ۳۴)

"﴿وأوفوا بالعهد﴾ ما عهدتم الله تعالىٰ عليه من التزام تكاليفه، وما عاهدتم عليه غيركم من العباد، ويدخل في ذلك العقود......". (تفسير روح المعاني، الإسراء: ۳۴: ۱۵/۱۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"﴿وأوفوا بالعهد﴾ أي: الذي تعاهدون عليه الناس، والعقود التي تعاملونهم بها، فإن العهد والعقد كل منهما يسأل صاحبه عنه". (تفسير ابن كثير، الإسراء: ۳۴: ۵۶/۳، مكتبه دار السلام)

(۲) رسائل ابن عابدين، الرسالة: تنبيه الرقود على مسائل النقود. الجزء الثاني، ص: ۵۸-۶۷، مكتبه عثمانيه كوئٹه)

(۳) "ساجھی: حصہ دار،شریک،پتی دار"۔(فیروز اللغات،ص:۸۰۶،فیروز سنز لاہور)

ادا کرنا ہوگا یا آدھا؟

۳......جو ادھار میں دب گیا، اس کا کیا مسئلہ ہے؟

۴......جو سامان دوسرے ساجھی کے گھر پڑا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......یہ مضاربت ہے(۱)، اگر اصل رقم جس سے تجارت کرنا طے پایا تھا، اس میں سے پانچ سو روپیہ کم رہے، مثلاً: تین ہزار دینے کے لئے کہا تھا، مگر ڈھائی ہزار دیئے اور اب معاملہ ختم کر دیا گیا، تو ان پانچ سو کا دینا لازم نہیں (۲)، اگر سوال کا مطلب کچھ اور ہے تو اس کو واضح کر کے لکھئے۔

۲......جو خرچہ دوسرے نے اپنے گھر کیا ہے، وہ اس کے ذمہ ہے(۳)، اس کو حق نہیں تھا، پس اگر نفع ایک ہزار یا اس سے زائد ہوا، تو یہ خرچ شدہ پانچ سو روپیہ اس حصہ والے کا قرار دیا جائے گا، یعنی اس نے اپنا حصہ

(۱) "أما تفسيرها: شرعاً فهي عبارة عن عقد على الشركة في الربح بمال من أحد الجانبين، والعمل من الجانب الآخر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول في تفسيرها وركنها وشرائطها وحكمها: ۴/۳۷۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب المضاربة: ۳/۳۶۲، دارلمعرفة بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب المضاربة: ۵/۶۴۵، سعيد)

(۲) ڈھائی ہزار سے زائد جو پانچ سو روپے ہیں، اس میں مضاربت ثابت ہی نہیں، لہٰذا وہ پیسے ان کے ذمہ دینا لازم نہیں۔

"(ومنها) أن يكون المال مسلماً إلى المضارب لا يد لرب المال فيه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الأول في تفسيرها وركنها وشرائطها وحكمها: ۴/۲۸۶، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب المضاربة: ۵/۶۴۸، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب المضاربة: ۷/۴۴۹، رشيديه)

(۳) "ومتى خلط مال المضاربة بمال نفسه أو بمال غيره يضمن". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الحادي عشر في دفع المالين مضاربة على الترادف وخلط أحدهما بالآخر الخ: ۴/۳۰۹، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب المضاربة: ۵/۶۴۹، ۶۵۰، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي كتاب المضاربة: ۳/۳۶۴، دارالمعرفة بيروت)

نفع میں سے وصول کرلیا اور روپیہ والے کا حصہ باقی رہ گیا، وہ اس کو دے دیا جاوے، اگر نفع کچھ نہیں ہوا تو خرچ شدہ روپیہ اس کے ذمہ واجب الادا ہے، وہ مالک روپیہ کوادا کردے(۱)۔

۳...... جو روپیہ ادھار میں رہ گیا، اس کو وصول کرنا مال فروخت کرنے والے کے ذمہ ہے(۲)، وہ وصول کرکے مالک کو دے، کوشش کے باوجود اگر وصول نہ ہو سکے، تو تاوان اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

۴...... جو سامان باقی ہے، اس کو فروخت کردے، اگر مالک لینا چاہے، تو مالک کو دے دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ولو كانت صحيحة فلم يربح المضارب لا شيء له". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الأول في تفسيرها وركنها وشرائطها وحكمها: ۴/۲۸۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب المضاربة: ۵/۶۴۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب المضاربة: ۷/۴۴۹، رشيديه)

(۲) "(افترقا وفي المال ديون وربح يجبر المضارب على اقتضاء الديون)". (الدرالمختار). "(قوله: على اقتضاء الديون) أي: طلبها من أربابها، (قوله: إذ حينئذٍ) عبارة البحر؛ لأنه كالأجير، والربح كالأجرة وطالب الدين من تمام تكملة العمل فيجبر عليه". (ردالمحتار، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب: ۵/۶۵۲، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الثامن عشر في عزل المضارب وامتناعه عن التقاضي: ۴/۳۲۹، ۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب: ۷/۴۵۲، رشيديه)

كتاب الإجارة

باب الإجارة الصحيحة

(اجارۂ صحیحہ کا بیان)

بینک کے لئے مکان کرایہ پر دینا

سوال[۱۰۹۳۹]: گزارش خدمت یہ ہے کہ از روئے شرع بینک کے لئے عمارت کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کرایہ حلال ہوگا یا نہیں؟ اطلاعاً عرض ہے کہ بینک دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ جس میں اکثر حصہ سودی لین دین کا ہوتا ہے اور کچھ دوسرے کاروبار بھی ہوتے ہیں مگر کم۔ دوسرے وہ بینک جس میں اکثر کاروباری معاملات چلتے ہیں اور کچھ سودی لین دین بھی ہوتا ہے۔

براہِ کرم کرایہ کے سلسلہ میں دونوں قسم کے بینکوں کا حکم تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عمارت کرایہ پر دینا درست ہے، متاجر جس کام میں بھی استعمال کرے وہ اس کا فعل ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناجائز کام کے لئے کرایہ پر دینا مکروہ وممنوع ہے(۱)، کام مخلوط ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا۔ پس دوسرے قسم کے بینک کے لئے بالاتفاق درست ہے اور پہلی قسم

---

(۱) "(وجاز إجارة بيت ...... ليتخذ بيت نار او كنسية أو بيعة أو يباع فيه الخمر) وقالا: لا ينبغي ذلك؛ لأنه إعانة على المعصية وبه قالت الثلاثة". (الدر المختار). "(قوله: وجاز إجارة بيت) هذا عنده أيضاً؛ لأن الإجارة على المنفعة، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم ولا معصية فيها، وإنما المعصية بفعل المستأجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۲/۶، سعيد)

"إذا استأجر الذمي من المسلم بيتا ليبيع فيه الخمر جاز عند أبي حنيفة خلافاً لهما". (الفتاوىٰ =

کے بینک کے لئے عمارت کرایہ پر دینے میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گنجائش ہے، وھو الأوسع.

اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ وممنوع ہے۔"وھو الأورع(۱).

حلال یا غالب حلال مخلوط روپیہ کرایہ پر لینا درست ہے۔ حرام یا غالب حرام مخلوط روپیہ لینا درست نہیں(۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

بینک کی ملازمت درست ہے یا نہیں؟

سوال[۱۰۹۴۰]: گزارش ہے آج کے دور میں نوکری ملنا محال ہوگیا ہے، خاص طور سے مسلمانوں کو نوکری ملنے پر بہت دقت پیش ہورہی ہے، ویسے تو مسلمانوں کو نوکری ملتی ہی نہیں ہے، میں ایک تعلیم یافتہ مسلمان ہوں، دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی سیکھی ہے، آپ مجھے اس مسئلہ سے آگاہ کیجئے کہ کوئی مسلمان بینک بیمہ کی نوکری کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمان کو اس بات پر یقین رکھنا ضروری ہے کہ سب کو روزی دینے والا اللہ پاک ہے(۳) اور حلال

= العالمكيرية، كتاب الإجارة، نوع في الاستئجار على المعاصي: ۴/۴۴۹، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۲/۳۲۴، رشيديه)

(۱) یہ حکم نفس اجارہ کا ہے، باقی اجرت میں ملنے والی رقم اگر سودی ہو، جیسا کہ عموماً بینکوں میں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں کسی بھی بینک کو مکان یا دکان کرایہ پر دینا ناجائز ہے:"ومن هنا ظهر أن التوظف في البنوك الربوية لايجوز ...... فذلک حرام لوجهين...... والثاني: أخذ الأجرة من المال الحرام، فإن معظم دخل البنوک حرام مستجلب بالربا......". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب لعن آكل الربو ومؤكله: ۱/۶۱۹، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام. فإن كان الغالب هو الحرام، فينبغي أن لايقبل الهدية ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا......: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، الرابع في الهدية: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية: ۳/۴۰۰، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وما من دآبة في الأرض إلا على الله رزقها﴾ (هود: ۱۲) .... =

روزی کا طلب کرنا اللہ پاک نے فرض قرار دیا ہے(۱)، لامحالہ حلال روزی دنیا میں موجود ہے، تبھی تو اس کا طلب کرنا فرض فرمایا، یہ نہیں ہوسکتا کہ حلال روزی تو وہ معدوم فرماویں ناپید کردیں اور اس کا طلب کرنا فرض لازم کردیں۔

"لا يكلف الله نفساً إلا وسعها"(۲)۔

دشواری جو کچھ پیش آتی ہے وہ عموماً اس لئے پیش آتی ہے کہ جو انسان خوراک، پوشاک رہن سہن کے اعتبار سے اپنے لئے اونچا معیار تجویز کرلیتا ہے اور اس معیار کی ملازمت ملنے میں دشواری ہوتی ہے، اگر معیار ہلکا کرلے، سادہ لباس، سادہ کھانا، سادہ رہائش پر قناعت کرلے تو یہ دشواری پیش نہ آئے (۳)۔ اولاد کی شادی بیاہ میں بھی آج کی اسی معیار کی بلندی کی وجہ سے دشواری پیش آتی ہے، سود لینے والے پر سود دینے والے پر سود کا کاغذ لکھنے والے پر سود کی گواہی دینے والوں پر حدیث پاک میں لعنت آئی ہے(۴)، اگر ان سب سے بچ کر

= وقال الله تعالىٰ: ﴿إن الله هو الرزاق ذو القوة المتين﴾ (الذريٰت: ۵۸)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: ...... قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إن الله هو المسعر القابض الباسط الرازق". (سنن الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في التسعير: ۲/۲۴۲، دارالكتب)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين اٰمنو كلوا من طيبٰت ما رزقنٰكم﴾ (البقرة: ۱۷۲)

"عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب، الفصل الثالث: ۲/۱۵۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فيض القدير: ۷/۳۷۶۹، رقم الحديث: ۵۴۱۷، مصطفىٰ الباز الرياض)

(۲) (البقرة: ۲۸۶)

(۳) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة ...... الخ". (مشكاة المصابيح، باب الحذر والتأني في الأمور، الفصل الثالث: ۲/۲۲۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"الاقتصاد نصف العيش". (الاقتصاء) أي: التوسط في النفقة بين التبذير والتقتير". (فيض القدير: ۲۵۵/۵، رقم الحديث: ۷۰۳، مصطفىٰ الباز الرياض)

(۴) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الخمر عشرة: عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها ومحمولة إليه وساقيها وبائعها وآكل ثمنها والمشتري لها والمشترى له". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثاني، ص: ۲۴۲، قديمي)=

ملازمت ملے تو ان کو اختیار کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ملازمت میں کون سی چیزوں کی رعایت ضروری ہے؟

سوال[۱۰۹۴۱]: میں تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتا ہوں، جماعت میں بتلایا جاتا ہے کہ ہر کام کرنے سے پہلے اس کا طریقہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت جس ڈھنگ سے کرنے کو بتلاتی ہے، اس کو علماء حضرات سے معلوم کر کے پھر اس کام کو کرو، تا کہ وہ دین اور ثواب دلوانے والا بن سکے۔

۱......لہٰذا میں ملازمت کرتا ہوں، مجھے صاف صاف اس بات سے آگاہ کریں، کہ ملازمت میں کون کون سا حکم ٹوٹے گا، تو قیامت کے دن خون کے آنسو رونے پڑیں گے، تا کہ جان کر ان ٹوٹنے والے حکم کی نگہداشت کی جا سکے، مفتی صاحب اس بات سے آگاہ کریں کہ ملازمت کے یہ کام خداوندی ہیں، جن کی رعایت کرنے سے ملازمت دین رضاء الٰہی اور جنت دلوانے والی بنے گی۔ لہٰذا گزارش ہے کہ دونوں طرح کے احکام سے کھول کھول کر مجھے آگاہ فرمادیں، احکام ادا کرنے سے جنت کی طرف جانا پڑے گا۔

۲......کوئی بھی چیز خریدنے اور فروخت کرنے کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں، کہ اس معاملہ میں کیا کیا احکام شریعت خرید اور فروخت کے بارے میں بتلاتی ہے، جن پر عمل کر کے دین بتلایا جا سکے اور کن کن طریقہ پر اگر کوئی چیز فروخت کی گئی یا خریدی گئی اور خدا کا حکم ٹوٹا گیا، تو پھر قیامت کے روز سوائے افسوس کرنے کے کچھ حاصل نہ ہوگا، لہٰذا مجھے آپ خریدنے اور فروخت کرنے کے دونوں طرح کے احکام سے آگاہ کریں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......ملازمت سے پہلے نیت صحیح ہو، کہ حلال روزی کے ذریعہ اپنی اور اپنے متعلقین کی حوائج ضروریہ کو پورا کرنا ہے، تا کہ چوری، غصب، بھیک وغیرہ سے اللہ پاک محفوظ رکھے(۱) اور دین کی خدمت اور مخلوق کی

= (وسنن الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في بيع الخمر والنهي عن ذلك: ۱/۲۴۲، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأشربة، باب لعنت الخمر على عشرة أوجه: ۲/۲۴۲، قديمي)

(۱) اس لئے کہ یہ چیزیں ناجائز ہیں۔

"(قوله: وشرعاً: باعتبار الحرمة الخ) يعني أن لها في الشرع تعريفين: تعريفاً باعتبار كونها =

اعانت مقصود ہو، خود شغل ملازمت ناجائز نہ ہو(۱)، عین ملازمت کی حالت میں ناجائز امور کا ارتکاب نہ ہو، مثلاً: جھوٹ، دھوکہ، خیانت وغیرہ (۲)، ملازمت کی وجہ سے کوئی حکم شرعی نہ ٹوٹے، مثلاً: اس کی مشغولیت سے نماز نہ

= محرمة، وتعريفاً باعتبار ترتب حكم شرعي عليها". (ردالمحتار، كتاب السرقة: ۸۲/۴، سعيد)

"(وحكمه: الإثم لمن علم أنه مال الغير، ورد العين قائمة والعزم)". (الدر المختار، كتاب الغصب: ۱۷۹/۶، سعيد)

"(ولا) يحل أن (يسأل) شيئاً من القوت (من له قوت يومه) بالفعل أو بالقوة، كالصحيح المكتسب". (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۳۵۴/۲، ۳۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول الخ: ۱۱۹/۵، رشيديه)

(۱) "(لا تصح الإجارة لعسب التيس) ...... (و) لا (لأجل المعاصي، مثل الغناء والنوح والمناهي)". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۵/۶، سعيد)

"قال رحمه الله تعالىٰ: (ولا يجوز على الغناء والنوح والملاهي) لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد فلا يجب عليه الأجر من غير أن يستحق عليه". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۵/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، مطلب: الإجارة على المعاصي: ۴۴۹/۴، رشيديه)

(۲) کیونکہ جھوٹ، دھوکہ اور خیانت حرام ہیں۔

قال الله تعالىٰ: ﴿لعنة الله على الكاذبين﴾ (آل عمران: ۶۱)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: اية المنافق ثلاث، ...... "إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول: ۱۷/۱، قديمى)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ...... "من غشنا فليس منا". ...... (فيض القدير، شرح الجامع الصغير: ۵۹۲۴/۱۱، رقم الحديث: ۸۸۷۹، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱۰/۱، قديمى)

چھوٹے وغیرہ وغیرہ(۱)، اگر ملاقات کرکے زبانی دریافت کرلیں، تو جس جس کے متعلق تردد ہو، اس کی پوری تفصیل سامنے آئے گی۔

۲...... یہ بھی طویل بحث ہے، اس کے مسائل عام فہم الفاظ میں بہشتی زیور میں ہیں (۲)، ان کی رعایت کی جائے۔ ان کے علاوہ کوئی مسئلہ پیش آجائے، تو دریافت کرلیا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۸۵ھ۔

ملازم کے سرکاری حقوق

سوال[۱۰۹۴۲]: ۱...... زید جوتے کی تھوک فروش دکان میں عرصہ ۲۵ سال تک ملازمت خریداری حساب نویسی نہایت باضابطگی اور دیانت داری سے انجام دیتا رہا اور اب صحت کی خرابی کی بناء سبکدوشی حاصل کی اور اپنی متعینہ مابین تنخواہ ماہ بماہ لیتا رہا، سرکار ملازمین کے لئے خواہ سرکاری ہوں یا پرائیویٹ دکانوں کے کچھ حقوق علاوہ مشاہرہ کے قانوناً دکان مالکان پر عائد کئے ہیں، ان حقوق میں سے ایک حبہ بھی زید کو فرم مذکورہ نے نہیں دیا۔ دریافت طلب مسئلہ ہے کہ آیا شرعاً عند اللہ فرم مذکور پر اس سرکاری ملازمت کی ادائیگی عائد ہوتی ہے یا نہیں؟

کاروبار کی ترقی کے لئے ملازم کا حصہ

سوال[۱۰۹۴۳]: ۲...... اسی دوران فرم مذکورہ کے مالکان نے اپنے بچوں کے نام سے ایک نیا فرم دے کر دکان پر پی-وی-سی (ربڑ کی قسم) کے جوتوں کا تھوک فروش کاروبار شروع کیا، اس کے شرکاء الگ، سرمایہ الگ، جگہ کاروبار الگ اور سابقہ فرم کے کاروبار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، بلکہ سال بسال بڑھتا ہی رہا،

---

(۱) "وما كان سبباً لمحظور، فهو محظور". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل: فصل في اللبس: ۶/ ۳۵۰، سعيد)

"وهذا كالتنبيه، بل كالتصريح على المنع من الجائز، لئلا يكون سبباً في فعل ما لايجوز".

(أعلام الموقعين، فصل في سد الذرائع، منع ما يؤدي إلى الحرام: ۳/ ۱۷۱، دارالجيل بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/ ۳۶۰، سعيد)

(۲) اس بارے میں بہشتی زیور، حصہ پنجم، ص: ۳۴۶-۳۸۴، پر مفصل بحث موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: (بہشتی زیور، حصہ پنجم، ص: ۳۴۶-۳۸۴، دارالاشاعت)

نئی فرم کا کاروبار بھی نہایت تیزی سے دیگر دکانوں پر چلتا رہا، اس کے ملازم کارکرد اور محرر (حساب لکھنے والا) بھی علیحدہ رکھے گئے، تقریباً سات سال کا عرصہ ہوا، نئے فرم کا کاروبار پرانی دکان پر بجائے پی-وی-سی جوتوں کے چمڑے کے جوتوں کا تھوک فروش بیوپار شروع کردیا، نئی فرم کے ملازم بھی برطرف کردیئے گئے اور پرانی دکان کے ہی ملازمین سے نئے فرم کا کام لیا جانے لگا۔

زید کے ذمہ جو کام تحریر (حساب نویسی) کا پرانی دکان کا تھا، وہی نئی فرم کا بھی لیا جانے لگا اور تنخواہ وہی پرانی ملتی رہی، کام دوگنا ہوگیا اور بڑھتا ہی رہا، اس دوران سات سال میں نئی فرم میں بھی لاکھوں روپیوں کا منافع ہوا، کیونکہ کھاتہ انکم ٹیکس اور سیلز ٹیکس میں دکھائے جاتے ہیں، اس وجہ سے کھاتوں میں ملازموں کے فرضی نام لکھ کر اس کا روپیہ مالکان خود اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور دونوں فرم (پرانی ونئی) کا کام برابر بڑھتا ہی جارہا ہے اور جو ملازم (یعنی پرانی فرم کے ملازم) نئی فرم کا کام کرتے ہیں انہیں ایک پیسہ نہیں دیا جاتا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شرعاً مالکان فرم نے زید کی اجرت یا کام کے معاوضہ سے حق تلفی کی یا نہیں اور کیا شرعاً سات سال کا معاوضہ فرم پر زید کا واجب ہوتا ہے یا نہیں اور فرم مذکورہ کی طرف سے عدم ادائیگی معاوضہ کی شکل میں زید قیامت کے دن شرعاً مذہباً اپنا یہ حق فرم مذکورہ سے لینے کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......عنداللہ تو جو معاملہ مالک وملازم کے درمیان طے ہوا، اس کی ہی ذمہ داری ہے (۱)، سرکاری قانون جو کچھ ہو، اس کی ذمہ داری صرف قانونی ذمہ داری ہے (۲)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود﴾ (المائدہ: ۱)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ (الإسراء: ۳۴)

"قال النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: المسلمون عند شروطهم". (صحيح البخاري، باب أجرة السمسرة، ص: ۳۶۳، دارالسلام)

"يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۹۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۲، سعيد)

"أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع". (الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله =

۲......اگر کام زیادہ ہو جائے تو ملازم معاملہ کر لے کہ آئندہ میری تنخواہ میں اتنا اضافہ ہو جائے تب میں کام کروں گا، ورنہ میرا استعفاء ہے(۱)، دکان میں ترقی کی وجہ سے ملازم کی تنخواہ میں اتنا اضافہ کر دینا بحیثیت معاملہ واجب نہیں، البتہ بطور شکرانہ اور حق خدمات کے صلہ میں اخلاقاً اضافہ کر دینا چاہیے، کیونکہ اس ترقی میں ملازم کی محنت ودیانت کو زیادہ دخل ہے، لہٰذا وہ بھی مستحق اضافہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا سال بھر کی تنخواہ یکمشت لینا درست ہے؟

سوال[۱۰۹۴۴]: ایک شخص جو جامع مسجد کا امام ہے، ماہانہ تنخواہ نہیں لیتا، روپے سال میں ایک مرتبہ رمضان المبارک شب قدر میں ایک مشت دوسو پچیس سالانہ اس خدمت کا عوض نذرانہ کے نام پر وصول کرتا

= تعالىٰ : أي: يتبع ولا تجوز مخالفته ...... وأن طاعة الإمام في غير معصية واجبة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب طاعة الإمام واجبة: ۴۲۲/۵، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۳۳۳/۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه)

(۱) "وأما شرائط الصحة فمنها: رضا المتعاقدين ...... ومنها: أن يكون المعقود عليه، وهو المنفعة معلوماً، ومنها: بيان المدة ...... ومنها: بيان العمل ...... وكذا بيان المعمول فيه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴۱۱/۴، رشيديه)

"يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۶۴/۱، رقم المادة: ۴۷۳، حنفيه كوئٹه)

"ويشترط في صحة الإجارة رضى العاقدين". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة: ۲۵۴/۱، المادة: ۴۴۸، حنفيه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿هل جزآء الإحسان إلا الإحسان﴾ (الرحمن: ۶۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إن الله يأمر بالعدل والإحسان﴾ (النحل: ۹)

"عن قتادة رضي الله تعالىٰ عنه: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ قال عملوا خيراً مجوزوا خيراً". (تفسير الطبري، الرحمن: ۶۰: ۸۹/۲۷، دارالمعرفة بيروت)

ہے، اگر لوگ اس کی منشاء سے کچھ کم دینا چاہیں تو نہیں لیتا، اب جب اضافہ کرکے دیتے ہیں اس وقت ان کو قبول کرلیتا ہے، لیکن مشہور کرتا ہے کہ وہ بلا معاوضہ خدمت انجام دیتا ہے، اس شخص کا یہ عمل شریعت کی رو سے کیسا ہے؟ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح ماہانہ تنخواہ کا معاملہ درست ہے، اس طرح سال بھر میں یک مشت مقدار معین پر بھی معاملہ درست ہے(۱)، خواہ اس کا نام نذرانہ ہی رکھا جائے، اس سے امامت میں نقصان نہیں آتا، لیکن یہ سمجھنا اور مشہور کرنا غلط ہے کہ یہ خدمتِ امامت بلا معاوضہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۹۱ھ۔

زراعت کی اجرت پیشگی لے لینا

سوال[۱۰۹۴۵]: اس طرح زمین کسی کو کرایہ پر دینا کہ چار سو روپیہ دے دو اور اس سال تم زمین

---

(۱) "کما یجوز إیجار عقار علی أن تکون أجرته في کل شهر کذا یصح أیضاً إیجاره لسنة بکذا من دون بیان أجرة کل شهر". (شرح المجلة، کتاب الإجارة، الباب الرابع: ۱/۲۷۳، رقم المادة: ۴۸۷، دارالکتب العلمیة بیروت)

"یصح العقد علی مدة معلومة أي: مدة کانت قصرت المدة کالیوم أو طالت کالسنین". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الثالث في الأوقات التي یقع علیه عقد الإجارة: ۴/۴۱۵، رشیدیه)

"للمالک أن یؤجر ماله وملکه لغیره مدة معلومة قصیرة کانت کیوم أو طویلة کسنین".

(شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲/۵۷۴، رقم المادة: ۴۸۴، رشیدیه)

(۲) اس لئے کہ یہ ایک قسم کا دھوکہ ہے اور دھوکہ حرام ہے۔

"عن ابن عمر وأبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه، عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من غشنا فلیس منا". (مشکاة المصابیح، کتاب القصاص، باب مالا یضمن من الجنایات، الفصل الأول، ص: ۳۰۵، قدیمی)

(وصحیح مسلم، کتاب الإیمان: ۱/۷۰، قدیمی)

(وکذا في فیض القدیر: ۱۱/۵۹۲۴، رقم الحدیث: ۸۸۷۹، مصطفیٰ الباز ریاض)

میں ہل وغیرہ چلا کے جو کچھ پیدا کرو، وہ تمہارا ہے، سو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زمین کرایہ پر دینا کہ سب پیداوار تمہاری ہوگی اور مجھے اتنا روپیہ پیشگی کرایہ دے دو، درست ہے(۱)۔ پھر جس مدت کے لئے زمین دی گئی ہے، اس کے ختم ہونے پر زمین واپس کردی جائے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر مسلم سے گھر کا کام کم قیمت پر کرانا

سوال[۱۰۹۴۶]: غیر مسلم عورت یا مرد سے جب کہ کوئی مسلم عورت یا مرد کم قیمت پر پانی بھرنے اور گھر کے برتن وغیرہ دھونے کے لئے نہیں ملتے تو ان سے کام لینا کیسا ہے؟

---

(۱) "(والأراضي للزراعة أن يبين مايزرع فيها أو قال: على أن يزرع ماشاء) أي: يجوز استيجار الأرض للزراعة إن بين مايزرع فيها أو قال على أن يزرع فيها ماشاء؛ لأن منفعة الأرض مختلفة باختلاف مايزرع فيها". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۸/۱۷، رشيديه)

"اعلم أن الأجر لايلزم بالعقد فلا يجب تسليمه به، بل بتعجيله أو شرطه في الإجارة المنجزة". (الدرالمختار). "(قوله: أو شرطه) فله المطالبة بها، وحبس المستأجر عليها، وحبس العين المؤجرة عنه". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/۱۰، سعيد)

"تلزم الأجرة بشرط التعجيل، يعني لو شرط أن تكون الأجرة معجلة لزم المستأجر تسليمها". (شرح المجلة: ۱/۲۶۱، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۳/۵۱۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "فإن مضت المدة قلعهما وسلمها فارغة أي: إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس، وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه تسليمها إلى صاحبها غير مشغولة ببنائه وغرسه". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافاً: ۶/۹۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الإجارة، الفصل الثامن: ۹/۱۳۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون فيه خلافاً: ۸/۱۹، ۲۰، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۱/۸۷ھ۔

غیر مسلم معالج سے پیٹ کا آپریشن کرانا

سوال[۱۰۹۴۷]: ایک عورت ان کو تقریباً پانچ چھ برس سے پیٹ کی بیماری ہے، جس کی وجہ سے کمزوری کی شکایت رہتی ہے اور ٹی بی کا اثر وقتاً فوقتاً ہوتا ہے، علاج بھی جاری ہے، اس کے باوجود کوئی فائدہ نہیں ہے، ڈاکٹر کا کہنا یہ ہے کہ اگر اس عورت کے پیٹ کا آپریشن نہیں کیا جائے گا، تو عورت کا بچنا مشکل ہے۔ڈاکٹر مسلم تو نہیں ہے، لیکن اخلاق کے اعتبار سے اور ان کے خیالات بھی اچھے ہیں، لہٰذا اس بارے میں آپ خلاصہ لکھئے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

غیر مسلم سے بھی علاج کے لئے آپریشن کرانا جائز ہے، مسلمان معالج مل جائے، تو وہ مقدم ہے(۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، ۲/۴/۹۲ھ۔

---

(۱) "وإسلامه ليس بشرط أصلاً، فتجوز الإجارة والاستئجار من المسلم، والذمي، والحربي، والمستأمن؛ لأن هذا من عقود المعاوضات فيملكه المسلم والكافر جميعاً كالبياعات". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، فصل في شرائط الركن: ۵۲۷/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة وركنها: ۴۱۰/۴، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور والبيوت: ۱۱۶/۸، حبيبيه كوئٹه)

(۲) "أن المريض يجوز له أن يستطب بالكافر فيماعدا إبطال العبادة". (ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة للصوم: ۴۲۳/۲، سعيد)

"فيه إشارة إلى أن المريض يجوز له أن يستطب بالكافر فيماعدا إبطال العبادة؛ لما أنه علل =

سرکاری اسکول میں ملازمت کرنا

سوال[۱۰۹۴۸]: سرکاری اسکولوں میں بحیثیت استاذ کا کام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز تنخواہ حلال ہے یا مشتبہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں غلط عقائد، غلط اخلاق، غلط اعمال کی تعلیم نہیں دی جاتی (۱)، بلکہ کوئی غلط بات آجاتی ہو، تو اس کی تردید کردی جاتی ہے، تو وہاں ملازمت کرنا، اجرت وتنخواہ لینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= قبول قوله باحتمال أن يكون غرضه إفساد العبادة، لا بأن استعماله في الطب لايجوز". (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۴۹۳، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۲۸، إمداديه)

(۱) اس لئے کہ غلط عقائد، غلط اخلاق اور غلط اعمال کی تعلیم دینا ناجائز اور معصیت ہے:

"قال رحمه الله تعالیٰ: لايجوز على الغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر من غير أن يستحق هو على الأجير شيئاً؛ إذ المبادلة لاتكون إلا باستحقاق كل واحد منهما على الآخر، ولو استحق عليه للمعصية لكان ذلك مضافاً إلى الشارع ...... والله تعالیٰ عن ذلك علوا كبيراً". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۱۱۸، ۱۱۹، دارالكتب العلمية بيروت)

"(المعصية لاتستحق بالعقد)؛ لأن عقد الإجارة يستحق به تسليم المعقود عليه شرعاً، ولا يجوز أن يستحق على المرء شيء يكون به عاصيا شرعاً كيلا تصير المعصية مضافة إلى الشرع". (الكفاية على هامش فتح القدير، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۴۱، رشيديه)

"لاتجوز الإجارة على شيء من الغناء والنوح والمزامير والطبل وشيء من اللهو ...... ولا أجر في ذلك وهذه كله عند أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمه الله تعالیٰ ...... لو استأجر لتعليم الغناء ...... لا يجوز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب السادس عشر: مطلب في الاستئجار على المعاصي: ۴/۴۴۷، رشيديه)

(۲) "قيد بأفعال الطاعة؛ لأنه لو استأجره ليعلم ولده الكتابة أو النحو، أو الطلب، أو التعبير يجوز =

بیوی یا بیٹی کی تنخواہ سے انتفاع کا حکم

سوال[۱۰۹۴۹]: اگر کسی مرد کی بیوی یا بیٹی سرکاری ملازم ہے اور وہ مرد اس کی تنخواہ سے انتفاع کرتا ہے، تو ایسے مرد کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس بیٹی یا بیوی کی اجازت سے اس رقم سے نفع اٹھانا درست ہے(۱)، ایسے شخص کے پیچھے نماز بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= بالاتفاق وفي الكبرى: تعليم الفرائض والوصايا والحساب بأجر يجوز، وفي الذخيرة: لو استأجره ليعلم ولده الشعر والأدب إذا بيّن له مدة جاز، ويستحق المسمى". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۴، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الإجارات، جنس آخر في تعليم القرآن: ۳/۱۱۴، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب السادس عشر: ۴/۴۴۶، رشيديه)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶، حنفيه كوئٹه)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۶۸، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "......الصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم برا كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (مشكاة المصابيح، باب الإمامة، الفصل الثاني: ۱/۱۰۰، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه) .... =

مشترک مکان کی مرمت کے خرچہ کو کرایہ میں محسوب کرنا

سوال[۱۰۹۵۰]: مشترکہ مکان کا کوئی وارث خطرۂ انہدام سے بچنے کے لئے اگر کسی شخص سے یہ معاملہ کرے کہ مکان کی مرمت کرادو، مکان کرایہ پر رہنے کے لئے دے دیا جاوے گا اور خرچ کردہ رقم کرایہ میں محسوب ہوتی رہے گی، اگر دیگر ورثاء نہ خود مرمت کرائیں نہ اس معاملہ پر راضی ہوں اور خود وہ دوسرے مکان میں مقیم ہوں، کیا اس قسم کا معاملہ کسی ایک وارث کے لئے جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر مکان قابل قیمت نہیں تھا، یا بقیہ شرکاء کسی طرح تقسیم کے لئے راضی نہیں تھے اور بذریعہ حکومت جب تک تقسیم کیا جاتا، اس کے منہدم ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو چکا تھا، تو یہ معاملہ کر لینا درست ہے(۱) اور معاملہ مذکورہ کر لینے کے بعد بھی بقیہ شرکاء کا حق اسی طرح باقی رہے گا، جس طرح پہلے تھا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۲۵ھ۔

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان من يصلح للإمامة: ۳۸۶/۱، رشيديه)

(۱) "لو أعطى أحد داره لآخر على أن يرمها ويسكنها بلا أجرة، ثم رمها، وسكنها ذلك الآخر كانت من قبيل العارية، ونفقة الترميم على الذي أنفق، وليس لصاحب الدار أن يأخذ أجرة عن مدة سكناه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة: ۲۶۹/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"اتفقت مع زوجها على أن يعمر، ويسكن فعمر، وصار يساوي ألف درهم، وماتت المرأة فطالبته بقية ورثتها بأجرة السكنى، وطالبهم هو بما أنفق، فالجواب: أنه يسقط مما أنفق قدر أجرة السكنى، والباقي يطالب به". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإجارة: ۱۲۲/۱، إمداديه كوئٹه)

"ويحكى عن أبي طاهر الدباس رحمه الله تعالىٰ: أنه يقول إذا اجر أحد الشريكين نصيبه من أجنبي يصح عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور والبيوت: ۱۲۶/۸، حبيبيه)

(۲) "الإرث جبري لايسقط بالإسقاط". (تكملة ردالمحتار، كتاب الدعوىٰ، مطلب: واقعة الفتوىٰ: ۵۰۵/۱، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإقرار: ۵۴/۲، ميمنيه مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الفرائض: ۴۷۱/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

زمین کواجارہ پر دینا

سوال[۱۰۹۵۱]: ۱......ایک شخص نے اپنی تین بیگھہ خام اراضی اپنی ضرورت کے لئے ایک شخص کو مبلغ ایک ہزار روپے میں رکھی ہے اور اس زمین تین بیگھہ پر پچاس روپے سالانہ کٹتے ہیں جو کہ بیس سال میں ایک ہزار روپے ختم ہوجائے گا، یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

۲......ایک شخص نے ضرورت مند سے آٹھ سو روپے میں چھ بیگھہ خام اراضی گروی رکھی ہے، جس کے سو روپے سالانہ کٹتے ہیں، یہ زمین سو بیگھہ سالانہ لگان پر اٹھ سکتی ہے، یہ بھی طریقہ جائز ہے یا ناجائز؟ یہ سود ہے یا نہیں؟ شراب کی کمائی کا پیسہ، رشوت کا پیسہ، سود کا پیسہ، پھر دوبارہ تحریر کیجئے گا؟ ایک مرتبہ آپ نے حرام فرمایا ہے اور وہ پیسہ مسجد میں نہیں لگا سکتے ہیں، وہ تین بیگھہ اراضی ایک سو پچاس روپے میں سالانہ لگان پر اٹھ سکتی ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

تین بیگھہ یا چھ بیگھہ زمین کا جو لگان سالانہ عام طور پر ہوتا ہے، اتنی ہی مقدار سالانہ پیشگی دیئے ہوئے روپے سے کٹے تو یہ اجارہ کا معاملہ ہو کر درست ہوگا، اس کو قرض نہیں کہا جائے گا، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ایک ہزار روپے پیشگی لگان دے دیا گیا ہے جس میں سے سالانہ اتنی مقدار کٹتی رہتی ہے(۱)، اگر اس میں سے سالانہ مقدار روپے دینے، دباؤ کی وجہ سے کم تجویز کی جائے تو یہ ناجائز ہے جو کہ سود کے حکم میں ہے(۲)۔ شراب کی کمائی کا

---

(۱) "يجوز للمؤجر أن يأخذ من المستأجر مقدار مقطوعاً من المال يعتبر كأجرة مقدمة لسنين، وهذا بالإضافة إلى الأجرة السنوية أو الشهرية، وتجري على هذا المبلغ المأخوذ أحكام الأجرة بأسرها".

(بحوث في قضايا فقهية معاصرة، بيع الحقوق المجردة: ۱/۱۱۴، دار العلوم كراچی)

"الأجرة لاتخلو إما أن تكون معجلة أو مؤجلة أو منجمة أو مسكوتاً عنها، فإن كانت معجلة فإن له أن يتملكها وله أن يطالب بها". (البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۸/۹، رشيديه)

"تلزم الأجرة بالتعجيل، يعني لو سلم المستأجر الأجرة نقداً ملكها الأجر". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۱، رقم المادة: ۴۶۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) اگر سالانہ کرایہ میں پیشگی رقم کی وجہ سے کمی کی گئی ہو، تو یہ "كل قرض جر نفعا فهو ربا" کے زمرے میں آئے گا اور سود کے حکم میں ہوگا۔

"عن علي أمير المؤمنين رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "كل قرض جر منفعة فهو ربا". (إعلاء =

پیسہ، رشوت کا پیسہ، سود کا پیسہ حرام ہے، مسجد میں لگانا منع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۹۶ھ۔

اس شرط پر دکان کرایہ پر دینا کہ جب چاہیں خالی کرالیں

سوال[۱۰۹۵۲]: ہماری برادری میں مندرجہ ذیل مقدمہ درپیش ہے، جس میں مدعی مدعاعلیہ کی یہ رائے ہے: شمس الدین نے اپنی دکان محمد یاسین کو کرایہ پر دی اور شرط کرلی کہ جس وقت مجھے خود کی ضرورت ہوگی، دکان خالی کرنا پڑے گی، اس شرط کو محمد یاسین نے منظور کرلیا، اس کے بعد ضرورت ہونے پر محمد یاسین نے انکار کردیا، شمس الدین نے محمد یاسین سے دکان کا مطالبہ کیا، تو یاسین نے انکار کردیا اور ٹلادیا، کچھ دیر بعد اس شرط پر خالی کردی کہ ازسرنو تعمیر ہونے پر اسی سے ایک دکان مجھے دینا یا اور کوئی دکان دلوادینا، چنانچہ دکان خالی ہوگئی اور تعمیر کے بعد محمد یاسین کو وہ نہیں دی گئی، بلکہ دوسری دلوادی گئی اور شرط پوری ہوگئی اور ایک دفعہ اس دباؤ کے لئے

= السنن، باب کل قرض جر منفعة فهو ربا: ۱۴/۴۹۷، إدارة القرآن کراچی)

"کل قرض جرنفعاً فهو رباً". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، کتاب المداینات، ص: ۲۵۷، قدیمی).

(وکذا في الدر المختار، کتاب البیوع، باب المرابحة، فصل في القرض: ۵/۱۶۲، سعید)

(وکذا في تکملة فتح الملهم، کتاب المساقاة: ۱/۵۷۵، دارالعلوم کراچی)

(وکذ في فیض القدیر: ۹/۴۳۸۷، رقم الحدیث: ۶۳۳۶، مصطفیٰ الباز ریاض)

(۱) "قال هشام: لما أجمعوا أمرهم في هدمها (الکعبة) وبنائها، قام أبو وهب بن عمر بن عائذ فتناول حجراً من الکعبة، فوثب من یده، حتی رجع إلی موضعه، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: یا معشر قریش: لا تدخلوا في بنائها من کسبکم إلا طیباً، لا یدخل فیها مهر بغي، ولا بیع ربا، لا مظلمة أحد من الناس". (السیرة النبویة لابن هشام: ۲/۲۰۵، ۲۰۶، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"قال تاج الشریعة: أما لو أنفق في ذلک مالاً خبیثاً أو مالاً سببه الخبیث والطیب فیکره؛ لأن الله تعالیٰ طیب لایقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بمالا یقبله". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۱/۶۵۸، سعید)

(وکذا في غنیة ذوي الأحکام في بغیة درر الحکام علی هامش کتاب الدرر الحکام، کتاب الصلاة، قبیل باب الوتر والنوافل: ۱/۱۱۱، میر محمد کتب خانه)

لکھوایا گیا ہے کہ دکان مل جاوے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شمس الدین نے دکان محمد یاسین کو کرایہ پر دی اور یہ شرط کر لی کہ جس وقت مجھے خود کی ضرورت ہوگی، دکان خالی کرنی پڑے گی، اس شرط کو محمد یاسین نے منظور کر لی، اس کے بعد شمس الدین نے محمد یاسین سے مطالبہ کیا تو محمد یاسین نے انکار کر دیا اور ٹلایا، کچھ دیر بعد اس شرط پر خالی کی کہ ازسرِنو تعمیر پر ایک دکان مجھے دینا یا اور کوئی دکان دلوا دینا، چنانچہ دکان تعمیر ہوگئی، تعمیر کے بعد محمد یاسین کو دکان نہیں دی گئی، بلکہ دوسری دکان دلوا دی گئی اور شرط پوری ہوگئی، رقعہ بھی لکھوالیا گیا کہ دکان مل گئی۔

قانونِ شرع کے مطابق محمد یاسین سے دکان خالی کرنے کا شمس الدین کو حق ہے، اگر چہ کرایہ پر اپنے وقت خالی کرنے کی شرط نہ کی ہو(۱)، ازسرِنو تعمیر کے لئے جب محمد یاسین نے دکان خالی کر دی تو اس کو رقعہ لکھوانے کا کوئی حق نہیں تھا، تو اب محمد یاسین اس دکان میں کام کرے، جو کرایہ پر لی ہے یا اور جگہ کام کرے، شمس الدین کو مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے کہ وہ یہ تعمیر شدہ دکان کو یاسین کو دے، اس جعلی رقعہ کے ذریعہ روپیہ بھی وصول کرنے کا حق نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ولو انقضت الإجارة وأراد الأجر قبض ماله لزم المستأجر تسليمه إياه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل الثالث: ۱/۳۱۷، رقم المادة: ۵۹۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس، وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه تفريغها وتسليمها إلى صاحبها فارغة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۸/۱۹، رشيديه)

"يلزم المستأجر رفع يده عن المأجور عند انقضاء الإجارة بمضي المدة إذا كان المعقود عليه المدة". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲/۶۹۳، رقم المادة: ۵۹۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۶/۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

حکومت کا کسی شخص کو کرایہ کے مکان کا کرایہ دار بنانا

سوال[۱۰۹۵۳]: ہمارے شہر میں یہ قانون نافذ ہے کہ کسی کرایہ دار نے فلاں سال اور تاریخ سے پہلے کسی کو اپنے کرایہ کی دکان دے کر ماتحت کرایہ دار بنا رکھا ہے اور ماتحت کرایہ دار سے غیر واجب کرایہ وصول کرتا ہے، یہ ماتحت کرایہ دار عدالت میں اپنا معاملہ پیش کرے، تو عدالت ثبوت مہیا کرنے کے بعد مالک مکان کو آرڈر دیتی ہے کہ اس ماتحت کرایہ دار کو اہل کرایہ دار بنالیا جائے، سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان حکومت کے اس قانون سے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک شخص کا کرایہ کا معاملہ حکومت ختم کر کے دوسرے شخص کو کرایہ کا حق دے دے، تو اس شخص کو کرایہ دار بنانا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۹۹ھ۔

ملازم کی غیر حاضری پر تنخواہ وضع کرنا

سوال[۱۰۹۵۴]: کسی شخص نے ایک نوکر کو ایک سال کے لئے رکھا نوکری پر، پھر دو ماہ یا چار ماہ کے بعد چلا گیا اور پھر آ گیا، مالک نے نوکر کے دو روپیہ یومیہ کاٹ لئے، جب نوکر کو ایک سال کی تنخواہ دی تو ایک یا ڈیڑھ روپے بیٹھتا ہے، تو یہ پیسہ کاٹنا درست ہے یا نہیں؟

= "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۶۸/۵، رشيديه)

(۱) "طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۷۲/۲، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۳۳۳/۱، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سال بھر کی تنخواہ کوایام پر تقسیم کر کے ایام غیر حاضری کی تنخواہ وضع کر لینا درست ہے، جیسے: مکان سال بھر کے لئے کرایہ پر لیا تو اس کرایہ کو ایام پر تقسیم کرنا درست ہے، یا مراحل پر کرایہ کو تقسیم کرنا درست ہے۔

درمختار، کتاب الإجارہ میں ہے:

"وللمؤجر طلب الأجر كل يوم وللدابة كل مرحلة، قال الشامي: ۹/۵(۱).

"المراد كل ماتقع الإجارة فيه على المنفعة أو على قطع المسافة أو على العمل إذا اجرها سنة بكذا صح. وإن لم يسم أجر كل شهر وتقسم سوية أي: على الشهور وفائدته تظهر في الفسخ أثناء المدة" شامي: ۳۲/۵، نعمانيه(۲).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

لگان پر زمین دینا

سوال[۱۰۹۵۵]: زید اپنی چار بیگھہ زمین بعوض ایک ہزار روپیہ دو سال کاشت کے لئے دو شرطوں پر دیتا ہے: اول یہ کہ دو سو روپیہ سال لگان دوں گا (کرایہ ہوگا)۔ دوسرے یہ کہ دو سال کے بعد خالی ہونے پر واپس لے لے گا اور باقی رقم یعنی سولہ سو روپے واپس کر دوں گا دو سال کا لگان کاٹ کر، آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۱۴/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۱۰/۸، ۱۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۸۴/۶، عبا ساحمد الباز)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۱/۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۳۰/۳، ۵۳۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۱/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۱۱۳/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگراس زمین کا لگان دوسوروپے ہی ہے تو پیشگی لگان لےکرزمین کرایہ پرلینا درست ہے(۱)،لیکن معاملہ صرف دوسال کے لئے نہ کیا جائے، بلکہ پانچ سال کے لئے معاملہ کرلیا جاوے، پھر دوسال گزرنے پر فریقین چاہیں تو بقیہ مدت کے اجارہ کو فسخ کردیں اورسولہ سوروپے واپس کردیں(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۹۴ھ۔

کیا فوج کی ملازمت درست ہے؟

سوال[۱۰۹۵۶]: اپنے ملک میں ہندوستان میں فوج میں مسلمانوں کوملازمت کرنا کیساہے؟ نیز جومسلمان شخص فوج میں بھرتی ہےاور جب کہ اپنے ملک ہندوستان کا کسی بھی مسلم یا غیر مسلم سے مقابلہ ہوجائے اور جنگ شروع ہوجائے اور یہ مسلم فوجی شخص اپنے ملک ہندوستان کی طرف سے جنگ میں ختم ہوجائے، تو اس

---

(۱) "يجوز للمؤجر أن يأخذ من المستأجر مقدار مقطوعاً من المال يعتبر كأجرة مقدمة لسنين، وهذا بالإضافة إلى الأجرة السنوية أو الشهرية، وتجري على هذا المبلغ المأخوذ أحكام الأجرة بأسرها". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، بيع الحقوق المجردة: ۱/۱۱۴، دارالعلوم كراچی)

"تلزم الأجرة بالتعجيل، يعني لو سلم المستأجر الأجرة نقداً ملكها الأجر". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۱، رقم المادة: ۴۶۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"اعلم أن الأجرة لايلزم بالعقد ...... بل بتعجيله أو شرطه في الإجارة المنجزة". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۱۰، سعيد)

(۲) "فلو انفسخت الإجارة قبل أمدها المتفق عليه بسبب من الأسباب وجب على المالک أن يرد على المستأجر مبلغاً يقع مقابل المدة الباقية من الإجارة". (بحوث في قضايا فقهيه معاصرة: ۱/۱۱۴، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"أجر داره كل شهر بكذا، فلكل الفسخ عند تمام الشهر". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۴۵، سعيد)

"وإن كان استأجرها كل شهر، فلكل واحد منهما أن ينقض الإجارة عند رأس الشهر". (المبسوط للسرخسي، باب إجارة الدور والبيوت: ۱۵/۱۴۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

مسلم مرحوم فوجی کو درجۂ شہادت کا مستحق سمجھا جائے گا یا نہیں؟ نیز اس کو شہید کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ظالموں سے ملک کی حفاظت کے لئے فوج میں ملازمت کرنا درست ہے، اگر کسی ظالم نے چڑھائی کی اور یہ دفاع کرتا ہوا قتل ہو گیا، تو انشاء اللہ قتل شہید ہوگا۔

"من قتل دون ماله، من قتل دون دمه، من قتل دون عرضه"(۱).

ان سب کو شہید فرمایا گیا ہے، غلط کام کے لئے ملازمت کرنا اور لڑنا جائز نہیں، اس پر شہادت کی امید رکھنا بھی غلط ہے، شہادت تو کیا ملتی، بعض صورتوں میں ایمان کا سلامت رہنا بھی دشوار ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مختار عام کا معاوضہ اگر طے نہ کیا ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال[۱۰۹۵۷]: ایک خاتون مسماۃ عامرہ نے ایک شخص زید کو اپنی جائیداد کے حصول تحفظ مقدمات اور معاملات کو طے کرانے کے لئے بغیر کسی معاوضہ خدمت طے کئے ہوئے اپنا مختار عام بنایا اور زید نے اس امید پر کہ موصوفہ معاوضہ تو ضرور دے گی، حالانکہ موصوفہ مسماۃ عامرہ مجھ زید کو ادا کریں گی ہی، مختار عام بننا منظور کرلیا۔ جب کہ زید دوسری جگہوں پر پانچ سو روپیہ ماہوار پر اسی قسم کی خدمت انجام دے رہا تھا، زید نے

---

(۱) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد". (مشكاة المصابيح، كتاب الديات، باب مالايضمن من الجنايات: ۲/۳۰۲، قديمى)

(وسنن الترمذي، كتاب الديات، باب ماجاء من قتل دون ماله ...... الخ: ۲/۲۶۱، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الحدود، باب من قتل دون ماله: ۲/۱۸۵، قديمى)

(۲) "عن جبير بن مطعم، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ليس منا من دعا إلى عصبية، وليس منا من قاتل على عصبية، وليس منا من مات على عصبية". (سنن أبي داود، كتاب الحدود، باب في العصبية: ۲/۳۵۱، إمداديه ملتان)

(وكذا في فيض القدير: ۱/۵۲۳، رقم الحديث: ۷۶۸۴، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب المفاخرة والعصبة: ۲/۴۱۸، قديمى)

موصوفہ عامرہ کی جائیداد کو لوگوں کے غاصبانہ قبضہ سے واگذار کرایا، ثالثی اور مقدمات میں پیروی کی اور واگذاری جائیداد کے بعد موصوفہ عامرہ کی مرضی سے اس واگذار شدہ جائیداد کو چالیس ہزار روپے میں فروخت کرا کر موصوفہ کو قیمت دلوادی اور موصوفہ سے اپنا معاوضہ خدمت وفروختگی جائیداد وغیرہ کا مطالبہ کیا، تو موصوفہ کہتی ہے کہ آپ سے کوئی معاوضہ طے نہیں ہوا ہے، اس لئے آپ کسی معاوضہ کے حق دار نہیں ہیں، کیا زید معاوضہ معروف پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید یہ کام معاوضہ پر کرتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس سے یہ کام معاوضہ پر لیتے ہیں، تو خاتون مذکورہ کے ذمہ بھی اس کا معاوضہ (اجر مثل) لازم ہوگا (۱)، جیسے: کوئی وکیل پیشۂ وکالت کرتا ہے اور محنتانہ لیتا ہے، اگر اس کے پاس کوئی شخص پیروی کے لئے مقدمہ لے جائے اور معاوضہ طے نہ کرے، تب بھی وکیل معاوضہ کا مستحق ہے۔ جیسے: ایک شخص درزی کے پاس جا کر کپڑا سلوائے اور درزی معاوضہ پر ہی کپڑا لیتا ہے تو وہ معاوضہ کا مستحق ہوگا، اگر زید یہ کام معاوضہ پر نہیں کرتا اور تعلق رشتہ داری وغیرہ کی بناء پر اس سے مسماۃ نے یہ کام لیا ہے، تو وہ مستحق معاوضہ نہیں (۲)۔ جیسے: کسی شخص کے پاس کپڑا سینے کی مشین ہو اور وہ اپنے کپڑے اس سے سیتا ہو، اجرت پر لوگوں کے کپڑے نہ سیتا ہو، کسی رشتہ دار نے اس کے پاس کپڑا بھیج کر سلوالیا تو وہ مستحق معاوضہ نہیں، تاہم جب زید کی نیت

---

(۱) "وتفسد بعدم التسمية أصلاً أو بتسمية خمر أو خنزير فإن فسدت بالأخيرين وجب أجر المثل". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/ ۴۸، سعيد)

"الفساد قد يكون لجهالة قدر العمل ...... قد يكون لجهالة البدل أو المبدل فالفاسد يجب فيه أجر المثل لايزاد على المسمى". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/ ۲۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/ ۵۳۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "سئلت عن أحد الشركين في دار إذا أعمر الدار المشتركة بماله من غير إذن شريكه ولا إذن القاضي فهل يكون متطوعاً فلا رجوع له على الشريك؟ فالجواب: نعم! يكون متطوعاً فلا رجوع له". (الفتاوىٰ الكاملية، كتاب الشركة، ص: ۵۳، حقانيه)

"لا رجوع فيما تبرع عن الغير". (قواعد الفقه، قاعده: ۲۵۱، ص: ۱۰۶، الصدف پبلشرز)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الشركة: ۲/ ۱۰۰، حقانيه پشاور)

پہلے سے معاوضہ لینے کی تھی تو اس کو معاملہ صاف کر کے کہہ دینا چاہئے تھا، اب اگر مسماۃ اس کے احسان کے عوض خود بھی اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے، تو یہ بہت مناسب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۹۹ھ۔

ملازم کے لئے پنشن کا حکم

سوال[۱۰۹۵۸]: ۱...... پنشن ریٹائر ہونے کے بعد گورنمنٹ سے ملتی ہے، وہ ملازم کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس کا کھانا کیسا ہے؟

۲...... جو پنشن دینی اداروں میں ملازموں کو دی جاتی ہے، تو کیا وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ پنشن درست ہے، اس کا کھانا بھی درست ہے(۲)۔

۲...... یہ پنشن بھی درست ہے(۳۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ الرحمن: ٦٠)

وقال الله تعالى: ﴿إن الله يأمر بالعدل والإحسان﴾ (النحل: ٩٠)

"عن قتادة رضي الله تعالىٰ عنه: "﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ قال: عملوا خيراً مجوزوا خيراً". (تفسير الطبري، الرحمن: ٦٠ : ٢٧/ ٩٠ ٧، دار المعرفة بيروت)

(۲) پنشن حکومت کی طرف سے ہدیہ اور انعام ہے اس کا لینا اور کھانا درست ہے۔

"هي لغة: التفضل على الغير ولو غير مال، وشرعاً: تمليك العين مجانا أي: بلاعوض ...... وسببها: إرادة الخير للواهب ...... وهي مندوبة وقبولها سنة، قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: تهادوا تحابوا". (الدر المختار، كتاب الهبة: ٥/ ٦٨٧، سعيد)

"الهبة عقد مشروع لقوله عليه السلام تهادوا تحابوا، وعلى ذلك انعقد الإجماع". (الهداية، كتاب الهبة: ٣/ ٢٨٣، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الهبة: ٧/ ٢٨٣، رشيديه)

(۳) راجع رقم الحاشية: ۱

کرایہ داری کو منتقل کرنا

سوال[۱۰۹۵۹]: جامع مسجد کھتولی کی ایک دوکان کا کرایہ دار عرصہ دراز سے چلا آتا تھا، آٹھ سال قبل اپنے بھائی محمد اسلم اور ایک دیگر شخص محمد الیاس کو کاروبار مشترکہ کرنے کی غرض سے مکان مذکور دے دیا تھا اور کرایہ دار نے بعد تک جاری رکھا، لیکن کرایہ محمد اسلم، محمد الیاس کی کاروباری مشترکہ ہونے کی وجہ سے مشترکہ کاروبار سے ادا کیا جاتا رہا، اب سے تقریباً ایک سال قبل زید نے اس مسجد کی دکان جس کا وہ کرایہ لیتا تھا، مجلس منتظمہ کا ممبر بننے کے لئے بتقصائے قانون دکان مذکورہ کی کرایہ داری سے استعفاء دے کر دکان مذکور کی کرایہ داری مجلس منتظمہ کے علم میں لائے بغیر اپنے بھائی محمد اسلم کے نام کر دی اور کرایہ کی رسید اپنے بھائی کے نام کرادی۔

جس وقت یہ رسید محمد اسلم کے نام کی گئی، اس وقت دونوں فریق کی طرف سے دکان مذکور میں مشترکہ کاروبار تھا، محمد الیاس کے علم میں جب یہ واقعہ آیا تو اس نے اعتراض کیا اور کرایہ داری میں شرکت کا مطالبہ کیا اور دکان مذکور کی کرایہ داری کی رسید میں اپنا نام شامل کرنے کا مطالبہ کیا۔

اس دکان مذکور میں محمد الیاس ومحمد اسلم کا گزشتہ چند ماہ نقصان ہوگیا، جس کی بناء پر محمد اسلم اپنے شریک محمد الیاس کو کاروبار سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے، محمد اسلم کا کہنا ہے کہ میں دکان کا کرایہ دار جائز طور پر ہوں اور کاروبار محمد اسلم ومحمد الیاس کے مشترکہ سرمایہ سے جاری تھا اور طے پایا تھا کہ دونوں فریق دکان کاروبار میں نفع ونقصان کا برابری کا ذمہ دار ہوں گے۔

لہٰذا دریافت طلب یہ ہے:

۱...... کہ زید کا کرایہ داری دکان مذکور سے بالاطور پر مستعفی ہونے کے بعد کرایہ داری لے کر فریق محمد اسلم کا نام کرانا درست ہے کہ نہیں؟

۲...... یہ کہ محمد الیاس کا یہ مطالبہ کہ محمد زید کے مستعفی ہوتے پر محمد اسلم کے ہمراہ دکان کا کرایہ داری میں شرکت کا مستحق ہوں، جب کہ برابر گزشتہ آٹھ برس سے کاروبار میں بھی برابر کا ذمہ دار رہا ہوں، درست ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جب کہ محمد زید نے وہ دکان محمد اسلم ومحمد الیاس دونوں کو مشترکہ کاروبار کے لئے کرایہ پر دی اور

دونوں سے معاملہ کیا، تو دونوں ہی کرایہ دار ہوں گے(۱)، اگرچہ ضابطہ اور تحریر میں اولاً صرف زید کرایہ دار تھا اور پھر کرایہ دارے سے دست بردار ہو گیا، ایسی حالت میں اس کے ذمہ لازم تھا کہ مجلس منتظمہ کو مطلع کر دیتا کہ اب میں کرایہ دار نہیں، میں نے کرایہ دار اب اِن دونوں کو تجویز کر دیا ہے، مجلس اِن دونوں سے کرایہ وصول کرے اور دونوں مجلس کو کرایہ ادا کریں، مگر معاملہ صاف صاف طے کرنے کے باوجود اس نے کرایہ داری میں صرف محمد اسلم کا نام لکھوایا، حالانکہ دکان اور کاروبار میں محمد اسلم ومحمد الیاس دونوں شریک ہیں، یہ طریقہ نادرست ہوا(۲)۔

۲......معاملہ کی رو سے اس کا یہ مطالبہ درست ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۸۷ھ۔

کرایہ کے مکان میں کرایہ دار کو توسیع وتعمیر کا حق نہیں

سوال[۱۰۹۶۰]: ایک شخص غلام محمد کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں، انہوں نے اس میں دو گیرج بنوا کر ۹۰۰۰/ روپیہ ایڈوانس لے کر ہدایت کو ۱-۱۰۱ ماہوار دیا، اس طرح کرنے پر میونسپل بورڈ کا ٹیکس بڑھ گیا اور مالک مکان نے مکان خالی کرانے کے لئے عدالت کا سہارا لیا اور جھگڑا بڑھ گیا، غلام محمد کے بہنوئی نے مالک

---

(۱) "قال محمد رحمه الله تعالىٰ: وللمستأجر أن يؤاجر البيت المستأجر من غيره". (المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، الفصل السابع في إجارة المستأجر: ۹/۱۲۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وله السكنى بنفسه، وإسكان غيره بإجارة وغيرها". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومالايجوز: ۲۹/۶، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الزكاة: ۳۸۳/۵، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من غشنا فليس منا". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غشنا فليس منا: ۷۰/۱، قديمى)

(وكذا في الترغيب والترهيب، كتاب البيوع، الترهيب من الغش: ۳۵۰/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع: ۲۴۵/۱، قديمى)

(۳) راجع رقم الحاشية: ۱

مکان سے ۱۲۰۰/ روپیہ دے کر فیصلہ کرلیا اور رسید اپنے نام لکھالی اور خود بھی اپنی بیوی بچوں کو لے کر اس مکان میں آکر رہنے لگا۔ اب آپ سے یہ دریافت کرنا ہے:

۱...... چونکہ مکان میں غلام محمد اور اس کی بہن دونوں حصہ دار ہوگئے، اس لئے کرائے کی آمدنی کس طرح تقسیم کی جائے؟

۲...... کرایہ گیراج جو ۲۰۰/ روپیہ ماہوار ملتا ہے، وہ صرف بہنوئی کا ہے یا غلام محمد بھی اس میں شریک ہوسکتا ہے۔

۳...... بہنوئی نے جو رقم ۱۲۰۰/ روپیہ دی، اس کا فی الحال کیا ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکم شرعی یہ ہے کہ جتنی مدت کے لئے مکان کرایہ پرلیا گیا ہے، مدت پوری ہوتے پر مالک مکان خالی کرانا چاہے تو خالی کردیا جائے، مالک کی اجازت ورضامندی کے بغیر کرایہ دار کا اس پر قبضہ رکھنا اور خالی نہ کرنا جائز نہیں، نیز اس کو اپنی آمدنی کا ذریعہ بنانا اور دوسروں کو کرایہ پر دینے کا حق نہیں (۱)، غلام محمد نے اگر مالک کی اجازت کے بغیر دو گیرج بنواکر ڈسپوزٹ لے کر ان کو کرایہ پر دے دیا، تو اس نے یہ غلط طریقہ اختیار کیا، اس کے بعد بھی اگر مالک خالی کرانا چاہے تو اس کو حق ہے، خالی کرالے (۲)۔

---

(۱) "یلزم المستأجر رفع یده عن المأجور عند انقضاء الإجارة، لیس للمستأجر استعمال المأجور بعد انقضاء مدة الإجارة إلا بإذن صاحبه فلو استعمله بدون إذنه کان متعدیا". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الفصل الثالث: ۱/۳۱۶، رقم المادة: ۵۹۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

"إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء: والغرس وسلم الأرض إلی المؤجر فارغة؛ لأنه یجب علیه تفریغها وتسلیمها إلی صاحبها فارغة". (البحر الرائق، کتاب الإجارة، باب مایجوز من الإجارة ومایکون خلافاً: ۸/۱۹، رشیدیه)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الإجارة، باب مایجوز من الإجارة ومایکون خلافاً: ۶/۹۶، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "آجر داره کل شهر بکذا فلکل الفسخ عند تمام الشهر". (الدر المختار، کتاب الإجارة: ۶/۴۵، سعید)

"وإذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس وسلم الأرض إلی المؤجر فارغة؛ لأنه یجب علیه =

اور دو گیرجوں کا جو کچھ سامان اینٹ وغیرہ خواہ اس کی قیمت غلام محمد کو دے دے (تعمیر شدہ کی نہیں صرف ملبے کی)، خواہ غلام محمد اس تعمیر کا اپنا ملبہ خود لے لے(۱)۔ جس شخص نے مکان کرائے پر لیا خود بھی کرایہ دار ہے، دوسرے کو اس سے انتفاع کا حق نہیں، اگر غلام محمد نے بہنوں یا بہنوئی کو اس مکان میں رہنے کے لئے جگہ دے دی تو وہ رہ سکتے ہیں، دو گیرج جو کرایہ پر دیئے ہیں، ان کا دینا اور ان کا بنانا مالک مکان کے اجازت کے بغیر درست نہیں، پھر مالک جو معاملہ ان کے متعلق غلام محمد سے یا اس کے بہنوں یا بہنوئی سے کرلے، تو اس کے موافق عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ۔

بس میں سامان کا کرایہ

سوال[۱۰۹۶۱]: ایک سفر میں پنچایت والے ڈرائیور صاحب اپنی بس میں بٹھا کر لائے، مگر وہ سامان وغیرہ کو بغیر ٹکٹ مفت لانا چاہتے تھے تو احقر نے درمیان میں اس مسئلہ کی طرف توجہ دلایا تو مان لئے اور ٹکٹ کاٹا گیا، مگر اس میں چار صندوق اور پلنگ کا ٹکٹ بھول سے رہ گیا، تو اب ان چار صندوق اور پلنگ کا کرایہ جو

= تفريغها وتسليمها إلى صاحبها فارغة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۱۹/۸، رشيديه)

"يلزم المستاجر رفع يده عن المأجور عند انقضاء الإجارة ...... لو انقضت الإجارة، وأراد الأجر قبض ماله لزم المستأجر تسليمه إياه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۳۱۶/۱-۳۱۷، رقم المادة: ۵۹۱، ۵۹۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "لو أحدث المستأجر بناء في العقار المأجور أو غرس شجرة فالأجر مخير عند انقضاء مدة الإجارة، إن شاء قلع البناء والشجرة، وإن شاء أبقى ذلك، وأعطى قيمته كثيرة كانت أو قليلة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۹۰/۱، رقم المادة: ۵۳۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"فإن مضت المدة قلعهما وسلمهما فارغة أي: إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس ...... إلا ان يغرم له المؤجر قيمة البناء والغرس مقلوعاً". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافاً: ۹۷/۶، ۹۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۵۲۲/۳، ۵۲۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

بھی ہورہ گیا ہے، اب اس کو مجھے ڈرائیور صاحب جو مجھے لا رہے تھے، دینا ضروری ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کا دینا بھی ضروری ہے، جس کا سامان ہے، اس کے ذمہ ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

مکان کو جزءِ تنخواہ تجویز کرنا

سوال[۱۰۹۶۲]: رہنے کے مکان کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ اگر کسی شخص سے یہ طے ہو کہ تم کو ہم تنخواہ کے ساتھ مکان دیں گے، تو اس مکان میں ضروری چیزیں مثلاً: پاخانہ، حمام یا کنواں ہونا چاہیے یا نہیں؟ نیز بلانے والے مکان تو جس میں کنواں ہو دے رہے ہیں، لیکن اس میں پردہ کی دیواریں ٹھیک نہیں، تو کیا جس میں موٹی موٹی ضروریات کے سلسلے میں تکلیف ہو، تو کیا ذمہ داروں کا یہ معاملہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کا مدار بلانے کی اور جس کو بلایا گیا ہے، اس کی ہر دو حیثیت پر ہے، سب کے لئے یکساں حکم نہیں(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۵/۱۱/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۷/۱۱/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۶۸/۵، رشيديه)

(۲) "قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنزلوا الناس منازلهم".

(أنزلوا الناس منازلهم) أي: احفظوا حرمة كل أحد على قدره وعاملوه بمايلائم حاله في دين =

کرایہ کے مکان کا ایندھن کس کا ہے؟

سوال[۱۰۹۶۳]: بموجب حکم سرکاری کرایہ دارانِ دکانات کو دکانوں کے تختے جو کٹوانا پڑے، ایندھن ان کا مالکان کی ملک ہے، احقر کی دکان کے مالک لکھنؤ میں رہتے ہیں، کارندہ یہاں رہتا ہے، جو کرایہ وغیرہ وصول کرتا ہے، ایندھن کا مطالبہ مالک کی طرف سے تو ہے نہیں، اگر کارندہ کو دیا جائے تو غالباً اس کے کارآمد ہوگا، تاہم اپنی برأت کے لئے کارندہ ہی سے معاملہ کیا جائے، تو تین صورتیں ہیں:

۱- ایندھن کارندہ کو دے دیا جائے۔

۲- کارندہ سے اس کو خرید لیا جائے، بازاری نرخ سے۔

۳- کارندہ ویسے ہی ہمیں کارآمد کرنے کی اجازت دے دے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

کارندہ کو اگر اصل مالک کی طرف سے تینوں باتوں کا اختیار ہے، تو تینوں درست ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

وعلم وشرف، فلا تسووا بين الخادم والمخدوم والرئيس والمرؤوس، فإنه يورث عداوة وحقداً في النفوس ...... وقد عد العسكري هذا الحديث من الأمثال والحكم. وقال: هذا مما أدب به المصطفىٰ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمته من إيفاء الناس حقوقهم من تعظيم العلماء، والأولياء، وإكرام ذي الشيبة، وإجلال الكبير وما أشبه". (فيض القدير: ۵/ ۲۳۲۲، رقم الحديث: ۲۷۳۵، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"وقد ذكر عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها قالت: أمرنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تنزل الناس منازلهم". (مقدمة صحيح مسلم: ۱/ ۴، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم: ۴/۳۴۳، رقم الحديث: ۴۸۴۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "الوكيل يتصرف بتفويض المؤكل، فيملك قدر ما فوض إليه". (بدائع الصنائع، كتاب الوكالة: ۵/ ۲۴، رشيديه) .... =

قصاب کا پیشہ

سوال[۱۰۹۶۴]: ا......ایک مسلمان قصاب کا پیشہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ یعنی جس جگہ گائے کی اجازت ہے، وہاں گائے کا گوشت بیچ سکتا ہے یا نہیں؟

۲......شرعی اعتبار سے اگر کوئی مسلمان متواتر چالیس دن گائے کا گوشت کھائے، تو کیا دل سیاہ ہوجاتا ہے؟

۳......حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گوشت پسند تھا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ا......اپنی عزت کی محافظت بھی لازم ہے، اگرچہ قصاب کا پیشہ فی نفسہ جائز ہے، مگر قانون کی خلاف ورزی کرنا خطرہ مول لینا ہے(۱)۔

۲......یہ بے اصل اور غلط ہے(۲)۔

۳......حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گوشت مرغوب تھا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمٰن نائب مفتی، دار العلوم دیوبند۔

= "الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوكالة: ۴/۲۹۷، رشيديه)

(۱) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذکورہ جواب ہندوستان سے متعلق ہے، جہاں پر قانوناً اس کی اجازت نہیں، البتہ جن جگہوں پر قانوناً اس کی ممانعت نہیں اور نہ ہی اپنی عزت کی محافظت کا کوئی مسئلہ ہو، ایسی جگہوں پر یہ پیشہ اختیار کرنا بالکل جائز ہے۔

(۲) "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد". (مشكاة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: أتي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بلحم فرفع إليه الذراع، وكانت تعجبه، فنهس منها". رواه الترمذي وابن ماجة. (مشكاة المصابيح، كتاب الأطعمة، الفصل الثاني: ۲/۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"حدثنا محمد بن بشار قال نا أبوداود بهذا الإسناد قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعجبه الذراع". (سنن أبي داود، كتاب الأطعمة، باب في أكل اللحم: ۲/۱۷۴، رحمانيه)

انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس لکھنے کی ملازمت

سوال[۱۰۹۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں؟

کھاتے کا کام جس میں سیل ٹیکس انکم ٹیکس لکھا جاتا ہے اور گورنمنٹ کو دکھانے کے لئے الٹا سیدھا، بلکہ برائے نام انکم اور سیل دکھا کر خانہ پری کی جاتی ہے۔

۱......سوال یہ ہے کہ یہ کام کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

۲...... یہ کھاتے کا کام کر کے اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

۳......گورنمنٹ کو دھوکہ دے کر انکم ٹیکس بچانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱،۲،۳......کھاتے میں کچھ کام صحیح ہو، کچھ کام غلط ہو، اس وجہ سے پورے کام کو اور اس کی اجرت کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ جائز کام کی اجرت جائز اور ناجائز کام کی اجرت ناجائز، گورنمنٹ کو دھوکہ دینے کے لئے غلط اندارج کر لینا تو آسان، لیکن یہ درحقیقت قانونی چوری ہے، پکڑی بھی جاسکتی ہے اور پکڑی جانے پر بطور جرمانہ مالی سزا بھی ہوسکتی ہے، مالک کا اعتماد بھی ختم ہوسکتا ہے، مال اور عزت کو خطرے میں ڈالنا کوئی دانش مندی نہیں، عزت کا تحفظ لازم ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "لاينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لايطيق". (جامع الترمذي، أبواب الفتن عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، باب ماجاء في النهي عن سب الرياح: ۲/۵۱، سعيد)

"الواجب على كل من رأى منكراً أن ينكره إذا لم يخف على نفسه عقوبة ...... لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء مالا يطيق". (شرح ابن بطال، كتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر: ۱۰/۵۱، مكتبة الرشد)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الفتن، باب قوله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا عليكم أنفسكم﴾، ص: ۵۷۹،دار السلام)

ڈاکٹری اور مدرسی کی کمائی کا حکم

سوال[۱۰۹۶۶]: زید اور عمر دونوں ایک ایسی بستی میں رہتے ہیں، جہاں کہ کچھ دن قبل سود کا نام نہیں تھا، لیکن اب سود کا لین دین عام ہوگیا ہے، زید مدرسہ اسلامیہ میں مدرس ہیں کہ جس مدرسہ کی آمدنی ان ہی لوگوں سے اور ان کے سودی کاروبار سے ہی ہوتی ہے، اس کے علاوہ اور ذریعہ آمدنی مدرسہ کی نہیں ہے اور عمر پوسٹ آفس میں نوکری کے ساتھ حکمت وڈاکٹری بھی کرتا ہے، مگر دونوں دوسرے گاؤں کے رہنے والے ہیں، اب ان دونوں میں سے کس کی آمدنی حلال ہے اور کس کی حرام؟ کس کو اس گاؤں میں رہنا جائز ہے اور کس کو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص حکیم یا ڈاکٹر ہے اور وہ اپنی دوا کی قیمت سے اپنا گزارہ کرتا ہے، اس کے متعلق کھوج کرید کرنے کی ضرورت نہیں، اس کی آمدنی کو بلا وجہ شرعی حرام کہنے کا حق نہیں۔ جو شخص مدرسہ سے تنخواہ لیتا ہے اور مدرسہ میں ہر قسم کا چندہ آتا ہے، کچھ جائز ہوتا ہے اور کچھ ناجائز تو اس کی پوری تنخواہ کو بھی ناجائز کہنے کا حق نہیں، البتہ معین طور پر جس کے پاس بھی ناجائز آمدنی آئے، خواہ سود کی ہو، کسی اور طرح کی ہو، اس کو ناجائز ہی کہا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۹۹ھ۔

ملازمت سے الگ ہونے کے بعد استحقاقِ تنخواہ نہیں

سوال[۱۰۹۶۷]: مسجد میں ۱۹۶۹ء جنوری میں ایک امام مقرر ہوئے، ان کی تنخواہ ماہواری مبلغ آٹھ سو روپے ہے۔ ایک ماہ اس انجمن سے تنخواہ لی، دوسرے مہینہ میں امام صاحب نے ایک پارٹی تیار کی اور انجمن اسلامیہ کے خلاف سازش کرنا شروع کیا کہ کل جائیداد وقف بورڈ کے ہاتھ دے دیا جائے، پارٹی زور پکڑنے لگی،

---

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الرابع في الهدية: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، ومايكره أكله ومالايكره ومايتعلق بالضيافة: ۳/۴۰۰، رشيديه)

پھر بھی صدر صاحب نے بلا کر دریافت کیا کہ آپ تنخواہ کیوں نہیں لیتے، انہوں نے کہا کہ ہمیں تنخواہ مل جاتی ہے اور ہمیں ضرورت نہیں بعد میں انجمن اسلامیہ کو قبل ایک ماہ درخواست دیا کہ ہماری تنخواہ دو۔ بعد میں صدر صاحب سے ایک ماہ کے بعد تنخواہ نہیں لی اور کہا نہیں۔

دریافت کرنے پر پتہ لگا کہ لوگوں سے پاتے ہیں، انجمن اسلامیہ کی جانب سے ایک اطلاع دی گئی کہ آج سے تم کو امامت سے ہٹا دیا گیا، پھر بھی امام صاحب اپنی پارٹی کے لوگوں کے سہارے اب تک ہیں۔ اور ایک ماہ قبل انجمن اسلامیہ کو درخواست دی ہے کہ ہماری تنخواہ دو، اس حالت میں کیا انجمن اسلامیہ ان کو دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب سے انجمن اسلامیہ نے ان کو ملازمت امامت سے الگ کردیا اور اطلاع دے دی، وہ تنخواہ پانے کے حق دار نہیں رہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "والثاني وهو الأجير الخاص، وهو من يعمل لواحدٍ عملاً مؤقتاً بالتخصيص، ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/۶۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۸/۵۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثامن والعشرون ...... الخ: ۴/۵۰۰، رشيديه)

باب الإجارة الفاسدة

(اجارۂ فاسدہ کا بیان)

پگڑی

سوال[۱۰۹۲۸]: ۱...... بمبئی میں عام طور سے لوگ دوسروں کی بلڈنگوں میں کرایہ پر رہتے ہیں، جن کو مالک مکان بھی قانوناً نکال نہیں سکتا ہے، اسے صرف کرایہ وصول کرنے کا حق ہے اور بوقت ضرورت کرایہ دار اپنے ان مکانوں کو جو اُن کی ملکیت نہیں، آپس میں بڑی بڑی رقم پر خرید وفروخت کرتے ہیں، یہاں اس رقم کو "پگڑی" کہتے ہیں، اس معاملہ میں اصل مالک کو دخل نہیں ہوتا، حالانکہ اس طرح کا معاملہ قانوناً بھی جرم ہے، مگر اس کے باوجود اس کا عام رواج ہے اور سب جانتے ہیں، حتیٰ کہ اس کے لئے مستقل دلال ہوتے ہیں، جو درمیان میں پڑکر معاملہ طے کراتے ہیں، چونکہ بمبئی میں مکانات کی سخت قلت ہے، اگر ایسا نہ ہو، تو یہاں کسی کو مکان نہیں مل سکتا۔

موجودہ حالات میں پگڑی کی رقم بھاری مقدار میں پہونچ گئی ہے، اگر کسی وجہ سے کسی کو مکان تبدیل کرنا ہے تو اس صورت حال کے بغیر چارہ نہیں ہے، اب اسے عموم بلویٰ کہا جائے یا عرف عام؟ بہرحال یہاں اس کے بغیر مفر نہیں ہے، شرعاً کرایہ داروں کا یہ صفقہ بیع وشراء صحیح ہے یا نہیں؟

پگڑی میں مالک کا حصہ

سوال[۱۰۹۲۹]: ۲...... اس طرح معاملہ ہوجانے کے بعد بائع ومشتری دونوں مالک مکان کے پاس جاتے ہیں اور طے شدہ رقم کا ایک حصہ مثلاً: چوتھائی اسے دیتے ہیں، اس کے بعد وہ مکان کے کرایہ کا بل (رسید) نئے کرایہ دار کے نام کردیتا ہے، تاکہ اس کی طرف سے اور قانون کی طرف سے نئے کرایہ دار کو حق رہائش حاصل ہوجائے، مالک مکان کرایہ تو وصول کرتا ہی ہے، اس کے علاوہ اس صورت میں مزید رقم وصول کرتا

ہے، عام طور سے یہ رقم پرانے کرایہ دار نئے کرایہ دار یا مشتری سے یوں وصول کرتا ہے کہ اگر پندرہ ہزار میں معاملہ طے ہوا ہے، تو اس سے مالک مکان کے حصہ کا مزید پانچ ہزار روپے وصول کر کے اسے دیتا ہے، مالک مکان کو یہ رقم لینی جائز ہے یا نہیں؟

اگر مالک مکان نہ لینا چاہے تو کس کو یہ رقم لوٹائے

سوال[۱۰۹۷۰]: ۳...... بسا اوقات ایک بلڈنگ کے کئی مشترک مالک ہوتے ہیں، جن میں مسلم اور غیر مسلم سب ہی ہو سکتے ہیں، اگر ایک مالک یہ رقم نہ لینا چاہے اور دوسرے مالک لینا چاہتے ہیں، ایسی صورت میں اختلاف ہوتا ہے اور معاملہ خراب ہوتا ہے، ایسی صورت میں نہ لینے والا مالک اگر یہ رقم لے تو اسے خود استعمال کر سکتا ہے یا مکان کی مرمت وغیرہ میں لگا سکتا ہے، یا نہیں؟ اور اگر ناجائز ہونے کی صورت میں اسے اپنے طور سے واپس کرنا چاہے تو کس کو دے؟ پرانے کرایہ دار کو یا نئے کرایہ دار کو یا پھر غرباء ومساکین میں تقسیم کر دے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... کرایہ دار کو اس کا تو حق ہے کہ جس کرایہ پر اس نے مکان لیا ہے، اسی کرایہ پر دوسرے کو وہ مکان دے دے، لیکن جتنا کرایہ اس نے مالک مکان کو دیا ہے، اس سے زیادہ کرایہ کسی سے وصول کرنے کا حق نہیں، البتہ اگر مکان میں الماری وغیرہ لگا کر اس کو شاندار بنا دے، تو جس قدر اس نے خرچ کیا ہے، اس کو وصول کرنے کا حق ہے(۱)۔

---

(۱) "وله السكنى بنفسه وإسكان غيره بإجارة وغيرها ..... ولو آجر بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسألتين: إذا آجرها بخلاف الجنس أو أصلح فيها شيئاً". (الدرالمختار). "(قوله: أو أصلح فيها شيئاً) بأن جصصها، أو فعل فيها مسناة، وكذا كل عمل قائم ؛لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۲/ ۲۹، سعيد)

"وإذا استأجر داراً وقبضها، ثم آجرها فإنه يجوز إن آجرها بمثل ما استأجرها أو أقل، وإن آجرها بأكثر مما استأجرها فهي جائزة أيضاً..... لو زاد في الدار زيادة كما لو وتدفيها وتداً أو حفر فيها بئراً أو طينا أو أصلح أبوابها أو شيئا من حوائطها طابت له الزيادة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب =

۲......اصل مالک مکان کوحق ہے کہ جس کرایہ پر چاہے، مکان دے اور دوسرے کرایہ دار کو دینا چاہے تو اس سے بھی جو معاملہ چاہے، طے کر لے(۱)، نیز اس کوحق ہے کہ جس قدر چاہے، پیشگی طے کر لے(۲)، لیکن ایک کرایہ دار کوحق نہیں کہ وہ اس کرایہ سے زیادہ کسی کرایہ دار سے وصول کرے، جو خود ادا کرتا ہے(۳)۔

۳...... یہ رقم لے کر اس کو واپس کردے، جس سے لی ہے(۱)۔

= الإجارة، الفصل السابع في إجارة المستأجر: ۴/۴۲۵، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور والبيوت: ۸/۱۱۳، حبيبيه كوئٹه)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول في بيان بعض قواعد في أحكام الأملاك: ۴/۱۳۲، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

"لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۴/۵۰۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان في تعجيل الأجرة وتأجيلها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۵، رقم المادة: ۴۷۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"تلزم الأجرة بشرط تعجيل يعني لو شرط أن تكون الأجرة معجلة لزم المستأجر تسليمها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۲۱، حنفيه كوئٹه)

"اعلم أن الأجرة لا يلزم بالعقد ...... بل بتعجيله أو شرطه في الإجارة المنجزة". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۱۰، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الإجاره: ۸/۹، رشيديه)

(۳) "لو اٰجر بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسألتين إذا اٰجرها بخلاف الجنس أو أصلح فيها شيئاً". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۲۹، سعيد)

"فإن اٰجره بأكثر مما استأجره به من جنس ذلك ولم يزد في الدار شيء ...... لا تطيب له الزيادة عند علمائنا رحمه الله تعالىٰ". (المحيط البرهاني، كتاب الإجارة، الفصل السابع في إجارة المستأجر: ۹/۱۲۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور: ۸/۱۱۳، حبيبيه كوئٹه)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

کرایہ دار کا پگڑی دے کر شرائط طے کرنا

سوال[۱۱۰۹۷]: دکان کرایہ پر دینے سے پہلے مالک دکان کو کچھ الگ اس وجہ سے دیئے جائیں کہ اس دوکان کا محل وقوع اچھا ہے، جس کو پگڑی کہا جاتا ہے، اس کے بعد صاحبِ دکان کو یہ اختیار نہیں رہے گا کہ جب چاہے وہ اپنی دکان واپس لے لے، بلکہ کرایہ لینے کا اختیار ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ پھر دوسرے کو بھی اس طریقہ سے الگ رقم لے کر کرایہ پر دے دے۔ اور اگر کرایہ پر لینے والے کا جی چاہے، تو صاحب دکان کو اس کی دکان واپس کردے، واپس کرنے سے پہلے تک صاحب دکان کو کرایہ ملتا رہے گا، چاہے وہ دکان دوسرے یا تیسرے کے پاس اسلوب مذکورہ سے منتقل ہوجائے، تفصیلی جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ طریقہ شرعاً غلط ہے کہ مالک بے اختیار ہوجائے اور کرایہ دار کے تصرفات ہی ہمیشہ نافذ ہوتے رہیں، پگڑی دینا اور یہ شرط کرلینا کہ کرایہ دار خالی نہیں کرائے گا، بلکہ جس کو دل چاہے گا، اس کو کرایہ پر دے دے گا اور جو کرایہ چاہے گا وہ اس سے وصول کرے گا، مقتضائے عقد کے خلاف ہے، جو کہ مفسد ملک ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(۱) "تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع يفسدها". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۴۶/۶، سعيد)

"(وتفسد الإجارة بشروط) ...... قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: كل شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد المتعاقدين يفضي إلى المنازعة فيفسد الإجارة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲۹/۸، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۹۲/۹، رشيديه)

زمین کرایہ پر لے کر دوسرے کو اس سے زائد کرایہ پر دینا

سوال [۱۰۹۷۲]: درگاہ مسجد کمپاؤنڈ میں سے کچھ مکانات ہیں، جو وقف ہیں، مکانات معمولی قسم کے ہیں، ان مکانات میں سے ایک مکان کرایہ دار نے اپنے مکان کی مرمت ودرستگی پر کچھ صرفہ کیا، مثلاً: چار سو یا پانچ سو روپیہ حال ہی میں اس نے اپنا یہ مکان دوسرے آدمی کو جو اس مکان کو لینے کے لئے مجبور تھا، تین ہزار پانچ سو کی رقم لے کر دے دیا، اس کو پگڑی کا معاملہ سمجھئے، یہ وقف کے کارکن کی مرضی کے خلاف ہوا، اب سوال یہ ہے کہ یہ مکان جماعت اور کارکنوں کو واپس کرنا چاہیئے تھا اور جو رقم مرمت وغیرہ پر صَرف ہوئی، وہ ذمہ داران سے لینا چاہیئے تھا۔

پانچ سو یا چھ سو روپیہ کی رقم کرایہ دار کو ملتی ہے، اب جو معاملہ کیا گیا، اس میں ساڑھے تین ہزار روپے کی رقم طے ہوئی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ رقم جو صرفہ سے زائد ملی ہے، اس کا لینا جائز ہے یا ناجائز؟

۱- مکان وقف کی ملکیت ہے۔

۲- معاملہ کرنے والا کرایہ دار ہے۔

۳- جو جماعت وقف کا انتظام کرتی ہے، اس کی اجازت کے بغیر معاملہ ہوا ہے۔

۴- جو معاملہ کیا گیا ہے، اس میں جبر کا بھی ایک پہلو ہے، وہ یہ کہ جس شخص نے یہ مکان لیا ہے، وہ اپنے ہوٹل کے لئے اس کا لینا ضروری جانتا تھا، اس مجبوری میں اس نے یہ رقم زائد دی ہے، ورنہ اس رقم کا ملنا ممکن نہیں تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنی مکان کی مرمت میں صَرف کی ہے، اتنی رقم لینا درست ہے، اس سے زائد کو صدقہ کردے۔

"وله السكنى بنفسه، وإسكان غيره بإجارة، وغيرها ولو اجر بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسئلتين، إذا اجر بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً اھ" درمختار.

"قوله: إذا صلح فيها شيئاً بأن جصصها، أو فعل فيها مسناة، وكذا كل عمل قائم؛ لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملا لأمره على

الصلاح" کما فی المبسوط" اھ(۱)۔ شامی: ۵/۱۸، نعمانیہ۔

جماعت منتظمہ وقف کی اجازت کے بغیر ہی کرایہ پر دینا درست ہے(۲)، مگر وقف کی جائیداد کو اجارۂ طویلہ پر دینے کی کتب فقہ میں اجازت نہیں دی گئی، کیونکہ اس میں اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۷/۸۷ھ۔

پیداوار میں سے مخصوص مقدار کی شرط پر زمین کاشت کے لئے دینا

سوال[۱۰۹۷۳]: ہمارے یہاں زمین مول دی جاتی ہے، یعنی کاشت کار سے اقرار نامہ لکھوا کر اپنی زمین پر اس کو کاشت کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، اقرار نامہ میں ذیل میں درج کی گئی صورتیں ہوتی ہیں۔

''نقد روپیہ لے کر زمین پر کاشت کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، فصل سے پہلے ہی یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ جو بھی فصل ہوگی، اس میں معینہ مقدار مثلاً: دس من غلہ زمین دار کو دیا جائے گا، چاہے پیداوار اچھی ہو یا خراب ہو، دونوں صورتوں میں مقررہ مقدار

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الإجارة، باب مایجوز من الإجارة ومایکون خلافاً: ۶/۲۹، سعید)

"وله أن يسكنها من أحب، فإن اجرها بأكثر مما استأجرها تصدق بالفضل، إلا أن يكون أصلح منها بناء أو زاد فيها شيئاً فحينئذٍ يطيب له الفضل". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور: ۸/۱۳۱، حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، باب إجارة المستأجر: ۹/۱۲۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱

(۳) "(ولم تزد في الأوقاف على ثلاث سنين) في الضياع". (الدر المختار). "(قوله: في الأوقاف) وكذا أرض اليتيم، وأفتى به صاحب البحر، وأكثر كلامهم على أنه المختار المفتى به لوجود العلة فيهما، وهي صونهما عن دعوى الملكية بطول المدة بل هذا أولىٰ". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/۲، سعيد)

"قال رحمه الله تعالىٰ: ولم تزد في الأوقاف على ثلاث سنين يعني لايزاد على هذه المدة خوفاً من دعوى المستأجر أنها ملكه إذا تطاولت المدة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۸/۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۶/۸۹، ۸۰، دار الكتب العلمية بيروت)

زمیندار کو دینا ہے''۔

کیا یہ صورتیں جائز ہیں؟ اگر نہیں تو کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت جائز نہیں ہے، ہاں! اگر اس طرح معاملہ کرلیا جائے کہ یہ زمین تم کو دی جاتی ہے، اس میں جو دل چاہے، کاشت کرو، ہم کو اس کی معاوضہ میں دس من فلاں غلہ دے دو، تو جائز ہے، خواہ غلہ کہیں سے لاؤ، یہ قید نہ ہو، کہ اسی زمین کی پیداوار سے غلہ دیں گے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: نظام الدین غفرلہ، ۲۷/۱۱/۹۰ھ۔

وکیل کا خرید میں نفع لینا

سوال [۱۰۹۷۴]: میری والدہ کی بیوہ پڑوسن نے کراچی سے روپیہ روانہ کئے، یہاں سے جڑاؤ زیور خرید کر روانہ کرنے میں مختلف جگہ سے ایک ایک چیز خرید کر اس پر اپنا نفع رکھ کر ان کو روانہ کئے ہوں تو کیا یہ نفع لینا جائز ہے؟ وہ عورت تو بیوہ ہے، لیکن ان کا لڑکا اچھا ملازم ہے، سسرال والے بھی مدد کرتے ہیں، میرا روپیہ، وقت خرچ ہوا، محنت کرکے، محنت کا نفع لیا جاسکتا ہے، میری کوئی دکان نہیں ہے، دکان سے سامان خرید کر اس پر اپنا نفع رکھتی ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے اس بیوہ کے بھیجے ہوئے روپیہ سے اس کے لئے سامان خریدا، اس پر آپ کو نفع لینا جائز

---

(۱) "(وسئلت) فيمن استاجر أرضا بيضاء للزراعة بكذا وكذا قفيزاً من الغلة، هل يجوز ذلك؟ "فالجواب" نعم! يجوز إذا كانت الأجرة مشار إليها، أو موصوفة في ذمته، ولا تكون من الغلة التي تخرج من زرع الأرض المستأجرة، كذا في فتاوىٰ قارئ الهداية". (الفتاوىٰ الكاملية، كتاب الإجارة، ص: ۱۹۱، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في قفيز الطحان الخ: ۴/۴۴۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، ۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۱۴، رشيديه)

نہیں (۱)، البتہ بازار جانے، دکان سے خریدنے میں، جو آپ کا وقت خرچ ہوا، حق المحنت کی حیثیت سے آپ ان سے مطالبہ کرسکتی ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۵/ ۱۴۰۰ھ۔

کھجور کا رس نکالنے کی اجرت

سوال [۱۰۹۷۵]: ۱...... کھجور کے درختوں کو رس نکالنے کے لئے کرایہ پر دینا کیسا ہے؟ جب کہ معلوم ہے کہ رس نشہ لانے کی حالت میں فروخت ہوگا۔

۲...... بعض لوگوں نے کھجور کے درختوں کو رس نکالنے کے لئے دے دیا اس شرط پر کہ اس کے بدلہ ایک گھڑی دے دینا، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... منع ہے (۳)۔

---

(۱) اس لئے یہ کہ اصل بیوہ کی ملکیت ہے اور غیر کی ملک میں بلا اجازت تصرف کرنا جائز نہیں۔

"لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۴۴۴/۲، إدارة القرآن)

(وكذا في القواعد الكلية بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

(۲) "تلزم الأجرة باستيفاء المنفعة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة، الباب الثالث، الفصل الثاني: ۲۶۲/۱، رقم المادة: ۴۶۹، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"والأجير الخاص من يتقبل العمل من واحد، وإنما يعرف استحقاق الأجر بالعمل على العبارة الأولىٰ بإيقاع العقد على العمل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثامن والعشرون في بيان حكم الأجير الخاص والمشترك، الفصل الأول: ۵۰۰/۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶۹/۶، سعيد)

(۳) "(والظئر بأجر معين لتعامل الناس بخلاف بقية الحيوانات لعدم التعارف) (قوله: لتعامل الناس) علة =

۲......منع ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۲۸/ ۱۱/ ۸۵ھ۔

ڈرائیور کا کسی کی رعایت کرنا

سوال[۱۰۹۷۶] :۱......احقر ایک موضع پر بسلسلہ تعلیم قرآن پاک بلایا گیا ہے، بلانے والے صاحب میں ایک صاحب بس کے ڈرائیور ہیں، حیدرآباد سے احقر مع اہل وعیال وسامان کے آرہا تھا، تو اتفاق سے ان کی بس میں سوار ہونا پڑا، انہوں نے کہا کہ آپ سامان وغیرہ کا ٹکٹ مت کٹوائیں، اس لئے کہ میں سرکاری ڈرائیور ہوں، اس لئے ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے میرے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں، تو احقر نے یہ مسئلہ بتایا کہ گو

= للجواز، وهذا استحسان؛ لأنها ترد على استهلاک العين وهو اللبن ...... وفي التاتارخانية: استأجر بقرة يشرب اللبن، أو كرماً، أو شجراً ليأكل ثمره، أو أرضا ليرعى غنمه القصيل فهو فاسد كله". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/ ۵۳، سعيد)

"وإذا عرف أن الإجارة بيع المنفعة، فنخرج عليه بعض المسائل فنقول: لا تجوز إجارة الشجر والكرم للثمر". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، فصل في ركن الإجارة: ۵/ ۵۱۸، دارالكتب العلمية بيروت)

"لاتجوز إجارة الشجر على أن الثمر للمستأجر، وكذلک لو استأجر بقرة أو شاة ليكون اللبن والولدله". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر: ۴/ ۴۴۲، رشيديه)

(۱) "(ويفسد الإجارة الشرط) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين يفضي إلى المنازعة فيفسد الإجارة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/ ۲۹، رشيديه)

"تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع يفسدها". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/ ۴۶، سعيد)

"(وصح استئجار الظئر بأجرة معلومة) والقياس أن لايصح؛ لأنه ترد على استهلاک العين وهو اللبن، كاستئجار البقرة أو الشاه يشرب لبنها أو البستان ليأكل ثمره". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/ ۱۲۲، دارالكتب العلمية بيروت)

آپ سرکاری ڈرائیور ہوں گے، آپ کی ذات کی حد تک یہ ہوسکتا ہے کہ گورنمنٹ کچھ چارجز معاف کردے، لیکن جب آپ کا کوئی عزیز یا پہچانتی آدمی سفر کرے تو غالباً شرعی حکم یہی ہے کہ آپ کو کوئی حق نہیں کہ بلاٹکٹ سفر کرائیں، تو انہوں نے مان لیا اور ٹکٹ وغیرہ کٹوائے گئے، مناسب ہوا یا نہیں؟ رہبری چاہتے ہیں۔

۲...... اب بعض منتظمین مدرسہ کو یہ شکایت ہے اور یوں کہتے ہیں کہ جب وہ خود بلاٹکٹ سامان وغیرہ لانے کو تیار تھے، تو آپ کو کیا ضرورت تھی ٹکٹ کٹوانے کی، وہ خود ذمہ دار تھے، بیچارے ڈرائیور صاحب صرف یہ خیال کر رہے ہیں کہ چونکہ میں سرکاری ڈرائیور ہوں، اس لئے مجھے جب کسی نوع سے کسی کی اعانت وغیرہ کرنی ہو تو مجھے حق ہونا چاہیے، کیا ان کے خیال کے لحاظ سے جب یہ چاہیں اپنے عزیز اہل وعیال، اپنے بچوں کے استاد وغیرہ کو بلاٹکٹ سفر کرانے کے شرعاً مجاز ہیں یا نہیں؟

۳...... لاعلمی سے یا کسی دنیاوی قانون پر قیاس کر کے کوئی شخص غلط کام کرتا ہو، تو جس کو مسئلہ معلوم ہو، غلط کام سے روکنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر مجاز ہوں تو اب جو شخص سفر کر رہا ہو، تو خاموشی پر بے عملی کا گناہ ہوگا یا نہیں؟

۴...... زید جس کے ڈرائیور یا اور کوئی ملازم ہیں، ان کا وطن بس ڈپو سے تیس بتیس میل یا اس سے کم وبیش پر ہے، جب ان کو وطن آنا ہوتا ہے، تو دوسری بس میں بلاٹکٹ کے آجاتے ہیں، ان کا اس طرح کا سفر شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا (۱)۔

۲...... لاعلمی سے یا علم کے باوجود جو شخص ناحق رعایت کرتا ہو، اس کو مسئلہ بتایا بھی جائے اور ناحق رعایت حاصل کرنے سے بھی احتیاط کی جائے (۲)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأمر بالمعروف وانه عن المنكر﴾ (لقمان: ۱۷)

"عن طارق بن شهاب قال: قال أبوسعيد: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، وإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الأيمان". (سنن النسائي، كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان: ۷/۴۸۶، دارالمعرفة بيروت)

(وسنن الترمذي، كتاب الفتن، باب ماجاء في تغيير المنكر: ۳/۱۱۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

۳......آپ پر کوئی بار نہیں۔

۴......ان دوسرے ڈرائیور کو اگر مالک کی طرف سے اختیار دیا گیا ہے، تو درست ہے، ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۱/ ۸۷ھ۔

رکشہ کا کرایہ مقرر نہ کیا گیا ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال[۱۰۹۷۷]: ایک دفعہ سفر میں رکشہ والے سے کرایہ کے سلسلے میں معاملہ نہ ہوا، بلکہ یہ مقامی صاحب سے معمول کے مطابق کرایہ کیا ہے پوچھ کر دیا گیا، رکشہ والے نے لینے سے انکار کیا، بلکہ دُگنا دینے کو کہا، مگر احقر نے مقامی صاحب کی بات کو صحیح سمجھ کر صرف ایک گنا کرایہ ہی دیا، مگر درمیان میں ایک صاحب نے کہا کہ جو صاحب رکشہ کا کرایہ بتلاتے ہیں ان کے پاس جاؤ، اگر وہ بھی مناسب سمجھیں، تو اس کو مزید کرایہ دو، تو وہ صاحب بات کو سمجھے نہیں، بلکہ وہ ایک گنا اور دے دیئے، رکشہ والا ان سے لے کر خاموش بیٹھ گیا، احقر کو معلوم ہوا تو رکشہ والے سے باز پرس کی زائد پیسے اس سے لے لئے، تو کیا مزید کرایہ جو واپس لے لیا گیا، پھر دے دینا چاہیے یا جو مناسب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اصولی غلطی آپ نے کی کہ رکشہ والے سے پہلے پیسہ طے نہیں کئے، بلکہ کرایہ مجہول رکھا، جس سے نزاع پیدا ہوا، شریعت کا حکم ہے کہ کرایہ صاف کرلیا جائے، مجہول نہ رکھا جائے (۱)، اگر وہاں کا کرایہ مشہور ومعروف یا میونسپلٹی کی طرف سے مقرر شدہ ہے، جو اس نے وصول کرلیا ہے، تو اب واپس لینے کا حق نہیں رہا تھا۔

(۱) "وشرطها: كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة". (الدرالمختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: أما الأول: فكقوله بكذا دراهم، أو دنانير، وينصرف إلى غالب نقد البلد". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/۵، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، الفصل الأول: ۶/۸۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۶/۷۷، دارالكتب العلمية بيروت)

جس قدر اس سے واپس لیا ہے، وہ اس کو دوبارہ دے دیا جائے (۱)، اگر کرایہ وہ ہے جو آپ نے تجویز کیا ہے، تو جتنی مقدار پہلے دے چکے تھے بس وہی اس کا حق ہے، جتنی مقدار مقرر اس نے وصول کی اور آپ نے اس سے واپس لے لی، وہ اس کا حق نہیں (۲)، لیکن اپنے نفس کی اصلاح کے لئے وہ مقدار بھی اس کو دوبارہ دے دیں، تا کہ آئندہ ہمیشہ معاملہ صاف کر کے رکشہ میں سوار ہوا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مکان کرایہ پر دیتے ہوئے شرط فاسد لگانا

سوال[۱۰۹۷۸]: زید نے اپنا مکان اور نقد روپیہ قرض عمر کو اس شرط پر دیا کہ تم اس روپیہ کو اپنی تجارت میں لگاؤ اور مکان کو بطور گودام استعمال کرو، لیکن شرط یہ ہے کہ تم کو ہمہ وقت بقدر قوت از مقروضہ ضمانت کے طور پر مال گودام میں رہنے دینا ہوگا، ہم تم سے صرف گوداموں کا کرایہ وصول کریں گے، روپیہ کا معاوضہ کچھ بھی نہیں لیں گے، بعد میں تم ہمارا روپیہ طلب کرنے پر صرف ہمارا روپیہ ادا کرنا، کرایہ گودام کے علاوہ ہم اور کوئی معاوضہ لینے کے حق دار نہیں ہوں گے۔

سوال یہ ہے کہ یہ صورت شرعاً درست ہے یا نہیں؟ یا اس میں بھی سود اور عدم جواز کا حکم عائد ہوتا ہے۔

---

(۱) "لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزیر: ۱۶۷/۲، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف: ۶۸/۵، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزیر: ۱۶۵/۳، إمدادیه ملتان)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنو لاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارة عن تراض منکم﴾ (النسا: ۲۹)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، ص: ۲۵۵، قدیمی)

"لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي". (البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف: ۶۸/۵، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکان کرائے پر دینا مستقل معاملہ ہے اور روپیہ قرض دینا مستقل ہے، جو روپیہ قرض دیا ہے اس کے لئے بطورِ ضمانت یہ شرط لگائی جائے کہ بقدرِ قرض مال گودام میں موجود رہنا چاہیے، جیسے کہ رہن کو بطورِ ضمانت رکھا جاتا ہے کہ اپنا قرض وصول کرنے میں کچھ سہولت رہے، اس صورت میں شرعاً سود نہیں (۱)، اگر مکان کرایہ پر دینے کے لئے اس طرح قرض اور گودام میں مال رکھنے کو شرط قرار دیا جائے تو اجارہ فاسد ہوگا۔

"وتفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع يفسدها اه" الدرالمختار مع هامش الشامي نعمانيه: ٥/٢٩(٢).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۷/۸۵ھ۔

شکمی کرایہ دار

سوال[۱۰۹۷۹]: ہمارے یہاں ایک صاحب متقی ہیں جو کہ تبلیغی جماعت کے رکن بھی ہیں، جامع مسجد کی ایک دکان کئی سال سے کرائے پر لئے ہیں، بذاتِ خود وہ اس کو استعمال نہیں کرتے، بلکہ ہمیشہ شکمی کرائے دار رکھتے ہیں، دکان کا کرایہ مسجد کی کمیٹی کو صرف آٹھ روپے ماہوار دیتے ہیں اور شکمی کرائے دار سے یہ پندرہ

(۱) "الرهن هو لغة حبس الشيء وشرعاً: حبس شيء مالي بحق يمكن استيفاؤه منه كلا أو بعضاً كالدين". (الدرالمختار، كتاب الرهن: ٦/٤٧٧، ٤٧٨، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الرهن: ٨/٤٢٨، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الرهن: ٤/٢٦٩، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الإجاره، باب الإجارة الفاسدة: ٦/٤٦، سعيد)

"(وتفسد الإجارة بشرط) قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين يفضي إلى المنازعة فيفسد الإجارة". (البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٨/٢٩، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٩/٩٢، رشيديه)

روپے وصول کرتے ہیں، اس طرح سات روپے وہ ہر ماہ نفع کماتے ہیں، کیا یہ نفع جائز ہے؟ اور یہ نفع سود کہلائے گا؟ کیا کسی اور ڈھنگ سے شکمی کرایہ دار سے نفع حاصل کرتے کے مستحق ہیں؟ کیا یہ شکمی کرایہ دار مسجد کی کمیٹی سے قانونی طریقہ سے دکان اپنے نام الاٹ کراسکتا ہے اور اپنا کرایہ کمیٹی کو دینا شروع کردے، اس طرح شکمی کرائے دار اصل کرائے دار کے درمیان جو پندرہ روپے ماہوار کرایہ دینے کا معاہدہ ہوا ہے، ایسی صورت میں وہ اسلامی نقطۂ نظر سے غلطی پر ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نفع لینا درست نہیں، اگر چہ یہ سود بھی نہیں، اگر دکان پر کچھ خرچ مثلاً: اس میں الماری، کیواڑ وغیرہ لگا کر اس کی حیثیت بڑھایا تو اتنی حد تک نفع لینے کی اجازت ہے(۱)، کمیٹی کو اختیار ہے کہ اصل کرایہ دار کے معاملہ کو ختم کرکے شکمی کرایہ دار سے معاملہ کرلے اور کرایہ دار کو چاہیے کہ اپنا واسطہ درمیان سے ختم کردے اور مسجد کی دکان سے خود اس طرح نفع نہ کمائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

قرض لے کر مکان کرایہ پر دینا

سوال[۱۰۹۸۰]: ایک شخص نے اپنے کرایہ دار سے کہا کہ تو مجھے پانچ ہزار روپیہ دے دے، جب

---

(۱) "وله السكنى بنفسه، وإسكان غيره بإجارة وغيرها ...... ولو اجر بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسألتين: إذا اجرها بخلاف الجنس أو أصلح فيها شيئاً". (الدرالمختار). "(قوله: أو أصلح فيها شيئا) بأن جصصها، أو فعل فيها مسناة، وكذا كل عمل قائم ؛لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۲۹/۶، سعيد)

"وله أن يسكنها من أحب ...... فإن اجرها بأكثر مما استأجرها تصدق بالفضل، إلا أن يكون أصلح منها بناء أو زاد فيها شيئاً فحينئذ يطيب له الفضل". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإمارات، باب إجارة الدور والبيوت: ۱۱۳/۸، حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الإجارات، الفن الثاني: ۳۸۸/۲، ۳۸۹، إدارة القرآن كراچی)

تک تیرا روپیہ ادا نہ کردوں، اس وقت تک تجھ سے مکان کا کرایہ نہیں لوں گا، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانچ ہزار روپیہ اس شرط پر قرض لینا کہ واپسی تک دکان یا مکان کے کرایہ نہ لے گا، یہ سود ہے جو کہ ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

قبرستان کے تاڑ غیر مسلم کو سالانہ ٹھیکہ پر دینے کا حکم

سوال[۱۰۹۸۱]: ہمارے قریہ میں مسلمانوں کی ایک انجمن ہے، جس کے زیرِ نگرانی قبرستان کی دیکھ بھال بھی ہے، قبرستان میں چند پھل دار اور چند غیر پھل دار درخت بھی ہیں، جن سے ایک خاصی رقم حاصل ہوتی ہے، منجملہ تمام درختوں کے کچھ درخت تاڑ (۲) کے بھی ہیں، ذمہ داران انجمن مذکورہ تاڑ کے درختوں کو پاسی (اہل ہنود کی ایک قوم) کے ہاتھ نیلام کردیتے ہیں، پاسی ان تاڑ کے درختوں سے تاڑی (۳) کشید کرتے ہیں جو بعدِ آفتاب سے دن بھر فروخت ہوتی رہتی ہے۔ اور لوگ قبرستان میں اور باہر بھی لیتے رہتے ہیں، جو رقم سالانہ ٹھیکہ پر حاصل ہوتی ہے، ارکانِ انجمن اس رقم کو قبرستان کے تعمیری کاموں میں صَرف کردیتے ہیں، مندرجہ بالا

(۱) "قال عليه الصلاة والسلام: "كل قرض جر منفعة فهو ربا". (فيض القدير: ۹/۴۴۸۷، رقم الحديث: ۶۳۳۶، مصطفىٰ الباز رياض)

"كل قرض جرّ نفعاً فهو رباً". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمي)

"القرض بالشرط حرام، والشرط لغو ...... وفي الأشباه: "كل قرض جرّ نفعاً فهو رباً".

(الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۵/۱۶۶، سعيد)

"كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقات والمزارعة: ۱/۵۷۵، دارالعلوم كراچى)

(۲) "تاڑ: کھجور کی قسم کا ایک لمبا درخت، جس سے ایک نشہ آور مشروب تاڑی نکالتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۶۰، فیروز سنز لاہور)

(۳) "تاڑی: تاڑ کا نشہ آور رَس"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۶۰، فیروز سنز لاہور)

استفتاء میں چند باتیں غور طلب ہیں:

۱...... تاڑ کے درختوں کو پاسیوں کو ٹھیکہ پر دینا جب کہ معلوم ہے کہ یہ لوگ محض تاڑی کشید کرنے کے لئے ہی لیتے ہیں، کیا یہ ٹھیکہ کا عمل عند الشرع حرام ہے یا نہیں؟

۲...... جو رقم اس ٹھیکہ سے حاصل ہوئی، اس کو تعمیر نیز حفاظتی کاموں میں یا ایصالِ ثواب کے لئے صَرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ ٹھیکہ کا معاملہ شرعاً جائز نہیں، اس لئے کہ ٹھیکہ یعنی اجارہ نام ہے تملیک منافع بالعوض کا اور یہاں منافع نہیں، بلکہ وہ لوگ تحصیل عین کرتے ہیں (۱) اور یہ بیع بھی نہیں، اس لئے کہ مبیع صورتِ مسئولہ میں نہ متعین ہے، نہ (اس کی) مقدار (معلوم) ہے (۲)۔

۲...... یہ رقم مواقع مذکورہ میں خرچ نہ کی جائے (۳)۔

---

(۱) "حقيقة الإجارة تمليك المنافع بعوض دون تمليك الأعيان، فإن تمليك الأعيان بعوض هو البيع لا غير". (فتح القدير، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۱۰۵/۹، رشيديه)

"وإذا عرف أن الإجارة بيع المنفعة، فنخرج عليه بعض المسائل فنقول: لا تجوز إجارة الشجر والكرم للثمر؛ لأن الثمر عين والإجارة بيع المنفعة لا بيع العين". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة: ۵۱۸/۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"استأجر بقرة لشرب اللبن أو كرما أو شجر اليأكل ثمره ...... فهو فاسد كله". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۳/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر: ۴۴۲/۴، رشيديه)

(۲) "وشروط لصحته معرفة قدر مبيع وثمن". (الدرالمختار، كتاب البيوع: ۵۲۹/۴، سعيد)

"ومنها: أن يكون المبيع معلوماً والثمن معلوماً علماً يمنع من المنازعة، فبيع المجهول جهالة تفضي إليها غير صحيح". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول: ۳/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۳/۵، رشيديه)

(۳) "امرأة نائحة، أو صاحبة طبل أو زمر اكتسبت مالاً ردته على أربابه إن علموا، وإلا يتصدق به". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، الفاسدة: ۵۵/۶، سعيد) ....=

۳...... مسکر (نشہ آور) ہو، تو بیچنا بھی ناجائز اور پینا بھی۔ "لقولہ علیہ السلام کل مسکر حرام(۱) وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "إنّ الذي حرم شربها حرم بیعها"(۲)۔

خواہ قبرستان میں ہو یا کسی اور جگہ، قبرستان تو ویسے بھی عبرت کی جگہ ہے، ناؤ ونوش کی جگہ نہیں، وہاں مباح چیزوں کی بھی بیع وشراء وغیرہ سے بچنا چاہیے، اس کو بازار نہ بنایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۹۱ھ۔

خادمہ کی اجرت میں کھانا کپڑا مقرر کرنا

سوال[۱۰۹۸۲]: ہمارے یہاں ایک مامی کھانا پکاتی ہے، اس سے طے ہے کہ دونوں وقت کا کھانا

= "لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد". (البحر الرائق، کتاب الکراھیة، فصل في البیع: ۳۶۹/۸، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراھیة، الباب الخامس عشر في الکسب: ۳۴۹/۵، رشیدیه)

(۱) (مشکاة المصابیح، باب بیان الخمر ووعید شاربها، الفصل الثالث: ۲۶۸/۲، رقم الحدیث: ۳۶۵۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وسنن النسائي، کتاب الأشربة، باب تحریم کل شراب أسکر، ص: ۷۶۰، رقم الحدیث: ۵۲۰۱، دار السلام ریاض)

(وسنن ابن ماجة، کتاب الأشربة، باب کل مسکر حرام، ص: ۴۹۰، رقم الحدیث: ۳۳۸۶، دار السلام ریاض)

(۲) (صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الخمر: ۲۲/۲، سعید)

"عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه أنه سمع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: إن الله حرم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام". (إعلاء السنن، کتاب البیوع، أبواب البیوع الفاسدة، باب حرمة بیع الخمر: ۱۰۴/۱۴، إدارة القرآن کراچی)

"بیع الخمر والمیتة ...... باطل". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، فصل في البیع الفاسد: ۱۳۳/۱، رشیدیه)

"لم یجز بیع المیتة والدم والخنزیر والخمر والحر". (البحر الرائق، باب بیع الفاسد: ۱۱۲/۶، رشیدیه)

اورناشتہ اورعید وبقرعید میں ایک ایک جوڑا کپڑا دیں گے، یہ نہیں طے کیا کہ کھانا اورناشتہ میں کیا دیں گے، گھر کے اندر حسبِ حیثیت حلوہ، مٹھائیاں وغیرہ بنتی ہیں، ان میں سے بھی ان کو قدرے کھانے کے لئے دیا جاتا ہے، اگر زیادہ دیں تو صدقہ بغرضِ ثواب اپنے مردوں کو دے سکتے ہیں اور مردوں کو ثواب پہنچ جائے گا؟ یا زکوۃ بقدر صدقہ جوزائد ماما کو دیں، ادا ہوجائے گی، بشرطِ نیتِ ادائے زکوۃ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کھانے کپڑے مقررہ کے علاوہ بطورِ انعام جو کچھ مثلاً: عید بقرعید کے موقع پر دیا جائے، اس کو صدقہ وزکوۃ میں محسوب کیا جاسکتا ہے(۱)۔

تنبیہ: صرف کھانے کپڑے پر ملازمت کا معاملہ درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۹۶ھ۔

---

(۱) "نوی الزكاة بما يدفع لصبيان أقربائه أو لمن يأتيه بالبشارة أو يأتي بالباكورة أجزاه ...... وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء في الأعياد وغيرها بنية الزكاة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۹۰، رشيديه)

"دفع الزكاة إلى صبيان أقاربه أو إلى مبشر أو مهدي الباكورة جاز". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۵۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۱/۴۳۲، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "وصح استئجار الظئر بأجرة معلومة وبطعامها وكسوتها قال رحمه الله تعالىٰ: قوله (بطعامها وكسوتها) هذا عند أبي حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه. وقالا: لا يجوز وهو قول الشافعي، وهو القياس؛ لأن الأجرة مجهولة فصار كما إذا استأجرهابهما للطبخ والخبز". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۱۲۲، ۱۲۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ويجوز بطعامها وكسوتها استحساناً عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. وقالا: لايجوز؛ لأن الأجرة مجهولة فصار كما إذا استأجرها للخبز والطبخ". (الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۷، رحمانيه ملتان)

"ولو استأجر عبداً بأجر معلوم كل شهر بطعامه لم يجز؛ لأن طعامه مجهول". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۸، مكتبه غفاريه كوئٹه) .... =

بکری، گائے وغیرہ کے گابھن کرانے کی اجرت

سوال[۱۰۹۸۳]: بھینسایا بکرے سے بھینس یا بکری گابھن کرانا اجرت دے کر حرام ہے، لیکن اگر کوئی چنے دانہ گھاس وغیرہ سے بھینسا یا بکرے وغیرہ کو کھلانے کو دے، تو جائز ہے یا نہیں؟ اس وقت پریشانی یہ ہے کہ عام طریقہ سے گاؤں میں گاؤں والے یعنی پورے گاؤں کی طرف سے جیسا کہ پہلے طریقہ تھا کہ بھینسا چھوڑ رکھا ہے اور وہ پورے گاؤں میں گھاس وغیرہ کھاتا پھر رہا ہے اور تمام ہی گاؤں والے اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، وہ تو ختم ہوئی، اب بکرے رکھنے والوں کو یہ پریشانی کہ بکری کو گابھن کہاں کرائیں، بغیر دس پانچ روپے دیئے کام نہیں چلتا، تو اس صورت میں چنے وغیرہ لے سکتے ہیں یا کوئی اور صورت اس کے جواز کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکرے سے کام لینا ہے، تو اس کی اچھی طرح دعوت کردیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۷/۱۴۰۱ھ۔

آب پاشی کی اجرت پیداوار سے دینا

سوال[۱۰۹۸۴]: ایک شخص کی مشین ہے، وہ مشین کا مالک دوسروں کی زمین میں کھیتوں میں پانی دیتا ہے اور اس کا معاوضہ چوتھائی حصہ لیتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۸/۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۵۳۶/۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه: أن رجلا من كلاب سأل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن عسب الفحل فنهاه فقال: يا رسول الله! إنا نطرق الفحل فنكرم، فرخص له في الكرامة". (سنن الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية عسب الفحل: ۲۹۸/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"قال العلامة العيني في شرح هذا الحديث: "وفيه جواز قبول الكرامة على عسب الفحل، وإن حرم بيعه وإجارته. وقال الرافعي: ويجوز أن يعطي صاحب الأنثى صاحب الفحل شيئاً على سبيل الهدية". (عمدة القارئ، كتاب الإجارة، باب عسب الفحل: ۱۵۰/۱۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الإجارة، باب عسب الفحل: ۵۸۰/۴، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مشین کے ذریعہ کھیت میں پانی دینے کا معاملہ اس طرح کرنا کہ اس کے عوض پیداوار کا اتنا حصہ لیا جائے گا، درست نہیں، یہ اجارہ فاسدہ ہیں، اس میں اجرت مجہول ہے، یہ معلوم نہیں کہ کتنا غلہ پیدا ہوگا۔

"تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة" (درمختار: ۵/۲۹) الدرالمختار مع هامش الشامي نعمانيه(۱).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مزدور کی مزدوری آئندہ کام پر آنے کی شرط پر دینا

سوال[۱۰۹۸۵]: کچھ تاجر لوگ غرباء کو مزدوری پر اس شرط پر پیسے دیتے ہیں کہ موسم میں میرے یہاں ایک روپے مزدوری پر آنا ہوگا، حالانکہ موسم کی آمدنی، مزدوری دو روپے یومیہ ہے، تو یہ پیسہ اس طرح دینا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح بعض لوگ غلہ وصول کرنے کی شرط پر پیسے دیتے ہیں کہ مثلاً: من کے پانچ روپے کے حساب سے پانچ من غلہ موسم میں دینا ہوگا، حالانکہ غلہ کے دام اس وقت ۲۰، ۲۵/ روپیہ من تک ہوتا ہے، اس قسم کا لین دین جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۶، سعيد)

"يفسد الإجارة الشرط" قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "نقلاً عن "المحيط" كل جهالة تفسد البيع تفسد الإجارة؛ لأن الجهالة المتمكنة في البدل أو المبدل، تفضي إلى المنازعة، وكل شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعه لأحد المتعاقدين يفضي إلى المنازعة فيفسد الإجارة". (البحرالرائق، كتاب الإجاة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۲۹، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۹/۹۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مزدوری کا یہ طریقہ غلط ہے(۱)، غلہ لینے کا یہ طریقہ شرائط سلم صاف ہوجانے کے بعد اگرچہ بیع درست ہوجائے گی (۲)، مگر غریب مستحق رحم ہے (۳)، اتنا تفاوت نرخ میں کرنا بڑی بے مروتی ہے، ڈرنا چاہیے کہ اگر

(۱) چونکہ پیشگی تنخواہ کی وجہ سے ماہانہ کرایہ میں کمی کی گئی ہے، تو یہ "کل قرض جر نفعاً فهو ربا" کے زمرے میں ہوکر سود کے مشابہ ہوگیا۔

"قال عليه الصلاة والسلام: "كل قرض جر منفعة فهو ربا". (فيض القدير: ۹/۴۴۸۷، رقم الحديث: ۶۳۳۲، مصطفىٰ الباز رياض)

"القرض بالشرط حرام، وفي الأشباه: "كل قرض جرّ نفعاً فهو رباً". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۵/۱۶۶، سعيد)

"كل قرض جرّ منفعة فهو وجه من وجوه الربا". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقات والمزارعة: /۵۷۵، دارالعلوم كراچی)

(۲) "لايصح السلم عند أبي حنيفة إلا بسبع: جنس معلوم كقولنا حنطة أو شعير، ونوع معلوم كقولنا: سقية أو بخيسة، وصفة معلومة كقولنا: جيد أو ردي، ومقدار معلوم كقولنا: كذا كيلا بمكيل معروف أو كذا وزناً، وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال ...... وتسمية المكان الذي يؤفيه فيه". (الهداية، كتاب البيوع، باب السلم: ۹۶/۳، إمداديه ملتان)

(۲) "وشرط بيان جنس ونوع وصفة وأجل، وأقله شهر، وقدر رأس المال في مكيال وموزون، وعدد غير متفاوت، ومكان الإيفاء، وقبض رأس المال قبل الافتراق". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب السلم: ۵/۲۱۴، ۲۱۵، سعيد)

(وكذا في كنز الدقائق، باب السلم، ص: ۲۵۵، رشيديه)

(۳) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يبلغ به النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الراحمون يرحم الرحمٰن، ارحموا أهل الأرض يرحمكم من في السماء". (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في المرحمة: ۳۳۳/۲، رحمانيه لاهور)

"ومن اشترى شيئاً، وأغلى في ثمنه، فباعه مرابحة على ذلك جاز، وقال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: إذا زاد زيادة لايتغابن الناس فيه فإني لا أحب". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الرابع =

اپنے اوپر خدانخواستہ ایسا وقت آجائے تو کیا گزرے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کھجور کے درخت سے شیرہ نکالنے اور آپس میں تقسیم کرنے پر معاملہ کرنا

سوال[۱۰۹۸۶]: کھجور کے درخت کا ہمارے یہاں اس طریقے پر معاملہ کرتے ہیں کہ اس سے رس نکالتے ہیں، پھر آپس میں روزانہ کے رس کو تقسیم کرتے ہیں، یا ایسے کہ ایک روز تو نکالنے والا خود لیتا ہے اور ایک روز مالک کو رس دیتا ہے، اس طریقے پر معاملہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ درست نہیں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۵ھ۔

شریکِ تجارت کا اجرت کار بننا

سوال[۱۰۹۸۷]: چار آدمیوں نے مل کر ایک دکان رکھ لی، ان میں ایک دو آدمی اس دکان میں کام کرتے ہیں اور تنخواہ لیتے ہیں، ان لوگوں کو تنخواہ لینی جائز ہے یا نہیں؟

= في التولية والمرابحة: ۲/۱۶۱، رشيديه)

(وسنن الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في رحمة الناس: ۲/۱۴، سعيد)

(۱) اس لئے کہ اجرت مجہول ہے۔

"وشرطها: كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة".

(الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۵، سعيد)

"وأما شرط جوازها فثلاثة أشياء: أجر معلوم، وعين معلوم، وبدل معلوم". (البحرالرائق، كتاب الإجارة: ۸/۳، رشيديه)

"ومنها أن تكون الأجرة معلومة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة وركنها: ۴/۴۱۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ شریک ہیں تو کارشرکت کی اجرت لینا درست نہیں، یہ اجارہ نفعہ ہوجائے گا(۱)، البتہ کام کرنے کی وجہ سے اگر نفع میں کچھ زیادہ حصہ ان کے لئے سب شرکاءمل کر تجویز کرلیں، تو درست ہے۔

"وتصح شركة العنان مع التفاضل في المال دون الربح، وعكسه، وهذا مقيد بأن يشترطا الأكثر للعامل منهما، أو لأكثرهما عملا" شامی کراچی: ٤/٣١٢.

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مزدور کے ذریعہ جنگلات کی لکڑیاں کٹوا کرلانا

سوال[۱۰۹۸۸]: سرکاری جنگلات سے مزدور کی مزدوری دے کر لکڑی کٹوا کرلایا ہوں اور یہ لکڑی کسی کو فروخت کررہا ہوں، یہ لکڑی کا کاروبار کس حد تک شرعی لحاظ سے درست ہے؟ اور اس کاروبار میں میں نے کسی قسم کی رشوت نہ لی ہے نہ دی ہے، یہ کاروبار کس حد تک صحیح ہے، اسلامی اصول کے تحت؟

---

(۱) "لا أجر للشريك في العمل المشترك". (ردالمحتار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مطلب يرجع القياس: ۴/۳۲۶، سعيد)

"لا أجر للشريك بعمله في المشترك كما في الكنز وغيره تحت قوله: ولو استأجر لحمل طعام بينهما فلا أجر له". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإجارة: ۲/۱۱۱، إمداديه كوئٹه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۳/۵۴۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن عشر في الإجارة التي تجري بين الشريكين: ۴/۴۵۷، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الشركة: ۴/۳۱۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۹۱، ۲۹۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الشركة: ۲/۵۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ مزدور سے اس طرح معاملہ کریں کہ ایک دن میں مثلاً: آٹھ گھنٹے تم سے یہ کام لینا ہے اور آٹھ گھنٹے کام کی مزدوری مثلاً: چار روپے دوں گا اور مزدور اس کو منظور کرلے تو شرعاً یہ معاملہ درست ہے اور وہ لکڑی آپ کی ملک ہوگی، آپ جس طرح چاہیں فروخت کریں(۱) اگر وہاں سے لکڑی کاٹنا خلافِ قانون اور جرم ہو، تو اس سے پوری احتیاط کی جاوے، مال وعزت کا خطرہ مول لینا دانش مندی کے بھی خلاف ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کرایہ پر لی ہوئی دکان آگے کرایہ پر دینا

سوال[۱۰۹۸۹]: زید کے پاس ایک دکان کرایہ پر تھی، اس نے بیس سال قبل حامد کو اپنا ماتحت کرایہ

---

(۱) "(استأجره ليصيد له أو يحتطب له فإن) وقت لذلك (وقتا جاز) ذلك" (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۶۲، سعيد)

"رجل استأجر أجيراً ليحتطب له إلى الليل بدرهم جاز ...... ويكون الحطب للمستأجر". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲/۳۲۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۴/۴۵۱، رشيديه).

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة﴾ (البقره: ۱۹۵)

اگر حکومت کا حکم حکمِ شرعی کے مخالف نہ ہو اور نہ اس میں کوئی دینی یا دنیاوی مفسدہ ہو، تو حکومت کے حکم کی خلاف ورزی ناجائز ہے۔

"أمر السلطان ينفذ إذا وافق الشرع وإلا فلا.

(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته وفي "ط" عن الحموي: أن صاحب البحر ذكرنا ناقلاً عن أئمتنا: أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه، القاعدة الخامسة: ۱/۳۳۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه كراچی)

دار بنایا اور مالک دکان کو جو کرایہ پر دیا تھا، اس سے کچھ زائد حامد سے بطور کرایہ وصول کرتا تھا، کافی عرصہ کے بعد اس نے حامد سے دوکان خالی کرنے کے لئے کہا، چونکہ حامد کا کاروبار اس دکان میں چل رہا تھا، اس لئے اس نے دکان خالی کرنے سے اپنی مجبوری ظاہر کی، چنانچہ زید نے یہ معاملہ اپنی قومی جماعت میں ڈالا، جماعت نے مندرجہ ذیل فیصلہ کیا، حامد اس دکان پر مزید چار سال رہ سکتا ہے، مگر پہلے دو سال ماہانہ ۵۰/ روپے کرایہ کے بجائے ۷۵/ روپے اور مزید دو سال ۱۲۵/ روپے حامد زید کو بطور کرایہ دیتے رہے، اس کے بعد دکان خالی کر کے زید کے حوالہ کرے۔

اب چار سال ہوگئے ہیں، مگر حامد اپنا کاروبار بند کر کے دکان زید کے حوالہ کرنے سے اپنی مجبوری ظاہر کر رہا ہے، یہ دکان اس کی معاش کا ذریعہ ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

۱...... جماعت کا فیصلہ کیا شرعاً جائز ہے؟

۲...... کیا حامد پر اس فیصلے کی پابندی ضروری ہے؟

۳...... کیا جماعت حامد سے مقررہ کرایہ سے زیادہ زید کو دلا سکتی ہے؟

۴...... اس طرح زائد لی ہوئی کرایہ کی رقم کا شرعی کیا حکم ہے؟

۵...... حامد جماعت اور زید کا واسطہ بیچ سے الگ کر کے مالک مکان سے معاملہ کا تصفیہ کرائے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا.

الجواب حامداً ومصلياً:

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جتنے کرایہ پر مالک سے دکان لی ہو، اتنے ہی کرایہ پر دوسرے شخص کو کرایہ پر دینے کا حق ہے، اس سے زائد کرایہ لینا درست نہیں (۱)، لہٰذا زید نے جو اپنے ماتحت کرایہ دار حامد سے زائد رقم لی ہے،

---

(۱) "وله السكنى بنفسه وإسكان غيره بإجارة ...... ولو اجرها بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسألتين: إذا اجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً". (الدر المختار، كتاب الإجاره، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۶/ ۲۹، سعيد)

"قال محمد رحمه الله تعالىٰ: وللمستأجر أن يواجر البيت المستاجر من غيره ...... فإن اجره بأكثر مما استأجره به من جنس ذلک، ولم يزد في الدار شيء ...... لا تطيب له الزيادة عند علماء نا رحمه الله تعالىٰ". (المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، الفصل السابع في إجارة المستاجر: ۹/ ۱۲۵، مكتبه غفاريه كوئٹه) =

وہ بے جا ہی، اس کی واپسی ضروری ہے، نیز جس طرح مالک کو یہ حق ہے کہ زید سے دکان خالی کرائے، اسی طرح زید کو بھی یہ حق ہے کہ حامد سے دکان خالی کرالے (۲)، دکان کا معاملہ ایک سال سے زیادہ کرایہ کا نہ کیا جائے، اگر سال بھر گزرنے پر فریقین رضامند ہوں، تو اسی سابق کرایہ پر یا کم وبیش جدید کرایہ پر معاملہ کرنا درست ہے، اگر مالک رضامند نہ ہو، تو کرایہ دار کے ذمہ دکان کو خالی کردینا لازم ہے (۳)۔

یہ ہے شرعی مسئلہ جو کتب فقہ: درمختار (۴)، تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ (۵) میں مذکور ہے، حامد اگر زید سے کرایہ کا معاملہ ختم کردے اور اطلاع کردے کہ میں آج سے آپ کا کرایہ دار نہیں رہا اور دکان زید کے حوالہ

= "وإذا استأجر داراً وقبضها ثم آجرها، فإنه يجوز إن آجرها بمثل ما استأجرها، أو أقل، وإن آجرها بأكثر مما استأجرها ...... إن كانت الأجرة الثانية من جنس الأجرة الأولى، فإن الزيادة لا تطيب له ويتصدق بها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل السابع في إجارة المستأجر: ۴/۴۲۵، رشيديه)

(۱) "الحاصل: إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لايحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

"لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(۲) "آجر داره كل شهر بكذا، فلكل الفسخ عند تمام الشهر". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۴۵، سعيد)

"إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء، والغرس، وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه تفريغها وتسليمها إلى صاحبها فارغةً". (البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۸/۱۹، رشيديه)

"يلزم المستأجر رفع يده عن المأجور عند انقضاء الإجارة ...... لو انقضت الإجارة وأراد الأجر قبض ماله لزم المستأجر تسليمه إياه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۳۱۲، ۳۱۷، رقم المادة: ۵۹۱، ۵۹۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) تاکہ معاملہ اجارہ بحسن خوبی بغیر کسی لڑائی کے اختتام پذیر ہو۔

(۴) (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۶/۲۹؛ سعيد)

(۵) (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإجارة: ۲/۱۱۹، إمداديه)

کردے، پھر اصل مالک سے معاملہ کرے، اس کی اجازت ہے، اصل مالک زید سے معاملہ ختم کرکے حامد کو کرایہ پر دے سکتا ہے (۱)۔

۲......ایک شخص کا کرایہ کا معاملہ حکومت ختم کرکے دوسرے شخص کو کرایہ کا حق دے دے، تو اس شخص کو کرایہ دار بنانا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۹۹ھ۔

مچھلی نکلوانے کی اجرت میں مچھلی ہی تجویز کرنا

سوال [۱۰۹۹۰]: ملاح جو مچھلی نکالتا ہے، وہ اپنی اجرتِ نکلوائی نصف مچھلی ہی سے لیتا ہے، یہ اجرت جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں، تو پھر اجرت کس طرح ادا کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ملاح جو مچھلی نکالتا ہے، اس کی اجرت میں وہ مچھلی ہی تجویز کرنا نصف یا کم وبیش درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "وإن آجر داره كل شهر بكذا فلكل الفسخ عند تمام الشهر". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۴۵/۶، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الاتاسي: ۱۳۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۱۱۲/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "صورة قفيز الطحان: أن يستأجر الرجل من آخر ثوراً ليطحن بها الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيز من دقيقها، أو استاجر إنساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها، أو ثلثه، أوما أشبه ذلك، فذلك فاسد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في قفيز الطحان وما في معناه: ۴۴۴/۴، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۳۲/۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۳۹/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

مندر کی تعمیر میں مزدوری کرنا

سوال[۱۱۰۹۹]: اہل ہنود کے مندر وگرجا وغیرہ میں معماری کا کام کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ باطل کے عبادت خانہ جیسے گرجا گھر یا بت کدہ میں تعمیری مزدوری کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۱۴۰۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) ''مندر کی تعمیر یا مرمت اجرت پر جائز ہے، مگر کراہت سے خالی نہیں''۔(احسن الفتاویٰ، کتاب الإجارة: ۷/۳۰۹، سعید)

قال الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: "جاز تعمير كنيسة".

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: وجاز تعمير كنيسة) قال في الخانية: ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة، ويعمرها لابأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۱، سعيد)

"قال في المنح: ولو أن مسلما آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لابأس به؛ لأنه لامعصية في عين العمل". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴/۱۹۶، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، باب الإجارة الفاسدة: ۲/۳۲۲، رشيديه)

باب أجرة الدلال والسمسار

(دلالی کی اجرت کا بیان)

بائع اور مشتری، دونوں کی طرف سے دلالی کرنا

سوال[۱۰۹۹۲]: ہمارے ایک دوست کے والد صاحب ہیں، ان کا دھندہ دلالی کا ہے، اس میں ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو گھر چاہیے یا زمین، تو بیچنے والا یہ کہتا ہے کہ اگر تم یہ زمین، یہ گھر کا گاہک لادو، تو تم کو سو روپے یا ایک اتنے روپے پر دوں گا۔ اور جس کو ضرورت ہوتی ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی گھر ہو، تو ڈھونڈو، میں سو روپے پر ایک یا دو سو روپے دوں گا، اس میں گھر ڈھونڈنے میں، دکھانے میں، معاملہ کروانے میں اور اگر سودا ہو جائے تو کورٹ وغیرہ کے رجسٹری کاموں میں کافی وقت لگتا ہے اور محنت اور وقت بھی خراب ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس میں جو آمدنی ہوئی ہے، کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ کیا اس آمدنی کو ذاتی کام میں کھانے پینے میں استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو اس روپے کا کیا کیا جاوے؟ کیونکہ روپیہ ایسا ہی رکھا ہوا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ آمدنی درست ہے(۱)، اس کو اپنے کام میں لانا صحیح ہے، ایسی آمدنی پر حسبِ قواعدِ شرع حج بھی فرض

---

(۱) "قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه، أن في كل عشرة دنانير كذا، فذاک حرام عليهم، وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه.....". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، مطلب: في أجرة الدلال: ۶/۶۳، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب أجر السمرة: ۱۶/۲۰۸، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۷، سعيد) .... =

ہوسکتا ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۹۲ھ۔

ریٹ اور کمیشن میں ایک رقم کی تفصیل اور استحقاق

سوال[۱۰۹۹۳]: ہم لوگوں کا کام کمیشن ایجنسی کا ہے، کارخانہ کا مالک بی، این الیاس کمپنی ہے، ایجنسی کا مطلب ہے کہ جو کمپنی کا ریٹ ہوگا، وہ ریٹ کمپنی کے بیوپاروں کو دے کر مال لانا ہوتا ہے، اس مال کے اوپر ہم لوگوں کو دس روپیہ فی ٹن علاوہ ریٹ کے کمیشن ملتا ہے، کاروبار ہڈی کا ہے، پورے ہندوستان سے ریگنوں میں مال کلکتہ آتا ہے، اب تک تو کمپنی دام طے کرتی تھی، اسی ریٹ میں ہم لوگوں کو مال لاکر دینا ہوتا تھا، اگر کمپنی نے مال میں زیادہ کٹوتی کرلی یا بیوپاروں کو ریٹ کے علاوہ دوسرے مل کے کمیشن میں کچھ ریٹ سے زیادہ دینا پڑا، تو کمپنی کچھ نہ دیتی تھی، ہمیں اپنے کمیشن سے دینا پڑتا تھا، گویا اپنے کمیشن سے دینا نقصان برداشت کرنا پڑتا تھا۔

چونکہ ہندوستان میں اب ہڈی کے کافی کارخانہ ہوگئے ہیں، اس لئے اس میں کمیشن بہت زیادہ ہوگیا ہے، کمپنی ایک دام مجھے کہتی ہے، کہ اس دام میں مال لاؤ، تو اس وقت تک دوسری کمپنی کا ریٹ زیادہ ہوگیا اور جب ہم نے کمپنی کو اطلاع کی کہ ریٹ زیادہ ہوگیا ہے اور کمپنی نے ریٹ بڑھائے تو اس اطلاع کرنے کے وقفہ میں مال نکل گیا، جس سے دوسرے کارخانہ والے مال زیادہ اٹھانے لگے، تو اس سال کمپنی نے یہ طریقہ اختیار کیا،

= (وكذا في احسن الفتاویٰ، كتاب الإجارة، دلالی کی اجرت جائز ہے: ۷/۲۷۳، سعید)

(۱) "(فرض) ...... (مرة) ...... (علی مسلم) ...... (صحيح) البدن، (بصير) ...... (ذي زاد) يصح به بدنه، فالمعتاد اللحم ونحوه، إذا قدر على خبز وجبن لا يعد قادراً (وراحلة) ...... (و) فضلاً عن (نفقة عياله) ...... (إلى) حين (عوده) وقيل: بعده بيوم وقيل بشهر......". (الدرالمختار، كتاب الحج: ۲/۴۵۵-۴۶۳، سعيد)

"(وأما شرائط وجوبه) فمنها الإسلام ...... (ومنها القدرة على الزاد والراحلة) بطريق الملك أو الإجارة ...... وتفسير ملك الزاد والراحلة، أن يكون له مال فاضل عن حاجته، وهو ماسوى مسكنه ولبسه وخدمه وأثاث بيته قدر ما يبلغه إلى مكة......". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب المناسک، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته الخ: ۱/۲۱۶، ۲۱۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۴-۵۵۰، رشيديه)

اس نے کہا کہ ہم آپ کے ایمان پر چھوڑ دیتے ہیں کہ بیوپاریوں کو دوسرے کارخانے کے مقابلہ میں آپ جو ریٹ دیں، ہم سے لے لیں، اس لئے کہ ریٹ کے سلسلہ میں مجھے اطلاع کرنے میں اور پھر بیوپاریوں تک اطلاع ہونے کے وقفہ میں مال نکل جاتا ہے، اس لئے کمپنی نے ایسا راستہ اختیار کیا، اس ریٹ کے علاوہ ہمارا جو کمیشن مقرر ہے، وہ ملے گا۔

کمپنی کے سامنے ہم نے یہ عذر پیش کیا کہ جو آپ کٹوتی کرتے ہیں، وہ زیادہ ہوتی ہے اور ہمیں اپنے کمیشن سے دینا ہوتا ہے، لہٰذا اب کٹوتی کا الاؤنس (۱) دیں، اس لئے کہ دوسرے کارخانہ والے کٹوتی کرتے ہیں، تو کمپنی سے یہ بات طے پائی کہ آپ کٹوتی کے ریٹ میں اندازاً کچھ اضافہ کر کے لے لیا کریں، اس لئے کہ ریٹ میں دیتے وقت کمپنی کو لکھ کر دینا ہوتا ہے اور مال بعد میں ریگن سے کارخانہ میں آتا ہے۔

لہٰذا جب ریگن پہنچتا ہے، تو مجھے کسی ریگن میں کٹوتی کا نہیں دینا پڑتا ہے، کسی ریگن میں کم، کسی میں زیادہ دینا پڑتا ہے، کمپنی نے تو مجھے اندازاً فی بولی ریٹ میں زیادہ کٹوتی کا زیادہ رکھ لینے کو اجازت دے دی ہے، اس لئے کمپنی نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ اندازاً لکھ دیا کرو، سال تمام پر ہم کچھ نہ دیں گے، اس صورت میں سال تمام پر اگر ہم نے بیوپاروں کو زیادہ دے دیا تو کمپنی سے اور مزید مجھے کچھ نہ ملے گا اور اگر اس رقم سے بھی کٹوتی والی رقم سے جو ریٹ میں کمپنی کو زیادہ لکھ کر دیتے ہیں، بیوپاریوں کو دینے کے بعد سال تمام پر کچھ رقم بچ جائے، تو یہ رقم اپنے منافع میں لکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس رقم کا حق دار کون ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ رقم کمپنی کے غلہ میں ہے اور اس نے آپ کو رکھنے کی اجازت دے دی ہے، تو آپ کے لئے اس کا رکھنا درست ہے، ورنہ یہ رقم کمپنی کی ہے، اس کو دی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۸۶ھ۔

---

(۱) ”الاؤنس: بھتا، زائد خرچ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ”ألا لا تظلموا، ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه“. (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، ص: ۲۵۵، قدیمی) .... =

آڑھت دار کی کٹوتی

سوال[۱۰۹۹۴]: مبارک پور کے آڑھت کے یہاں کوئی باہر کے خریدار آتے ہیں، توان کی موجودگی میں بنکروں سے ساڑھیاں خریدتے ہیں، آڑھت داروں اور خریداروں کے درمیان ایک مقررہ کمیشن طے رہتا ہے، آڑھت دار جب قیمت پر ساڑھیاں خریدتا ہے، خریدار اسی حساب سے ساڑھیوں کی قیمت آڑھت داروں کو مع کمیشن کے دیتا ہے، مگر خریداروں سے قیمت پانے کے بعد بنکروں کو جب وہ قیمت دیتا ہے، تو پوری قیمت نہیں دیتا ہے، بلکہ دو روپیہ سے لے کر پانچ دس روپے تک کم کر دیتا ہے، جس کو کٹوتی کہتا ہے، بنکروں (ساڑھیاں بیچنے والوں) کا کہنا ہے کہ اس طرح سے جو رقم کاٹی جاتی ہے، وہ بالکل حرام وناجائز ہے، مگر آڑھت دار کہتا ہے کہ یہ کٹوتی حرام نہیں، کیونکہ ہمارے یہاں جو شخص بھی ساڑھی فروخت کرتا ہے، وہ جانتا ہے کہ ہم کٹوتی کاٹتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا خریداروں سے اصل قیمت پانے کے بعد آڑھت داروں کا کٹوتی کاٹنا جائز ہے یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بنکر اپنا مال آڑھت دار کے یہاں لاتے ہیں، کہ تم ہمارا مال فروخت کر دو، خریدار آکر آڑھت سے خریدتے ہیں، آڑھت داران سے قیمت لے کر بنکروں کو دیتا ہے اور کچھ اپنی دلالی لیتا ہے، اس دلال کا معاملہ بنکروں اور آڑھت داریوں کی رضامندی پر موقوف ہے، جو مقدار طے کرلیں، اس مقدار کا لینا درست ہے(۱)،

= "ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي على الأشباه، كتاب الغصب: ۴۴۴/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في القواعد الكلية بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، میر محمد کتب خانہ)

(۱) "قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه، أن في كل عشرة دنانير كذا، فذاك حرام عليهم، وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه......". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، مطلب: في أجرة الدلال: ۶۳/۶، سعيد) .... =

شامی میں اجرت سمسار کو تعامل وتعارف کی بناء پر درست لکھا ہے(۱)، بلکہ اگر یہ اجرت نہیں دینا چاہتے، تو اپنا مال براہِ راست خریداروں کے ہاتھ فروخت کردیں، مگر ظاہر ہے کہ اس میں ان کو دشواری ہے، اس دشواری سے بچنے کے لئے وہ آڑھت دار کے پاس مال لاتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۹۹ھ۔

حق المحنت کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۰۹۹۵]: زید نے کسی فنڈ میں سے اپنے نام مال منگوایا، مگر کسی مالی مجبوری کی بناء پر وہ اس مال کو چھڑانے سے قاصر ہے، مال کو واپس نہیں لیا جاسکتا، چونکہ یہ تجارتی اور اخلاقی ضابطہ کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا، اس لئے ایک دوسرے شخص سے مال کو چھڑانے کے لئے کہا، شخصِ مذکور نے مال چھڑانے کے لئے آڑت(آڑھت)(۲) لینے کی شرط لگادی، مثلاً: پانچ روپیہ سینکڑہ آڑھت یا کمیشن اگر دینا منظور ہو، تو یہ آڑھتی یا کمیشن ایجنٹ اپنی نقدی سے مال مذکور کو چھڑالے گا۔

اس صورت میں یہ آڑھت یا کمیشن لینا کیسا ہے؟ اور عمومی طور پر یہ آڑت یا کمیشن کا کاروبار کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مال منگوانے والا اگر کسی مجبوری سے مال نہ چھڑا سکے اور کسی دوسرے شخص کو کہہ دے، وہ چھڑالے اور اس چھڑانے اور لاکر حفاظت سے رکھنے کا معاوضہ مقرر کرلیا جائے، تو درست ہے(۳)، خواہ اس کو آڑھت کہا

= (وكذا في إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة: ۱۶/ ۲۰۸، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/ ۴۷، سعيد)

(وكذا في احسن الفتاوىٰ، كتاب الإجارة، دلالی کی اجرت جائز ہے: ۷/ ۲۷۳، سعيد)

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱

(۲) "آڑھت: ہنر، فن، صفائی، سلیقہ، ڈھب، موسیقی، ڈراما، شاعری، مصوری"۔ (فیروز اللغات، ص:۱۶، فیروز سنز لاہور)

(۳) "الوكالة بأجر: تصح الوكالة بأجر وبغير أجر؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يبعث عماله لقبض الصدقات، ويجعل لهم عمولة، ولهذا قال له أبناء عمه: "لو بعثتنا على هذه الصدقات، =

جائے یا کمیشن، مگر یہ حقیقت میں حق المحنت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۹۰ھ۔

دلال کے ذریعے کپڑا بیچنا

سوال[۱۰۹۹۶]: زید نے عمر سے کپڑے کا بیس میٹر کا تھان اس شرط پر لیا، کہ میں اس میں جتنا فروخت کروں گا، اس کے دام میں تم کو تمہاری خرید سے ایک آنہ فی روپیہ منافع لگا کر تم کو ادا کروں گا اور باقی جو اس تھان میں سے کپڑا بچے گا، واپس کروں گا۔ عمر نے یہ بات منظور کرلی، اب زید نے اس کپڑے کو لے کر اس میں سے پانچ میٹر فروخت کردیا اور وہ کپڑا عمر کا چار روپیہ فی میٹر خریدا تھا، تو اس طرح زید، عمر کو پانچ میٹر کے مع منافع کے ۲۵-۲۱ روپے دیئے اور باقی جو کپڑا بچا تھا، وہ دے دیا۔

اب زید عمر کی یہ بیع صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور زید نے وہ کپڑا بکر کو چار روپیہ آٹھ آنہ فی میٹر کے حساب سے فروخت کیا، تو یہ زید وبکر کی بیع بھی صحیح ہوگی یا نہیں؟ اگر یہ شکل صحیح نہیں ہے، تو صحت کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ بیع کا نہیں، عمر بائع نہیں، زید مشتری نہیں، بلکہ یہ اجارہ ہے، گویا عمر نے زید کو کہا کہ میرا یہ کپڑا فروخت کردو، زید کپڑا لے کر جاتا ہے اور گاہک تلاش کرکے کپڑا فروخت کرتا ہے، اس کام کی اجرت یہ قرار پائی کہ عمر نے جس قیمت پر خریدا تھا، اس پر ایک آنہ فی روپیہ زائد تو زید لاکر عمر کو دے گا اور اس کے علاوہ جتنی بھی زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا، وہ زیادتی بطور اجرت زید کی سمجھی جائے گی (۱)۔

= فنؤدي اليک ما يؤدي الناس، ونصيب مايصيبه الناس". أي: العمولة؛ ولأن الوكالة عقد جائز لايجب على الوكيل القيام بها، فيجوز أخذ الأجرة فيها، بخلاف الشهادة، فإنها فرض يجب الشاهد أداؤها".

(الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل التاسع الوكالة: ۴۰۵۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، كتاب الوكالة، ص: ۱۳۲، حقانيه)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۴۹۷/۴، رشيديه)

(۱) "الأجير على قسمين: القسم الأول: الأجير الخاص، وهو الذي استوجر على أن يعمل للمستأجر=

اصولاً یہ اجارہ فاسدہ ہے، کیونکہ اجرت متعین نہیں، مجہول ہے، جو کہ مفسد اجارہ ہے (۱)، مگر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''ردالمحتار'' میں لکھا ہے کہ مجہول ہونے کے باوجود تعامل الناس کی بناء پر اس کی اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۸/۱۴۰۰ھ۔

نیلام کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۰۹۹۷]: میری لکڑی کی آرٹ کی دکان ہے، جس پر باہر سے لانے والوں کا مال نیلام

= فقط، كالخادم مشاهرة، والقسم الثاني: الأجير المشترک، وهو الذي لم يقيد بشرط عدم العمل لغير المستأجر كالحمال والدلال والخياط ...... ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الثاني في الإجارة، الباب الأول في الضوابط العمومية، رقم المادة: ۴۲۲: ۱/۲۳۶، ۲۳۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/۶۴-۶۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۸/۴۷-۵۲، رشيديه)

(۱) "(تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع) مما مر (يفسدها) كجهالة مأجور أو أجرة، أو مدة ...... ". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۶، ۴۷، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۷/۵۳۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، الفصل الأول فيما يفسد العقد فيه: ۴/۴۳۹، رشيديه)

(۲) "قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه، أن في كل عشرة دنانير كذا، فذاک حرام عليهم، وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه ...... ". (ردالمحتار، كتاب الإجاره، مطلب: في أجرة الدلال: ۶/۶۳، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة: ۱۶/۲۰۸، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۷، سعيد)

(وكذا في احسن الفتاوىٰ، كتاب الإجارة، دلالی کی اجرت جائز ہے: ۷/۲۷۳، سعيد)

کرتا ہوں اور جس کا مال نیلام کرتا ہوں، اس سے آرٹ، یعنی کمیشن کاٹتا ہوں اور فوراً پیمنٹ کر دیتا ہوں اور جس سے مال فروخت کرتا ہوں، اس سے آرٹ، یعنی کمیشن لیتا ہوں اور دونوں جانب سے برابر کمیشن لیتا ہوں اور اگر اندرِ میعاد مال لینے والا رقم واپس کرتا ہے، تو اس سے کمیشن نہیں لیتا اور اپنی جانب سے جو کمیشن مال والے سے لیا ہے، اس میں سے ایک پیسہ فی روپیہ واپس کر دیتا ہوں، یعنی خریدار کو اتنا دیتا ہوں، یہ سب طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نیلام کرنے والے کو کمیشن (اجرت نیلام) لینا درست ہے، مال والے سے بھی خریدار سے بھی (۱)، لیکن سود سے بچنا لازم ہے، لہٰذا اگر کوئی میعاد مقررہ پر رقم نہ دے، تو اس سے سود نہ لیا جاوے (۲)، اندر میعاد رقم ادا کرنے

---

(۱) "وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه". (ردالمحتار، كتاب الإجاره، مطلب: في أجرة الدلال: ۶۳/۶، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب أجر السمرة: ۲۰۸/۱۶، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۴۷/۶، سعيد)

(وكذا في احسن الفتاوىٰ، كتاب الإجارة، دلالی کی اجرت جائز ہے: ۲۷۳/۷، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين امنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً واتقوا الله لعلكم تفلحون واتقو النار التى أعدت للكافرين﴾ (ال عمران: ۱۳۱، ۱۳۲)

"قوله: (لا بأخذ مال في مذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لايجوز ...... وظاهره أن ذلک رواية ضعيفة عن أبي يوسف ...... والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۶۱/۴، ۶۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴۱۱/۲، دارالمعرفة، بيروت)

کے بعد ایک پیسہ واپس کرنا یہ قیمت میں کم کرنا ہے، جس کا مالک کو اختیار ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

باب في فسخ الإجارة

(اجارہ کو فسخ کرنے کا بیان)

کرایہ دار کا مکان کو خالی نہ کرنا

سوال[۱۰۹۹۸]: زید نے اپنی دکان پر رشید احمد کو مقرر کیا کہ میری دکان کسی کو کرایہ پر دےدو، طے پایا کہ جب بھی مجھے ضرورت ہوگی، آپ کو خالی کرا کر ہم کو دینی ہوگی، اب مالک کو ضرورت ہے، مگر کرایہ دار خالی نہیں کرتا، اب میں کیا کروں؟ مجبور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالک کو بیع وشراء کا اختیار ہے(۱)، دکان خالی کرانے کے لئے جو تدبیر مقدمہ وغیرہ کی مناسب ومؤثر ہو، اختیار کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/ ۹۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه تفريغها وتسليمها إلى صاحبها فارغة، وذلک بقلعها في الحال؛ لأنه ليس له غاية تعلم بخلاف ما إذا كانت للزراعة ...... والقياس أن يقلع في الأمور كلها؛ لأن الأرض ملكه فلا تؤجر بغير إذنه". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۸/ ۱۹، رشيديه)

"وإذا انقضت المدة لزمه أن يقلعهما ويسلمها فارغة ...... لأنه ليس لهما نهاية معلومة حتى يتركا إليها، وفي تركها على الدوام ضررا لصاحب الأرض". (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۳/ ۵۲۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومالا يكون خلافاً: ۶/ ۳۰، سعيد)

باب الاستئجار علی الطاعات

الفصل الأول في الاستئجار على التلاوة وإهداء ثوابها للميت

(تلاوت اور ایصالِ ثواب پر اجرت لینے کا بیان)

ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی اور معاوضہ بصورتِ دعوت

سوال[۱۰۹۹۹]: مولوی ولایت صاحب مدرسہ کے معلم ہیں، مدرسہ سے ان کو ۴۰/ روپیہ اور کھانا ماہانہ وظیفہ ملتا ہے، بستی میں عثمان کے والد کا انتقال ہوگیا، انہوں نے مدرسہ کے طلباء سے قرآن خوانی کرائی اور تمام طلباء کو مدرسین کو میت کے کھانے میں مدعو کیا، مولوی ولایت صاحب نے کھانے سے انکار کیا، تو عثمان صاحب نے کہا کہ یہی دانہ کچی صورت میں مدرسہ ہی میں بھیجو تو آپ کھالیں گے اور اسی کو میں گھر پکا کر کھلاتا ہوں تو انکار کرتے ہیں، حالانکہ میرا مقصد مدرسہ کی امداد کرنا ہے، بہرحال از روئے شرع واضح فرمادیں، مولوی صاحب کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دینی مدرسہ کی امداد کرنا خواہ نقد اور غلہ دے کر ہو، یا کھانا کھلا کر ہو سب طرح درست ہے(۱)، مولوی

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : من أنفق زوجين من شيء من الأشياء في سبيل الله دعي من أبواب الجنة، وللجنة أبواب ...... ومن كان من أهل الصدقة دعي من باب الصدقة". (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة، ص: ١٦٧، قديمى)

قال الله تعالىٰ: ﴿الذين ينفقون أموالهم في سبيل الله ثم لا يتبعون ما انفقوا مناً ولا أذى لهم أجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون﴾ (البقرة: ٢٦٢)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ما تصدق =

صاحب اگر غریب مستحق ہوں تو ان کو دینا بھی ثواب ہے، مگر اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ قرآن خوانی طلبہ سے کراکے جب ان کی دعوت کی جائے، تو یہ معاوضہ کی صورت میں کی ہے، اس طرح ثواب نہیں ہوتا، ایسی دعوت قبول کرنے سے مولوی صاحب کو اور طلبہ کو سب کو ہی بچنا چاہیے۔ اگر مولوی صاحب نے اس وجہ سے انکار کیا تو ٹھیک کیا، تو عثمان ان پر ناراض نہیں ہونا چاہیے اور آئندہ اس طریقہ سے پرہیز کرنا چاہیے، بغیر اس کے جب دل چاہے، دعوت کردے، اس میں مضائقہ نہیں، مولوی صاحب کو بھی چاہیے کہ نرمی سے عثمان کو اصل بات سمجھادیں، تاکہ اس کی طبیعت میں رنج باقی نہ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= أحد بصدقة من طيب، ولا يقبل الله إلا طيباً إلا أخذها الرحمن بيمينه، وإن كانت تمرة تربو في كف الرحمن حتى تكون أعظم من الجبل، كما يربي أحدكم فلوه أو فصيله". (سنن الترمذي، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة: ۱/۱۴۴، سعيد)

(۱) "قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت لا للقارئ، وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان.

فالحاصل: أن ماشاع في زماننا من قرأة الأجزاء بالأجرة لايجوز؛ لأن فيه الأمر بالقرأة وإعطاء الثواب للآمر والقرأة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر؟! ولو لا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة إلى جمع الدنيا، إنا لله وإنا اليه راجعون". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

"لأن شرط الثواب الإخلاص لله تعالىٰ في العمل، والقارئ بالأجرة إنما يقرأ لأجل الدنيا لا لوجه الله تعالىٰ، بدليل أنه لو علم أن المستأجر لايدفع له شيئاً لا يقرأ له حرفاً واحداً، خصوصاً من جعل ذلك حرفته، ولذا قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن قارئ القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۸، ميمنية مصر)

(وكذا في البزازية، باب صلاة الجنائز، نوع آخر: ۴/۸۱، رشيديه)

(وكذا في رسالة ابن عابدين، رساله شفاء العليل وبل الغليل: ۱/۱۶۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

الفصل الثاني في الاستئجار على الإمامة والأذان

(امامت اور اذان کی اجرت لینے کا بیان)

امامت کی تنخواہ

سوال[۱۱۰۰۰]: مساجد کے ائمہ کا کسی معین تنخواہ کے لئے اصرار کرنا اوران کی مانگ کے مطابق تنخواہ نہ دی جائے، تو امامت کا قبول نہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ امامت بلا تنخواہ کی جائے اور مقتدی امام کی ضروریات کا تکفل کریں، مگر نہ امام کو اتنا تحمل ہے، نہ وسعت اور نہ مقتدیوں کو اتنا پاس ولحاظ ہے، ان حالات کی بناء پر متاخرین فقہاء نے امامت کی تنخواہ کو جائز قرار دیا ہے، ورنہ مساجد معطل ہوجائیں گی اور جماعت کا اہتمام نہ ہوسکے گا(۱)، لہٰذا طرفین معاملہ

(۱) "ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، سعيد)

"ويفتى اليوم بالجواز أي: بجواز الأجرة على الإمامة وتعليم القرآن والفقه ...... وهذا على مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ واستحسنوا ذلک، وقالوا: بنى أصحابنا المتقدمون الجواب على ماشاهدوا من قلة الحفاظ، ورغبة الناس فيهم، وكانت لهم عطيات من بيت المال، وافتقاد من المتعلمين في مجازاة الإحسان بالإحسان من غير شرط مروة، يعينونهم على معاشهم ومعادهم ...... وأما اليوم فذهب ذلک كله، وانقطعت العطيات من بيت المال بسبب استيلاء الظلمة، واشتغل الحفاظ بمعاشهم ...... فلو لم يفتح باب التعليم بالأجر لذهب القرآن، فأفتوا بجواز ذلک، ورأوه حسناً وقالوا: الأحكام قدتختلف باختلاف الزمان". (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۳، ۵۳۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۵، رشيديه)

(وكذا في رسائل ابن عابدين، الرسالة السابعة: ۱/۱۵۸، عثمانيه كوئٹه)

صاف صاف طے کرلیں اوراس کی پابندی کریں، جوتنخواہ طرفین کی رضامندی سے طے ہوجائے (کم یا زیادہ) اس کو پابندی سے ادا کریں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۳/۱۱/۸۷ھ۔

امامت کی تنخواہ اورتراویح میں سنانے کی چندصورتوں کاحکم

سوال[۱۱۰۰۱]: ......(۲):

الجواب حامداً ومصلیاً:

"۱" تا "۵" اصل یہ ہے کہ امامت بلاتنخواہ کی جائے (۳) اور کوئی معاوضہ نہ لیا جائے، مگر فقہاء نے دیکھا کہ پہلے بیت المال سے وظائف مقرر ہوتے تھے، جن سے نفقات واجبہ پورے ہوجاتے تھے اور یہ علماء، قراء، حفاظ دل نہاد ہوکر یکسوئی کے ساتھ امامت، تدریس، تعلیم کی خدمات انجام دیتے تھے، تنخواہ لینے دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

پھر بیت المال کا حال بدل گیا، ان کے وظائف بند ہوگئے، پھر اب اگر یہ حضرات نفقات واجبہ ادا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا أوفوا بالعقود﴾ (المائدة: ۱)

"ویجبر المستأجر علی دفع ماقبل، فیجب المسمی بعقد، وأجر المثل إذا لم تذکر مدة". (الدرالمختار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعید)

"ویجبر علی دفع ماسمی". (مجمع الأنهر، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۳، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) اصل کتاب میں یہ جواب اسی طرح بلاسوال مذکور ہے۔

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یٰقوم لا أسئلکم علیه أجراً إن أجری إلا علی الذي فطرني﴾ (هود: ۵۱)

"عن بریدة رضي اللہ تعالیٰ عنها قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: من قرأ القرآن یتأکل به الناس، جاء یوم القیامة، ووجهه عظم، ولیس علیه لحم". (مشکاة المصابیح، کتاب فضائل القرآن، ص: ۱۹۳، قدیمی)

"الأصل: أن کل طاعة یختص بها المسلم لایجوز الاستئجار علیها عندنا لقوله علیه السلام: اقرؤا القران ولا تأکلوا به". (ردالمحتار، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعید)

کرنے کی سعی میں لگ جائیں تو امامت، تعلیم، تدریس کا کام معطل ہوتا ہے، جس سے دین کے ضیاع کا قوی مظنہ ہے۔ اگر اس سعی میں نہ لگیں اور ان کو خدمات مذکورہ بالا پر مجبور کیا جائے، تو نفقات واجبہ کے ادا کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

اس لئے تحفظِ دین کی خاطر مجبوراً متاخرین فقہاء نے اجازت دی ہے کہ یہ حضرات اپنے اوقات کو خدمات مذکورہ کے لئے طے کر کے یا بغیر طے کئے معاوضہ لینے دینے کی اجازت ہے(۱)۔ جو شخص نماز پنجگانہ کا امام ہے، اگر وہ تراویح میں سنائے اور رمضان المبارک میں جس طرح ہر ایک کی روزی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافہ ہوجاتا ہے، امام کو بھی کچھ زیادہ دے دیا جائے، تو اس میں مضائقہ نہیں کہ مؤذن اور دیگر خانگی اور مسجد کے ملازمین کو بھی کچھ زیادہ دے دیا جاتا ہے۔ لیکن محض تراویح سنانے کی وجہ سے روپیہ لینا اور دینا اس حد میں نہیں آتا کہ اس کی اجازت دی جائے (۲)۔

جس جگہ یہ دستور ہو کہ امام اور اہل مسجد سب کے ذہن میں ہو کہ تخمیناً اتنا ملے گا اور اتنا دینا ہوگا، وہاں

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة والأذان". (الدر المختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمه الله تعالىٰ استحسنوا على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، في الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، سعيد)

"ويفتى اليوم بالجواز على الإمامة، وتعليم القرآن، والفقه ...... وهذا على مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ، استحسنوا ذلك وقالوا: بنى المتقدمون الجواب على ماشاهدوا من قلة الحفاظ، ورغبة الناس فيهم، وكانت لهم عطيات من بيت المال، وافتقاد من المتعلمين ...... وأما اليوم فذهب ذلك كله، وانقطعت العطيات من بيت المال بسبب استيلاء الظلمة، واشتغل الحفاظ بمعاشهم، وقلما يعلمون الحسبة، ولا يتفرغون له أيضاً ...... فلو لم يفتح باب التعليم بالأجر لذهب القران، فأفتوا بجواز ذلك، ورأوه حسناً، وقالوا: الأحكام قد تختلف باختلاف الزمان". (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۳، ۵۳۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۱۱۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۸، ميمنيه مصر)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۳، ص: ۳۹۴

اگرچہ زبانی طے نہ کیا جائے، تب بھی وہ طے کرنے ہی کے حکم میں ہے(۱) چاہے آپ اس کا نام ہدیہ رکھ دیں، مگر ہے وہ معاوضہ۔ اس کی کھلی نشانی یہ ہے کہ نہ ملنے پر یا تخمینہ سے کم ملنے پر امام صاحب ناک منہ چڑھاتے ہیں اور کبھی طعن تشنیع بھی کرتے ہیں، پھر بھی بعض مقتدیوں کو امام صاحب پر ترس آتا ہے، بعض کو غصہ آتا ہے اور آئندہ کے لئے امام صاحب بھی سنانے سے عذر کر دیتے ہیں، کبھی اشارہ ہی اشارہ میں مقصد بتا بھی دیتے ہیں اور کبھی کوئی لطیف وجہ بیان کر کے دوسری جگہ تجویز کر لیتے ہیں۔

اگر امام صاحب نے کچھ زیادہ مانگ لیا تھا یا کم دینے پر ناخوشی کا اظہار فرمایا تھا تو مقتدی یا تو ان کے تخمینہ کے مطابق دیں گے یا پھر دوسرے امام کا انتظام کریں گے، ان حالات میں اس کو ہدیہ کہنا محض لفظی چکر ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، اگر کسی جگہ اس لینے دینے کا طریقہ اور دستور بالکل نہ ہو اور امام صاحب حسبۃً للہ سنائیں اور ان کا ذہن بالکل خالی ہو اور نہ ملنے پر ان کو خیال تک نہ آئے اور نہ ملنے پر آئندہ کوئی عذر نہ کریں، تو پھر جو کچھ پیش کیا جائے، وہ ہدیہ بن سکتا ہے اور اس کو درست قرار دیا جائے گا، بشرطیکہ دوسروں کو اس سے استدلال کا موقع نہ ملے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۸۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "لأن المعروف كالمشروط، والقران بالأجرة لايستحق الثواب، والأخذ والمعطي اثمان".

(ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، ۵۶، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/۱۳۷، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الفصل الثالث في الاستئجار على ختم التراويح

(ختمِ تراویح پر اجرت لینے کا بیان)

شبینہ پڑھانے پر اجرت لینے کا حکم

سوال[۱۱۰۰۲]: یہاں بارہ گھنٹے میں قرآن ختم کیا جاتا ہے، حفاظ شرطیہ اجرت لیتے ہیں، ان کی مانگ کے مطابق دیا جائے تو وہ قرآن خوانی کریں گے ورنہ نہیں، ساری رات لاؤڈ اسپیکر میں قرآن خوانی کرتے ہیں، سامعین عدد میں کم ہوتے ہیں، قرآن کی آیات مجلس کے باہر کے لوگوں کے کانوں میں ایسے وقت میں پہنچتی ہیں، جب کہ لوگ طرح طرح کے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں، کیا یہ حرکات قرآن کی آیت ﴿وأنصتوا﴾ کے خلاف نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ اجرت لینا دینا حرام ہے، اس طرح پڑھنے والے ثواب کے مستحق نہیں، بلکہ گنہگار ہیں۔ کذا في ردالمحتار(۱)، وشروح الهدايه(۲). ان حالات میں اتنا بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کرنا احترام

---

(۱) "ولايصح الاستئجار على القراءة، وإهدائها إلى الميت؛ لأنه لم ينقل عن أحد من الأئمة الإذن في ذلك، وقد قال العلماء: إن القارئ إذا قرء لأجل المال فلا ثواب له فأي شيء يهديه إلى الميت، وإنما يصل إلى الميت العمل الصالح، والاستئجار على مجرد التلاوة لم يقل به أحد من الأئمة". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل......: ۶/۵۷، سعيد)

"وقد صرح أئمتنا وغيرهم بأن القارئ للدنيا لا ثواب له، والآخذ والمعطي آثمان". (رسائل ابن عابدين، شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل: ۱/۱۶۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في تنبيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإجارة، رسائل الإجارة الفاسدة، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۷، المكتبة الحقانيه پشاور)

(۲) "قال تاج الشرعية في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ، =

قرآن پاک کے خلاف ہے کہ سننے والے حق سماعت ادانہیں کر سکتے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۷ھ۔

تراویح میں سنانے کی اجرت لینا اوراس کوفروخت کرنا

سوال[۱۱۰۰۳]: ایک حافظ قرآن نے ختم القرآن کے دن ایسا کیا کہ جو ہار پھولوں کا مقتدیوں کی طرف سے ملا تھا، انہوں نے وہیں نیلام کر دیا، اس کا نیلام تین سوپچھتر روپیہ میں ہوا، وہ پیسہ انہوں نے آدھا روپیہ مسجد کی تعمیر میں فنڈ کو دے دیا اور آدھا روپیہ مدرسہ کی تعمیری فنڈ میں دے دیا، اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد میں ہی نیلام کیا تو برا کیا، مسجد میں بیع شرا کی اجازت نہیں (۲)، اگر خارج مسجد میں نیلام کیا تو

= وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۷، سعيد)

(۱) "وفي الفتح عن الخلاصة: رجل يكتب الفقه وبجنبه رجل يقرء القرآن، فلا يمكنه استماع القرآن، فالإثم على القارئ، وعلى هذا لوقرء على السطح والناس نيام يأثم اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، فروع في القراءة خارج الصلاة: ۱/۵۴۶، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۲۹۸، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة ومالايكره، ص: ۴۹۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى عن التحلق يوم الجمعة قبل الصلاة، وعن الشراء والبيع في المسجد". (سنن النسائي، كتاب المساجد، باب النهي عن البيع والشراء في المسجد: ۱/۱۱۷، قديمی)

"وكره إحضار بيع فيه كما كره فيه مبايعة غير المعتكف مطلقاً للنهي". (الدر المختار، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۹، سعيد)

"وقيد بالمعتكف؛ لأن غيره يكره له البيع مطلقاً، لنهيه عليه السلام عن البيع والشراء في المسجد". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/۵۳۰، رشيديه) ....=

درست ہے، یہ حکم تو نفسِ نیلام کا ہے۔ قرآن پاک تراویح میں سنانے کا معاوضہ خواہ بصورت نقد ہو یا کوئی اور چیز ہو، نیز پہلے سے طے کر لی ہو یا بغیر طے کئے صرف ذہن میں ہو، درست نہیں ہے، خاص کر جب کہ حافظ صاحب کو دینے کا رواج بھی ہو(۱)، حافظ صاحب نے اس کو اپنے پاس نہیں رکھا، بلکہ مدرسہ ومسجد میں دے دیا، اچھا کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= (وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/ ۳۷۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "عن بريدة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم". (مشكاة المصابيح، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث، ص: ۱۹۳، قديمی)

"الأصل: أن كل طاعة يختص بها المسلم لايجوز الاستئجار عليها عندنا لقوله عليه السلام: اقرؤوا القرآن ولا تأكلوا به ...... ولأن القربة متى حصلت وقعت على العامل، ولهذا تتعين أهله فلا يجوز له أخذ الأجرة من غيره". (ردالمحتار، باب الإجارة الفاسدة: ۶/ ۵۶، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/ ۱۳۸، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في مجموعه رسائل ابن عابدين، الرسالة الرابعة: ۱/ ۱۶۷-۱۶۹، عثمانيه كوئٹه)

الفصل الرابع في الاستئجار على الوعظ

(وعظ وخطابت پر اجرت لینے کا بیان)

تقریر کرانے پر اجرت

سوال[۱۱۰۰۴]: تقریر کے لئے جو روپے پیش کئے جاتے ہیں، ان کا لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستقلاً ملازمت اور ماہانہ تنخواہ لینا درست ہے، ایک تقریر پر درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان ...... وزاد بعضهم: الأذان، والإقامة والوعظ، ويجبر المستأجر على دفع ماقبل، فيجب المسمى بعقد، وأجر المثل إذا لم تذكر مدة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، ۵۶، سعيد)

"الاستئجار على الطاعات كتعليم القرآن، والفقه، والتدريس، والوعظ لايجوز، والمتأخرون على جوازه ...... وفتوىٰ علماء نا: أن الإجارة إن صحت يجب المسمى، وإن لم تصح يجب أجر المثل ...... والحيلة: أن يستأجر المعلم مدة معلومة ثم يأمره بتعليم ولده". (الفتاوىٰ البزازية، كتاب الإجاره، نوع في تعليم القرآن: ۵/۳۷، ۳۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الفصل الخامس في الاستئجار على التعويذ

(تعویذ پر اجرت لینے کا بیان)

وعظ وتعویذ پر معاوضہ لینا

سوال[۱۱۰۰۵]: تعویذ دے کر یا وعظ کہہ کر روپیہ لینا دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وعظ کہنے کی اگر نوکری کرے اور تنخواہ مقرر ہو جائے، تو تنخواہ لینا درست ہے(۱)، تعویذ اگر جانتا ہے اور اس میں کوئی بات خلافِ شرع نہیں لکھتا، تو اس کی اجرت میں روپیہ لینا بھی درست ہے(۲)، یہ دونوں مسئلے

(۱) "(و) لا لأجل الطاعات مثل (الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه) ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان". (الدرالمختار). "(قوله: ويفتى اليوم الخ) ...... وزاد بعضهم، الأذان والإقامة والوعظ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب إجارة الفاسدة: ۶/۵۵، سعيد)

"قال الإمام الفضلي: والمتأخرون على جوازه، والحيلة: أن يستأجر المعلم مدة معلومةً، ثم يأمره بتعليم ولده". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، نوع في تعليم القرآن والحرف: ۵/۳۷، ۳۸، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاویٰ الحامدية، مطلب: استأجره ليؤم الناس، كتاب الإجارة: ۲/۱۱۲، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في رسائل ابن عابدين، رسالة: شفاء العليل: ۱/۱۶۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "عن عوف بن مالك الأشجعي رضي الله تعالیٰ عنه قال: كنا نرقي في الجاهلية، فقلنا: يا رسول الله! كيف ترى في ذلك؟ فقال: "أعرضوا عليّ رقاكم، لابأس بالرقى مالم يكن فيه شرك" رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الأول، ص: ۳۸۸، قديمی)

"ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسماء الله تعالیٰ". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البس: ۶/۳۶۳، سعيد)

"وأما حديث رهط الذين رقوا لديغاً بالفاتحة، وأخذوا جعلاً، فسألوا النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، =

ردالمحتار کی پانچویں جلد میں مذکور ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۹/ ۸۸ھ۔

تعویذ پر اجرت

سوال[۱۱۰۰۶]: تعویذ پر اجرت لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ علاج ہے، جاننے والے کو اس پر پیسے لینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= فقال: أحق ما أخذتم عليه أجراً، كتاب الله، فمعناه "إذا رقيتم به" كما نقله العيني في شرح البخاري عن بعض أصحابنا، وقال: إن الرقية بالقرآن ليست بقربة، أي: لأن المقصود بها، الاسشفاء، دون الثواب". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب: في حكم الاستئجار على التلاوة: ۱۳۸/۲، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، الفصل الرابع: ۴۵۰/۴، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۱۱۶/۳، امجد اكيڈمی لاهور)

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه، أن رهطا من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم انطلقوا في سفرة سافروها، فنزلوا بحي من أحياء العرب فقال بعضهم: إن سيدنا لدغ، فهل عندكم شيء ينفع صاحبنا؟ فقال رجل من القوم نعم! والله لأرقي ولكن استضفناكم فأبيتم أن تضيفونا، ما أنا براق حتى تجعلوا لي جعلاً، فجعلوا له جعلا قطعة من الشاة، فأتاه فقرأ عليه أم الكتاب ويتفل حتى برئ ...... فغدوا على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فذكروا له، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من أين علمتم أنها رقية، أحسنتم اقتسموا، واضربوا لي معكم بسهم في الحديث دليل على أن يجوز الأجرة على الرقى والطب". (بذل المجهود، باب كيف الرقى: ۱۱/۵، معهد الخليل كراچی)

"جاز الاستئجار على الرقية ولو كانت بالقرآن؛ لأنها لم تفعل قربة لله تعالىٰ بل للتداوي، فهي كصنعة الطب وغيرها من الصنائع". (رسائل ابن عابدين، الرسالة السابعة: ۱۵۷/۱، عثمانيه كوئٹه)

"جوزوا الرقية بالأجرة، ولو بالقرآن كماذكره الطحطاوي؛ لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوي". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۷/۶، سعيد)

باب الاستئجار على المعاصي

(ناجائز کاموں پر اجرت لینے کا بیان)

جاندار کی تصاویر کو فریم کرنے کی اجرت

سوال[۱۱۰۰۷]: زید ایک دکان فریم بنانے کی کرنا چاہتا ہے، شیشہ کا فریم ہوگا، اس میں بہت سے لوگ سندیں، سرٹیفکیٹ، عمارت کی تصویر، بیل بوٹے، باغات جھاڑیاں وغیرہ فریم کرائیں گے، لیکن دریافت طلب بات یہ ہے کہ جب زید یہ کام شروع کرے گا، تو بہت سے مسلم اور غیر مسلم جاندار چیزوں کی تصویریں لائیں گے اور اسے فریم کرنے کے لئے کہیں گے، اب سوال یہ ہے کہ زید اسے فریم کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جاندار کی تصویر بنانا تو حرام اور کبیرہ گناہ ہے(۱)، اس کو اجرت پر فریم کرنا اس حکم میں نہیں، بلکہ اس میں تخفیف ہے، اس میں ایک حرام چیز کا فی الجملہ استحکام واعزاز بھی ہے، اس لئے مکروہ ہے، اس کی اجرت میں کراہت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۴ھ۔

---

(۱) "وظاهر كلام النووي في شرح المسلم: الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة: ۱/۶۴۷، سعيد)

"قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ: قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه". (شرح النووي على صحيح مسلم، باب تحريم صورة الحيوان: ۲/۱۹۹، سعيد)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة: ۲/۱۱۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲) .... =

سینما کی آمدنی

سوال[۱۱۰۰۸]: زید کا ایک منی فلم (یعنی چھوٹا سینما) ہے، وہ اس کو ایک رات دوسو روپے کرایہ پر دیتا ہے، لوگ اس کو منع کرتے ہیں کہ تو اس حرام کام سے باز آجا، منہ سے تو برا کہتا ہے، لیکن عمل کے اندر سینما چالو رکھتا ہے، بکر نے زید کو کہا کہ تم حرام خوری کیوں کرتے ہو، ایک تو سینما دیکھنا گناہ، تم دکھاتے ہو اور آمدنی سے اپنا پیٹ بھی بھرتے ہو۔

اچھا تم ایک کام کرو، مجھے پانچ سو روپیہ ہر مہینہ دو یا اپنی خوشی سے جو بھی دو، لیکن ہر مہینہ دو یا ایک ساتھ دس ہزار روپے دے دو تو میں تم کو ایک ترکیب بتلا دوں، زید نے کہا کہ پھر پوچھنے کی کیا بات ہے، میں راضی ہوں، تم ترکیب بتلاؤ، تو بکر نے کہا کہ دیکھو! تم سینما چلاتے ہو، یہ ہوا حرام اور اس کی آمدنی بھی حرام سے ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ بکر کا اس ترکیب سے ہر مہینہ پانچ سو روپے لینا یا وہ خوشی سے جو دے اس کو بتا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں بتایا تو کیا بکر گنہگار رہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تبدل ملک سے اگر تبدل عین کا حکم ہو جائے، تو اس سے سینما کی آمدنی کیسے درست ہو جائے گی؟ اور

= "يأمر تعالى عباده المؤمنين على فعل الخيرات ...... وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم". (تفسير ابن كثير، المائدة: ۲/ ۱۰، دار السلام رياض)

"قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: قوله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ فيعم النهي كل ماهو من مقوله الظلم والمعاصي". (روح المعاني: ۶/ ۵۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"من استأجر حمالاً يحمل له الخمر، فله الأجر في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وعند أبي يوسف ومحمد لا أجر له ...... وذكر في الجامع الصغير: يطيب له الأجر في قول أبي حنيفة، وعندهما يكره، لهما: أن هذه إجارة على المعصية ...... لكونه إعانة على المعصية، وقد قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارات: ۴/ ۴۰، رشيديه)

"وفي نوادر هشام عن محمد رحمه الله تعالىٰ: استأجر رجلاً ليصور له صوراً أو تماثيل الرجال في بيت أو فسطاط فإني أكره ذلک وأجعل له الأجرة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، مطلب في الإجارة على المعاصي: ۴/ ۴۵۰، رشيديه)

یہ کاروبار کیسے جائز ہو جائے گا (۱)؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۴/۹۶ھ۔

چنگی کی ملازمت کا حکم

سوال[۱۱۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ زید اکل حلال کے ذریعہ زندگی گزارنا چاہتا ہے، موصوف میونسپلٹی میں ملازم ہے اور زید کے ذمہ ملازم ہونے کی حیثیت سے دو کام سپرد ہیں، جن کی تفصیل ذیل میں ہے:

۱...... میونسپل بورڈ کی چنگی کے ذریعہ وصول کیا گیا محصول کی نگرانی کرنا اور شہر میں باہر سے مال لانے والوں کو محصول ادا کرنے پر مجبور کرنا، ایسے مال مالکوں سے جو مال بغیر محصول ادا کئے ہوئے شہر میں آجاتے ہیں، گرفت کر کے ان سے اصل محصول سے پانچ گنا یا بیس گنا تک تاوان وصول کرنا۔

---

(۱) سینما خواہ کسی کی بھی ملک ہو، اس کو کرایہ پر دینا اور اس کو ذریعہ آمدنی بنانا حرام ہے، اس لئے کہ گانا اور تصویر حرام اور معصیت بعینہ ہے اور اجارہ علی المعاصی ناجائز ہے اور سینما نام ہی ان دو چیزوں کا ہے۔

"قال رحمه الله تعالىٰ: ولا يجوز على الغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر من غير أن يستحق عليه؛ لأن المبادلة لاتكون إلا عند الاستحقاق، وإن أعطاه الأجر، وقبضه لايحل، ويجب عليه رده على صاحبه ...... وفي المضمرات: الغناء حرام في جميع الأديان". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۵، ۳۶، رشيديه)

"لاتجوز الإجارة على شيء من الغناء، والنوح، والمزامير، والطبل وشيء من اللهو؛ لأنه معصية، والإجارة على المعاصي باطل". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۴/۸، حبيبيه كوئٹه)

"لو استأجر رجلاً ينحت له أصناما، أو يزخرف له بيتاً بتماثيل، والأصباغ من رب البيت فلا أجر، وكذا لو استأجر نائحة أو مغنية فلا أجر لها؛ لأن فعلها معصية". (المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، نوع أخر في الاستئجار على المعاصي: ۹/۱۸۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۱۱۸، ۱۱۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۹/۱۰۰، رشيديه)

۲......شہر کی حدود کے اندر نام مکانات دکانات وغیرہ پر خواہ وہ کرایہ پر ہوں یا اپنے نجی استعمال میں ہوں، اوسطاً سالانہ آمدنی کرایہ کا دس فیصدی ٹیکس وصول کرنا، ادانہ کرنے کی صورت میں مکان یا دکان کی قرقی کرانا، آیا یہ نوکری شرعی حیثیت سے جائز ہے یا نہیں؟ مدلل ارقام فرمائیں۔

۳......ملازمین قانونی خلاف ورزی کرتے ہوئے پکڑے جائیں، جیسے مال مالکوں سے چنگی کی شرح کے مطابق پورا محصول وصول نہ کر کے اپنے فائدے کے لئے واجب محصول سے کم رقم لیکر مال مالکوں کو بغیر رسید دیئے ہوئے چھوڑ دیتے ہیں، اس کا علم ہونے پر قانونی کارروائی کئے جانے پر ملازمین معطل یا ملازمت سے برطرف یا ان پر کوئی جرمانہ بھی کیا جاسکتا ہے، اس لئے اگر ان کی کچھ خامیوں کو نظر انداز کر دیا جائے، جب کہ اکثریت ملازمین کی مسلم ہے، تو عند اللہ مواخذہ دار تو نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......اگر حکومت کی طرف سے شہر میں آنے والے تاجروں کے مال کی حفاظت کا انتظام ہے کہ وہ اس انتظام کی بدولت اپنے پورے سامان تجارت کو لے کر عافیت کے ساتھ شہر میں پہنچ جاتے ہیں اور یہاں کاروبار کرتے ہیں، مال فروخت کر کے روپیہ لے کر عافیت کے ساتھ پہونچ جاتے ہیں، ان کا راستہ میں نہ مال ضائع ہوتا ہے نہ روپیہ تو اس حالت میں چنگی حسبِ ضابطہ وصول کرنا درست ہے(۱)، اس کی ملازمت، نگرانی بھی درست ہے، لیکن خلاف ورزی کرنے والوں سے مال جرمانہ وصول کرنے کی اجازت نہیں، مال جرمانہ ابتدائے اسلام میں تھا، پھر منسوخ ہو گیا۔

---

(۱) "وقال أبو جعفر البلخي: مايضر به السلطان على الرعية مصلحة لهم يصير دينا واجباً وحقا مستحقاً كالخراج، وقال مشايخنا: وكل مايضر به الإمام عليهم لمصلحة لهم، فالجواب هكذا حتى أجرة الحراسين لحفظ الطريق واللصوص ونصب الدورب، وأبواب السكت ...... لايجوز الامتناع عنه وليس بظلم". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۳۳۶، ۳۳۷، سعيد)

"وإنما ينصب ليأمن التجار من اللصوص، ويحميهم منهم، فيستفاد منه أنه لا بد أن يكون قادراً على الحماية؛ لأن الجباية بالحماية". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العاشر: ۲/۴۰۲، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل وأما شرائط ولاية الأخذ: ۲/۱۳۷، رشيديه)

"في الدر المختار: "كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ. قال الشامي: ناقلاً عن البحر والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال" شامي كراچی، ص: ٦٢ (١).

شہر میں اگر مکان دکانوں کی حفاظت کے لئے پہرہ دار مقرر ہیں، جن کی وجہ سے چوری وڈاکہ سے حفاظت رہتی ہے، تو اس حفاظت کے معاوضہ کے طور پر کچھ وصول کرنا یہ بھی درست ہے، اس کی ملازمت بھی درست ہے، لیکن حفاظت کا انتظام نہیں، راستہ میں یا شہر میں چوری بھی ہوتی ہے، ڈاکہ بھی پڑتا ہے اور جو نقصان ہوا، اس کا معاوضہ بھی نہیں دیا جاتا۔

بلکہ صورت یہ ہوتی ہے کہ راستہ میں کچھ مال ڈاکوؤں نے چھین لیا، کچھ معمولی باقی بچا اس کو لے کر شہر میں آئے تو چنگی والوں نے وصول کرلیا، پھر شہر میں آکر وہاں ٹیکس ادا کرنا پڑا، اگر ٹیکس ادا کرنے کو کچھ پاس نہیں تھا، تو مکان کی قرقی (۲) کی نوبت آئی یا اس سواری کی قرقی کرلی گئی جس پر مال لائے تھے، تو یہ غریب خالی ہاتھ خسارے ہی خسارے میں رہا، آئندہ کو مال لانے سے روک دیا گیا، بیوی بچے پریشان رہے، ان کے کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں رہا، یہ خود جیل میں مصیبت بھرتا رہا، ایسی ملازمت اعانت جرم ہے، جو شرعاً درست نہیں (۳)۔

۲..... جو صورت ظلم کی ہو، اس سے درگزر کیا جائے (۴)، جو محصول شرعاً واجب الادا ہو، اس سے

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في تعزير أخذ المال: ۶۱/۴، ۶۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴۱۱/۲، دار المعرفة بيروت)

(۲) "قرقی: ضبطی، روک، ممانعت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۵۴، فیروز سنز لاہور)

(۳) "عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه، قال سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: لا يدخل الجنة صاحب مكس يعني العشار". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱۲۶/۵، رقم الحديث: ۱۲۸۷۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وما ورد في ذم العاشر محمول على من يأخذ أموال الناس ظلماً كما يفعله الظلمة اليوم".

(تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب العاشر: ۸۳/۲، دار الكتب العملية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العاشر: ۴۰۳/۲، رشيديه)

(۴) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

درگزر کرنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۷/ ۹۹ھ۔

اپنی زمین فرم کو کرایہ پر دینا

سوال[۱۱۰۱۰]: کسی فرم کو جائیداد کرایہ پر دینا یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس جگہ (Hire Purchase) کا کاروبار کرے گی، جائز ہے؟ اور اگر ایسی جائیداد ترکہ میں اس حال میں ہے کہ پہلے ہی سے "ہائر پرچیز" کا اس میں کاروبار ہو رہا ہو، تب کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

امام اعظم کے نزدیک جائز ہے۔"وهو الأوسع". اور صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے۔"وهو الأورع"

"وجاز إجارة بيت ليتخذ بيت نار، أو كنسية، أو بيعة، أو يباع فيه الخمر، وقالا: لاينبغي ذلك" اه درمختار وبسط النقول الشامي". (الدر المختار مع هامش الشامي نعمانيه، كتاب الحظر والإباحة: ٥/ ٢٥١)(٢).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۱۱/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۱۱/ ۸۷ھ۔

---

(۱) یہ اپنی ذمہ داری میں کوتاہی، خیانت اور اعانت علی الاثم کے زمرے میں آتا ہے۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : اية المنافق ثلاثة ...... إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب علامات النفاق، ص: ١٧، قديمى)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ١/ ١٠، قديمى)

قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ٢)

(٢) (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/ ٣٩٢، سعيد)

"إذا استأجر الذمي من المسلم بيتا ليبيع فيه الخمر جاز عند أبي حنيفة خلافاً لهما". (الفتاوىٰ =

فاحشہ کوزمین کرایہ پر دینا

سوال[۱۱۰۱۱]: ایک حاجی صاحب نے اپنی زمین ایک عورت جوفاحشہ ہے، کوفعل بد کے لئے کرایہ پردے دی ہے، اس کا کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فعل بد کے لئے زمین دینا تو جائز نہیں(۱)، اگر رہنے کے لئے زمین دی ہے اور وہ اس پرفعل بد ہی کرے گی، تو اس کا حکم دوسرا ہے، اس پرناجائز ہونے کا حکم نہیں ہے(۲)، البتہ فعل بد سے کمایا ہوا روپیہ کرایہ میں لینا درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۲/۲/۸۷ھ۔

= العالمكيرية، كتاب الإجارة، نوع في الاستئجار على المعاصي: ۴/۴۴۹، رشيديه)

"لو استأجر الذمي من المسلم بيتا يبيع فيه الخمر جاز عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ولابأس للمسلم أن يؤاجر داره من ذمي يسكنها، وإن يشرب فيها الخمر، أو عبد فيها الصليب، أو أدخل فيها الخنازير، فذلك لايلحق المسلم كمن باع غلاماً ممن يقصد به الفاحشة". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲/۳۲۴، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، نوع آخر في الاستئجار على المعاصي: ۹/۱۰۹، غفاريه كوئٹه)

(۱) "لاتصح الإجارة ...... لأجل المعاصي". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الاستيجار على المعاصي: ۶/۵۵، سعيد)

(وكذا في الدرر والغرر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲/۲۳۳، مير محمد كتب خانه كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، مطلب الإجاره على المعاصي: ۴/۴۴۹، رشيديه)

(۲) قال المفتي محمد شفيع العثماني رحمه الله تعالىٰ:

"كما يستفاد من بلوغ القصد والمرام معزيا للهيثمي، ولما هو من القواعد المسلمة من فقه الأحناف أن كثيراً من الأفعال لايجوز قصداً ويجوز تبعاً كما صرحوا في جواز بيع الحقوق تبعاً للدار ولا إصالةً وقصداً". (تصویر کے شرعی احکام، ص: ۸۸، إدارة المعارف كراچی)

"قد يثبت من الحكم تبعاً مالا يثبت مقصوداً كالشرب في البيع، والبناء في الوقف". =

کیا نائی کی مزدوری حرام ہے؟

سوال[۱۱۰۱۲]: نائی کی روزی حرام بتائی جاتی ہے، کیوں بتائی جاتی ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں، اگر نائی کی روزی حرام ہے تو اس سے چندہ لے کر مدارس دینیہ ومساجد میں کیوں لگایا جاتا ہے؟ بے نمازی کی روزی بھی حرام ہے اور بے نمازی مسجد اور مدرسہ میں چندہ کی رقم دیتا ہے، لینے والے شخص کو خوب معلوم ہے کہ یہ بے نمازی ہے، پھر اس سے پیسہ کیوں لیا جاتا ہے، نیز مدارس میں نمازی بے نمازی سب کا پیسہ جاتا ہے، ان یتیم بچوں کو حرام غذا کھلا کر تعلیم حاصل کراتے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ نمازی آدمی اور دین دار آدمی کو حلال وطیب روزی کھلانی چاہیے۔

ایک طرف علماء تو کہتے ہیں کہ حلال روزی کمانی اور کھانی چاہیے، پھر وہ علماء چندہ کر کے حرام روزی طلبہ کو کیوں کھلاتے ہیں؟ مسجد میں بے نمازی سے جبراً پیسہ لے کر لگاتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو نائی سر مونڈھتا ہے، مونچھیں صحیح طریقہ پر بناتا ہے، ناخن تراشتا ہے اور اس پر اجرت لیتا ہے، تو اس کی کمائی حرام نہیں (۱)، آپ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ نائی کی روزی مطلق حرام ہے، جو شخص شریعت کے مطابق

= (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في وقت المنقول تبعاً للعقار: ۳۶۱/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۳۴/۵، رشيديه)

(۳) "إن علـم أنـه مغـصوب عينه، لايحل أن يأكل؛ لأنه علم بالحرمة". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة: ۴۰۰/۳، رشيديه)

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، الرابع في الهدية: ۳۶۰/۶، رشيديه)

(۱) "عـن ابـن عباس رضي الله تعالىٰ عنه، قال احتجم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واعطى الحجام أجره ولو علم كراهية لم يعطه". (صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب خراج الحجام: ۳۰۴/۱، قديمى)

"واختـلف الـعـلـماء بعد ذلک في هذه المسألة فذهب الجمهور إلى أنه حلال واحتجوا بهذا الحديث، وقالوا: هو كسب فيه دناءة وليس بمحرم". (فتح الباري، كتاب الإجارة، باب خراج =

تجارت، زراعت، وقت مزدوری سے روزی کماتا ہے، وہ حرام نہیں، اگرچہ نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے ایسا شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، لیکن اس کی وجہ سے اس روزی کو حرام نہیں کہا جائے گا۔ جبراً پیسہ لینا نہ نمازی سے درست ہے، نہ بے نمازی سے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲۲/۱۴۰۰ھ۔

نائی کی اجرت

سوال [۱۱۰۱۳]: ایک مقرر صاحب نے ایک تقریر میں یہ فرمایا کہ بال بر کی اجرت حرام ہے، جب سے احقر نے یہ سنا ہے، بے حد پریشان ہے، احقر کا یہی پیشہ ہے، لہٰذا اپنی کمائی خیر خیرات کرتا اور زکوۃ دیتا ہے، مسجد اور مدرسہ میں حتی الامکان اپنا روپیہ صَرف کرتا ہے اور نیز کھانا، پینا، پہننا سب اسی کمائی سے ہی ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بال بر اگر شریعت کے مطابق سر مونڈتا، لبیں بناتا، بغلیں مونڈتا، ناخن تراشتا ہے تو اس کی اجرت حرام

= الحجام: ۵۷۸/۴، قديمی)

"فأما استئجار الحجام لغير الحجامة، كالفصد وحلق الرأس وتقصيره والختان وقطع شيء من الجسد للحاجة إليه فجائز ...... ولأن هذه الأمور تدعو الحاجة إليها ولا تحريم فيها، فجازت الإجارة فيها وأخذ الأجرة عليها كسائر المنافع المباحة". (إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب كسب الحجام: ۱۲۰/۱۶، ۱۲۱، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول: ۵۴۴/۱، دارالكتب العملية بيروت)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۱/۴، سعيد)

(وكذا في السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب جارية فباعها: ۱۶۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

نہیں بلکہ جائز ہے(۱)۔ شاید لفظ حجام سے شبہ ہوا ہوگا کہ اس کی اجرت کو حدیث میں خبیث فرمایا گیا ہے(۲)، وہاں حجام سے باربر مراد نہیں، بلکہ پچھنا لگانے والا مراد ہے، عربی میں باربر کو حجام نہیں کہتے، بلکہ حلاق کہتے ہیں اور حجام پچھنے لگانے والے کو کہتے ہیں، البتہ داڑھی مونڈنا باربر کے لئے بھی ناجائز ہے(۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۲/۱۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه، قال احتجم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واعطى الحجام أجره ولو علم كراهية لم يعطه". (صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب خراج الحجام: ۱/۳۰۴، قديمى)

"واختلف العلماء بعد ذلک في هذه المسألة فذهب الجمهور إلى أنه حلال واحتجوا بهذا الحديث، وقالوا: هو كسب فيه دناءة وليس بمحرم". (فتح الباري، كتاب الإجارة، باب خراج الحجام: ۴/۵۷۸، قديمى)

"فأما استئجار الحجام لغير الحجامة، كالفصد وحلق الرأس وتقصيره والختان وقطع شيء من الجسد للحاجة إليه فجائز ...... ولأن هذه الأمور تدعو الحاجة إليها ولا تحريم فيها، فجازت الإجارة فيها وأخذ الأجرة عليها كسائر المنافع المباحة". (إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب كسب الحجام: ۱۶/۱۶۰، ۱۶۱، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ثمن الكلب خبيث، ومهر البغي خبيث، وكسب الحجام خبيث". (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم ثمن الكلب، ص: ۶۸۵، دارالسلام)

(ومشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول: ۱/۵۱۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في ثمن الكلب: ۲/۲۹۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "لاتصح الإجارة ...... لأجل المعاصي". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الاستيجار على المعاصي: ۶/۵۵، سعيد)

(وكذا في الدرر والغرر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲/۲۳۳، مير محمد كتب خانه كراچى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، مطلب الإجاره على المعاصي: ۴/۴۴۹، رشيديه)

کتاب المزارعة

(مزارعت کا بیان)

مزارعت یا مساقات کا معاملہ

سوال[۱۱۰۱۴]: فصل آنے سے پہلے پانچ سال کے لئے فصل ستر ہزار میں خریدی، اس کے ساتھ ساتھ مالک سے کہا گیا: ہم اس کے اندر کچھ پیڑ مختصر لگائیں گے، اس میں آپ کا ساجھا(۱) رہے گا اور زمین اور پانی آپ کا کھاد اور اوپر کا خرچ تمام ہمارا ہوگا، شریعت کی روشنی میں جواب درکار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

باغ میں پھل موجود نہیں، زمین میں فصل موجود نہیں، پھر پانچ سال کے لئے اس کو خریدنا معدوم کو خریدنا ہے، یہ بیع شرعاً درست نہیں (۲)، ہاں! زمین میں چاہے باغ کی زمین ہو یا خالی ہو، کھیتی کرنے کے لئے اور پیڑ لگانے کے لئے اجارہ کا معاملہ کر لینا درست ہے(۳) اور مزارعت، یعنی پیداوار کی شرکت اور مساقات یعنی

---

(۱) ''ساجھا: کسی کام میں حصہ داری یا شراکت''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۰۶، فیروز سنز لاہور)

(۲) "ومنها في المبيع وهو أن يكون موجوداً، فلا ينعقد بيع المعدوم". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه الخ: ۳/۲، رشيديه)

"وكونه مقدور التسليم، فلا ينعقد بيع المعدوم". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۳، رشيديه)

(۳) "(و) تصح إجارة (أرض للزارعة مع بيان ما يزرع فيها، أو قال عليّ أن أزرع فيها ما أشاء) كي لا تقع المنازعة وإلافهي فاسدة للجهالة". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۶/۲۹، سعيد) .... =

درختوں کے پھل میں شرکت کا معاملہ درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مقدار غلہ طے کر کے زمین کاشت کے لئے دینا

سوال[۱۱۰۱۵]: ہمارے یہاں زمین فول کو دی جاتی ہے، یعنی کاشت کار سے اقرار نامہ لکھوا کر اپنی زمین پر اس کو کاشت کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، اقرار نامہ کے ذیل میں درج کی گئی کئی صورتیں ہوتی ہیں:

۱......نقد روپیہ لے کر زمین پر کاشت کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

۲......فصل سے پہلے ہی یہ طے کرلیا جاتا ہے کہ جو بھی فصل ہوگی، اس میں معینہ مقدار مثلاً: دس من غلہ

= "قوله: (والأراضي للزارعة أن يبين ما يزرع فيها أو قال عليّ أن أزرع فيها ما أشاء) أي: صح ذلک للإجماع العملي عليه". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۵۱۸/۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، الفصل الأول: ۴۴۰/۴، رشيديه)

(۱) "(هي) لغة: مفاعلة من الزرع، وشرعاً (عقد على الزرع ببعض الخارج) ...... (ولا تصح عند الإمام)؛ لأنها كقفيز الطحان (وعندهما تصح وبه يفتى) للحاجة". (الدرالمختار، كتاب المزارعة: ۲۷۴/۶، ۲۷۵، سعيد)

"(أما شرعيتها) فهي فاسدة عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وعندهما جائزة، والفتوىٰ على قولهما لحاجة الناس". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المزارعة، الباب الأول في شرعيتها وتفسيرها وركنها وشرائط جوازها وحكمها وصفتها: ۲۳۵/۵، رشيديه)

"وشرعاً: معاقدة (دفع الشجر) والكروم ...... (إلى من يصلحه بجزء) معلوم من ثمره، وهي كالمزارعة حكماً وخلافاً". (الدرالمختار، كتاب المساقاة: ۲۸۵/۶، ۲۸۶، سعيد)

"المعاملة في الأشجار والكرم بجزء من الثمرة فاسدة عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وعندهما جائزة إذا ذكر مدة معلومة وسمى جزأ مشاعاً، والفتوىٰ على أنه تجوز وإن لم يبين المدة، كذا في السراجية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المعاملة، الباب الثاني في المتفرقات: ۲۷۸/۵، رشيديه)

زمین دارکو دیا جائے گا، چاہے پیداوار اچھی ہو یا خراب ہو، دونوں صورتوں میں معینہ مقدار، فول دار، زمین دارکو دیتا ہے۔ کیا یہ صورتیں جائز ہیں؟ اگر نہیں، تو کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... یہ صورت جائز ہے(۱)۔

۲...... یہ صورت جائز نہیں (۲)، ہاں! اگر اس طرح معاملہ کیا جائے کہ یہ زمین تم کو دی جاتی ہے، اس میں جو دل چاہے کاشت کرو، ہم کو اس کے معاوضہ میں دس من فلاں غلہ دے دو، تو جائز ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۱/۹۱ھ۔

---

(۱) "(و) تصح إجارة (أرض للزارعة مع بيان ما يزرع فيها، أو قال عليّ أن أزرع فيها ما أشاء) كي لا تقع المنازعة وإلافهي فاسدة للجهالة، وتنقلب صحيحة بزرعها ويجب المسمى". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۶/۲۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۷/۵۱۸، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الإجارة: ۴/۱۶، رشيديه)

(۲) "يعني لو شرطا لأحدهما قفزاناً معلومة تفسد؛ لأنه يؤدي إلى قطع الشركة في المسمى كما تقدم".

(البحرالرائق، كتاب المزارعة: ۸/۲۹۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب المزارعة: ۶/۲۷۶، سعيد)

(وكـذا فـي الـفتـاوىٰ الـعـالـمكيرية، كتاب المزارعة، الباب الأول في شرعيتها وتفسيرها وركنها الخ: ۵/۲۳۵، رشيديه)

(۳) "يشترط أن تكون الأجرة معلومة، سواء كانت من المثليات أو من القيمات أو كانت منفعة أخرى؛ لأن جهالتها تفضي أيضاً إلى المنازعة فيفسد العقد". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في شروط صحة الإجارة: ۱/۲۵۴، رقم المادة: ۴۵۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكـذا فـي الـفتـاوىٰ الـعـالمكيرية، كتاب الإجاره، الباب الأول في تفسير الإجارة، وركنها، وألفاظها، وشرائطها، وبيان أنواعها الخ: ۴/۴۱۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/۵، سعيد)

کتاب الغصب

(غصب کا بیان)

دوسرے کی زمین کو غصب کرنا

سوال[۱۱۰۱۶]: زید، عمر، بکر تین آدمی ہیں، بکر نے کچھ زمین عمر کی اور کچھ زید کی زبردستی اپنے قبضے میں رکھی تھی، پٹواری نے بکر کی کچھ زمین زید کے نام درج کردی، جس سے قانونی طور پر بکر کی زمین کا مالک زید ہوگیا، زید کی جس زمین پر بکر کا زبردستی قبضہ تھا وہ اور تھی اور بکر کی جو زمین زید کے نام دے دی گئی، وہ اور ہے، مگر قیمت میں دونوں برابر ہیں۔

بکر کی زمین جو قانونی طور پر زید کے نام دے دی گئی، اس میں کچھ پیڑ ہیں، جس کی وجہ سے بکر کی زمین کی قیمت کچھ زیادہ بن گئی، عمر نے بکر سے تنگ آکر اپنی زمین عطیہ کے طور پر زید کو دے دی، زید نے عمر والی اور بکر والی دونوں زمین بذریعہ مقدمہ حاصل کرلی، زید کچھ زمین مذکورہ بالا بکر کے قبضہ میں ہے، اب زید آخرت کے مواخذہ کے ڈر سے بکر کی زمین واپس کرنا چاہتا ہے، مگر بکر کہتا ہے کہ عمر والی عطیہ زمین بھی جس پر غیر شرعی قبضہ بکر کا تھا، وہ بھی واپس کرو، اس صورت میں بکر والی زمین زید کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کسی کی زمین کو غصب کرنا گناہِ کبیرہ اور سخت جرم ہے(۱)، غاصب سے اپنا حق وصول کرنا شرعاً

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: " من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الأول: ۱/۵۴۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"وحكمه الإثم لمن علم أنه مال الغير". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۹، سعيد)=

درست ہے، خواہ قیمت کی صورت میں ہو، جس جس کی زمین ناحق قبضہ میں ہے، اس کو واپس کرنا ضروری ہے یا پھر رضامندی سے اس کی قیمت دے دی جائے (۱)، اگر حق دار کو اس کا حق دیا جائے تو اس کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ فلاں شخص کا بھی حق واپس کرو، یعنی اپنا حق قبول کرنے کے لئے یہ شرط نہ لگائے، ہاں! نصیحت وعہد کے طور پر کلمہ خیر کہہ دے ترغیب دے دے تو درست ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۹۲/۴/۲۹ھ۔

حکومت سے دوسرے کے نام سے زمین الاٹ کرائی، اس کا مالک کون؟

سوال[۱۱۰۱۷]: آج سے تقریباً ۱۵/ سال پہلے راجستھان سرکار نے ایسے کسانوں کو جن کے پاس کاشت کی زمین نہیں تھی، بلا قیمت زمین الاٹ کرنے کی اسکیم چلائی تھی، زید اس وقت اپنے گاؤں میں سرپنچ تھا۔ زید کے پاس کاشت کے لئے پہلے سے کافی زمین تھی، اس لئے اس اسکیم کے تحت زمین حاصل نہیں کرسکتا تھا، زید نے زمین حاصل کرنے کی غرض سے اپنے نام کی جگہ اپنے چھوٹے بھائی عمر کے نام سے درخواست دے کر جس کے پاس زمین کاشت پہلے سے نہیں تھی اور عمر اس اسکیم میں قانوناً زمین لے سکتا تھا، عمر کے نام ۱۵/ بیگھہ زمین الاٹ کروالی اور اس میں کاشت کرتا رہا۔

زید نے اس بات کو اپنے بھائی عمر کو نہیں بتلایا کہ میرے پاس ۱۵/ بیگھہ زمین تمہارے نام سے ہے، پچھلے سال عمر کو اس بات کا علم ہوا کہ زید کے پاس ۱۵/ بیگھہ کا الاٹ ہے، وہ اس کے نام میں ہے، عمر نے زید سے درخواست کی کہ اس زمین میں مجھے کاشت کرنے دو، کیونکہ حکومت نے میرے نام سے الاٹمنٹ دیا ہے، زید زمین پر اپنی ملک بتاتا ہے اور چھوڑنا نہیں چاہتا ہے، یہ زمین آج بھی سرکاری کاغذوں میں عمر کے نام ہے۔

۱...... زید کا عمر کے نام پر اس طرح زمین حاصل کرنا کیسا ہے؟

= (وكذا في الدرر والغرر، كتاب الغصب: ۲/۲۶۲، مير محمد كتب خانه كراچى)

(۱) "حكمه ...... رد العين قائمة والغرم هالكة". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۹، سعيد)

(وكذا في الدرر والغرر، كتاب الغصب: ۲/۲۶۲، مير محمد كتب خانه كراچى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۹۸، رشيديه)

۲......زمین کا شریعت کی رو سے مالک کون ہے؟

۳......اگر زمین کا مالک عمر ہے تو اتنے سالوں سے زید اس کو کاشت کرتا رہا اور آمدنی لیتا رہا، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

۴......اگر زید زمین کا مالک ہے، تو عمر کو زید کے نام زمین ٹرانسفر کرنے کے لئے کوئی شرط لگانے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......یہ طریقہ غلط ہے(۱)۔

۲......جو عمر کے نام سے الاٹ ہوئی ہے، عمر ہی مالک ہے(۲)۔

۳......وہ غلط طریقہ پر کاشت کرتا رہا اور آمدنی لیتا رہا(۳)۔

۴......زید کو چاہئے کہ وہ زمین عمر کے حوالہ کردے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۷/۹۹ھ۔

---

(۱) اس میں دھوکہ ہے اور دھوکہ دینا ناجائز ہے۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه: أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: قال: من حمل علینا السلاح فلیس منا، ومن غشنا فلیس منا". (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب قول النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: من غشنا فلیس منا: ۷۰/۱، قدیمي)

(وجامع الترمذي، کتاب البیوع، باب ماجاء في کراهیة الغش الخ: ۲۴۵/۱، قدیمي)

(۲) "وحکمها: ثبوت الملک للموهوب له غیر لازم". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الهبة: ۶۸۸/۵، سعید)

"یملک الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملک". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الهبة، الباب الأول في تفسیر الهبة الخ: ۳۷۴/۴، رشیدیه)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". رواه البیهقي في شعب الإیمان".

"ولا یجوز التصرف في مال غیره بغیر إذنه". (شرح الحموي، کتاب الغصب: ۴۴۴/۳، إدارة القرآن)

(وکذا في القواعد الکلیة الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، میر محمد کتب خانه)

(۳) "لایجوز لأحد أن یتصرف في ملک غیره بلا إذنه، أو وکالة منه أو ولایة علیه، وإن فعل کان =

دوسرے کی زمین میں پودے لگانا

سوال[۱۱۰۱۸]: زید کی زمین پر بکر نے ''کوکا''(۱) کے پودے لگانے کا خیال ظاہر کیا، زید کو منظور نہیں تھا، اس لئے انکار کرتا رہا، مگر بکر برابر اصرار کرتا رہا اور زید کی مرضی کے بغیر کوکا کے پودے لگا دیئے، ہم وطن اور تعلقات کی وجہ سے زید خاموش ہوگیا، بکر کی مالی حالت کمزور تھی، اس خیال سے کہ اگر میں مدد نہیں کرتا تو میری زمین خراب ہوجائے گی، بکر کو گھاس مارنے کے لئے زہر اور کھاد وغیرہ اور مزدوروں کی مزدوری دیتا رہا، دوسال کے بعد پودوں نے پھل دینا شروع کیا، جن سے بکر مستفیض ہوتا رہا، دس سال کے قریب ہورہا ہے، بکر کا یہاں پر انتقال ہوگیا ہے۔

اب حل طلب بات یہ ہے کہ بکر نے جو پودے زید کی زمین پر لگائے ہیں کیا بکر کی ملکیت مانی جائے گی؟ یہاں بکر کا کوئی وارث نہیں ہے، سب ہندوستان (میں ہیں)، جو دارالحرب ہے اور یہاں اسلامی مملکت ہے، زید خود پودوں کی نگہداشت نہیں کرسکتا اور نہ ہی کسی دوسرے کو نگرانی میں دینا چاہتا ہے، کوکا کے پودے ناریل کے درختوں کے نیچے لگائے جاتے ہیں، کیونکہ ان کو سایہ کی ضرورت ہوتی ہے، کوکا کے پودے کی عمر کم وبیش تیس سے چالیس سال کی ہوتی ہے، اب تک دس سال گزر چکے ہیں، زمین اور ناریل زید کے ہیں۔

(از پاکستان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ومن بنى أو غرس في أرض غيره بغير إذنه أمر بالقلع والرد، وللمالك أن يضمن له قيمة بناءٍ، أو شجرٍ أمر بقلعه إن نقصت الأرض به اهـ" تنوير الأبصار.

= ضامناً''. (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۱، رقم المادة: ۹۶، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

''وعلى الغاصب رد العين المغصوبة ..... لقوله عليه السلام: "على اليد ما أخذت حتى ترد''.

(الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۱، شرکت علمیہ ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۶/۲۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) ''کوکا: سرخ کنول''۔(فیروز اللغات، ص:۱۱۰۲، فیروز سنز لاہور)

"قولہ: (إن نقصت الأرض به) أي: نقصانا فاحشاً بحيث يفسدها،

أما لو نقصها قليلاً فيأخذ أرضه، ويقلع الأشجار، سائحانی عن المقدسي اهـ"

(الدرالمختار مع هامش الشامي نعمانيه، كتاب الغصب: ١٢٤/٥)(١).

اگر ان پودوں کو اکھاڑنے اور کاٹنے سے زمین میں نقصان زیادہ ہو، تو ان پودوں کی قیمت جن کے کاٹ ڈالنے کا حکم ہے، پودا لگانے والے کے ورثاء کو دے دی جائے، پھر وہ پودے مالک زمین کے ہوجائیں گے، اس مرحوم کے ترکہ کی وراثت بھی تو کسی ہندوستان میں رہنے والے وارث کو ملی ہوگی، اسی طرح یہ قیمت بھی دے دی جائے، اختلاف دارین حق مسلم میں مانع عن الارث نہیں (۲)۔ واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۱۴۰۶ھ۔

دوسرے کی زمین اپنے نام کرالینا اور وعدہ خلافی کرنا

سوال[۱۱۰۱۹]: ا...... ایک صاحب ہیں، جن کا نام تھا رسول احمد، ان کے چار لڑکے تھے، اصغر حسین، سکندر حسین، روشن حسین اور امجد حسین۔ رسول احمد کی جملہ جائیداد ان چاروں بھائیوں میں تقسیم ہوئی اور اب تک چلی آرہی ہے۔ نیز اب بھی جملہ وارثین قابض ہیں، لیکن ۴۷ء کے بعد سکندر حسین کے صاحبزادوں

---

(١) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الغصب، قبيل مطلب زرع في أرض الغير يعتبر عرف القرية: ١٩٤/٦، ١٩٥، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الغصب: ٢١٢/٨-٢١٣، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ٣٢٩/٦، دارالكتب العلمية بيروت)

(٢) "الرابع: اختلاف الدارين فيما بين الكفار عندنا، خلافاً للشافعي حقيقة أو حكماً، كمستأمن وذمي، وكحربيين من دارين مختلفين، كتركي وهندي لانقطاع العصمة بخلاف المسلمين". (الدرالمختار).

"(قوله بخلاف المسلمين) محترز قوله فيما بين الكفار أي: اختلاف الدار لا يؤثر في حق المسلمين". (ردالمحتار، كتاب الفرائض: ٧٦٨/٦، سعيد)

"ولكن هذا الحكم في أصل الكفر لا في حق المسلمين، حتى إن المسلم إذا مات في دارالإسلام، وله ابن مسلم في دارالهند أو الترك يرث". (البحرالرائق، كتاب الفرائض: ٦٥/٩ ٣، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ٤٩٨/٤، مكتبه غفاريه كوئٹه)

نے دس گنا لگان (۱) ادا کر کے ایک مشترک زمین کو کسی طرح پوشیدہ طور پر اپنے نام کرالیا، جب ظاہر ہوا تو ان کے شراکت داروں نے لوگوں کو جمع کیا، لوگوں نے کافی لعنت کی اور معاملہ طے ہوا کہ ہم ان کے نام بیع نامہ کرادیں گے۔

چنانچہ بیع نامہ کردیا، لیکن داخل خارج (۲) نہیں کروایا، برابر ٹال مٹول کرتے رہے، بالآخر بقیہ لوگوں نے داخل خارج کا مقدمہ دائر کردیا، تب انہوں نے چند لوگوں کے سامنے وعدہ کیا کہ یہ لوگ مقدمہ لوٹا لیں اور پیروی نہ کریں، ہم ان کو ہر طرح سے دیں گے، لیکن ان کی منشاء نہیں تھی اور میعاد بھی اپیل کی خارج ہوگئی۔

اب یہ لوگ بھی جنہوں نے اپنے نام کرالیا تھا، ان کا کہنا ہے کہ تمہارے والد امجد حسین نے کہا تھا کہ تم دس گنے ادا کرو، ہمیں زمین کی ضرورت نہیں، بہرکیف دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس طرح کی حرکت کا شریعت کی رو سے ان صاحبان پر کیا عائد ہوگا؟

۲...... رسول احمد کے چاروں لڑکوں میں سے ایک لڑکا روشن تھا، ان کے ایک لڑکا پیدا ہوا، جن کا نام کلو تھا، ان کی شادی ہوگئی، لیکن کچھ دنوں بعد ان کا انتقال ہوگیا اور ان کی بیوی، کلو ابن روشن کی زمین آگئی، کلو کی بیوی نے چند دن بعد دوسری جگہ نکاح کرلیا اور زمین برابر ان کے نام چلی گئی، کچھ دنوں بعد حاجی صاحب نے کچھ روپیہ دے کر زمین اپنے نام کرالی۔

لہٰذا اس طرح کرنا ان کو مناسب ہے یا نہیں؟ اور جب کلو ابن روشن کا انتقال ہوگیا، تو ان کے وارث بقیہ تین لڑکے جو رسول احمد کے ہیں، یعنی امجد حسین، اصغر حسین، سکندر حسین۔ لہٰذا ان تینوں کو ان کا حق ملنا چاہیے یا نہیں؟ یا صرف سکندر حسین کو ملنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... حکومت نے زمین دارہ ختم کر کے جب تمام زمینوں کو اپنی ملک قرار دے لیا، تو زمین سب سرکاری

---

(۱) ''لگان: زمین کا خراج، باج، کر، سرکاری محصول، زر آمدن جو زمین سے حاصل ہو''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۲۱، فیروز سنز لاہور)

(۲) ''داخل خارج: سرکاری رجسٹر میں جائیداد کے پہلے مالک کا نام خارج کر کے نئے مالک کے نام کا اندارج''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۴۱، فیروز سنز لاہور)

ہوگئی، زمیندار مالک نہیں ہے(۱)، پھر حسین نے دس گنا داخل کر کے جو زمین اپنے نام کرالی، حسب قانون وہ اس کی ہوگئی، البتہ اگر خفیہ طور طریقہ پر دوسرے کی مقبوضہ زمین کو اپنے نام کرایا، تو یہ غلط اور گناہ ہوا(۲)۔ وعدہ کر کے اس کے خلاف کرنا بھی شرعاً مذموم ہے(۳)۔

---

(۱) "وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها". (الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب استيلا الكفار: ۴/۱۶۰، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۴/۱۲۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۲/۴۴۲، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) "عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً، طوقه إياه يوم القيامة من سبع أرضين".

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لا يأخذ أحد شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (صحيح مسلم، كتاب المساقات، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها: ۲/۳۲، ۳۳، قديمى)

(وصحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين: ۱/۴۵۳، قديمى)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، كتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بآخر مجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه)

(۳) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها، إذا اؤتمن خان وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة النفاق: ۱/۱۰، قديمى)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: اٰية المنافق ثلاثة، إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب علامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمى)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قديمى)

جب بیع نامہ کردیا، پھر داخل خارج نہ کرانا بھی غلط حرکت ہے، حدیث پاک میں دھوکہ دینے اور وعدہ خلافی کرنے سے منع فرمایا گیا اور اس پر سخت دھمکی دی گئی ہے، ہر مسلمان کو اس سے بچنا ضروری ہے (۱)۔

۲...... دھوکہ دینے اور وعدہ خلافی کرنے، حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے مقدمہ میں جو خرچہ ہوا، اس کی ذمہ داری دھوکہ دینے والے پر ہے (۲)۔

قانون کی رو سے اگر زمین روشن کی بیوی کے نام ہوگئی اور اس کو فروخت کرنے کا حق حاصل ہے، تو جس کا دل چاہے خریدے اس پر کوئی پابندی نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

دوسرے کی زمین پر قبضہ کرکے اپنی زمین ظاہر کرنا

سوال [۱۱۰۲۰]: زید کے مکان کے متصل کچھ زمین مثلاً: بیس مربع فٹ کسی ایسے مسلمان کی بیکار

---

(۱) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۲) "ثم حاصل ماذكره من ضمان الساعي أنه لو سعى بحق لا يضمن ولو بلاحق فإن كان سلطان يغرم بمثل هذه السعاية البتة يضمن، وإن كان قد يغرم وقد لايغرم لايضمن والفتوىٰ على قول محمد من ضمان الساعي بغير حق مطلقاً ويعزر". (ردالمحتار، كتاب السرقة، مطلب في ضمان الساعي: ۸۹/۴، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الغصب، فصل: ۲۱۳/۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الغصب، فصل غيب: ۱۱۵/۴، دارالمعرفة بيروت)

(۳) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۴/۱، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۷/۱، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۴۴۸/۵، سعيد)

کھنڈر، کھنڈریرے کی صورت میں ہے اور وہ کسٹوڈین (۱) کے قبضہ میں جاچکی ہے، اس زمین کا مالک کوئی مسلمان تھا، وہ پاکستان میں کہیں رہتا ہے اور اس کے یہاں موجود اعزاء، اقرباء یا وارث کون ہیں، اس کا پتہ لگانا بھی مشکل ہے اور کسی کو مل بھی نہیں سکتی، کیونکہ کسٹوڈین نے ایک سندھی کو زمین دے دی ہے، لیکن زید کے ذاتی مکان کے نقشہ میں اتفاقاً یا جس طرح بھی ایسی پیائش لکھی ہے، کہ وہ مذکورہ بالا زمین اس کے ذاتی مکان کے نقشہ میں پوری طرح ضم ہوجاتی ہے اور مکان سے ملی ہوئی ہے، اس لئے زید نے اس زمین کو اپنی ذاتی مکان کی زمین بتلا کرائے، ڈی، ایم میں اپنا دعویٰ کردیا اور پڑوس کے سندھی نے اپنا دعویٰ کردیا کہ مجھے کسٹوڈین سے میری پاکستان کی زمین کے معاوضہ میں دی ہے۔ فیصلہ زید کے حق میں ہوا، مذکورہ بالا صورت میں شرعاً عنداللہ زید کو زمین لینا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسٹوڈین کے قبضہ کرنے اور سندھی کو معاوضہ میں دینے کی وجہ سے وہ زمین اس جانے والے کی ملک سے خارج ہوگئی (۲) اور سندھی کی ملک ہوگئی (۳)، اب زید کا غلط بیانی کرکے اس کو اپنی زمین ظاہر کرنا اور

---

(۱) "کسٹوڈین (Custodian): محافظ نگران، رکھوالا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۱۰، فیروزسنز لاہور)

(۲) "وإن غلبوا على أموالنا وأحرزواها بدارهم ملكوها". (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار: ۱۶۰/۴، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب السير، باب استيلا الكفار: ۱۲۳/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۴۴۲/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) جب کسٹوڈین نے قبضہ کے بعد سندھی کو یہ زمین دوسری زمین کے معاوضے میں دے دی، تو گویا کہ انہوں نے یہ زمین دوسرے زمین کے بدلے بیچ دی اور بیع مکمل ہونے کے بعد مبیع پر مشتری اور ثمن پر بائع کی ملک ثابت ہوجاتی ہے، لہذا مذکورہ زمین پر سندھی کی ملک ثابت ہوگئی ہے۔

"وأما حكمه فثبوت الملك في المبيع للمشتري وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً".

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۲/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۴/۴، سعيد)

بذریعہ مقدمہ غلط ثبوت پیش کر کے اپنے مکان میں شامل کرنا جائز نہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض آدمی باتیں خوب بنا کر اپنا دعویٰ ثابت کر دیتا ہے، پس اگر کسی کی غلط بیانی کے بعد اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، جو کہ درحقیقت اس کا حق نہیں ہے تو وہ آگ کا ٹکڑا ہے، اس کو ہرگز نہیں لینا چاہئے۔ مشکوۃ شریف، ص: ۳۲۷ (۱) میں یہ حدیث موجود ہے، اس لئے دوسرے کا مکان لینے کی ہرگز کوشش نہ کی جائے، لیکن اگر زید نے خود جھوٹ نہیں لکھوایا، بلکہ سرکاری نقشہ میں اندراج ہوکر وہ زید کو مل گئی، تو وہ ملک زید ہوگئی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

---
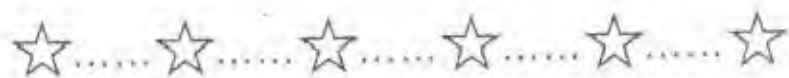
(۱) "عن أم سلمة رضی الله تعالیٰ عنها، أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إنما أنا بشر، وإنكم تختصمون إلي ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض، فأقضي له على نحو ما أسمع فيه، فمن قضيت له بشيء من حق أخيه فلا يأخذنه، فإنما أقطع له قطعة من النار". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب الأقضية والشهادات: ۲/۳۲۷، قديمی)

(وصحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب بيان أن حكم الحاكم لايغير الباطن، ص: ۷۵۹، دارالسلام)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأحكام، باب قضية الحاكم لاتحل حراماً ولا تحرم حلالاً، ص: ۳۳۱، دارالسلام)

(۲) مذکورہ صورت میں یہ زمین حکومت کی طرف سے زید کو ہبہ ہوگی اور ہبہ میں قبضہ کے بعد موہوب بہ پر موہوب لہ کی ملک ثابت ہو جاتی ہے۔

"يملك الموهوب له الموهوب بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الهبة، الباب الثالث في أحكام الهبة، رقم المادة: ۸۶۱: ۱/۴۷۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لايجوز الهبة إلا مقبوضاً، والمراد نفي الملك؛ لأن الجواز بدونه ثابت". (الهداية، كتاب الهبة: ۲/۲۸۱، شركة علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الهبة: ۳/۴۹۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الهبة: ۶/۹۴، دارالكتب العملية بيروت)

کتاب البیوع

باب البیع الصحیح

(بیعِ صحیح کا بیان)

نابالغ بچوں کا خرید وفروخت کرنا

سوال[۱۱۰۲۱]: دیہاتوں میں جو دکانیں ہیں، ان پر سب ہی قسم کے چھوٹے بڑے بچے لین دین کرتے ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ بیع کے لئے بالغ ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ جائز ہے یا ناجائز؟ حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ بچے اگر اپنے ولی کی اجازت سے خرید وفروخت کرتے ہیں، تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

---

(۱) "ومن البیع الموقوف، بیع الصبي المحجور الذي یعقل البیع والشراء، یتوقف بیعه وشراؤه علی إجازة والده، أو وصیه أوجده، أو القاضي". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب الثاني عشر في أحکام البیع الموقوف وبیع أحد الشریکین: ۱۵۴/۳، رشیدیه)

"ولیس من شرائط العاقد البلوغ، فانعقد بیع الصبي وشراؤه موقوفاً علی إجازة ولیه".

(البحرالرائق، کتاب البیع: ۴۳۳/۵، رشیدیه)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، فصل في البیع الموقوف: ۱۷۶/۲، رشیدیه)

نابالغ سے خرید وفروخت کا معاملہ کرنا

سوال[۱۱۰۲۲]: نابالغ بچہ سے خرید وفروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو نابالغ بچہ خرید وفروخت کو سمجھتا ہو اور اس کے ولی کی طرف سے اجازت ہو، اس سے خرید وفروخت درست ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۹ھ۔

کچھوے کی بیع

سوال[۱۱۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ کچھوا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نا جائز ہے اور پھر بھی کسی نے فروخت کر دیا، تو اس کا ثمن (قیمت) کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کچھوا غیر ماکول اللحم ہے(۲)، مگر خنزیر کی طرح کلیۃً محرم انتفاع نہیں، پس اگر اس میں کوئی منفعت

---

(۱) "ومن البيع الموقوف، بيع الصبي المحجور الذي يعقل البيع والشراء، يتوقف بيعه وشراؤه على إجازة والده، أووصيه، أوجده، أو القاضي". (الفتاویٰ العالمکیریة، كتاب البيوع، الباب الثاني عشر في أحكام البيع الموقوف وبيع أحد الشريكين: ۳/۱۵۴، رشيديه)

"وليس من شرائط العاقد البلوغ، فانعقد بيع الصبي، وشراؤه موقوفاً على إجازة وليه". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۳، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، فصل في البيع الموقوف: ۲/۱۷۶، رشيديه)

(۲) "وكذلك ماليس له دم سائل مثل الحية والوزغ وسام أبرص وجميع الحشرات وهوام الأرض من الفار والجراد والقنافذ والضب واليربوع وابن عرس ونحوها، ولا خلاف في حرمة هذه الأشياء إلا في الضب، فإنه حلال عند الشافعي رحمه الله تعالىٰ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الثاني فيما يؤكل من الحيوان ومالا يوكل: ۵/۲۸۹، رشيديه) .... =

ہے تو اس کی بیع جائز ہے، جیسے کلب، فہد وغیرہ کی بیع جائز ہے اور ثمن کا استعمال کرنا درست ہے۔

قال الشامي: ٤/١١١، نعمانيه:

بعد نقل العبارات "ونقل السائحاني عن الهندية: ويجوز بيع سائر الحيوانات سوى الخنزير، وهو المختار. قال الحصكفي: والحاصل: أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع، مجتبىٰ واعتمده المصنف"(١).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۱ھ۔

لومڑی مینڈک وغیرہ کی بیع

سوال[۱۱۰۲۴]: لومڑی مینڈک اور کھٹمل، بال وغیرہ کا خرید وفروخت کرنا اور اس آمدنی سے اپنا گذران کرنا، شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لومڑی کی کھال دباغت دے کر کام میں لائی جاتی ہے، اس کی تجارت جائز ہے(۲)، مینڈک کی کوئی

= "لا يؤكل ذوناب ومخلب من السبع ..... والضبع والضب والزنبور والسلحفاة والحشرات".

(كنز الدقائق، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل أكله وما لايحل، ص: ٣١٩، حقانيه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الذبائح: ٦/٣٠٣، سعيد)

(١) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٥/٦٩، سعيد)

"وفي النوازل: ويجوز بيع الحيات إذا كان ينتفع بها في الأدوية، وإن كان لاينتفع بها لايجوز، والصحيح: أنه يجوز بيع كل شيء ينتفع به، كذا في التاتارخانية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الرابع في بيع الحيوانات: ٣/١١٤، رشيديه)

(وكذ في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٣/١٧، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ٦/١٢٧، ١٢٨، رشيديه)

(٢) "وأما جلد السبع والحمار والبغل، فإن كان مدبوغاً أو مذبوحاً، يجوز بيعه؛ لأنه مباح الانتفاع به =

چیز جائز طور پر استعمال کی جاتی ہو، تو اس کی تجارت بھی درست ہے(۱)، یہی حال کھٹل کا ہے(۲)، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ مردار (مرے ہوئے) جانور کی بیع جائز نہیں، بلکہ یہ بیع باطل ہے(۳)، جانوروں کے بال بھی کام میں آتے ہیں، ان کی تجارت بھی درست ہے(۴)، البتہ انسان کے بال بیچنا اور خریدنا بالکل جائز نہیں، یہ اس کے احترام کے خلاف ہے(۵)، خنزیر نجس العین ہے(۶)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۹ھ۔

= شرعاً، فکان مالاً". (بدائع الصنائع، کتاب البیوع: ۵۵۴/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

"(وجلد المیتة قبل الدبغ) أي: لم یجز بیعه ...... (وبعده یباع وینتفع به) ...... ولحوم السباع، وشحومها، وجلودها بعد الزکاة، کجلود المیتة بعد الدبغ، فیجوز بیعها". (البحرالرائق، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۱۳۳/۶، رشیدیه)

"و بیع جلود المیتات باطل، إذا لم تکن مذبوحة أو مدبوغة". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، فصل في البیع الفاسد: ۱۳۳/۲، رشیدیه)

(۱) "الحاصل: أن جواز البیع یدور مع حل الانتفاع". (الدرالمنتقی مع مجمع الأنهر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۸۴/۳، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"یجوز بیع الحیات إذا کان ینتفع بها للأدویة، وما جاز الانتفاع بجلده أو عظمه أي: من حیوانات البحر أو غیرها". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۶۸/۵، سعید)

"والصحیح: أنه یجوز بیع کل شيء ینتفع به ...... ویجوز بیع جمیع الحیوانات سوی الخنزیر، وهو المختار". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه وما لایجوز، الفصل الرابع في بیع الحیوانات: ۱۱۴/۳، رشیدیه)

(۲) راجع الحاشیة المتقدمة انفاً

(۳) "فتقول: البیع بالمیتة والدم باطل". (الهدایة، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۴۹/۳، شرکت علمیه ملتان)

"ولایجوز بیع الحر والخمر والخنزیر والمیتة، کذا في التهذیب". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه وما لایجوز، الفصل الخامس في بیع المحرم الصید وفي بیع المحرمات: ۱۱۶/۳، رشیدیه)

(وکذا في الدرالمختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵۵/۵، سعید) .... =

زمین کی بیع ہونے کے بعد رجسٹری نہ ہونے کی وجہ سے بیع کی واپسی کا حکم

سوال[۱۱۰۲۵]: عبدالحمید خاں نے محمد عاشق سے ایک زمین کا ساڑھے چار سو روپیہ میں سودا کیا، وہ زمین اس کی اہلیہ کی تھی، بحیثیت شوہر یہ معاملہ کیا، محمد عاشق خاں کو مسجد میں نمازیوں کے سامنے روپیہ ادا کئے ہیں اور زمین پر قبضہ کرلیا اور باقاعدہ رجسٹری کے لئے اس کو عبدالحمید خاں کہتا رہا، مگر اس نے کہا کہ کردیں گے، ہم تمہارے سے واپس نہیں لیتے، کئی سال کے بعد اس نے زمین دوسرے کے ہاتھ فروخت کرڈالی اور چک بندی کے دوران کچھ پر قبضہ کرلیا اور مشتری کو جواب دیتا ہے کہ تم نے بہت عرصہ اس سے فائدہ اٹھایا ہے، لہٰذا اس بائع کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس نے نہ روپیہ واپس کیا اور زمین بھی چھین لی، آپ حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زمین کا معاملہ بیع کا مکمل ہوگیا اور قیمت بھی ادا کردی گئی اور مشتری نے زمین پر قبضہ بھی کرلیا تو محض رجسٹری نہ ہونے کی وجہ سے معاملہ میں کوئی کمی نہیں رہی (۱)، پھر بائع کو زمین واپس چھیننے کا کوئی حق نہیں

= (۴) راجع رقم الحاشية: ۱

(۵) "(وشعر الإنسان والانتفاع به) أي: لم يجز بيعه والانتفاع به؛ لأن الأدمي مكرم غير متبذل، فلا يجوز أن يكون شيء من أجزائه مهاناً متبذلاً". (البحرالرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۳۳/۶، رشيديه)

"ولايجوز بيع شعور الإنسان". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالا يجوز، الفصل الخامس الخ: ۱۱۵/۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵۸/۵، سعيد)

(۶) "(وشعر الخنزير) ...... لكونه نجس العين كأصله". (البحرالرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۳۲/۶، رشيديه)

"بخلاف الخنزير؛ لأنه نجس العين". (الهداية، كتاب الطهارات، باب الماء الذي يجوز به الوضوء ومالا يجوز به: ۴۱/۱، شركت علميه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۷۵/۵، سعيد)

(۱) "وأما حكمه فثبوت الملك في المبيع للمشتري وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دارالمعرفة بيروت) .... =

رہا، بائع اپنی اس حرکت کی وجہ سے غاصب اور ظالم ہے(۱)، اس کے ذمہ لازم ہے کہ زمین مشتری کے حوالہ کردے (۲) یا اگر وہ رضامند ہو، تو اس کی قیمت دے دے، ورنہ اس کا وبال دنیا میں بھی بھگتے گا اور آخرت میں بھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

کسی چیز کو قسطوں پر خریدنے کا حکم

سوال[۱۱۰۲۶]: کچھ دکاندار سائیکل، سلائی مشین، انجن وغیرہ قسطوں پر فروخت کرتے ہیں اور

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۲/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۴/۴، سعيد)

(۱) "(اعلم) بأن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب ...... ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (النساء: ۲۹) ...... وقال عليه السلام: "سباب المسلم فسق، وقتاله كفر، وحرمة ماله كحرمة نفسه". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ٦ (جزء: ۱۱)، ص: ۵۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وركنه: إزالة اليد المحقة، وإثبات اليد المبطلة ...... وصفته: أنه حرام محرم على الغاصب ذلك". (البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹٦/۸، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۱۷۷/٦ - ۱۷۹، سعيد)

(۲) "(وحكمه: الإثم لمن علم أنه مال الغير، ورد العين قائمة والغرم هالكة ......)". (الدر المختار، كتاب الغصب: ۱۷۹/٦، ۱۸۰، سعيد)

"وحكمه: وجوب رد المغصوب إن كان قائماً، ومثله إن كان هالكاً، أو قيمته". (البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹٦/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تفسير الغصب وشرطه وحكمه الخ: ۱۱۹/۵، رشيديه)

اس کی صورت ایسی ہوتی ہے کہ اکثر سوروپیہ کی قسط ہوتی ہے اور دو سال تک دس روپیہ ماہانہ حساب سے وصول کرتے ہیں، تو اس طریقہ سے وہ ایک سال میں ایک سوبیس روپے ہوجاتے ہیں، نقداً گرخریدا جائے، تو ایک سو روپے میں اور قسط وار ایک سوبیس روپے دینا پڑتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نقد اور ادھار کی قیمت میں عموماً فرق ہوتا ہی ہے، اس میں مضائقہ نہیں (۱)، مگر ایسا نہ ہو کہ کسی قسط کے وقت پر ادا نہ ہونے کی صورت میں اس کی چیز، سائیکل، مشین وغیرہ کی واپسی ہوجائے اور ادا شدہ رقم بھی ضبط ہوجائے کہ یہ ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۵/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

مبیع کی قیمت بڑھا کر قسطوں پر بیچنا

سوال [۱۱۰۲۷]: کاشت کرنے والوں کے لئے ٹریکٹر بے انتہا ضرورت کی چیز بن گیا ہے اور یہ

---

(۱) "لأن للأجل شبها بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل". (الهداية، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة: ۷۶/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في بيعتين في بيعة: ۲۳۳/۱، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۱۴۲/۵، سعيد)

(۲) "قوله: (لا بأخذ مال في مذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة: لايجوز، ومثله في المعراج، وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف، قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس، فيأكلونه ...... إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي ...... وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ. والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۶۱/۴، ۶۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴۱۱/۲، دارالمعرفة بيروت)

چیز بازاروں میں نہیں ملتی ہے، بلکہ عالمی بنک سے ٹریکٹر ملتا ہے، جس کی شکل یہ ہے کہ عالمی بنک خریدار کی سہولت کے لئے ٹریکٹر کی رقم کے کئی ہفتہ متعین کردیتی ہے، جس میں خریدار کو متعینہ ہفتہ میں لون کے ساتھ رقم دینی پڑتی ہے، تو اس سوال میں قابل طلب دو چیزیں ہیں:

۱......عالمی بنک سے ٹریکٹر مذکورہ شکل کے ساتھ خرید سکتے ہیں یا نہیں؟

۲......لون سود ہے یا سود کی کوئی قسم ہے یا سود نہیں ہے، جو حقیقت ہو بیان فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......خرید سکتے ہیں (۱)۔

۲......نقد کے اعتبار سے ادھار کی قیمت عامۃً کچھ زیادہ ہوتی ہے، اس طرح قیمت تجویز کرلی جائے کہ اتنی قسطوں میں پوری قیمت ادا کی جائے گی اور ہر قسط کی رقم اتنی ہوگی، جو کہ نقد سے کچھ زیادہ ہے، اس زیادتی کا نام لون ہے، یہ شرعی اصطلاح کے اعتبار سے سود نہیں، عالمی بنک جو نام چاہے تجویز کرے، احکام شرعی اس کے تابع نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۹۱ھ۔

گورنمنٹ سے نیلام پر زمین خریدنا

سوال[۱۱۰۲۸]: بکر کے دادا زید نے عمرو کو (جو کہ مسلم کا دادا ہوتا ہے) مستعار زمین برائے رہائش دے دی تھی، اور یہ طے ہوگیا تھا کہ بوقتِ ضرورت واپس لے لی جائے گی، لہٰذا عمرو کی اولاد اس رقبہ میں

---

(۱) "وقد فسر بعض أهل العلم قالوا: بعشرين في بيعة أن يقول: أبيعک هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسيئة بعشرين، ولا يفارقه على أحد البيعين، فإذا فارقه على أحدهما فلا بأس إذا كانت العقدة على واحد منها". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في النهي عن بيعتين في بيعة: ۱/۲۳۳، سعيد)

"لأن للأجل شبها بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة". (الهداية، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة: ۳/۷۶، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۵/۱۴۲، سعيد)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

۱۹۴۷ء تک زندہ رہی، پھر ہنگامی حالات سے اثر انداز ہوکر پاکستان ہجرت کر گئے، لہٰذا عمرو کی اولاد میں سے صرف ایک آدمی، یعنی مسمیٰ مسلم یہاں پر رہ گیا، جو کہ اس رقبہ میں سے اپنے حصہ پر قابض ہے، گورنمنٹ نے مسلم کے حصہ کے علاوہ باقی حصہ کو متروکہ قرار دے دیا، معیر، یعنی زید کا پوتا مع پورے گھرانے کے یہیں پر موجود ہے، اگرچہ رقبہ مستعار تھا، مگر گورنمنٹ نے موقع پر خالی پاکر کسٹوڈینیٹ میں داخل کردیا اور پھر اس کو ۱۹۴۷ء میں نیلام کیا، بوقتِ نیلامی فریقین حاضر تھے، یعنی مسلم وبکر نے خوب حوصلہ کے ساتھ بولی لگائی، مگر بکر نے مسلم سے زیادہ پیسے چڑھا کر اس رقبہ کو خریدلیا۔

اب مسلم یہ کہتا ہے اب تمہارے لئے اس کا خریدنا جائز نہیں، چونکہ میرے باپ دادا اس رقبہ میں رہتے چلے آئے ہیں، بکر کہتا ہے کہ تمہارے لئے اس کا خریدنا جائز نہیں، یہ رقبہ میرا موروثی ہے، لہٰذا میں حق پر ہوں، مسلم چونکہ پہلے سے کچھ رقبہ پر قابض تھا، اس نے قبضہ کو بدستور رکھتے ہوئے مقدمہ دائر کردیا، لیکن بکر نے عدالت میں کاغذی کارروائی کے اعتبار سے اس کا دخل اور قبضہ بھی سرکار سے وصول کرلیا، مگر مسلم پھر بھی یہی کہتا ہے کہ بکر کا اس رقبہ پر قبضہ کرنا اور خریدنا مطلقاً جائز نہیں، آپ شریعت کی روشنی میں فیصلہ فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب گورنمنٹ نے اس پر استیلاء کرکے مالکانہ قبضہ کرلیا، پھر اس کو نیلام کردیا تو جس نے اس کو خریدا وہ مالک ہوگا، پہلی ملک اور قبضہ کا اب اعتبار نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) "وإن غلبو على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها". (الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار: ۴/۱۶۰، سعيد)

"وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً".

(حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۳/۴، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۴/۱۲۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۲/۴۴۲، مكتبه غفاريه كوئته)

قیمت میں پیسے کے ساتھ کسی اور چیز کو بھی دینے کا مطالبہ کرنا

سوال[۱۱۰۲۹]: ایک شخص نے آم یا کوئی دوسرا باغ بیچتے وقت باغ کی بہار لینے والے سے یہ کہا کہ میں مثلاً: دو ہزار روپے لوں گا اور ۵/من آم لوں گا، تو کیا ایسی بھی کوئی صورت ہے کہ جس میں جنس لینا درست ہو؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ۵/من آم کی صفات ایسی طرح بیان کردی گئیں کہ کوئی خلجان نہیں رہا ہے اور یہ شرط نہ کی گئی کہ اس باغ کے یا فلاں درخت کے ہوں گے، بلکہ خریدنے والے کو اختیار ہے کہ وہ بازار سے خرید کر دے دے تو یہ معاملہ اس طرح درست ہے، یہ ۵/من آم مستثنیٰ نہیں، بلکہ جزو ثمن ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۵/۱۴۱۵ھ۔

تالاب کے پانی کی بیع

سوال[۱۱۰۳۰]: یہاں تقریباً ہر ایک کے پاس تالاب ہوتے ہیں اور ان تالابوں کے قرب وجوار میں زمین بھی ہوتی ہے، ان زمینوں میں کھیتی باڑی کرنے کے لئے پانی کی ضرورت پڑتی ہے، زمین والا تالاب کا پانی پورا جو کہ تالاب میں موجود ہے، تالاب والے سے خرید لیتے ہیں، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بیع مجہول تو نہیں ہے؟

---

(۱) "صورة قفيز الطحان: أن يستأجر الرجل من آخر ثورا ليطحن به الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيز من دقيقها، أو يستأجر إنساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها، أو ثلثه، أو ما أشبه ذلك، فذلك فاسد، والحيلة في ذلك لمن أراد الجواز: أن يشترط صاحب الحنطة قفيزاً من الدقيق الجيد، ولم يقل من هذه الحنطة، أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد؛ لأن الدقيق إذا لم يكن مضافاً إلى حنطة بعينها يجب في الذمة والأجر كما يجوز أن يكون مشار إليه، يجوز أن يكون ديناً في الذمة ثم إذا جاز، يجوز أن يعطيه ربع دقيق هذه الحنطة إن شاء، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في قفيز الطحان الخ: ۴/۴۴۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵/۵۶، ۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۴۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر گڑھا کھود کر تالاب بنایا گیا اور پانی کو اس میں محفوظ رکھا گیا، اس کی حفاظت اور نگرانی کی گئی، تو جس قدر پانی تالاب میں سامنے موجود ہے، اس کی بیع درست ہے(۱)، اگر چہ اس کی مقدار معلوم نہ ہو، مشار الیہ جب سامنے ہو، تو اس کی مقدار معلوم ہونا ضروری نہیں ہے، جب کہ اس کی کل کی بیع بصفقۃ واحدۃ کی جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تالاب سے مچھلی پکڑ کر فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۳۱]: زید نے ایک تالاب گورنمنٹ سے دس سال کے لئے خریدا اور اس میں سے مچھلی

---

(۱) "وأما بيع ماءٍ جمعه الإنسان في حوضه، ذكر شيخ الإسلام المعروف بخواهر زاده في شرح كتاب الشرب: أن الحوض إذا كان مجصصا أو كان الحوض من نحاس أو صفرة جاز البيع على كل حال، وكأنه جعل صاحب الحوض محرزاً لماء بجعله في حوضه، ولكن يشترط أن ينقطع الجري، حتى لايختلط المبيع بغير المبيع". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل السابع في بيع الماء والمجمد: ۳/۱۲۱، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب البيوع، بيع الماء والكلاء: ۱۴/۱۶۷، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: صاحب البئر لا يملك الماء: ۵/۶۷، سعيد)

(۲) "قال: والأعواض المشار إليها لايحتاج إلى معرفة مقدارها في جواز البيع؛ لأن بالإشارة كفاية في التعريف، وجهالة الوصف فيه لاتفضي إلى المنازعة". (الهداية، كتاب البيوع: ۳/۲۰، مكتبه شركت علميه)

"قال رحمه الله تعالىٰ: (والأعواض المشار إليها لايحتاج إلى معرفة مقدارها) الأعواض المشار إليها ثمناً كانت أو مثمنا لايحتاج إلى معرفة مقدارها في جواز البيع؛ لأن بالإشارة كفاية في التعريف المنافي للجهالة المفضية إلى المنازعة المانعة من التسليم والتسلم الذين أوجبهما عقد البيع، فإن جهالة الوصف لاتفضي إلى المنازعة، لوجود ماهو أقوى منه في التعريف". (شرح العناية على هامش فتح القدير، كتاب البيوع: ۶/۲۵۹، ۲۶۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع: ۶/۲۵۹، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

پکڑ کر بازار میں فروخت کرتے ہیں، تو کیا یہ شرعاً درست ہے؟ یعنی خاص مچھلی پکڑنے کے لئے تالاب خریدا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مچھلی خود پیدا ہو، اس کو فروخت کرنا بغیر اس کو پکڑے ہوئے شرعاً درست نہیں (۱) اور اس مقصد کے لئے تالاب کرایہ پر لینا بھی درست نہیں، لیکن اگر مچھلی کا بیج اس میں ڈال کر پرورش کی جائے، تو اس پر پابندی عائد کر دینا کہ کوئی اور شخص نہ پکڑنے پائے، درست ہے، اسی طرح اگر تالاب کرایہ پر لیا اور اس میں بیج ڈالا، مچھلی کی تربیت اور پرورش کی، پھر پکڑ کر فروخت کیا تو اس کا یہ پکڑنا اور فروخت کرنا سب درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۸/ ۱۴۰۰ھ۔

درخت کی بیع اور اس سے اگنے والی شاخوں کا حکم

سوال [۱۱۰۳۲]: زندہ درخت بغیر زمین کے زید نے بکر کو فروخت کیا، بکر عرصۂ دراز سے اس پر قابض ہے، اس درخت سے لکڑیاں وغیرہ زید ہی لیتا رہا ہے۔ مذکورہ صورت میں دریافت کرنا ہے کہ زندہ درخت کا بغیر زمین کے بیچنا اور اس کو بائع کی زمین پر اس طرح عرصہ تک رکھ کر لکڑیاں حاصل کرنا کہ نئی نئی شاخ اور اصل درخت کا بڑھنا جو عند البیع مجہول تھا، اس کا حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(والسمک قبل الصید) أي: لم یجز بیعه لکونه باع مالایملکه، فیکون باطلاً" (البحر الرائق، کتاب البیع، البیع الفاسد: ۶/ ۱۱۹، رشیدیه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/ ۶۰، سعید)

(وكذا في الدرر والغرر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۲/ ۱۷۰، میر محمد کتب خانه کراچی)

(۲) "والحاصل كما في الفتح: أنه إذا دخل السمک في حظیرة، فإما أن یعدها لذلک أو لا ففي الأول یملکه، ولیس لأحد أخذه، ثم إن أمکن أخذه بلا حیلة جاز بیعه ..... وفي الثاني لایملکه فلا یجوز لعدم الملک إلا أن یسد الحظیرة إذا دخل فحینئذ یملکه ..... وإن لم یعدها لذلک، لکنه أخذه، وأرسله فیها ملکه". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/ ۶۱، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، کتاب البیع، البیع الفاسد: ۶/ ۱۱۹، رشیدیه)

(وكذا في الدرر والغرر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۲/ ۱۷۰، میر محمد کتب خانه کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درخت اگر کاٹنے کے لئے فروخت کیا گیا اور مشتری کا مقصود بھی کاٹنا ہی ہے، تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ اپنا درخت کاٹ کر بائع کی زمین کو خالی کردے(۱)، اگر برقرار رہنے کے لئے بیع ہوئی ہے یا کوئی تذکرہ ہی نہیں آیا ہے کہ یہ بیع قطع کے لئے ہے یا برقرار رکھنے کے لئے، تو ان دونوں صورتوں میں درخت کا جو حصہ زمین کے اندر ہے، وہ بھی ملک مشتری ہوگا اور اس کی جڑ سے متصل زمین کا حصہ بھی ملک مشتری ہوگا، اگر درخت کا بالائی حصہ کاٹ لیا، لیکن جڑ سے نہیں کاٹا اور پھر اُگ آیا تو وہ نیا اُگا ہوا حصہ مشتری کی ملک ہوگا۔

"اشترى شجرة للقلع، يؤمر بقلعها بعروقها، وليس له حفر الأرض إلى انتهاء العروق، بل يقلعها على العادة، إلا أن شرط البائع القطع على وجه الأرض، فإن قطعها أو قلعها فنبت مكانها أخرى، فالنابت للبائع، إلا إذا قطع من أعلاها فهو للمشتري" (سراج).

"ولو اشترىٰ نخلة ولم يبين أنها للقلع أو للقرار، قال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: لا يملك أرضها، وأدخل محمد ماتحتها، وهو المختار، وإن اشتراها للقطع لا تدخل الأرض اتفاقاً، وإن للقرار تدخل اتفاقاً اهـ" ردالمحتار نعمانيه: ٤/٣٨(٢).

---

(۱) "واعلم بأن شراء الشجر لايخلو من ثلاثة أوجه، إما أن يشتريها للقلع بدون الأرض، وفي هذ الوجه يؤمر المشتري بقلعها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الخامس فيما يدخل تحت البيع من غير ذكره صريحاً ومالايدخل، الفصل الثاني فيما يدخل في بيع الأراضي والكروم: ۳/۳۵، رشيديه)

"اشترى شجرة للقلع يؤمر بقلعها بعروقها". (ردالمحتار، كتاب البيوع، فصل فيما يدخل في البيع تبعاً ومالايدخل، مطلب: في بيع الثمر والزرع والشجر مقصوداً: ۴/۵۵۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع، فصل يدخل البناء والمفاتيح في بيع الدار: ۵/۴۹۱، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب البيوع، فصل فيما يدخل في البيع تبعاً ومالا يدخل، مطلب: في بيع الثمر والزرع والشجر مقصوداً: ۴/۵۵۴، ۵۵۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع، فصل يدخل البناء والمفاتيح في بيع الدار: ۵/۴۹۱، ۴۹۲، رشيديه) =

صورتِ مسئولہ میں جب درخت زندہ فروخت کیا گیا اور یہ شرط نہیں کی گئی، کہ اس کو کاٹ لیا جائے، نہ مشتری نے کہا کہ میں کاٹنے کے لئے خریدتا ہوں، تو اس پر جس قدر اور جو شاخیں پیدا ہوں، تو وہ سب مشتری کی ملک ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

سود سے بچنے کے لئے اصل قیمت سے زائد پر بیچنا

سوال[۱۱۰۳۳]: ہمارے یہاں بازار کا عرف یہ ہے کہ ہر آڑھت دار (۲) کے بارے میں مزدور، کاریگر اور بائع بھی یہ جانتا ہے کہ قیمت اس کو نقد نہیں ملے گی، نیز ہر آڑھت دار کا طریق جدا جدا ہے، کوئی پندرہ بیس دن کے بعد قیمت بصورتِ نقد چکا دیتا ہے، کوئی کچھ نقد دیتا ہے اور کچھ کے بدلے سوت دیتا ہے، کوئی کل کا سوت دیتا ہے، یہ تمام تفصیلات قریب قریب فی الجملہ تمام کاریگروں کو ہر آڑھت دار کے بارے میں معلوم رہتی ہیں، مزدور چاہے طوعاً چاہے کرہاً مگر معاملہ اسی طریقہ سے رکھتے ہیں اور لین دین جاری رہتا ہے، لیکن جو لوگ نقد کے بجائے سوت دیتے ہیں، وہ کچھ اپنے من گھڑت اصول کے مطابق سوت کو اصل بازار سے دو تین روپیہ بڑھا کر دیتے ہیں، یعنی اگر بازار میں سوت کا بھاؤ ۵۵ روپیہ ہے، تو وہ ۵۶ یا ۵۷ میں دیتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ رقم جو سوت پر بڑھا کر لی گئی ہے، وہ کیسی ہے، جب کہ کاریگر جانتے ہیں کہ اس آڑھت دار کے یہاں اسی طرح کا سلوک کیا جائے گا۔

بطور وضاحت مکرر عرض ہے کہ بازار میں یہ طرزِ معاملے کا جز بن گیا ہے اور لوگ اسی طرح طوعاً و کرہاً معاملہ کرتے ہیں، مذکورہ تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ معروف و مروج طریق پر سوت پر ایک دو روپیہ زائد لینے والی رقم کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ حلال ہے، مکروہ ہے، حرام ہے؟

دوسری بات یہ دریافت طلب ہے کہ دو آدمیوں نے اسی طرح کی آڑھت کا شرکت میں کاروبار شروع

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الخامس فيما يدخل تحت البيع الخ: ۳۵/۳، ۳۶، رشيديه)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) ''آڑھت: دکان یا کوٹھی، جہاں سوداگروں کا مال کمیشن لے کر بیچا جاتا ہے۔ دلالی، دستوری، ایجنسی، کمیشن''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۷، فیروز سنز لاہور)

کیا، کچھ دنوں کے بعد ایک نے خلافِ مروت سمجھ کر اس طریق عمل کی مخالفت شروع کی، مگر دوسرا اپنے طریقے پر بدستور کاربند رہا، پہلا اس پوزیشن میں نہیں کہ وہ یکا یک شرکت سے جدا ہو جائے، اس لئے کہ ایسا بغیر نقصان عظیم کے ممکن نہیں، آخر اسی طرح کاروبار چلتا رہا، لیکن کچھ دنوں کے بعد جدائیگی تک نوبت پہنچی، تقسیم کے بعد یہ معلوم ہوا کہ جتنی رقم خلافِ مروت طریق پر لی گئی تھی، قریب قریب اتنی ہی ڈوب بھی گئی، گویا قدرتی نظام نے ٹوٹل برابر کر دیا، لیکن کھاتہ اعلان کرتا رہا کہ ڈھائی ہزار سوت پر فائدہ ہوا، چنانچہ اسی حساب سے وہ رقم ہر ایک کو ملی، اب یہ بتائیے کہ یہ رقم فی نفسہ کیسی ہے اور شخص اول کے اعذار کو سامنے رکھ کر اس کے حق میں کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل قیمت ''نقد'' لازم، مگر بجائے اس نقد کے سوت دیتا ہے اور سوت بازاری نرخ سے کچھ فرق کے ساتھ دیتا ہے، تو اس کا معاملہ اس فرق کے ساتھ طے کر لینا بھی درست ہے، ناجائز نہیں (۱)۔ بصورت شرکت اس قسم کی رقم ملے تو وہ بھی ناجائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۲۳ھ۔

جواب صحیح ہے اور توضیح یہ ہے کہ کپڑے کی نقد قیمت طے و متعین ہو کر بائع کو بھی معلوم ہو چکی ہو۔

العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند

بیع پختہ ہو جانے کے بعد بائع کا شرط لگانا

سوال[۱۱۰۳۴]: عمر نے زید کو بغیر کسی شرط کے زمین فروخت کی، مگر روپیہ لینے کے بعد عمر زمین نہ دے کر اس میں شرط لگا رہا ہے، عمر کا ایسا شرط لگانا شرعاً کیسا ہے؟

---

(۱) کیونکہ صورت مسئولہ میں بائع اپنی چیز کے بدلے میں بطورِ ثمن نقدی کے بجائے سوت (اگر چہ بازاری نرخ سے کچھ فرق کے ساتھ ہو) لینے پر راضی ہے اور سوت میں ثمن بننے کی صلاحیت بھی ہے، لہٰذا اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے:

''إذا باع عبدا بثوب موصوف في الذمة إلى أجل جاز ويكون بيعاً في حق العبد''. (البحر الرائق، كتاب البيوع: ۵/۴۶۴، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب البيوع: ۳/۳۴۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع: ۶/۲۴۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع کا ایجاب وقبول پختہ ہوجانے کے بعد کوئی شرط لگانا درست نہیں، اب کوئی حق نہیں رہا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۹۴ھ۔

نادار ضرورت مند سے زیادہ نفع لینا

سوال[۱۱۰۳۵]: بہت سے لوگ غلہ خرید کر جس بھاؤ کا ہوتا ہے، اس بھاؤ کا لوگوں کو دے دیتے ہیں اور فصل کے آنے پر جس بھاؤ کا ہوتا ہے، اس سے لے لیتے ہیں، تو ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گاؤں والوں کے ہاتھ غلہ فروخت کرنا، اس وقت کے بھاؤ کے موافق درست ہے(۲)، ان سے

---

(۱) بیع پختہ ہوجانے کے بعد مبیع پر مشتری کا ملک ثابت ہوگیا، اب بائع کو اس میں کسی قسم کے تصرف یا شرط لگانے کا اختیار نہیں ہے۔

"وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۴، دار المعرفة بيروت)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۲، رشيديه)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه)

(۲) "ومن اشترى شيئاً وأغلى في ثمنه، فباعه مرابحة على ذلك جاز، وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: إذا زاد زيادة لا يتغابن الناس فيها، فإني لا أحب أن يبيعه مرابحة، حتى يبين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية: ۳/۱۶۱، رشيديه)

"عن علي ابن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه قال: سيأتي على الناس زمان عضوض يعض الموسر على ما في يديه، ولم يؤمر بذلك، قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم﴾". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۱۴/۲۰۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في بيع المضطر: ۵/۲۵۲، إمداديه)

قیمت لے لی جائے، پھر جب فصل آئے، تو اس وقت کے بھاؤ کے موافق جس طرح ہر شخص کو خریدنا درست ہے، اس کو بھی خریدنا درست ہے، جس نے ان کے ہاتھ فروخت کیا تھا، لیکن غلہ ان کے ہاتھ فروخت کرنا، اس طرح کہ مثلاً: دوسو روپے کا غلہ فروخت کیا، پھر فصل آنے پر اس غلہ کے عوض اس سے زیادہ وزن لینا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۸۸ھ۔

مردار کی کھال پر نمک لگا کر بیچنا

سوال [۱۱۰۳۶]: مردہ مویشی کی کھال پر صرف نمک مل دینے سے بیچنا، خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردہ مویشی کی کھال پر نمک لگانے سے اگر وہ گلنے سڑنے سے محفوظ ہو جائے، تو اس کا خریدنا اور بیچنا درست ہے (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۳/۹۲ھ۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح مثلا بمثل، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الآخذ والمعطي فيه سواء". (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: /۲۵، قديمی)

(وجامع الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء أن الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل، وكراهية التفاضل فيه: ۱/۲۳۵، سعيد)

(وكذا في نصب الراية، كتاب البيوع، باب الربا: ۴/۴۷، حقانيه)

(۲) "(وجلد الميتة قبل الدبغ) أي: لم يجز بيعه ...... (وبعده يباع وينتفع به) وقيد بالميتة؛ لأن جلد المزكاة يجوز بيعه قبل الدباغة". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶/۱۳۳، رشيديه)

"وبيع جلود الميتات باطل، إذا لم تكن مذبوحة أو مدبوغة". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، فصل في البيع الفاسد: ۲/۱۳۳، رشيديه) .... =

گیلی کھال کی خرید وفروخت

سوال[۱۱۰۳۷]: مردار جانور یعنی شیر چیتا وغیرہ کی گیلی کھال خرید کر پھر اس کو نمک وغیرہ لگا کر خشک کر کے فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردار جانوروں کی تازہ کھال (بغیر دباغت دیئے) خریدنا جائز نہیں، یہ بیع باطل ہے، ہاں! اس کھال کو نمک وغیرہ لگا کر ایسا بنالیا جائے کہ وہ گلنے سڑنے سے محفوظ ہو جائے تو اس کو فروخت کرنا اور خریدنا سب درست ہے، سوائے خنزیر کے(۱)۔

مچھلی تالاب سے نکال کر ملاح کے ہاتھ فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۳۸]: اگر مچھلی نکال کر ملاح کے ہاتھ فروخت کر دی جائے تو کوئی شرعی قباحت ورکاوٹ تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خود مچھلی نکال کر ملاح کے ہاتھ فروخت کر دینا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

= "وجلد ميتة قبل الدبغ لو بالعرض ولو بالثمن فباطل، وبعده أي: بعد الدبغ يباع". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۷۳/۵، سعيد)

(۱) "(وجلد ميتة قبل الدبغ) لو بالعرض ولو بالثمن فباطل. ولم يفصله ههنا اعتماداً على ماسبق قاله ألواني فليحفظ (وبعده) أي: الدبغ (يباع) إلا جلد إنسان وخنزير". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: التداوي بلبن البنت للرمد قولان: ۷۳/۵، سعيد)

"(وجلد الميتة قبل الدبغ) أي: لم يجز بيعه؛ لأنه غير منتفع به ...... (وبعده يباع وينتفع به)". (البحرالرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۳۳/۶، رشيديه)

(وكذا في الدرر والغرر، كتاب البيوع، البيع الفاسد: ۱۷۳/۲، ميرمحمد كتب خانه كراچی)

(۲) جب اس نے مچھلیاں پکڑلیں، تو وہ اس کا مالک ہوگیا، پھر جس کو چاہے، جس طرح چاہے، بیچ سکتا ہے۔ =

بادلی ملاح کے ہاتھ مچھلی فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۳۹]: ملاح سے ایک مشت قیمت طے کرکے روپیہ کچھ پیشگی اور کچھ بعد میں لیا جائے اور مچھلی نکلوا کر وزن کرکے دے دی جائے، تو جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ محنت مجرا ہوتی رہے، کیا یہ صورت ممکن ہے کہ مسلم بادلی ملاح کے ہاتھ کردی جائے اور ملاح جس طرح چاہے، مچھلی نکالے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ملاح سے ایک مشت قیمت طے کرکے کچھ پیشگی روپیہ بطور بیع نامہ لینا بھی درست ہے(۱)، پھر بقیہ

= "(قوله: وفسد بيع سمک لم يصد لو بالعرض الخ) ظاهره أن الفاسد بيع السمک، وأنه يملک بالقبض". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۶۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۲/۵۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الرابع في بيع الحيوانات: ۳/۱۱۳، رشيديه)

"وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "قوله: نهي عن بيع العربان ...... وروى عن ابن عمر وجماعة من التابعين إجازته، ويرد العربان على كل حال، قال ابن عبدالبر: ولا يصح ماروي عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من إجازته، فإن صح احتمل أنه يحسب على البائع من الثمن، إن تم البيع، وهذا جائز عند الجميع". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع الحرمان: ۱۴/۱۷۳، إدارة القرآن كراچى)

"قوله: نهي عن بيع العربان ...... وأما العربان الذي لم ينهه عنه فهو: أن يبتاع منه ثوباً أو غيره بالخيار، فيدفع إليه بعض الثمن مختوماً عليه، إن كان مما لايعرف بعينه على أنه إن رضي كان من الثمن، وإن كره يرجع إليه ذلک، لأنه ليس فيه خطر يمنع صحته". (كشف المغطا عن وجه الموطأ على موطأ =

روپیہ مچھلی نکلوا کر دینے پر وصول کر لیا جائے۔

وہ قطعہ زمین جس میں باولی ہے، ملاح کے ہاتھ فروخت کرنا بھی درست ہے، پھر ملاح کو اختیار ہے، وہ مالک ہے، جب چاہے، جس طرح چاہے، اس میں تصرف کرے(۱)، اس سے واپس لینے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/ ۸۸ھ۔

جواب صحیح ہے اور یہ جو رواج ہے کہ مسلم باولی ملاح کے ہاتھ فروخت کردیتے ہیں، پھر ملاح حسب منشاء مچھلیاں پکڑ کر فروخت کرتا ہے، یہ درست نہیں، اس لئے کہ اس میں زمین تو فروخت نہیں ہوئی، صرف مچھلیاں فروخت ہوئی ہیں اور مچھلیوں کا اس طرح فروخت کرنا درست نہیں، یہ بیع مالم یقبض ہوجاتی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/ ۸۸ھ۔

= الإمام مالک، کتاب البیوع، ص: ۵۶۸، قدیمی)

(۱) "وکل یتصرف في ملکه کیف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملکه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وکذا في ردالمحتار، باب کتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد کل منهم فتح باب، لهم ذلک: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) "(و) فسد (بيع السمک لم يصد)". (الدرالمختار، کتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۶۰، سعيد)

"(و) لايجوز بيع (سمک لم يصد)؛ لأنه بيع مالا يملكه، كما في أكثر الكتب". (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۲/۵۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وکذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الرابع في بيع الحيوانات: ۳/۱۱۳، رشيديه)

اگربتی مزار پرجلانے کے لئے خریدنا

سوال[۱۱۰۴۰]: ایک شخص اگربتی، لوبان، خوشبو کی تجارت کرتا ہے، لوگ اس سے خرید کر دیوی، دیوتا(۱) کے پاس جلاتے ہیں اور جاہل مسلمان مزارات پر جلاتے ہیں، ایسی حالت میں یہ شخص گنہگار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگربتی اور لوبان کا فروخت کرنا شرعاً جائز ہے، جو لوگ اس کو خرید کر غلط طرح استعمال کریں گے، وہ خود اس کے ذمہ دار ہوں گے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

گنے یا آلو کا کھڑا کھیت فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۴۱]: کسی چیز کا اس شرط پر خریدنا یا بیچنا، جیسے: گنے کا کھڑا کھیت یا آلو کا کھڑا کھیت، جس کو "ٹیکا" کہا جاتا ہے، درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خریدار کو اس چیز کا پورا علم ہے اور کوئی شرط اس میں خلاف شرع نہیں (۳)، تو اس طرح بیچنا اور خریدنا

---

(۱) "دیوتا: بھگوان کا اوتار، معصوم، بھلائی کرنے والا، ناگ، سانپ"۔ (فیروز اللغات، ص:۶۱۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) "لایکره بیع الجارية المغنية، والكبش النطوح، والديك المقاتل، والحمامة الطيارة؛ لأنه ليس عينها منكراً، وإنما المنكر في استعماله المحظور". (تبيين الحقائق، كتاب السير، باب البغاة: ۴/۱۹۹، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولا بأس بأن يؤاجر المسلم داراً من الذمي يسكنها، فإن شرب فيها الخمر، أو عبد فيها الصليب، أو دخل فيها الخنازير لم يلحق المسلم إثم في شيء من ذلك؛ لأنه لم يؤاجرها لذلك، والمعصية في فعل المستأجر". (المبسوط للسرخسي، كتاب البيوع، باب الإجارة الفاسدة: ۱۶/۴۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب البغاة: ۵/۲۴۰، رشيديه)

(۳) "وأما شرائط الصحة فعامة وخاصه، فالعامة: لكل بيع ماهو شرط الانعقاد ...... ومنها: الخلو عن =

درست ہے(۱)، اپنی خریدی ہوئی چیز لے کر اپنا قبضہ کرلے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۸ھ۔

تانبے پیتل وغیرہ کی ادھار بیع کرنا

سوال[۱۱۰۴۲]: تانبہ، پیتل، لوہے کا کاروبار ادھار خرید کر فروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۵/۲۵ھ۔

= الشرط الفاسد". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب الأول في تعریف البیع ورکنه وحکمه وأنواعه: ۳/۳، رشیدیه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۵/۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع: ۴۳۶/۵، رشيديه)

(۱) "وفي فتاویٰ أبي الليث: أرض بين رجلين فيها زرع لهما باع أحدهما نصف الزرع الذي هو نصيبه من غير شريكه بدون الأرض فإن كان الزرع مدركاً يجوز، وإن كان غير مدرك لايجوز إلا برضا صاحبه باع مطلقاً، أو بشرط القطع". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار وأنزال الكرم والأوراق الخ: ۱۰۸/۳، رشيديه)

"بيع ما أصله غائب وعلم وجوده يجوز". (تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب البيوع: ۲۵۱/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيوع، فصل يدخل البنا والمفاتيح في بيع الدار: ۵۰۴/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵۲/۵، سعيد)

(۲) "(ويجوز البيع بثمن حال ومؤجل إذا كان الأجل معلوماً) لإطلاق قوله تعالیٰ: ﴿وأحل الله البيع﴾ وما بثمن مؤجل بيع". (فتح القدير، كتاب البيوع: ۲۴۲/۶، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب البيوع: ۵۳۱/۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع: ۴۶۶/۵، رشيديه)

قانونی تحفظ کے لئے زمین کا دوسرے کے نام کاغذی اندراج کرانا

سوال [۱۱۰۴۳]: مسلک واستفتاء مولانا تھانوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے امداد الفتاویٰ کی مدد سے تیار کیا گیا تھا، جس میں مختلف عنوان سے متعدد فتاویٰ زمین دار وکاشت کار کے درج ہیں، جس کے دیکھنے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ زمیندار زمین کا مالک اور اسی کی ملکیت ہے اور کاشت کار زمین کرایہ پر لے کر کاشت کرتا ہے، اگر کسی وجہ سے کاشت کار سے زمین زمیندار واپس لینا خالی کرانا چاہے، کاشت کار اپنا قبضہ نہ چھوڑے، خالی نہ کرے، تو اس نے زمین غصب کرلیا، یعنی خلافِ مرضی زمین دار کے زمین کاشت کار اپنے قبضہ میں رکھے گا، تو اس کی آمدنی پیداوار فصل کاشت کار کے لئے حرام اور ناجائز ہے۔

چونکہ موجودہ زمانہ میں حکومت نے زمینداری ختم کر کے خود زمیندار بھی ہوگئی ہے، پہلے زمین دار پبلک تھی، اب خود حکومت ہے، اس فرق سے تو مسئلہ کی نوعیت نہیں بدلی، یہ بالکل صحیح ہے، کہ زید نے اپنی زائد زمین قانونی تحفظ کے لئے اپنے خاص لوگوں کے نام کاغذی اندراج کرادیا تھا اور زمین پر اپنا قبضہ وتصرف رکھا اور اس کی آمدنی پیداوار میں فصل خود تصرف کرتا رہا۔

بس یہی اشکال ہے کہ حکومت زمیندار ہے، اس کی مرضی کے خلاف زید اپنی زائد زمین سے مذکورہ تدبیر سے اپنا تصرف ونفع حاصل کررہا ہے، زید کے لئے آمدنی مذکور حرام ناجائز ہے یا حلال؟ زید نے جن لوگوں کے نام زمین پر کاغذی اندراج کرایا ہے، ان میں سے اگر کوئی پھوٹ جاوے، اپنے نام فرضی اندراج کی رپورٹ حکومت کے سیلنگ دفتر میں کردے، تو حکومت فوراً ہی زمین مذکورہ ضبط کرلے گی۔ یہ پہلے استفتاء میں واضح کیا جاچکا ہے کہ زید کی زمین داری ختم ہوجانے سے اس کے شرائط بھی زمین دار سے ختم ہوگئے، لہٰذا جو حکم شرعاً ثابت ہو، تحریر فرمایا جائے۔

محمد ماجد علی، بی بی پور وایا سورج پور، اعظم گڑھ یوپی

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکومت نے جو زمین جس کو دے کر اس کو فروخت کرنے کا حق بھی دے دیا، ظاہر ہے کہ اس کو مالک بنا دیا، ورنہ ملکِ غیر کا فروخت کرنا تو بے محل ہے (۱)، مالک کی زمین پر اگر قانونی استیلاء ہونے والا ہو اور وہ دفع

(۱) "أما شرائط الانعقاد فأنواع ...... وأن يكون مملوكاً في نفسه، وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه =

استیلاء کی تدبیر اختیار کرے، جس سے اپنی ملک کا تحفظ مطلوب ہو، تو یہ ممنوع نہیں (۱)، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ موروثی کاشت ناجائز ہونے کے متعلق ہیں، جن کی بناء پر رفع استیلاء کے مالک ہیں (۲)۔

وبين الدفع والرفع بون ظاهر.

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/۹۵ھ۔

دوسرے کے نام زمین وجائیداد خریدنا

سوال[۱۱۰۴۴]: میرا بھانجہ محمد اکرام ڈھائی سال کا تھا کہ ان کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور میری بہن لے کر میرے یہاں یعنی میکے چلے آئی، اس کی پرورش وپرداخت میرے گھر پر ہوئی، سارے اخراجات وغیرہ میرے ہی ذمہ رہے، شروع میں میرے بھانجے کے عادات واخلاق ہی گر چکے تھے، لیکن میں ان کے حق میں دعائیں کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ میرے بھانجے کو راہِ راست پر لگا دے، اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی، چنانچہ میرا بھانجہ جب تقریباً ۲۰ سال کا ہوا، تو ۴۸ء کو حج بیت اللہ کو گیا اور جانے سے پہلے سارا اثاثہ ان کے

= لنفسه فلا ينعقد بيع الكلاء، ولو في أرض مملوكة له ولا يبيع ماليس مملوكاً له، وإن ملكه بعده". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول: ۳/۲، ۳، رشيديه)

"وشرط المعقود عليه ستة: كونه موجوداً مالاً متقوماً مملوكاً في نفسه، وكون الملك للبائع فيما يبيعه لنفسه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۳، رشيديه)

(۱) "﴿فقال إني سقيم﴾ (الصافات: ۸۹) وقال الضحاک: معنى "سقيم" سأسقم سقم الموت؛ لأن من كتب عليه الموت يسقم في الغالب ثم يموت، وهذا تورية وتعريض، كما قال للملک لما سأله عن سارة: هي أختي". (أحكام القرآن للقرطبي، الجزء الخامس عشر: ۸/۶۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: الكذب مباح لإحياء حقه ودفع الظلم عن نفسه والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۷، سعيد)

(۲) (امداد الفتاویٰ، كتاب الزراعة: ۳/۵۲۰-۵۳۱، مكتبه دارالعلوم كراچی)

سپرد کر دیا اور کچھ روپیہ نقدی اور موجودہ کاروبار بھی ان کے سپرد کر دیئے۔

حج بیت اللہ کے واپسی کے بعد غلہ کی تجارت کی، پھر اس کو بند کیا اور ساری رقم اپنے آبائی پیشہ بنکاری میں لگا دی، اس کاروبار میں اللہ تعالیٰ نے میرے بھانجے کو بڑی ترقی دی، ۱۶/ سال تک کاروبار میں لگا رہا، ان کے خاندان کی پرورش اور اخراجات میرے ذمہ تھی، خرچ واخراجات سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا، میرے اور میرے بھانجے کے درمیان کسی طرح کا کوئی حصہ وغیرہ طے نہیں تھا، نہ زبانی، نہ ہی تحریری، بلکہ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ میری ہی جائیداد ہے۔

لیکن ۵۷ء میں میرے بھانجے نے بعض کاروبار رجسٹرڈ کرایا اور اپنی ممانی کو نصف شریک بنایا، دورانِ کاروبار میرے بھانجے نے کچھ زمین اور جائیدادیں خریدیں، وہ سب اپنے نام اور اپنی بیوی کے نام خریدی گئیں، سب سے اخیر کی جائیداد میں مجھ کو شریک بنایا، باقی جائیداد جو خریدی گئی، اس میں میرا نام تک نہیں، اسی درمیان میں، میں نے اپنی بہن اور ان کے خاندان کی کثرت کی وجہ سے ازراہِ شفقت ومحبت ایک علیحدہ مکان بھی ان کے نام لکھ دیا، جس پر اب بھی وہ لوگ قابض ہیں اور اس میں رہ رہے ہیں۔

اب جواب طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ جائیداد میں میرے بھانجہ محمد اکرام کا کوئی حصہ ہوتا ہے کہ نہیں، براہِ کرم جواب شریعت کے مطابق عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ آپ نے بھانجے کو اپنا کاروبار سپرد کیا اور صاف لفظوں میں کہہ دیا، یہ سب میرا ہے، تو وہ سب کاروبار اور اس سے حاصل ہونے والا روپیہ اور اس سے خریدی ہوئی جائیداد، خواہ کسی کے نام سے خریدی گئی ہو، وہ سب آپ کی ملک ہے(۱)، نہ بھانجہ کی ملک ہے، نہ اس کی بیوی کی ہے، البتہ جو مکان آپ نے جس کے لئے

---

(۱) "(وأما صفتها) فإنها من العقود الجائزة الغير اللازمة ...... ومنه أنه أمين فيما في يده كالمودع". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوکالة، الباب الأول الخ: ۵۶۷/۳، رشیدیه)

"المال الذي قبضه الوكيل بالبيع والشراء وإيفاء الدين واستيفائه، والمال الذي قبضه الوكيل بقبض العين بحسب وكالته، هو في حكم الوديعة بيد الوكيل". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۷۸۴/۲، رقم المادة: ۱۴۶۳، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوكالة: ۲۳۸/۷، رشیدیه)

لکھ دیا اور قبضہ کرادیا وہ اس کا ہوگیا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

لفافہ کے ساتھ چینی تول کردینا

سوال [۱۱۰۴۵]: دکان دار چینی لفافہ میں تول کردیتا ہے، جب کہ لفافہ کی قیمت بھی ہے اور اس کا کچھ وزن بھی ہے، اسی وزن کی چینی گاہک کو کم ملتی ہے، کیا یہ لینا دینا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لینے والا اور دینے والا راضی ہو، تو درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۹/ ۹۷ھ۔

دوسال بعد خیارِ عیب کا حکم

سوال [۱۱۰۴۶]: میں نے مہاجن (۳) سے ایک مشین خریدی، خریدتے وقت اس کی یہ شرط تھی

---

(۱) "(هي) ...... وشرعاً: (تمليك العين مجاناً) أي: بلاعوض ...... (و) شرائط صحتها (في الموهوب أن يكون مقبوضاً......) ...... (وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم)". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الهبة: ۵/ ۶۸۷، ۶۸۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول الخ: ۴/ ۳۷۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الهبة: ۷/ ۴۸۳، رشيديه)

(۲) "وأما تعريفه: فمبادلة المال بالمال بالتراضي، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/ ۲، رشيديه)

"فالأولىٰ ما ذكره حافظ الدين في الكنز من قوله هو مبادلة المال بالمال بالتراضي". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۳/ ۳، دارالمعرفة بيروت)

"وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/ ۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) مہاجن: "سوداگر، بیوپاری، ساہوکار"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۸۵، فیروز سنز لاہور)

کہ اگر سال بھر تک یہ مشین خراب ہوگی تو ہم اس کے ذمہ دار ہیں، اس کے کچھ ماہ بعد چلنا بند کردیا، ہم نے اس کی اطلاع کی، وہ آکر ٹھیک کرکے اپنی سمجھ سے چلا گیا، مگر پھر بھی نہ چل سکی، اسی طرح دو سال تک بگڑتی رہی، پھر میں دو سال بعد مشین کو لاکر کانپور مہاجن کو واپس کرنے لے گیا، جب واپس کرنے کو کہا، تو اس نے کہا: کہ ہم ٹھیک کردیں گے، میں نے کہا کہ ہم اس کو لینا نہیں چاہتے، اس کو وہ واپس نہیں لیتا، براہِ کرم تحریر فرمائیں کہ اس کا کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ چار پانچ ماہ بعد خراب ہوجانے پر آپ نے اس کو واپس نہیں کیا، نہ قیمت کا کوئی حصہ اور خسارہ واپس لیا، اب دو سال کے بعد وصول کرنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۳/۱/۹۳ھ۔

غبارے بیچنا

سوال[۱۱۰۴۷]: زید غبارے بیچتا ہے، چونکہ غبارہ ایک ایسا کھیل ہے، جو بے فائدہ نظر آتا ہے، تو کیا غبارہ کا بیچنا اسراف اور بے جا شرنہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں مضائقہ نہیں، بچوں کے حق میں اتنی وسعت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۷ھ۔

---

(۱) "الأصل: أن المشتري متى تصرف في المشترى بعد العلم بالعيب تصرف الملاک بطل حقه في الرد". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثامن في خيار الغيب، الفصل الثالث فيما يمنع الرد بالغيب ومالا يمنع الخ: ۳/۷۵، رشيديه)

"وأشار المؤلف رحمه الله تعالىٰ باللبس وأخويه لغير حاجة إلى أن كل تصرف يدل على الرضا بالعيب بعد العلم به يمنع الرد والأرش". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب خيار الغيب: ۶/۱۰۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب خيار الغيب، مطلب: فيما لو أكل بعض الطعام: ۵/۲۲، سعيد)

(۲) "عن أبي يوسف يجوز بيع اللعبة، وأن يلعب بها الصبيان". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب =

کسب کی تفصیل

سوال[۱۱۰۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ انسان اپنے کو زندہ رکھنے کے لئے کن کن پیشوں سے مخصوص نسبت رکھ سکتا ہے، ضروری پیشوں کو بالترتیب ان کے درجہ ومرتبہ کے مطابق وضاحت سے بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حقوق واجبہ ادا کرنے کے لئے حلال روزی حاصل کرنا لازم ہے(۱)، جس جس پیشہ کی شریعت نے اجازت دی ہے، حدود شرع کی رعایت رکھتے ہوئے اس کو اختیار کرنا درست ہے۔ کسب کے طرق کے متعلق فتاویٰ عالمگیری:۲/۳۴۹(۲) میں ہے:

"وأفضل أسباب الكسب الجهاد، ثم التجارة، ثم الزراعة، ثم

= البيوع، باب المتفرقات: ۵/۲۲۶، سعيد)

"أرسل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم غداة عاشوراء إلى قرى الأنصار، من أصبح مفطراً فليتم بقية يومه، ومن أصبح صائماً، فليصم، قالت: كنا نصومه بعد ونصوم صبياننا، ونجعل لهم اللعبة من العهن، فإذا بكى أحدهم على الطعام أعطيناه ذاك". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب صوم الصبيان: ۱/۲۶۳، قديمي)

"لعب" جمع "لعبة" أرادت ما كانت تلعب به، وفيه إباحة لعب الجواري بهن". (هامش مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح، ص: ۲۷۰، قديمي)

(۱) "ويجب الكسب من الحلال بقدر كفاية نفسه وعياله وقضاء دينه لقوله تعالى: ﴿أنفقوا من طيبات ما كسبتم﴾". (فتح باب العناية، كتاب الكراهية: ۳/۳۴، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل الرابع عشر في الكسب: ۶/۹۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهيه، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۸، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل الرابع عشر في الكسب: ۶/۹۶، رشيديه)

(وكذا في فتح باب العناية، كتاب الكراهية: ۳/۳۴، سعيد)

الصناعة. كذا في الاختيار شرح المختار، والتجارة أفضل من الزراعة عند البعض، والأكثر على أن الزراعة أفضل، كذا في الوجيز للكردري".

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

باب البيع الباطل والفاسد والمكروه

الفصل الأول في البيع الباطل

(بیعِ باطل کا بیان)

خنزیر وغیرہ کی تجارت مسلم کے حق میں

سوال[۱۱۰۴۹]: افریقہ وغیرہ میں تجارت عام طور پر مسلمان کرتے ہیں، اس میں گوشت بند ڈبوں میں بھی بیچتے ہیں اور اس کو خریدنے والے سب غیر مسلم ہوتے ہیں، وہ گوشت عام طور پر ذبیحہ کا نہیں ہوتا، بلکہ بعض مرتبہ خنزیر کا بھی ہوتا ہے، تو کیا مسلم تاجر کے لئے اس قسم کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردار کے گوشت کی خرید وفروخت مسلم کے لئے جائز نہیں، یہ بیع باطل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۸ھ۔

غیر کی زمین کو فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۵۰]: تیس سال قبل حامد نے خالد کو ایک قطعہ زمین قبولیت لے کر مالک بنادیا، خالد

---

(۱) "فنقول: البيع بالميتة والدم باطل". (الهداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۴۹/۳، شركة علميه ملتان)

"ولايجوز بيع الحر والخمر والخنزير والميتة، كذا في التهذيب". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لايجوز، الفصل الخامس في بيع المحرم الصيد، وفي بيع المحرمات: ۱۱۶/۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵۵/۵، سعيد)

چند دن تک دخل لے کر اپنے نابالغ لڑکے رحیم کو چھوڑ کر مر گیا، لیکن رحیم مجبوری کی وجہ سے دوسری جگہ چلا گیا، مذکورہ حامد نے بارہ سال بعد دوبارہ اسی زمین پر دخل لے کر اپنے نام کرالیا اور بارہ سال بعد قاسم کے ہاتھ فروخت کر دیا، ایسی صورت میں قاسم کے لئے ازروئے شریعت مذکورہ زمین پر قبضہ کرنا، نفع اٹھانا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور رحیم کی ملکیت زائل ہوگئی کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حامد نے وہ زمین خالد کے ہاتھ فروخت کردی تھی، تو خالد اس کا مالک ہوگیا تھا (۱)، پھر خالد کے انتقال کے بعد وہ زمین بطور ترکہ ورثہ کی ہوگی (۲)، اگر اس کا وارث صرف ایک لڑکا ہے، تو وہی وارث اور مالک ہے، اس کے کسی دوسری جگہ چلے جانے سے اس کی ملک ختم نہیں ہوئی، پھر حامد کا بغیر کسی وجہ شرعی کے اس زمین کو اپنے نام کرالینا غصب اور ظلم ہے (۳)، اس سے وہ مالک نہیں ہوا، پھر قاسم کے ہاتھ اس کو فروخت کر دینا بھی صحیح

(۱) "وأما حكمه: فثبوت الملک في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۳، رشيديه)

"وأما أحكامه: فالأصلي له الملک في البدلين لكل منهما في بدل". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۸/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۶/۴، سعيد)

(۲) "ويبدأ من تركة الميت بتجهيزه، ثم بدينه، ثم وصيته، ثم يقسم بين ورثته". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۴۴۷/۶، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۳۶۴/۴-۳۶۹، دارالمعرفة بيروت)

(۳) "وشرعاً: (إزالة يد محقة) ولو حكماً ...... (بإثبات يد مبطلة) ...... (في مال) ...... (متقوم) ...... وحكمه: الإثم لمن علم أنه مال الغير ......". (الدرالمختار، كتاب الغصب: ۱۷۷/۶-۱۷۹، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تعريف الغصب وشرطه وحكمه الخ: ۱۱۹/۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹۶/۸، ۱۹۷، رشيديه)

نہیں ہوا(۱)، اس لئے قاسم کو اس زمین سے نفع اٹھانا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۸۸ھ۔

ریلوے سے چوری کی ہوئی اشیاء کا فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۵۱]: ایک شخص نے ریلوے ویگن توڑ کر چوری کیا اور اس مال کو دوسرے شخص نے اس سے خرید کر اس کو فروخت کرنا شروع کر دیا، اسی طرح برابر سلسلہ جاری رہا، کہ ایک شخص ریلوے سے چوری کرتا تھا اور دوسرا اس سے خرید کر فروخت کرتا تھا، جب خریدنے والے کے پاس کچھ پیسے ہو گئے تو اس نے چوری کا مال خریدنا ترک کر دیا اور ایک ٹرک (گاڑی) خرید کر اس کو کرایہ پر لگا دیا ہے۔

اب میری تحریر کا مقصد یہ ہے کہ ریلوے کی چوری جائز ہے یا جس نے خرید کر اپنی تجارت کی وہ جائز ہے؟ پھر اس تجارت کو ترک کر کے ٹرک خرید کر کرایہ پر لگا رکھا ہے، تو کیا اس ٹرک کی آمدنی جو بھاڑے کی صورت میں آتی ہے، جائز ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو کیا اس تجارت کے جواز کی کوئی صورت از روئے شرع ہے؟ ریلوے چوری کا مال خریدنے والا شخص چاہتا ہے کہ ہمارا مال پاک ہو جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

چوری ریلوے کی بھی ناجائز ہے، ایسے مال کو بھی چوری کر کے تجارت کرنا ناجائز ہے، ایسی ناجائز

---

(۱) "ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچی)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه، ولا ولايته". (الدرالمختار، كتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعيد)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان.

(مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمی)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱

تجارت کرکے مال جمع کرنا اوراس سے ٹرک خریدنا بھی ناجائز ہے(۱)، اب یہ صورت ہے کہ جس قدر مال چوری کا خریدا ہے، اس کی قیمت مالک کو پہنچائے، اگر وہ معلوم نہ ہوتو اتنا مال غریبوں کو بلانیت ثواب صدقہ کردے(۲)، ٹرک کی آمدنی جائز ہوجائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۹ھ۔

ایک کھیت کا دو الگ آدمیوں سے خریدنا

سوال[۱۱۰۵۲]: ایک سرکاری کھیت بنجر کو ایک خاندان نے پٹواری سے خریدلیا، دوسرے خاندان

---

(۱) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "لايزني الزاني وهو مؤمن، ولا يسرق السارق وهو مؤمن ...... متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر، الفصل الأول: ۱/۱۷، قديمي)

"تنبيه: عد السرقة هو ما اتفقوا عليه وهو صريح هذه الأحاديث، والظاهر أنه لا فرق في كونها كبيرة بين الموجبة للقطع وعدم الموجبة له". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، كتاب الحدود، الكبيرة التاسعة والستون بعد الثلاثمائة، السرقة: ۲/۲۳۷، دار الفكر بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب السرقة: ۴/۸۲، سعيد)

(۲) "لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى لهم، ويردونها على أربابهم إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"والحاصل: أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا، فإن علم عين الحرام لايحل له ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۹۹، سعيد)

"ثم إن في كتب فقهائنا الحنفية: من دفع إلى فقير من المال الحرام شيئاً، يرجوبه الثواب يكفر". (معارف السنن، أبواب الصلاة، باب ماجاء لاتقبل صلاة بغير طهور: ۱/۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في العرف الشذی على جامع الترمذي: ۱/۳، سعيد)

والوں نے بوجہ دشمنی کے پردھان (۱) کے نائب سے خرید لیا، کیونکہ اصل پردھان حج کو گئے تھے، جب اصل پردھان واپس آگئے، تو انہوں نے بیع خاندان کو درست مانا اور کہا کہ کھیت انہی کا ہے، جنہوں نے پہلے پٹواری سے خرید لیا، اب اس میں جھگڑا ہے، پہلا کہتا ہے میرا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ میرا ہے، اس کے اندر کیا فتویٰ ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ کھیت ملکِ سرکار تھا اور پٹواری کو بغیر اجازتِ پردھان اس کے فروخت کرنے کا سرکار کی طرف سے اختیار تھا، تو جس نے پٹواری سے خریدا ہے، اس کا ہوگیا (۲)، پھر جس نے پردھان کے نائب سے خریدا ہے، اس کا خریدنا صحیح نہیں ہوا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۹۱ھ۔

حرہ کو باندی بنالینا

سوال [۱۱۰۵۳]: زید اپنا نکاح سعیدہ بیگم سے کرنا چاہتا ہے، پھر سعیدہ کی حقیقی بہن شریفہ بالغہ کو یا اس کے والدین کو کچھ رقم نقد دے کر باندی جیسی بنالے کہ باندی کی حیثیت سے بغیر نکاح کئے شریفہ سے ہمبستری حلال ہوتی ہے، زید سعیدہ اور اس کی بہن شریفہ سے نکاح یک دم از دواجی وہمبستری کرنا جائز سمجھتا ہے، زید کا عمل جائز ہے یا ناجائز؟

(۱) ''پردھان: گاؤں کا مکھیا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۶، فیروز سنز لاہور)

(۲) "الوكيل بالبيع يجوز بيعه بالقليل والكثير والعرض عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وقالا: يجوز بيعه بنقصان لا يتغابن الناس فيه، ولا يجوز إلا بالدراهم والدنانير، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوكالة، الباب الثالث في الوكالة بالبيع: ۵۸۸/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب الوكالة بالبيع والشراء، فصل لايعقد وكيل البيع والشراء: ۵۲۲/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء: ۲۸۳/۷، ۲۸۴، رشيديه)

(۳) "ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۴۴۴/۳، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا شریفہ کے ساتھ یہ عمل قطعاً حرام اور زنا ہے۔ اس کو فوراً الگ کرنا ضروری ہے، شریفہ حرہ ہے، حرہ کی بیع باطل ہے، کچھ روپیہ دینے سے وہ شرعی باندی نہیں بنی، باندی کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔

"بطل بيع ماليس بمال كالدم والميتة والحر" (درمختار مع الشامي نعمانيه، باب البيع الفاسد: ۴/۱۰۰)(۱). واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی، دارالعلوم دیوبند، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

پتّے کی بیع وشراء

سوال[۱۱۰۵۴]: ریچھ کا پتا جو جگر کے اوپر ایک تھیلی ہوتی ہے، اس پر زرد رنگ کا تلخ پانی ہوتا ہے اور عموماً ہر جانور کے اندر ہوتی ہے۔ اس کو خشک خرید کر کے بیچنا اور گیلا خرید کر گیلا ہی فروخت کر دینا درست ہے یا نہیں؟ یہ دوا کے کام آتا ہے اور باہر جاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ریچھ کا پتا بھی نجس اور مردار ہے(۲)، اس کی خرید وفروخت بھی ناجائز ہے، گیلا ہو یا خشک ہو، سب کا ایک حکم ہے۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۸۷ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۰-۵۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶/۱۱۲، رشيديه)

(وكذا في دررالحكام في غرر الأحكام، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۲/۱۶۸، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۲) "وعن الزهري رضي الله تعالىٰ عنه: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل ذي ناب من السباع حرام". فذوناب من سباع الوحش مثل الأسد والذئب ...... والدُّبّ". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود، باب أكل ذي ناب من السباع......: ۴/۱۵۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الثاني في بيان مايؤكل من الحيوان ومالايؤكل: ۵/۲۸۹، رشيديه)

الفصل الثاني في البيع الفاسد

(بیعِ فاسد کا بیان)

پھل کی بیع یا ٹھیکہ

سوال[۱۱۰۵۵]: ۱......انجمن اسلامیہ کے متعلق وسیع قبرستان میں امرود کا باغ جدید نصب کردیا گیا ہے اور کچھ قدیم آم، بیل وغیرہ کے بھی درخت ہیں، عرصہ سے امرود کی دو فصلیں اور آم وباغ کی ایک فصل مع گھاس اراضی قبرستان کے ایک ساتھ بذریعہ نیلام فروخت کی جاتی ہیں، نگرانی، تحفظ، آب پاشی کی بھی کرلی جاتی ہے، مشتری ایک سال تک باغ پر قابض رہتے ہیں اور تدریجاً قیمت ادا کرتے ہیں، اس فصل کی بیع شرعاً درست ہے یا نہیں؟

۲......اگر درست نہ ہو، تو کیا ایک سال کے لئے اراضی قبرستان کا ٹھیکہ اس شرط پر دیا جاسکتا ہے کہ باستثناء محاصلِ گورکنی دیگر جملہ پیداوار اراضی قبرستان سے بائع نفع اٹھائے اور جو اراضی ابھی قبرستان سے خالی ہیں، اگر بائع چاہے، اس پر مناسب کاشت کرائے اور ٹھیکہ کی معینہ مدت پورے ہونے کے بعد اراضی سے اپنا قبضہ اٹھائے۔

۳......ایک صورت یہ ہے کہ انجمن ملازم رکھ کر فصل کا تحفظ کرائے، جو صورتِ مشروع "أقرب إلى النفع في حق الوقف" ہے، اس کو شرح فرمایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- پہلی صورت درست نہیں (۱)۔

---

(۱) "بيع الثمار قبل الظهور لا يصح اتفاقاً ...... ولو باع كل الثمار، وقد ظهر البعض دون البعض فظاهر المذهب أنه لايصح، وكان شمس الأئمة الحلواني والفضلي يفتيان بالجواز في الثمار، والباذنجان والبطيخ، وغير ذلك، ويجعلان الموجود أصلاً في العقد والمعدوم تبعاً لتعامل الناس، والأصح أنه =

۲-دوسری صورت تاویل کرکے درست ہوسکتی ہے(۱)۔

۳-تیسری صورت بے غبار ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

= لایجوز كذا في المبسوط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار وأنزال الكرم والأوراق والمبطخة ...... : ۳/۱۰۲، رشيديه)

"قال في الفتح: لا خلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر، ولا في عدم جوازه بعد الظهور، قبل بدوالصلاح ......". (ردالمحتار، كتاب البيوع، فصل فيما يدخل في البيع تبعاً وما لايدخل، مطلب: في بيع الثمر والزرع والشجر مقصوداً: ۴/۵۵۵، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب البيوع: ۴/۳۲۶، رشيديه)

(۱) مذکورہ صورت کی تاویل یہ ہے کہ ٹھیکہ لینے والا مذکورہ زمین کو معینہ مدت کے لئے اجارہ (کرایہ) پر لے اور درختوں کو معاملۃً لے، یعنی قبرستان کے منتظمین سے اس شرط پر درختوں کو لے کہ میں اس کی نگہداشت کروں گا، پھر اس سے جو پھل حاصل ہو، اس کو مثلاً: سو حصوں میں تقسیم کریں گے، جن میں سے ننانوے حصے میرے ہوں گے اور ایک حصہ قبرستان کا ہوگا، اس طرح ننانوے حصوں میں معاملہ صحیح ہوجائے گا اور زمین پر جو چاہے، کاشت کرے۔

"ثم الزرع إذا لم يدرك فأراد جواز الإجارة في الأرض، فالحيلة في ذلك: أن يدفع الزرع إليه معاملة، إن كان الزرع لرب الأرض على أن يعمل المدفوع إليه في ذلك بنفسه وأجرائه وأعوانه على أن ما رزق الله تعالىٰ من الغلة فهو بينهما على مائة سهم من ذلك للدافع، وتسعة وتسع سهماً للمدفوع إليه ...... وكذلك الحيلة في الشجر والكرم، يرفع الشجر أو الكرم معاملةً، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، الفصل الرابع: ۴/۴۴۶، ۴۴۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارات، فصل في الإجارة الطويلة: ۲/۳۰۳، ۳۰۴، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۶/۲۹، ۳۰، سعيد)

(۲) "(والثاني) وهو الأجير (الخاص) ويسمى أجير وحد (وهو من يعمل لواحد عملاً مؤقتاً بالتخصيص ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة، وإن لم يعمل كمن استؤجر شهراً للخدمة أو) شهراً (لرعي =

باغ کو دومرتبہ بیچنا

سوال[۱۱۰۵۲]: زید نے ایک درخت بکر سے خریدا، طے شدہ رقم بھی بکر کو دے دی، بوجہ تنگ دستی زید اسے جلدی نہ کٹوا سکا، چند دنوں بعد عمر نے بکر کو کچھ الٹی سیدھی پڑھا کر قیمت بڑھا کر مذکورہ درخت کو دوبارہ خرید کر اسے لکھوالیا اور درخت کٹوانا شروع کردیا، زید کو اطلاع ملی تو اس نے عمر کو روکا اور کہا کہ یہ درخت میں خرید چکا ہوں، تم کو کٹوانے کا حق نہیں ہے، مگر چونکہ عمر صاحب اثر شخص ہیں، زید کی فریاد کو ٹھکرادیا اور درخت کٹوالے گئے، بلکہ زید کا روپیہ ابھی تک بکر کے ذمہ باقی ہے، بتلایئے کہ ایسے شخص کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ جو کہ ناحق وناجائز کاموں سے پرہیز نہ کریں، کیا ایسے آدمیوں کے یہاں کھانا یا ان کی امامت درست ہے، جو کہ حق وناحق کا پرہیز نہ کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بکر سے زید نے درخت خریدلیا اور طے شدہ رقم (قیمت) بھی دے دی، تو پھر بکر کو کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنے کا حق نہیں رہا(۱)، بکر نے جس کے ہاتھ فروخت کیا، وہ بیع زید کی رضامندی واجازت پر موقوف ہے(۲)، اب بہتر یہ ہے کہ زید اجازت دے دے اور بکر سے قیمت لے لے، بکر نے دوجگہ سے قیمت

= الغنم) المسمى بأجر مسمى". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶۹/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثامن والعشرون في بيان حكم الأجير والمشترك، الفصل الأول: ۵۰۰/۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۵۲/۸، رشيديه)

(۱) جب پہلی بیع مکمل ہوگئی، تو باغ پر زید کی ملک ثابت ہوگئی اب بکر کو زید کی ملک میں تصرف کی اجازت نہیں۔

"وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً".

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دار المعرفة بيروت)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۴۴۴/۲، إدارة القرآن)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بآخر مجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۲/۳، رشيديه)

(۲) "إذا باع الرجل مال الغير عندنا يتوقف البيع على إجازة المالك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب =

وصول کی ہے، یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے، اگر وہ زید کو قیمت نہیں دے گا، تو خائن و غاصب ہوگا (۱)، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا (۲)۔

دوسرے خریدار نے اگر یہ معلوم ہونے پر خریدا ہے کہ زید اس کو خرید کر قیمت دے چکا ہے تو وہ بھی گنہ گار ہے، اگر اس کو خریدنا ہی تھا تو زید سے خریدتا اور اسی کو قیمت دیتا، اس کے ذمہ بھی توبہ کرنا اور زید سے معافی مانگنا اور زید کو قیمت پوری دینا ضروری ہے (۳)۔ مسئلہ سمجھا دیا ہے تاکہ معاملہ کو اب صحیح کرلیں، جس کی صورت اوپر درج ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۸۵ھ۔

= البیوع، الباب الثاني عشر في أحكام البيع الموقوف الخ: ۳/۱۵۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: في بيع المكره والموقوف: ۵۰۳/۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۱۵/۶، رشيديه)

(۱) "أما تفسيره شرعاً: فهو أخذ مال متقوم محترم بغير إذن المالك على وجه يزيل يد المالك إن كان في يده أو يقصر يده إن لم يكن في يده، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تفسير الغصب وشرطه وحكمه الخ: ۱۱۹/۵، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الغصب: ۱۹۶/۸، ۱۹۷، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الغصب: ۱۷۷/۲، ۱۷۸، رشيديه)

(۲) "وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۶۱۰/۱، رشيديه)

"(قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۶۰/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۸۵/۱، رشيديه)

(۳) "لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي". (القواعد الكلية الملحقة بآخر مجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، رقم المادة: ۹۷: ۶۲/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه، كتاب الغصب: ۴۴۴/۲، إدارة القرآن كراچی)

ایک چیز کو دو مرتبہ بیچنا

سوال[۱۱۰۵۷]: حضرت مفتی صاحب!

عرض ہے کہ عمر نے بکر سے ایک زمین ومکان پچھتر ہزار روپے میں خرید لیا اور اس کی قیمت ادا کرنے کے لئے ایک مدت متعینہ طے کردی کہ اس مدت میں کامل رقم تم کو ادا کردیں گے اور اس وقت تحریری خریدی دستاویز سرکاری طور پر بھی رجسٹرڈ کرلیا جائے گا اور فی الحال خرید وفروخت کا معاملہ طے ہونے کے بعد ۵۰۰۰/ پانچ ہزار روپے عمر نے بکر کو دے دیئے اور دس روز کے بعد مزید دس ہزار کی رقم مکان کی قیمت کے ماتحت عمر نے بکر کو دی۔

گویا کل پندرہ ہزار کی رقم مکان کے ضمن میں عمر نے بکر کو دیئے، اس کی اطلاع زید کو ہوئی، تو بکر کے پاس گیا اور عمر کی مقرر شدہ رقم سے مزید رقم مذکورہ زمین ومکان کی قیمت میں بکر کو دینے کو کہا اور عمر کو قوم کی چند باا ثر افراد کے ذریعہ بکر کو زید کے ہاتھ مذکورہ مکان (جو کہ پہلے عمر کو فروخت کردیا ہے) پھر سے فروخت کرنے پر مجبور کرایا، لہٰذا بکر نے عمر کی بیع کے چند روز بعد زید کو پچاس ہزار کی رقم کا خرید دستاویز کرا کر رجسٹر کرادیا، بکر نے اس دوسری بیع کی عمر کو نہ طلاع دی، نہ پندرہ ہزار کی رقم جو مذکورہ زمین ومکان کی قیمت کے تحت اس کو عمر نے دی تھی وہ واپس کی۔ اب سوال یہ ہے کہ عمر کو زمین ومکان فروخت کرنے کے بعد زید کو چند روز بعد وہ زمین ومکان فروخت کرنے کا بکر کے لئے شرعاً حق ہے یا نہیں؟ اور یہ بیع ثانی شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زید احترامہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ایجاب وقبول سے بیع منعقد ہوجاتی ہے(۱)، تحریری بیع نامہ قانونی رعایت کے پیش نظر ہوتا ہے، جب

---

(۱) "أما شرائط الانعقاد ...... ومنها في العقد، وهو موافقة القبول للإيجاب". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۲، رشيديه)

"وهو معنى ما في فتح القدير، من أن ركنه الإيجاب والقبول، ...... قوله (البيع يلزم بإيجاب وقبول) أي: حكم البيع يلزم بهما". (البحر الرائق، كتاب البيوع: ۵/۴۳۲-۴۳۹، رشيديه) =

بیع ہوگئی اور قیمت کا بھی ایک حصہ دے دیا گیا، تو پھر بائع کو اس کے فروخت کرنے کا حق نہیں رہا(۱)، بیع ثانی غلط ہوئی، مشتری ثانی کو لازم ہے کہ اس بیع کو واپس کردے، پندرہ ہزار کی رقم بیع اول کی قیمت کا جز ہے، اس کو بلاوجہ رکھنے کا کوئی حق نہیں (۲)، اگر اول مرتبہ محض وعدہ بیع تھا کہ جملہ قیمت وصول ہوتے پر بیع کردی جائے تو اس سے بیع نہیں ہوئی، مگر وعدہ خلافی کرنا گناہ ہے (۳) اور پندرہ ہزار روپے کی واپسی لازم ہے، اس کو نہ دینا غصب ہوگا (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۹۱ھ۔

= (وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۴، سعيد)

(۱) جب پہلی بیع مکمل ہوگئی تو زمین و مکان پر عمر کی ملک ثابت ہوگئی، اب بکر کو عمر کی ملک میں تصرف کی اجازت نہیں۔

"وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً".

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۴، دار المعرفة بيروت)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۲، رشيديه)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۳) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن، كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها، إذا أو تمن خان، وإذا حدّث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة النفاق: ۱/۱۰، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: آية المنافق ثلاثة، إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف وإذا أو تمن خان". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب علامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قديمي)

(۴) "أما تفسيره شرعاً: فهو أخذ مال متقوم محترم بغير إذن المالك على وجه يزيل يد المالك.....". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تفسير الغصب وشرطه وحكمه الخ: ۵/۱۱۹، رشيديه) =

وظیفہ پنشن کی بیع

سوال[۱۱۰۵۸]: احقر وظیفہ خور مدرس ہے، اصل وظیفہ ساڑھے پانچ روپیہ اور ساڑھے چھ روپیہ اور گرانی الاؤنس جملہ اکسٹھ روپیہ، پچاس روپے ماہانہ وظیفہ حکومت ہند سے ہے اور تھوڑی سی جائیداد اور صرف کاشت کی زمین ہے، اب میں چاہتا ہوں کہ اپنے ملنے والے وظیفہ کا تھوڑا حصہ سرکار میں فروخت کرکے حج کرلوں۔ براہِ کرم مطلع فرمائیں کہ ایسا حج جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فروختگی ناجائز ہے(۱)، ناجائز مال سے حج کرنے سے حجِ مقبول نہیں ہوتا، اگرچہ فریضہ ادا ہوجاتا ہے(۲)، لیکن اگر سرکار ہی وظیفہ دیتی ہے اور سرکار ہی خریدے، تو یہ محض صورۃً بیع ہے، حقیقۃً بیع نہیں، بلکہ جو وظیفہ وہ ماہانہ دیتی ہے، اس کے عوض اپنے تخمینہ سے برضامندی وظیفہ خوار کو یکمشت دے دیتی ہے، اس میں مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۵ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۹۶، ۱۹۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۷، ۱۷۸، رشيديه)

(۱) ''پنشن ایک قسم کا انعام ہے، جب تک ملازم کا اس پر قبضہ نہ ہو، وہ اس کا مالک نہیں بنتا، اس لئے اس کی بیع جائز نہیں، البتہ خود حکومت سے اس کی بیع کرنا حقیقت میں بیع نہیں، صرف نام اور صورت بیع کا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ حکومت نے جو بڑا انعام قسط وار دینے کا وعدہ کیا تھا، اب اس کو کم مقدار میں یکمشت نقد دے رہی ہے، اس لئے حکومت سے یہ معاملہ جائز ہے''۔ (أحسن الفتاویٰ، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد والباطل، عنوان: پنشن بیچنا جائز نہیں: ۶/۵۲۱، ۵۲۲، سعید)

(۲) "ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لايقبل الحج بالنفقة الحرام كما روي في الحديث، مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب عقاب تارك الحج". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب: من حج بمال الحرام: ۲/۴۵۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته الخ: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحج: ۱/۲۶۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

بیع فاسد کو صحیح کرنے کی صورت

سوال[۱۱۰۵۹]: زید نے بکر سے سوکروے(۱) رس خریدا، فی کروہ ایک من کا ہوتا ہے، خریدتے وقت زید نے بکر سے یہ شرط طے کی کہ اگر آپ نے رس سوکرووں سے کم دیا، تو میں فی کروہ پچیس روپیہ لوں گا، سوکرووں سے جتنے بھی کم ہوں گے، خواہ ایک کروہ کم ہو، پچیس کے حساب سے وصول کروں گا، بکر نے شرط زید کی منظور کرلی، لیکن بکر نے ۹۰ کروے رس دیا، شرط سوکروں کی تھی، دس کروے کم آئے، شرط کے مطابق فی کروہ کمی پر ۲۵/ روپیہ کے حساب سے ڈھائی سو ہوئے، زید کو بکر سے یہ قیمت لینا جائز ہے یا نہیں؟ از روئے شرع تحریر فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شرط پر خرید وفروخت کرنا منع ہے، اس سے بیع فاسد ہوجاتی ہے(۲)، زید کو چاہیے کہ یہ ڈھائی سو روپیہ بکر سے نہ لے، تاکہ شرط فاسد ختم ہوکر بیع صحیح ہوجائے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) ’’کروہ: مٹی کا ٹونٹی والا برتن، لوٹا‘‘۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۶۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) "(و) لا (بیع بشرط) عطف علی إلی النیروز یعني: الأصل الجامع في فساد العقد بسبب شرط (لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لأحدهما أو) فیه نفع (لمبیع) ......". (الدرالمختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۸۴/۵، ۸۵، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البیع والتي لاتفسده: ۱۳۴/۳، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب البیع، باب البیع الفاسد: ۱۴۰/۶، رشیدیه)

(۳) "اعلم أن البیع بأجل مجهول لایجوز إجماعاً ...... فإن أبطل المشتري الأجل المجهول المتقارب قبل محله، وقبل فسخ العقد بالفساد وانقلب البیع جائزاً عندنا". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب: في بیع الشرب: ۸۲/۵، سعید)

(وکذا في الهدایة، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۶۱/۳، شرکت علمیه ملتان)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البیع الخ: ۱۴۲/۳، رشیدیه)

آب پاشی، پانی کی بیع کی ایک صورت

سوال[۱۱۰۲۰]: محکمہ آب رسانی پانی کی قیمت وصول کرتا ہے، مگر پانی کی مقدار کچھ متعین نہیں، اس کا کوئی میٹر وغیرہ نہیں، بلکہ فی پلاٹ سالانہ معاوضہ پانی کا متعین ہے، محکمہ کی طرف سے شرط یہ ہے کہ ایک پلاٹ کا پانی دوسرے پلاٹ میں بالعوض یا بلاعوض نہ دیا جائے، اس صورت میں محکمہ کی اس شرط کی پابندی شرعاً لازم ہے، یا کہ دوسروں کو پانی دینے کی گنجائش ہے، اگر گنجائش رہے تو اپنی ٹنکی وغیرہ میں پانی کے اخراج سے قبل اس پانی کی بیع درست ہے یا نہیں؟ جو سرکاری لائن سے گھر کی لائن میں آرہا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبل القبض بیع کا ناجائز ہونا، کتب فقہ میں مصرح ہے(۱)، لیکن اگر اس کو اجارہ قرار دیا جائے اور ثمن کو اجرت کہا جائے، تو مطلب یہ ہوگا کہ فلاں پلاٹ میں مشین کے ذریعہ پانی پہنچانے کی اجرت یہ ہے، مستاجر کو اس کا حق ہے کہ دوسرے کو منفعت حاصل کرنے کا حق دے دے، بالعوض ہو یا بلاعوض، جیسا کہ درمختار وغیرہ میں تصریح ہے(۲)۔ لیکن خلاف قانون کرنا جس سے عزت یا مال کا خطرہ لاحق ہو، قرین دانش مندی نہیں (۳)۔

---

(۱) "من حكم المبيع إذا كان منقولاً أن لايجوز بيعه قبل القبض". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الفصل الثالث في معرفة المبيع والثمن والتصرف فيما قبل القبض: ۱۳/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية: ۱۹۴/۶، رشيديه)

(۲) "وشرعاً: (تمليك نفع) مقصودة من العين (بعوض) ......". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۴/۶، سعيد)

"(أما تفسيرها شرعاً) فهي عقد على المنافع بعوض، كذا في الهداية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة وركنها الخ: ۴۰۹/۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۵۰۶/۷، رشيديه)

(۳) "(أمر السلطان إنما ينفذ) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته ...... فلو أمر بصوم يوم وجب". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۴۲۲/۵، سعيد)

(وكذا في الحموي على الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة: ۳۳۲/۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول: القواعد الكليه، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه كراچی)

"وفیما لا یختلف مافیه بطل تقییده به، کما لو شرط سکنی واحد له أن یسکن غیره اهـ" الدرمختار مع هامش ردالمحتار، کتاب الإجارة: ۲۲/۵، الشامی، نعمانیه(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جزوی حصہ دار کا پوری زمین کا بیع نامہ نہ لینا

سوال[۱۱۰۶۱]: سرائے مسافراں محلّہ کے ایک گوشہ میں چاہ(۲) پختہ واقع ہے اور کچھ چاہ پختہ کے متعلق زمین ہے، وہ چاہ پختہ بھر دیا گیا ہے، اب اس جگہ میں اچھا خاصا مکان تعمیر ہوسکتا ہے، اس چاہ پختہ کے جنوب میں راستہ عام ہے، اس کے بعد گھسیٹو صاحب کا مکان ہے، وہ چاہتے ہیں کہ اس جگہ کی قیمت مسجد یا مدرسہ اچھے مصرف میں دے کر اپنا مکان یا اپنی کوئی عمارت بنالیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں ایک پنچایت عام ہوئی اور اس میں یہ تحقیقات کی گئیں کہ یہ جگہ کس کی اور کون اس کا مالک ہے، ثابت ہوا کہ یہ بھٹیاروں(۳) کی ہے اور ان بھٹیاروں نے یہ جگہ روبرو پنچایت کے مسجد کو دے دی، جو مسجد اسی محلّہ مسافران میں واقع ہے، اب کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ گھسیٹو سے قیمت لے کر یہ جگہ دے دی جائے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد کا مکان تعمیر کر دیا جائے، تاکہ مسجد کے لئے ہمیشہ کے لئے ایک آمدنی بن

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الإجارة، باب مایکون من الإجارة ومایکون خلافاً فیها: ۳۵/۶، سعید)

"وإذا تکاری بیتاً، ولم یسم ما یعمل فیه فسکنه، وأسکن معه فیه غیره، فانهدم من سکنی وغیره، لم یضمن، هکذا فی المبسوط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الثانی والعشرون فی بیان التصرفات التی یمنع المستأجر عنها الخ: ۴۷۱/۴، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الإجارة، باب مایجوز من الإجارة ومایکون خلافاً فیها: ۵۱۷/۷، رشیدیه)

(۲) "چاہ: کنواں"۔ (فیروز اللغات، ص:۵۴۱، فیروز سنز لاہور)

(۳) "بھٹیارا: روٹی پکانے والا، وہ شخص جو سرائے چلاتا اور مسافروں کی خدمت کرتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص:۲۴۵، فیروز سنز لاہور)

جائے اور کنواں بنانے اور یہ جگہ رفاہ عام کے لئے چھوڑنے والے کو ہمیشہ ایصال ثواب ہوتا رہے۔

اس پنچایت سے قریب ایک سال ان بھٹیاروں میں سے صرف ایک شخص نے گھسیٹو سے معاہدہ بیع کرلیا تھا اور کاغذ پر انگوٹھا لگا کر ایک سو روپیہ بطور بیع نامہ لے لیا تھا، جو اس پنچایت میں سے تھا، اس نے وہ روپیہ واپس کردیا اور کہا، میں بیع نہیں کرتا، میں نے بھی اپنا حصہ مسجد کو دے دیا، تو یہ بیع تھی یا نہیں؟ اس کو ایسا معاہدہ کرنے کا حق تھا، اس متنازعہ مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی مشترکہ زمین کے متعلق جزوی حصہ دار کو پوری زمین کی بیع کرنے یا اس کے لئے بیع نامہ کر لینے کی اجازت نہیں، جب تک سب حصہ دار اس پر رضامند نہ ہوں (۱)، اب جب کہ بیع نامہ واپس کردیا، تو بات ہی ختم ہوگئی، دوسرے حصہ داروں کی طرح بیعانہ لے کر واپس کرنے والے نے بھی اپنا حصہ مسجد کو دے دیا، اب تو وہ جگہ مسجد کی ہوگئی (۲)،

---

(۱) "ولا يجوز لأحدهما أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بأمره، وكل واحد منهما كالأجنبي في نصيب صاحبه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة وأركانها وشرائطها الخ: ۲/ ۳۰۱، رشيديه)

"كل واحد من الشركاء في شركة الملك أجنبي في حصة سائرهم، فليس أحدهم وكيلاً عن الآخر، ولا يجوز له من ثم أن يتصرف في حصة شريكه بدون إذنه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب العاشر، الفصل الثاني في كيفية التصرف في الأعيان المشتركة: ۱/ ۶۰۱، رقم المادة: ۱۰۷۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/ ۲۸۰، رشيديه)

(۲) "وعن محمد رحمه الله تعالىٰ، عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، إذا جعل أرضه وقفاً على المسجد وسلم جاز، ولايكون له أن يرجع". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقاية أو مقبرة: ۳/ ۲۹۱، رشيديه)

"وفي "جامع يزيد الطبري" سمعت محمد بن الحسن يذكر عن أبي حنيفة، لو جعل أرضاً وقفاً على المسجد جاز". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۷/ ۱۳۶، حقانيه پشاور) .... =

اب اس کوفروخت نہ کیا جائے (۱)، اس پرمکان تعمیر کردیا جائے، پھراس مکان کوخواہ گھسیٹوصاحب کوہی کرایہ پر دے دیا جائے (۲)۔

اگر مکان تعمیر کرنے کے لئے سرمایہ موجود نہ ہواور فراہم بھی نہ ہوسکتا ہو، تو زمین ہی گھسیٹوصاحب کو کرایہ پر دے دی جائے، وہ مکان تعمیر کرلیں، اس صورت میں وہ زمین کا کرایہ مسجد کو دے دیا کرے، تعمیر ان کی رہے گی اور زمین مسجد کی رہے گی، جس وقت منتظمین اس زمین کو خالی کرنا چاہیں گے، تو گھسیٹوصاحب کو لازم ہوگا کہ وہ خالی کردیں، خواہ اس طرح کہ اس وقت تعمیر کے ملبہ کی قیمت مسجد کی طرف سے ان کو دے دی جائے، نہ کہ تعمیر کی، پھر وہ مکان بھی مسجد کا ہوجائے گا، خواہ تعمیر وہاں سے ہٹا کر اس کا سامان وہ خود ہی لے جائیں اور صرف زمین خالی مسجد کے حوالہ کردیں (۳)۔ باہمی مشورہ کرکے جوصورت مسجد کے لئے مفید ہو، وہ اختیار کرلی جائے،

= "..... قال الفقيه أبو جعفر : تصير الحجرة وقفاً على المسجد إذا سلمها إلى المتولي، وعليه الفتوىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الألفاظ التي يتم بها الوقف ومالايتم بها: ۲/ ۳۵۹، رشيديه)

(۱) "وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ۲۴۰، مكتبه شركت علميه)

"وعندهما: حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجه تعود منفعته إلى العباد فيلزم، ولا يباع، ولا يوهب، ولا يورث، كذا في الهداية. وفي العيون واليتيمة أن الفتوىٰ على قولهما". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه وسببه وحكمه وشرائطه الخ: ۲/ ۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۲۲، رشيديه)

(۲) "..... وهذه المسئلة دليل على أن المسجد المحتاج إلى النفقة تؤجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه" (تقريرات رافعي على حاشية ابن عابدين، كتاب الوقف: ۳/ ۸۰، سعيد)

"القيم إذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أن يستغل ويباع عند الحاجة، جاز إن كان له ولاية الشراء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد الخ: ۲/ ۴۶۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/ ۸۴۵، قديمي)

(۳) "قلت: قال في المحيط وغيره: لو استأجر أرضاً موقوفة، وبنى فيها حانوتاً وسكنها، فأراد غيره أن يزيد في الغلة ويخرجه من الحانوت، ينظر إن كانت أجرته مشاهرةً، إذا جاء رأس الشهر كان للقيم فسخ =

کسی قانون داں سے بھی مشورہ کرلیا جائے، تو بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۹۴ھ۔

بیع نامہ لکھوانا کیسا ہے؟

سوال[۱۱۰۶۲]: کھیت، زمین، مکانات اور نسبی ملکیت پر جو بیع نامہ لکھواتے ہیں، یہ کیسے ہیں، جائز ہے یا ناجائز؟ اس کے علاوہ اس میں حد متعین بھی کرتے ہیں، یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع کا حاصل یہ ہے کہ اپنی مملوکہ شی بعوض قیمت اپنی ملک سے نکال کر ہمیشہ کے لئے دوسروں کو دے دی جائے، خواہ زمین ہو یا مکان، دکان وغیرہ کچھ ہو، پھر اس ملک کی بناء پر کوئی حقِ امتناع باقی نہ رکھا جائے، پھر نہ اس میں واپسی کی شرط کی جائے، نہ کوئی حد مقرر کی جائے (۱)، اس کے علاوہ جو صورت ہو، اس کو صاف صاف

= الإجارة؛ لأن الإجارة إذا كانت مشاهرة تنعقد في رأس كل شهر، ثم ينظر إن كان رفع البناء لايضر بالوقف، فله رفعه؛ لأنه ملكه، وإن كان يضر به فليس له رفعه؛ لأنه وإن كان ملكه، فليس له أن يضر بالوقف، ثم إن رضي المستأجر أن يتملكه القيم للوقف بالقيمة مبنياً أو منزوعاً أيهما كان أخف يتملكه القيم، وإن لم يرض لايتملك؛ لأن التملك بغير رضاه لايجوز، فيبقى إلى أن يخلص ملكه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۸/۵، ۳۹۹، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الإجارة: ۱۴/۴، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۵۲/۷، حقانيه پشاور)

(۱) "أما تعريفه: فمبادلة المال بالمال بالتراضي ...... ومنها: أن لايكون مؤقتا، فإن أقته لم يصح ...... ومنها الخلو عن الشرط الفاسد ...... وأما شرائط اللزوم، فخلوه عن الخيارات الأربعة المشهورة وغيرها ...... وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان باتاً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه الخ: ۲/۳، ۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع: ۵۰۲/۴-۵۰۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۰/۵-۴۳۸، رشيديه)

لکھ کراس کا حکم دریافت کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۳/۳/۹۲ھ۔

خریدار کو انعام دینے کی نیت سے کوپن دینا

سوال[۱۱۰۶۳]: زید ایک تاجر ہے، اپنی تجارت بڑھانے کے لئے چند کوپن پر انعام رکھتا ہے، مثلاً: صابن خریدا تو ساتھ میں ایک کوپن دیتا ہے، جس پر نمبر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر پچاس نمبرات یا ایک سو چالیس تک کے نمبرات کے کوپن آپ کے پاس جمع ہو گئے، تو آپ کو ایک سائیکل یا ریڈیو انعام میں ملے گا۔ کیا یہ انعام لینا جائز ہے اور ان نمبرات کو جمع کرنے کی سعی جائز ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

خریدار کو انعام دینا اور اس کو انعام لینا اگرچہ درست ہے(۱)، لیکن ایسے اعلانات شائع ہونے پر بسا اوقات اصل شیٔ کی خریداری مقصود نہیں رہتی، بلکہ نمبرات کے جمع کرنے کی فکر ہو جاتی ہے، تو گویا کہ نمبرات ہی کو خریدنا ہوتا ہے اور خریداری کی یہ صورت شرعاً غلط ہے، ناجائز ہے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، ۱۹/۲/۹۲ھ۔

---

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الأكل: ۵۲۹/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الرابع في الهدية والميراث: ۳۶۰/۶، رشيديه)

(۲) نمبرات چونکہ فی نفسہ مال متقوم نہیں ہے اور بیع میں ضروری ہے کہ مبیع مال متقوم ہو، لہذا نمبرات کی بیع درست نہیں۔ كما في الهندية:

"ومنها في البدلين وهو قيام المالية حتى لا ينعقد متى عدمت المالية ...... ومنها في المبيع ...... وأن يكون مالاً متقوماً شرعاً......". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۲/۳، ۳، رشيديه)

"وأما شرائط المعقود عليه، فأن يكون موجوداً مالاً متقوماً مملوكاً في نفسه". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۳/۵، رشيديه) .... =

ذبح کرنے سے پہلے جانور کا گوشت فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۶۴]: زندہ جانور کی کھال، گوشت، ران وغیرہ ذبح کرنے سے پہلے فروخت کردیتے ہیں اور ایک دکاندار خرید کر گوشت وغیرہ بیچتا ہے، گاہک دکاندار سے لے کر استعمال میں لاتے ہیں، یہ بیع درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح فروخت کرنا بیع فاسد ہے(۱)، بیچنے والے خریدنے والے کے ذمہ ایسی بیع کا فسخ کرنا واجب ہے، اگر فسخ نہیں کیا تو دونوں گنہگار ہوں گے(۲) اور جس شخص نے اس سے اس گوشت کو خریدا ہے، اس کے حق میں اس خریدنے سے فساد نہیں آئے گا، بیع درست ہوجائے گی(۳)، خواہ اس کو اصل بیع کا علم ہو یا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۱۴۰۰ھ۔

= "وشرط المعقود عليه ستة: كونه موجوداً مالا متقوماً مملوكاً في نفسه، وكون الملك للبائع فيما يبيعه لنفسه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۵، سعيد)

(۱) "(قوله: وفسد الخ) شروع في البيع الفاسد بعد الفراغ من الباطل، وحكمه ...... (قوله وصوف على ظهر غنم) للنهي عنه، ولأنه قبل الجزّ ليس بمال متقوم في نفسه؛ لأنه بمنزلة وصف الحيوان لقيامه به كسائر أطرافه ...... (قوله: وكذا كل ما اتصاله خلقي)". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۶۲-۶۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الفصل التاسع في بيوع الأشياء المتصلة بغيرها وفي البيوع التي فيها استثناء: ۳/۱۲۹، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۶/۴۱۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "أخره على الصحيح لكونه عقداً مخالفاً للدين كما أوضحه في الفتح، وسيأتي أنه معصية يجب رفعها". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۴۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶/۱۱۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۳/۶۲، دارالمعرفة بيروت)

(۳) "بخلاف البيع الفاسد فإنه لايطيب له لفساد عقده ويطيب للمشتري منه لصحة عقده". =

ورثاء میں سے ایک کا شادی کے لالچ میں مشترکہ زمین دینا

سوال[۱۱۰۶۵]: ہندہ کے والدین کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تھا، ہم سات بہن بھائی بے سہار چھوڑے، ۵بہن سب سے بڑی تھیں، جوشادی شدہ تھیں، ہم تینوں کنوارے تھے، والد صاحب کے انتقال کے وقت خویدکم کی عمر آٹھ برس تقریباً تھی، بڑے بھائی کی عمر تقریباً ۱۳،۱۴برس کی تھی اور چھوٹے کی عمر تقریباً ۴، ۵ برس کی تھی، جس وقت میری عمر تقریباً ۱۴، ۱۵برس کی ہوئی، تو ایک قریب شریک نے کہا کہ تیری شادی اپنی دختر دے کر بٹے سٹے کرادوں گا، بشرطیکہ تو اپنی زمین میرے نام کرادو، ہم نے اپنی نادانی سے بخوشی قبول کرلیا، ان صاحب نے ۱۴بیگھہ زمین ہم سے مفت لے لی اور اپنی لڑکی بٹے میں دے کر میری شادی کرادی۔ اس کے بعد ایک صاحب دیندار نے ان سے کہا کہ تمہارے لئے یہ زمین اور اس کی فصل کھانا اس وقت تک درست نہیں ہوسکتی، جب تک کہ تم ان لڑکوں کو تھوڑی بہت قیمت ادا نہ کردو، انہوں نے کہا کہ ہم اپنی لڑکی کو دیا کریں گے، ان کو نہیں دیتے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب کہ انہوں نے ہم کو کچھ نہیں دیا، صرف لڑکی بٹے میں دے کر ہماری زمین اپنے لئے حلال کرلی، یہ زمین اور اس کی فصل اس کے لئے حلال وجائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین سب بھائی بہنوں کی مشترک تھی، اس کے دینے کا کسی ایک دو کو حق نہیں تھا اور لڑکی کی شادی کی وجہ سے زمین طلب کرنے کا حق نہیں تھا، یہ رشوت ہے(۱)، جو کہ ناجائز ہے(۲)، اس کے ذمہ واجب ہے کہ

= (الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۹۸/۵، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: البيع الفاسد لا يطيب له ويطيب للمشتري منه: ۹۸/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۵۶/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الحادي عشر في أحكام البيع الغير الجائز: ۱۴۷/۳، رشيديه)

(۱) "(أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده)؛ لأنه رشوة. (قوله: عند التسليم) أي: بأن أبى أن يسلمها أخرها أو نحوه حتى يأخذ شيئاً، وكذا لو أبى أن يزوجها فللزوج الاسترداد قائما أو هالكا؛ لأنه رشوة".

(الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: أنفق على معتدة الغير: ۱۵۶/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۳۲۷/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۲۵/۳، رشيديه) .... =

زمین واپس کردے، پھر کوئی بھائی بہن اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو اس سے خرید لینا درست ہے(۱)، جب کہ وہ بالغ ہو، جس وقت خریداری کا معاملہ کرے، اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (۲) قال الله تعالیٰ: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿سماعون للكذب أكّلون للسحت﴾ (المائدة: ۴۲)

"قال أبوبكر: اتفق جميع المتأولين بهذه الآية على أن قبول الرشا محرم، واتفقوا على أنه من السحت". (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۴۳۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار". (تلخيص الحبير لابن حجر، كتاب القضاء، باب أدب القضاء، رقم الحديث: ۲۰۹۳: ۴/۲۰۹۳، مصطفىٰ الباز مكة)

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلک: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) "باع عينا من رجل بأصفهان بكذا من الدنانير فلم ينقد الثمن حتى وجد المشتري ببخارى يجب عليه الثمن بعيار أصفهان، فيعتبر مكان العقد ...... وكما يعتبر مكان العقد يعتبر زمنه أيضاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: يعتبر الثمن في مكان العقد وزمنه: ۴/۵۳۶، سعيد)

"وتعتبر قيمة الأصل يوم العقد......". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب السادس عشر الخ، مطلب: الزيادة في الثمن والمثمن: ۳/۱۷۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۳/۱۵، ۱۶، دارالمعرفة بيروت)

الفصل الثالث في البيع المكروه

(بیع مکروہ کا بیان)

ٹیکس سے بچنے کے لئے حکومت کو اطلاع دیئے بغیر کچھ خریدنا

سوال[۱۱۰۲۶]: چونکہ مال خریدنے پر حکومت ٹیکس لیتی ہے، زید اس ٹیکس سے بچنے کے لئے حکومت کو اطلاع کئے بغیر مال خریدتا بیچتا ہے، کیا اس طرح مال لاکر بیچ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مالک کو اپنی ملک بیچنا اور جہاں سے دل چاہے، خرید کرنا سب درست ہے(۱)، مگر قانون کے خلاف کر کے عزت کو خطرہ میں ڈالنا خلاف دانشمندی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۷ھ۔

---

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) "(أمر السلطان إنما ينفذ) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته ..... عن الحموي أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا: أن طاعة الأمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم وجب، وقد منا أن السلطان لو حكم بين الخصمين ينفذ في الأصح وبه يفتى". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد) .... =

گورنمنٹ سے راشن لے کر نفع کے ساتھ فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۶۷]: میں گورنمنٹ راشن دکان سے اناج خرید کر فروخت کرتا ہوں، جس پر مجھے پچاس فیصد سے لے کر ۷۰ فیصد تک منافع حاصل ہوتا ہے، یہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ کی اپنی دکان ہے، آپ مالک ہیں، تو آپ کو اپنے مال پر نفع لینے کا اختیار ہے(۱)، مگر اتنا زائد نفع نہ لیں، جو خلافِ مروت ہو، اگر آپ حکومت یا سوسائٹی کی طرف سے اناج فروخت کرتے ہیں اور اس پر آپ کو کمیشن ملتا ہے، تو وہ کمیشن آپ کے لئے درست ہے(۲)، مگر جو نرخ تجویز کردیا گیا، اسی نرخ پر فروخت کریں،

= (وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة: ۱/۳۳۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول، القواعد الكلية، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه كراچى)

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) "وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسداً لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، مطلب: في أجرة الدلال: ۶/۶۳، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة: ۱۶/۲۰۸، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۷، سعيد)

زیادہ پر نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین۔

کنٹرول کے نرخ سے کمی زیادتی پر بیع کرنا

سوال[۱۱۰۲۸]: ساجھہ (۲) کے غلہ پر کنٹرول کی دکان ہے، اس کے یہاں غلہ آیا اور حکومت کی جانب سے تاریخ متعین ہوگئی کہ فلاں تاریخ تک غلہ تقسیم ہوگا، کچھ افراد تاریخ موقت پر نہ پہنچے، اب متعین تاریخ کے بعد کیا صاحبِ دکان کو یہ جائز ہے کہ وہ حکومت کے متعین کردہ ریٹ پر اضافہ کرکے دوسروں کے ہاتھ فروخت کردے، یا ان افراد کا انتظار کرے، جس کے حق میں غلہ آیا تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلہ کنٹرول کی دکانیں دوطرح کی ہوتی ہیں:

۱- دکان دار جو خود غلہ گورنمنٹ سے نہیں خریدتا ہے، بلکہ غلہ گورنمنٹ کا ہی دیتا ہے، دکان دار کو بکری کے فیصلے کے حساب سے کمیشن ملتا ہے، اگر ایسی صورت ہے تو دکان دار کا حکومت کے متعین کردہ ریٹ پر اضافہ کرکے فروخت کرنا، کسی دوسرے کے ہاتھ درست نہیں (۳)۔

---

(۱) "المؤكل إذا شرط على الوكيل شرطا مفيدا من كل وجه بأن كان ينفعه من كل وجه فإنه يجب على الوكيل مراعاته، أكده بالنفي أو لم يؤكده......". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوكالة، الباب الثالث في الوكالة بالبيع: ۳/۵۸۹، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوكالة، فصل فيما يكون به وكيلاً ومالايكون: ۳/۴، رشيديه)

(۲) "ساجھا: کسی کام میں حصہ داری یا شراکت"۔ (فیروز اللغات، ص:۷۰۶، فیروز سنز لاہور)

(۳) "المؤكل إذا شرط على الوكيل شرطا مفيدا من كل وجه بأن كان ينفعه من كل وجه فإنه يجب على الوكيل مراعاته أكده بالنفي أو لم يؤكده......". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوكالة، الباب الثالث في الوكالة بالبيع: ۳/۵۸۹، رشيديه) ....=

۲- دکان دار جو غلہ دکان میں لاتا ہے، اس کی قیمت اپنے پاس سے حکومت میں جمع کر کے خود غلہ خرید لیتا ہے اور پھر حکومت کے مقرر کردہ نرخ پر بیچتا ہے۔ اس صورت میں دکان دار چونکہ خود غلہ خرید لیتا ہے اور خرید لینے کی وجہ سے غلہ کا مالک ہوگیا ہے اور محض قانونِ وقت کی پابندی کی وجہ سے حکومت کے مقررہ کردہ نرخ پر فروخت کرتا ہے، مگر مالک ومشتری ہے عندالشرع اس لئے حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے زائد پر یا کسی دوسرے شخص کے ہاتھ میں شرعاً فروخت کرسکتا ہے(۱)، باقی حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے بے آبرو ہونے کا بھی خطرہ ہوتو ایسا نہ کرنا ہوگا، اس سے پورا پرہیز چاہیے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲/۵/۹۳ھ۔

کنٹرول کا مال زیادہ قیمت پر فروخت کرنا اور نفع کمانا

سوال[۱۱۰۶۹]: زید ایک تاجر آدمی ہے، اس کے پاس غلہ کی دکان ہے، نیز آج کل غلہ کنٹرول سے بک رہا ہے، لیکن ہر ایک فرد کو نہیں ملتا اور زید اگر کوئی دوسری جگہ سے غلہ خرید کر منگاتا ہے تو گرفتاری کا خطرہ ہے، چونکہ گورنمنٹ کا یہ اعلان ہے کہ بیس کلو سے زائد کوئی نہیں لاسکتا، اس صورت میں اگر وہ غلہ کنٹرول دکان سے لینے کے لئے تیار ہے اور وہ واقعی سستا بھی ہے، جو بازار میں عام ریٹ پر فروخت کرسکتا ہے، آیا شریعت کی رو سے اس کا خریدنا اور اس کا بیچنا کیسا ہے؟ جب کہ حکومت نے عمر کو گورنمنٹ کا غلہ فروخت کرنے کا امین بنایا ہے

= (وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوكالة، فصل فيما يكون به وكيلاً ومالايكون: ۳/۴، رشيديه)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) سيأتي تخريجه تحت عنوان: "کنٹرول کا مال زیادہ قیمت پر فروخت کرنا اور نفع کمانا"۔

اورآج کل یہ خیانت عام ہے۔

نیز مٹی کا تیل بھی سرکاری دکانوں میں نہیں ملتا اور وہ زائد قیمت لے کر دکانداروں کوفروخت کرتے ہیں، بظاہر یہ چوری کا مال ہوااور جان بوجھ کر چوری کا مال خریدنا کیسا ہے، نیز اس میں کوئی گنجائش ہے یا نہیں، نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ زید، عمر سے غلہ لے کرفروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید غلہ کنٹرول دکان سے خرید کر عام ریٹ پرفروخت کرے، توشرعاً جائز ہے، ہاں! اگرمقدارِمعین سے زائد کسی کودینے کی اجازت نہ ہو، تو پھر زائد دینا قانونی جرم ہے(۱)، درحقیقت عمر اس غلہ کا مالک نہیں، مالک حکومت ہے، عمرفروخت کرنے کا امین ہے، اس کے لئے قانون کے خلاف کرنا جرم ہے(۲)، پھر اگر وہ قیمت حکومت ہی کودیتا ہے، تو زید کا خریدا ہوا وہ غلہ چوری کا مال نہیں، اس لئے زید اس کا مالک ہوجائے گا(۳)، یہی حال تیل وغیرہ کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(أمر السلطان إنما ينفذ) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته ..... فلو أمر بصوم يوم وجب". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة: ۱/۳۳۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول. القواعد الكلية، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۳) "وحكمه: ثبوت الملک للمشتري في المبيع، وللبائع في الثمن، إذا كان باتاً". (حاشية الشلبي على التبيين، كتاب البيوع: ۴/۲۷۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"وحكمه: ثبوت الملک أي: في البدلين، لكل منهما في بدل". (ردالمحتار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۶، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۳، رشيديه)

جاسوسی فلمی کتابوں کی تجارت

سوال[۱۱۰۷۰]: زید کی تجارت رومانی جاسوسی فلمی کتب ناول تلنگی (۱) کی ہےاوپر اچھی بری تصویر رہتی ہیں، تجارت بالکل غیر مسلم بستی میں ہے، تقریباً ۹۹ فی صد غیر مسلم ان کتابوں کی خریداری کرتے ہیں، اس پر اچھی کمیشن ملتی ہے، دس سال سے یہ تجارت کررہے ہیں، ابھی تک زید کی زندگی اور زید کے خاندان کی زندگی غیر اسلامی چل رہی تھی، اب اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور تبلیغی جماعت میں جڑ کر کام کررہے ہیں، اس تجارت سے جملہ تین خاندان کا گزر اچھی طرح ہوتا ہے، پہلے تین بھائی مل کر یہ تجارت کرتے تھے، اب دو بھائی مستقل دینی کام میں لگ گئے ہیں اور ایک بھائی ہی یہ تجارت کرتا ہےاور اب بھی تینوں بھائی کا گزر اس بھائی کی تجارت سے ہوتا ہے۔

اب معلوم یہ کرنا ہے کہ آیا یہ تجارت زید کے لئے جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو کیا جاری رکھا جائے یا تجارت کی لائن بدل دی جائے، جب کہ تجارت کی لائن بدلنے میں دقت ہے اور آمدنی بھی بہت کم ہوجائے گی اور نہ بدلی جائے، تو کیا تقویٰ اور شریعت کے خلاف اور دینی کام کرتے ہوئے اس تجارت پر گزارہ کرنے کی گنجائش ہے یانہیں؟

حاجی عبدالوہاب صاحب، سابق تحصیل دار پنور ضلع گنور (اے پی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

تجارت کو بدلنے میں دقت تو ضرور ہوگی اور اس کو برداشت کرنا چاہیے، دیگر جائز کتب کا بھی میل شروع کردیں، آہستہ آہستہ ناجائز کتب کم کرتے رہیں، جائز کتب کی تجارت کو ترقی دیتے رہیں، یہاں تک کہ موجودہ صورت بالکل بدل جائے یا کوئی اور تجارت شروع کردیں، جب اس پر قابو ہوجائے تو موجودہ کو ترک کردیں (۲)، حق تعالیٰ مدد فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۷/ ۹۴ھ۔

---

(۱) "تلنگی: تلنگانہ کا باشندہ، تلنگانہ کی زبان"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۰۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذها هزوا أولئک لهم عذاب مهین﴾ (لقمٰن: ٦) .... =

دودھ میں پانی ملاکر بیچنا

سوال[۱۱۰۷۱]: ایک شخص دودھ بیچتا ہے اور کہتا ہے، میں نے پانی ملا رکھا ہے، لیکن مقدار نہیں بتلاتا، کیا ایسا فعل جائز ہے، جب کہ ہندو دکان دار پانی ملاکر ہی بیچتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ پانی ملانا ظاہر کردیتا ہے، تو وہ دھوکہ نہیں دیتا ہے، خریدنے والے کو اختیار ہے، خریدے یا نہ خریدے، لیکن بغیر پانی ملائے، فروخت کرنے میں بڑی خیر وبرکت ہے، جس سے پانی ملانے والے محروم ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۹۴ھ۔

دودھ میں پانی ملاکر فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۷۲]: میں ایک دکان دار ہوں اور دودھ کے بیچنے کا کام کرتا ہوں اور اس دودھ میں

= "واستدل بعضهم بالآية على القول بأن لهو الحديث الكتب التي اشتراها النضر بن الحارث على حرمة مطالعة كتب تواريخ الفرس القديمة، وسماع ما فيها، وقراء ته، وفيه بحث، ولا يخفى أن فيها من الكذب ما فيها، فالاشتغال بها بغير غرض ديني خوض في الباطل". (روح المعاني، لقمٰن: ٦: ٢١/ ٧٩، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٤٢٣، سعيد)

(١) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مر على صبرة من طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً، فقال "ياصاحب الطعام، ما هذا؟" قال: أصابته السماء يا رسول الله! فقال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس" ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع: ١/٢٤٥، قديمي)

"من علم بسلعته عيبا لم يجز بيعها حتى يبينه للمشتري، فإن لم يبينه فهو اثم عاص، نص عليه أحمد". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، أبواب بيع العيب، باب خيار العيب: ١٤/٥٨، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب خيار العيب: ٥/٥، سعيد)

پانی ملاکر بیچتا ہوں، جب کہ اگر مجھ سے کوئی پوچھتا ہے کہ اس میں پانی ملائے ہو یا نہیں تو میں اس سے فوراً کہہ دیتا ہوں کہ یہاں میں پانی ملاکر بیچتا ہوں، مگر میں کسی کو مقدار نہیں بتاتا ہوں، تو آپ یہ بتائیے کہ دودھ میں پانی ملانا جائز ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو آدمی دودھ خریدتے ہیں، وہ دودھ کی قیمت دیتے ہیں اور دودھ کہہ کر خریدتے ہیں، اگرچہ آپ سے یہ دریافت نہ کریں کہ آپ پانی ملاتے ہیں یا نہیں، مگر معاملہ دودھ ہی کا کرتے ہیں، اس لئے آپ اس میں پانی نہ ملائیں (۱)، اگر ملانا ہو تو خریداروں پر ظاہر کردیں کہ اس میں اتنا پانی ہے، پھر جس کا دل چاہے، خریدے، نہ دل چاہے نہ خریدے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه : أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مر على صبرة من طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً، فقال "ياصاحب الطعام! ما هذا؟" قال: أصابته السماء يا رسول الله! فقال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس" ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع: ۱/۲۴۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ...... ومن غشنا فليس منا". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمي)

(وكذا في الترغيب والترهيب، كتاب البيوع، الترهيب من الغش والترغيب في النصيحة في البيع وغيره: ۲/۳۵۰، داوالكتب العلمية بيروت)

(۲) "من علم بسلعته عيباً لم يجز بيعها حتى يبينه للمشتري، فإن لم يبينه فهو اثم عاص، نص عليه أحمد". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، أبواب البيع العيب، باب خيار العيب: ۱۴/۵۸، إدارة القرآن كراچی)

"عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: المسلم أخو المسلم، ولا يحل لمسلم باع من أخيه بيعا فيه عيب، إلا بينه له". (سنن ابن ماجة، كتاب البيوع، باب من باع عيباً فليبينه، ص: ۱۶۲، قديمي)

دودھ میں پانی ملا کر چائے بنانا اور بیچنا

سوال[۱۱۰۷۳]: دودھ میں پانی ملا کر گرم کرتے ہیں اور اس کے بعد اس دودھ کی چائے بنا کر دیتے ہیں، تو کیا ایسا عمل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ خالص دودھ خریدیں اور اس میں پانی ملائیں، یہ عمل ایسا ہوگا کہ اگر دوسرا شخص یہ کرے تو آپ کو ناپسند ہے، خود اس عمل کو کریں گے تو وہ کیوں ناپسند نہیں؟ بہر حال اگر پانی اس لئے ملاتے ہیں تا کہ گرم کرنے سے پانی پانی جل جائے اور دودھ اپنی اصلی حالت پر باقی رہے اور اس سے چائے بنا کر دیں، تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱/۹۹ھ۔

حکومتی پابندی کے باوجود ایک شہر سے دوسرے شہر میں مال تجارت منتقل کرنا

سوال[۱۱۰۷۴]: ایسی تجارت کے تعلق سے کہ گورنمنٹ ضلع بندی کرتی ہے اور اپنی جگہ سے دوسری جگہ کو مال، یعنی غلہ وغیرہ لے جانے کو جرم قرار دیتی ہے، اس کے باوجود تاجر لوگ غیر قانونی حرکت کر کے نگراں کاروں کو رشوت دے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ میں غلہ وغیرہ منتقل کر کے تجارت کرتے ہیں، تو ایسی تجارت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو جائز ہونے کی کیا صورت ہے، کیا ایسا تاجر عند اللہ مجرم قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ اور جو ایسی تجارت سے نفع حاصل کیا جاتا ہے، ثواب حاصل کرنے کی نیت سے کار خیر میں خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں سے زکوۃ صدقۂ فطر قربانی وغیرہ کئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) چونکہ مذکورہ صورت میں دھوکہ نہیں، اس لئے مذکورہ طریقے سے چائے بنا کے بیچنا درست ہے۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: قال من حمل علینا السلاح فلیس منا، ومن غشنا فلیس منا". (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب قول النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من غشنا فلیس منا: ۱/۷۰، قدیمی)

(وجامع الترمذي، کتاب البیوع، باب ماجاء في کراهیة الغش الخ: ۱/۲۴۵، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوشخص جو مال موافق شرع خرید کر مالک ہوجائے، اس کو اس کے ہر جگہ فروخت کرنے کا پورا حق حاصل ہے(۱)، اس فروخت کرنے سے جو روپیہ ملے، وہ اس کا مالک ہوجائے گا(۲)، حسب ضابطہ اس پر زکوۃ بھی واجب ہوگی، قربانی بھی واجب ہوگی، ایسے مال کو کارِ خیر میں صرف کرنا بھی درست ہوگا، مگر اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ قانونی خلاف ورزی کر کے اپنے مال اور عزت کو خطرہ میں ڈالنا ہرگز دانش مندی نہیں (۳) اور رشوت دینا تو قانونی جرم ہے اور شرعی جرم بھی ہے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلک: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) "وحكمه: ثبوت الملک، أي: في البدلين لكل منهما في بدل". (ردالمحتار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على تبيين الحقائق، كتاب البيوع: ۴/۶۷۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) اگر حکومت کا قانون شرعی حکم کے مخالف نہیں اور اس میں کوئی دینی یا دنیاوی مفسدہ بھی نہ ہو، تو حکومت کا حکم ماننا واجب ہے۔

"(أمر السلطان إنما ينفذ) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته ...... فلو أمر بصوم يوم وجب".

(ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة: ۱/۳۳۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول: القواعد الكلية، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۴) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الراشي والمرتشي".=

اسمگلنگ شدہ کپڑا فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۷۵]: کوئی شخص نیپال سے ''پارچہ'' لاکر ہندوستان میں اس کپڑے کے نفع کے ساتھ خرید وفروخت کرے، باوجود اس کے کہ حکومت کی چوری ہے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فعل خلافِ قانون اور موجبِ سزا ہونے کی وجہ سے قابلِ پرہیز ہے(۱)، کیونکہ اس میں عزت کا بھی خطرہ ہے، مال کا بھی خطرہ ہے، ایسا خطرہ مول لینا خلافِ دانش مندی ہے، اگرچہ اس خرید وفروخت کے ذریعہ حاصل شدہ مال حرام نہ ہو(۲)۔ فقط۔

بینڈ باجوں میں استعمال ہونے والے چمڑے کی بیع

سوال[۱۱۰۷۶]: زید بینڈ باجوں میں لگنے والے چمڑے (کھال) مختلف سائز کے ان کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتا ہے، شرعی اعتبار سے یہ روزگار اور اس سے ہونے والی آمدنی جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ چمڑے صرف اسی کام میں آتے ہیں، تو یہ کاروبار مکروہ ہے(۳)، اگرچہ حاصل شدہ قیمت اس کی

= (جامع الترمذي، أبواب الأحكام، باب ماجاء في الراشي والمرتشي في الحكم: ۱/۲۴۸، سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار". (تلخيص الحبير لابن حجر، كتاب القضاء، باب أدب القضاء، رقم الحديث: ۲۰۹۳: ۴/۲۰۹۳، مصطفىٰ الباز مكة)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية: ۵/۳۶۲، سعيد)

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: ''حکومتی پابندی کے باوجود ایک شہر سے دوسرے شہر مال منتقل کرنا''، رقم الحاشية: ۳

(۲) راجع العنوان السابق، رقم الحاشية: ۱

(۳) "ثم السبب إن لم يكن محركاً وداعياً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلك سبب قريب بحيث لايحتاج في إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة من الفاعل، كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير ممن يتخذه خمراً ...... فكله مكروه تحريماً، بشرط أن يعلم به البائع والأجر من دون تصريح به =

وجہ سے ناجائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۹۲ھ۔

کسی چیز کو کم یا زیادہ قیمت پر بیچنے کا حکم

سوال[۱۱۰۷۷]: غریب لوگوں کی پریشانی دور کرنے کے لئے گورنمنٹ نے نظام بنایا ہے، کہ نان پا ؤ بسکٹ پر پندرہ فیصد نفع لو، اس سے زائد لینا جرم ہے، مگر تاجر حضرات کو ٹھیکہ بھی اسی شرط کے ساتھ دیا گیا ہے کہ ان کا زیادہ قیمت لینا جائز ہے۔ شرط یا عدمِ شرط سے کوئی فرق ہوگا؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالک کو اپنی مملوکت شئی کم، زیادہ قیمت پر فروخت کرنے کا اختیار ہوتا ہے (۲)، لیکن حکومت کے

= باللسان". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، عنوان، أقسام السبب وأحكامه: ۴۵۲/۲، مكتبه دارالعلوم ديوبند)

"ويجوز بيع العصير ممن يتخذه خمراً، أي: من ذمي، فلو من مسلم كره بالاتفاق؛ لأنه إعانة على المعصية". (الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۲۱۴/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۱/۶، سعيد)

(۱) "في الأشربة للإمام السرخسي، بيع العصير ممن يتخذ خمراً لايكره عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وعندهما: يكره ويجوز البيع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة: ۲۱۰/۳، رشيديه)

"وجاز بيع عصير ممن يعلم أنه يتخذه الخمر؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه، بل بعد تغيره، وقيل: يكره لإعانته على المعصية". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۰/۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۲۱۴/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان: "حکومتی پابندی کے باوجود ایک شہر سے دوسرے شہر مال منتقل کرنا"، رقم الحاشية: ۱، ۳

قانون کے خلاف کرنا عزت اور مال وجان کو خطرہ میں ڈالنا ہے، کیونکہ یہ حکومت کی چوری ہے، جس پر سزا ہوسکتی ہے، خلافِ قانون کرکے جان، عزت، مال کو خطرہ میں ڈالنا قرین دانش مندی نہیں ہے، لہٰذا اس سے پورا پرہیز کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۳/۹۷ھ۔

۱۰۰روپے کی چیز ۱۲۵روپے میں فروخت کرکے ۲۵روپے اپنے پاس رکھنا

سوال[۱۱۰۷۸]: ایک آدمی نے ایک شخص سے کہا کہ ہم تمہارا مال ایک کوئنل، سوروپیہ میں فروخت کردیں گے اور پھر اس نے اس مال کو ایک سو پچیس روپیہ میں فروخت کیا اور جس نے سوروپیہ میں مال فروخت کرنے کو کہا تھا، اس کو سوروپیہ دے دیئے اور ۲۵/ روپیہ خود رکھ لئے، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح معاملہ نہیں کرنا چاہیے (۲)، یوں کہہ دے کہ مجھے سوروپیہ میں دے دو، پھر خرید کر جس قیمت میں چاہے، فروخت کردے (۳)، یا صاحب مال کہہ دے کہ یہ مال جتنے میں چاہے فروخت کرو، مجھے سوروپے

---

(۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''حکومتی پابندی کے باوجود ایک شہر سے دوسرے شہر مال منتقل کرنا''۔

(۲) اس میں دھوکہ ہے، اس لئے ایسا کرنا درست نہیں۔

''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه : أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : مر على صبرة من طعام فأدخل يده فيها فنالت أصابعه بللاً فقال: يا صاحب الطعام! ماهذا؟ قال: أصابته السماء يا رسول الله! قال: أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس، ثم قال: ''من غش فليس منا''. (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع: ۱/۲۴۵، قديمى)

''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ...... ومن غشنا فليس منا''. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمى)

(وكذا في الترغيب والترهيب، كتاب البيوع، الترهيب من الغش والترغيب في النصيحة في البيع وغيره: ۲/۴۵۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) کیونکہ خریدنے کی صورت میں وہ اس کا مالک ہوگیا، لہٰذا اسے اختیار ہے کہ جس قیمت پر چاہے آگے فروخت کرے: =

دے دو، یا یہ کہے میں تمہارا یہ مال ایک سو پچیس روپیہ میں فروخت کروں گا، پچیس روپے مجھے دے دینا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۱۴۰۱ھ۔

تجارت میں نفع کتنا لینا چاہیے؟

سوال[۱۱۰۷۹]: میں دکانداری کا کام کرتا ہوں اور نفع لے کر سودا فروخت کرتا ہوں، بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ تم من مانی نفع لیتے ہو زیادہ نفع لینا حرام ہے تو مجھے ایک روپیہ پر کتنا نفع لینا چاہیے؟ یا بغیر نفع چیز کو فروخت کر دینا چاہیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تجارت کی ہی جاتی ہے نفع کے لئے، نفع لینا جائز ہے(۲)، لیکن نادار ضرورت مند سے زیادہ نفع لینا

= "لأن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک والمتقوم: ۴/۵۰۲، سعيد)

(۱) "قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه، أن في كل عشرة دنانير كذا، فذاک حرام عليهم، وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوّروه لحاجة الناس إليه". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، مطلب: في أجرة الدلال: ۶/۶۳، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الجارة، باب أجر السمسرة: ۱۶/۲۰۸، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في احسن الفتاوىٰ، كتاب الإجارة، دلالی کی اجرت جائز ہے: ۷/۲۷۳، سعيد)

(۲) "المرابحة بيع ما شراه به وزيادة". (ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، باب المرابحة الخ: ۳/۱۰۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"المرابحة بيع ما ملكه بما قام عليه وبفضل". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة: ۵/۱۳۳، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب التولية: ۴/۴۲۲، دارالكتب العلمية بيروت)

خلافِ مروت ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند،۱۶/۱۰/۸۸ھ۔

ہرے بھرے درخت کٹوا کرلکڑی کی تجارت کرنا

سوال[۱۱۰۸۰]: آج کل لوگ ہرے بھرے درختوں کی جو جاندار ہیں، کٹوا کرلکڑی کی تجارت کرتے ہیں اوراس سے آئے دن مستفید ہورہے ہیں، اس طرح کی تجارت کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو درخت پھل دے رہے ہوں یا ان کے سایہ سے مخلوق کو نفع پہنچتا ہو، ان کو کٹوانا مناسب نہیں (۲)،

---

(۱) "قد نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيع المضطر الحديث ...... وهو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلک في الشراء منه ...... وقال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروء ة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يقتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلک بلاغ". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۲۰۵/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في البيع المضطر: ۲۵۲/۵، مكتبه إمداديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الثاني: ۸۶/۲، ۸۷، رشيديه)

(۲) "عن ثوبان مولى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، أنه سمع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من قتل صغيراً أو كبيراً، أو أحرق نخلاً، أو قطع شجرة مثمرة، أو ذبح شاة لإهابها لم يرجع كفافاً".

(مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۲۱۸۶۳: ۳۷۱/۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن يحيى بن سعيد أن أبابكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه بعث جيوشاً إلى الشام ...... وإني موصيک بعشر، لا تقتلن امرأة، ولا صبيا ولا كبيراً هرما ولا تقطعن شجراً مثمراً ...... إلى آخر الحديث.

(وكذا في مؤطا الإمام مالک، كتاب الجهاد، باب النهي عن قتل النساء والولدان في الغزو، ص: ۳۶۵، ۳۶۶، مير محمد كتب خانه كراچی) .... =

تاہم ان کو کٹوا کر تجارت کرنے سے جو آمدنی ہوگی، اس کو حرام نہیں کہا جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۱/۹۴ھ۔

آتش بازی کی تجارت کرنا

سوال [۱۱۰۸۱]: ہم آتش بازی کا کاروبار کرتے ہیں، جس کو مسلم غیر مسلم سب ہی خرید کر استعمال کرتے ہیں، یہ کاروبار اور اس کی آمدنی جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مکروہ ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۱۴۰۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الدر المختار، كتاب الجهاد: ۴/۱۲۹، سعيد)

(۱) لکڑی چونکہ مال متقوم ہے اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے اس کی خرید وفروخت درست ہے اور اس سے حاصل شدہ کمائی حلال ہے۔

"وشرعاً: (مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله) خرج غير المرغوب كتراب، وميتة، ودم، (على وجه) مقيد (مخصوص) أي: بايجاب أو تعاط". (الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۲، ۵۰۳، سعيد)

"أما تعريفه: فمبادلة المال بالمال بالتراضي، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه وحكمه وأنواعه: ۳/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۰، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"نهى عن معاونة غيرنا على معاصي الله تعالىٰ". (أحكام القرآن للجصاص، المائدة: ۲/۳۸۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"أن ماقامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً، وإلا فتنزيها". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۱، سعيد)

باب حطّ الثمن وزیادته نقداً ونسیئةً

(نقد اور ادھار میں قیمت کے اتار چڑھاؤ کا بیان)

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق

سوال[۱۱۰۸۲]: نقد خریداری کے وقت ایک قیمت اور ادھار کے وقت دوسری قیمت، ایسا کر سکتے ہیں؟ کیا یہ ربوا میں شامل نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ربوا نہیں ہے، شامی میں اس کی تصریح موجود ہے(۱)، البتہ ادھار کی وجہ سے قیمت میں اتنا اضافہ کرنا کہ غریب خریدار پر بار زیادہ پڑ جائے، خلاف مروت ہے کہ وہ اپنی غربت کی وجہ سے مستحق احسان ومواسات ہے(۲)، نیز مجلس عقد بیع میں ہی یہ طے ہوجائے کہ یہ ادھار خرید رہا ہے، فلاں قیمت دے گا، یہ بھی ضروری

(۱) "لأن الأجل في نفسه ليس بمال، فلا يقابله شيء حقيقة إذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً، ويزاد في الثمن لأجله إذا ذكر الأجل بمقابلة زيادة الثمن قصداً، فاعتبر مالاً في المرابحة، احترازاً عن شبهة الخيانة". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۱۴۲/۵، سعيد)

(وجامع الترمذي، باب النهي عن بيعتين: ۲۳۳/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لا تفسده: ۱۳۶/۳، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم إن الله بما تعملون بصير﴾ (البقرة: ۲۳۷)

"وقد نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيع المضطر الحديث ...... هو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه ...... وقال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لايباع على هذا الوجه وأن لا يقتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له =

ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱۱/ ۸۷ھ۔

کم قیمت میں خرید کر زیادہ قیمت میں فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۸۳]: زید نے گڑ چالیس روپے ۳۶/من خریدا، دو ماہ بعد گڑ کا بھاؤ چھتیس روپے فی من ہوگیا، ایک شخص عمر نے زید سے بطور قرض سو روپے مانگے، زید نے اس کو سو روپے نقد تو نہ دیئے، بلکہ وہی گڑ جو چالیس کے بھاؤ خریدا تھا، ۴۰/ کے بھاؤ سے ہی دے دیا، جب کہ اب بھاؤ موجودہ چھتیس روپے ہے، کیا زید نے یہ ٹھیک کیا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر عمر نے زید سے روپیہ قرض مانگا اور زید نے روپیہ نہیں دیا، بلکہ گڑ چالیس روپے من دیا، یعنی فروخت کردیا اور عمر نے اس کو لے لیا، یعنی خرید لیا، تو شرعاً یہ بیع درست ہوگئی (۲)، عمر کے ذمہ چالیس روپیہ من کے حساب سے خریدے ہوئے گڑ کی قیمت لازم ہوگی (۳)، اگر چہ اس گڑ کی قیمت چھتیس روپے من بازار میں

= إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۲۰۵/۱۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في بيع المضطر: ۲۵۲/۵، امداديه)

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۴۹۴

(۲) "أما تعريفه: فمبادلة المال بالمال بالتراضي، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۲/۳، رشيديه)

"وشرعاً: (مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله) ...... (على وجه) مفيد (مخصوص) أي: بإيجاب أو تعاط". (الدر المختار، كتاب البيوع: ۵۰۲/۴، ۵۰۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۰/۵، رشيديه)

(۳) "ومن باع سلعة بثمن قيل للمشتري ادفع الثمن أولاً، ومن باع سلعة بسلعة أو ثمنا بثمن قيل لهما سلما معا، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الرابع في حبس المبيع الخ، الفصل الثاني الخ: ۱۶/۳، رشيديه) .... =

ہےاور زید نے چالیس روپے من خریدا تھا۔

نقد ادھار کی قیمت میں فرق ہوتا ہی ہے اور یہ شرعاً درست ہے(۱)،لیکن جو غریب اپنی ضرورت سے کوئی چیز خریدتا ہے اور قیمت اس کے پاس موجود نہیں،تو وہ مستحقِ شفقت ہے، مستحق رحم وکرم ہے،اس سے اتنی زیادہ قیمت لینا،جس سے اس کو خسارہ ہو،یہ بات خلاف مروت ہے(۲)،لیکن مجلس عقد میں بھی یہ طے ہوجائے

= "والتابع وجوب تسليم المبيع والثمن". (ردالمحتار، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۶/۴، سعيد)

"القبض ليس بشرط في البيع، إلا أن العقد إذا تم، كان على المشتري أن يسلم الثمن أولاً، ثم يسلم المبيع إليه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۳۶، رقم المادة: ۲۶۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "لأن للأجل شبها بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة الحقيقة". (الهداية، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة: ۷۶/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

"لأن الأجل في نفسه ليس بمال، فلا يقابله شيء حقيقة إذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً، ويزاد في الثمن لأجله؛ إذ ذكر الأجل بمقابلة الأجل قصداً". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۱۴۲/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لا تفسده: ۱۳۶/۳، رشيديه)

(۲) "قد نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيع المضطر. الحديث ...... وهو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه ...... وقال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يقتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۲۰۵/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في البيع المضطر: ۲۵۲/۵، مكتبه إمداديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الثاني: ۸۶/۶، ۸۷، رشيديه)

کہ یہ معاملہ ادھار ہے، اگر یہ بات طے نہیں ہوئی، بلکہ بات گول مول رہی کہ نقد ہے، تو یہ قیمت ہے، ادھار ہے، تو یہ قیمت ہے تو اس طرح معاملہ کرنا درست نہیں ہے، بلکہ ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۳/۵/۸۹ھ۔

ادھار میں مال کی قیمت زیادہ لینا

سوال[۱۱۰۸۴]: ایک شخص چھالی اور چاول جمع کر کے رکھتا ہے اور جب لوگ مصیبت یا تنگ دستی میں پڑتے ہیں، تو اس کے پاس جا کر چھالی یا چاول ادھار لیتے ہیں، وہ دو تین گنا بازار کے نرخ سے اضافہ سے بیچتا ہے، کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں علماء کے دو فریق ہیں: اول فریق جواز کا قائل ہے، فریق ثانی اس کو سود کہتا ہے اور استدلال میں پیش کرتا ہے: "كل قرض جر نفعاً فهو أحد وجه من وجوه الربو".

اور شامی میں ہے: "المعلوم كالمعروف".

اب آپ سے دریافت طلب بات یہ ہے کہ مذکورہ ربوٰ النسیئہ میں شامل ہے یا نہیں؟

"المعلوم كالمعروف" کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح ادھار بیچنا شرعاً سود نہیں، بلکہ اس طرح بیع درست ہے، البتہ مروت کے خلاف ہے، زمانہ گرانی میں غرباء کے ساتھ احسان ومروت کی ضرورت ہے، یہ بھی مکارم الاخلاق کے لائق ہے(۲)۔

---

(۱) "وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو قال: إلى شهر بكذا، أو إلى شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ونهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن شرطين في بيع، وهذا هو تفسير الشرطين في البيع ...... وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم وأتما العقد عليه، فهو جائز؛ لأنهما ما افترقا إلا بعد تمام شرط صحة العقد". (المبسوط للسرخسي، كتاب البيوع، باب البيوع الفاسد: ۱۳/۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في النهى عن بيعتين في بيعة: ۱/۲۳۳، سعيد)

(۲) "قد نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيع المضطر. الحديث ...... وهو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه ...... وقال =

درمختار، باب المرابحۃ والتولیۃ میں ہے:

"اشتراه بألف نسيئة، وباع بربح مائة بلا بيان، خير المشتري، فإن تلف الجميع أو تعيب فعلم بالأجل لزمه كل الثمن حالاً".

اس پر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"قوله: خير المشتري أي: بين رده وأخذه بألف ومائة حالة؛ لأن للأجل شبهاً بالمبيع. ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجله، والشبهة ملحقة بالحقيقة، فصار كأنه اشترى شيئين بالألف، وباع أحدهما بها على وجه المرابحة، ولهذا خيانة فيما إذا كان مبيعا حقيقة، وإذا كان أحد الشيئين يشبه المبيع يكون هذا شبهه الخيانة"(فتح).

"(قوله: لزم كل الثمن حالاً)؛ لأن الأجل في نفسه ليس بمال، فلا يقابله شيء حقيقة، إذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً ويزاد في الثمن لأجله إذا ذكر الأجل بمقابلة زيادة الثمن قصداً، فاعتبر مالا في المرابحة".

ردالمحتار على الدرالمختار: ١٥٨/٤، نعمانيه(١).

= الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يقتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ٢٠٥/١٣، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في البيع المضطر: ٢٥٢/٥، مكتبه إمداديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الثاني: ٨٦/٦، ٨٧، رشيديه)

(١) (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ١٣٢/٥، سعيد)

"أي: إن أتلفه المشتري حالاً، ثم علم بالأجل لزمه بكل الثمن حالاً؛ لأن الأجل لا يقابله شيء من الثمن، كذا في الهداية، وأورد عليه، أنه تناقض؛ لأنه قال عند قيام المبيع إن الثمن يزداد بالأجل وعند هلاكه، قال: إنه لا يقابله شيء، وجوابه: أن الأجل في نفسه ليس بمال فلا يقابله شيء حقيقة إذا لم =

یہ مسئلہ اسی طرح کتب فتاویٰ وفقہاء میں مذکور ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ(۱)، امداد الفتاویٰ(۲) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند(۳) میں بھی اسی طرح کی تصریح ہے، شرح کنز(۴)، فتح القدیر(۵)، عینی شرح ہدایہ(۶) میں بھی اسی طرح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۴/۸۶ھ۔

ادھار زیادہ قیمت پر فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۸۵]: ہمارے یہاں کے مالداروں نے غریبوں کوستانے کے لئے یہ طریقہ بنالیا ہے کہ جب گرانی میں فاقہ کشی کا وقت آتا ہے اور کوئی غریب کسی مالدار سے چاول وغیرہ قرض مانگتا ہے تو وہ نہیں دیتا ہے اور ان بیچاروں کے پاس اتنے روپے موجود نہیں ہوتے ہیں کہ جن سے فی الحال اس چیز کو خرید سکیں تو وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ دیکھو! فی الحال، مثلاً: ایک کوئنٹل گیہوں کی قیمت چالیس روپے ہے، تو یہ تم کو وہی ایک کوئنٹل گیہوں دیں گے، مگر قیمت بجائے عام بھاؤ چالیس روپے کے ساٹھ روپے لیں گے اور اس روپے کی ادائیگی کے لئے تم کو دو ماہ کی مہلت بھی دیں گے، چنانچہ دونوں کے درمیان اس طرح بیع ہو جاتی ہے۔

تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح سے غریبوں کوستانا کیسا ہے؟ اور پھر یہ بیع صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟

= يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً، ويزاد في الثمن لأجله إذا ذكر الأجل بمقابلة زيادة الثمن قصداً، فاعتبر مالاً في المرابحة". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية: ٦/١٩١، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة: ٣/٧٦، شركت علميه ملتان)

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب خرید وفروخت کے مسائل، ادھار چیز کو زیادہ قیمت پر دینا، ص:۴۹۳، ۴۹۴، سعید)

(۲) (إمداد الفتاویٰ، كتاب البيوع، درزیوں کی مشین قسطوں پر خریدنا: ۳/۲۲، دار العلوم کراچی)

(۳) (فتاویٰ دارالعلوم ديوبند، كتاب البيوع، ادھار کی وجہ سے قیمت زیادہ کرنے کا حکم: ۱/۱۰۲، دار الإشاعت)

(۴) (البحر الرائق، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية: ٦/١٩١، رشيديه)

(۵) (فتح القدير، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ٦/٤٦٨، رشيديه)

(٦) (البناية على الهداية للعيني، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ١٠/٣٦٢، حقانيه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق ہونا شرعاً ناجائز نہیں، تجارت میں یہ فرق شرعاً ورواجاً درست ہے(۱)، لیکن جو غریب فاقہ کشی سے عاجز آکر ادھار غلہ لیتا ہے تاکہ اپنے بھوکے بچوں کو کھلا سکے، وہ بہت زیادہ قابلِ رحم ہے، مالدار کی مالداری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ غریب فاقہ کش کی امداد کرے(۲)، اگر اتنا حوصلہ نہیں تو عام نرخ کے اعتبار سے فروخت کردے، یہ بھی نہیں کرسکتا تو معمولی نفع لے لے، زیادہ نفع لینا مروت وہمدردی کے خلاف ہے۔ گو بیع پر ناجائز ہونے کا حکم نہ لگایا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "لأن للأجل شبها بالمبيع، ألا ترى، أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة". (الهداية، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة: ۷۶/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

"لأن الأجل في نفسه ليس بمال، فلا يقابله شيء حقيقة إذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً، ويزاد في الثمن لأجله، إذا ذكر الأجل بمقابلة الأجل قصداً". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۱۴۲/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لا تفسده: ۱۳۶/۳، رشيديه)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب النهي عن بيعتين: ۲۳۳/۱، سعيد)

(۲) "قد نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيع المضطر. الحديث ...... وهو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه ...... وقال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسح، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يفتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۲۰۵/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في البيع المضطر: ۲۵۲/۵، مكتبه إمداديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الثاني: ۸۶/۶، ۸۷، رشيديه)

فصل في سُلفة الثمن في البيع

(بیعانہ کا بیان)

بیعانہ کی واپسی

سوال[۱۱۰۸۶]: واضح ہو کہ انجمن کا مدرسہ کا باغ اور کچھ زمین جس میں پتاور، یعنی بوس پیدا ہوتا ہے، چونکہ کچھ حصہ باغ میں شامل ہے اور طریقہ پہلے سے یہ ہے کہ اکٹھا باغ اور پتاور والی زمین کو نیلام کیا جاتا ہے، ورنہ ہوتا یہ ہے کہ فصل باغ اور پتاور انجمن کی نیلام ہوئی اور ۱/۴ حصہ کل نیلام فوراً کیا جاتا ہے اور باقی روپیہ تقریباً ۱۵/ یوم میں لیا جاتا ہے، وہ اس لئے ۱/۴ حصہ لگایا جاتا ہے، اگر کوئی شخص بغیر نیلام فصل باغ یا پتاور کا نیلام چھوڑ دے تو ۱/۴ حصہ روپیہ کا جمع ہونے سے دوبارہ نیلام ہونے پر جو رقم ملے گی، نیلام سے کم ہوگی، اس جمع کئے ہوئے روپیہ سے لے کر باقی واپس کر دیا جائے گا۔

ابھی تک کوئی موقع ایسا نہیں ہے، جو روپیہ کی ادائیگی میں رکاوٹ ہوگئی ہو، لیکن اس مرتبہ ایسا ہوا کہ نیلام باغ و پتاور اور مبلغ ۱۹/ سو روپیہ کی ہوئی اور مبلغ ۱۰۰/ روپیہ فوراً دیا، باقی ۱/۴ حصہ شام کو دینے کا وعدہ کیا، لیکن اس شخص نے ۱۵/ یوم تک یہ روپیہ نہیں دیا اور میں نے تحریر سے بھی اس شخص کو مطلع کیا کہ اگر ایک ماہ تک آپ کل روپیہ جمع نہیں کرتے ہیں، تو باغ و پتاور دوبارہ نیلام کر کے جو رقم کل ہوگی، وہ تم سے وصول کی جائے گی، لہٰذا بعد میعاد دوبارہ نیلام کر دیا، چونکہ مبلغ پونے سترہ سو کی نیلام ہوئی، اس صورت میں مبلغ سو روپیہ جو ہمارے پاس ہے، وہ روپیہ واپس کر دیا جائے یا لے لیا جائے، جیسا کہ حکم شرعی ہو، مفصل تحریر کر دیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

وہ پیشگی جمع شدہ رقم ۱۰۰/ روپیہ واپس کر دی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۱/۱۷، ۸۸ھ۔

---

(۱) "عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه =

بیع نامہ مکمل نہ ہونے کی صورت میں بیعانہ ضبط کرنا

سوال[۱۱۰۸۷]: میں اپنا ایک مکان بیع کرنا چاہتا تھا، اس کے کئی خریدار تھے، بالآخر ایک صاحب نے معاملہ بیع مجھے پچیس ہزار پانچ سو روپے میں طے کیا اور مبلغ چار ہزار پانچ سو روپے بطور زر بیعانہ ادا کیا اور بقیہ زرِ ثمن فراہم کرنے کے لئے چھ ماہ موقع مانگا، میں نے اس شرط پر چھ ماہ کا موقع دے دیا کہ اگر وہ بیعانہ نہیں کرائیں گے تو چار ہزار پانچ سو روپے زر بیعانہ ضبط ہوجائے گا اور خریدار اس روپیہ کے واپس پانے کا مستحق نہ ہوگا، خریدار بخوشی اس پر رضامند ہوگئے اور معاہدہ مکمل ہوگیا۔

اب وہ بیعانہ لکھانے سے بالکل منکر ہیں اور اپنا روپیہ واپس مانگتے ہیں اور ان سے معاملہ طے ہونے کی وجہ سے اور خریدار بھی ہٹ گئے، ان حالات میں اگر روپیہ واپس نہ کریں، تو کیا شرعاً گرفت ہوگی اور ہم گنہگار رہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس روپیہ کی واپسی واجب ہے، جو معاہدہ پہلے کرلیا گیا تھا کہ بیعانہ نہ کرانے کی صورت میں یہ رقم

= وسلم نهى عن بيع العربان، قال مالک: وذلک فيما نرى، والله تعالىٰ أعلم، يشتري الرجل العبد أو الوليدة، أو يتكارى الدابة، ثم يقول: للذي اشترى منه أو تكارى منه، أعطيتک ديناراً أو درهماً أو أكثر من ذلک أو أقل على أني أخذت السلعة أو ركبت ماتكاريت منک، فالذي أعطيتک من ثمن السلعة أو من كراء الدابة، وإن تركت ابتياع السلعة أو كراء الدابة، فما أعطيتک لک، باطل بغير شيء".
(إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع العربان: ۱۴/۱۲۶، إدارة القرآن كراچی)

"ونهى عن بيع العربان، أن يقدم إليه شيء من الثمن، فإن اشترى حسب من الثمن، وإلا فهو له مجاناً، وفيه معنى الميسر". (حجة الله البالغة، بيوع فيها معنى الميسر: ۲/۲۸۸، قديمی)

"بيع العربان وصورته: أن يشتري الرجل شيئاً فيدفع إلى المبتاع من ثمن ذلک المبيع شيئاً على أنه إن نفذ البيع بينهما كان ذلک المدفوع من ثمن السلعة، وإن لم ينفذ ترک المشتري بذلک الجزء من الثمن عند البائع، ولم يطالبه به، وإنما صار الجمهور إلى منعه؛ لأنه من باب الغرر والمخاطرة وأكل مالٍ بغير عوض". (بداية المجتهد ونهاية المقتصد، الباب الرابع في بيوع الشروط والثنيا: ۵/۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وسنن ابن ماجة، أبواب التجارات، باب بيع العربان، ص: ۱۵۸، قديمی)

ضبط ہو جائے گی، یہ معاہدہ خلافِ شرع ہے، اس کی پابندی لازم نہیں، اس کو توڑ نا ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۲۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) تقدم تخرجه تحت عنوان: ''بیعانہ کی واپسی''۔

باب المتفرقات

زمین کی بیع کے بعد پیمائش میں کمی نکلنا

سوال[۱۱۰۸۸]: حمید نے ایک اراضی ۲۹۰۰روپیہ بیگھہ کی شرح سے خریدی اوراسی وقت قیمت بھی ادا کردی، لیکن زید نے کہا کہ ابھی ہم اس پیسہ سے کچھ کمالیں اور چند دنوں کے بعد یہ اراضی آپ کے نام بیع نامہ لکھ دیں گے، حمید نے بھی اس بات کو تسلیم کرلیا، بعد میں معلوم ہوا کہ جس اراضی کے لئے زید کو پیسہ دیا گیا ہے، وہ کم ہے، اس پر حمید نے زید سے کہا کہ اراضی کم ہے، آپ کی جتنی اراضی ہے، اس کا پیسہ لیں یا نشان دہی کراکے پوری اراضی دیں، تو زید نے کہا ہم بے وقوف نہیں کہ نشان دہی کراکے دیں یا پیسہ کم لیں، اگر آپ کو گراں ہوتو پیسہ لے لیجئے۔ اس پر حمید نے کہا کہ پیسہ ہی دے دیجئے، لیکن زید نے اس وقت کوئی رقم نہیں دی اور نہ ہی وعدہ کیا کہ ہم فلاں تاریخ تک رقم دیں گے، اب ایسی صورت میں بیع باقی رہی یا ٹوٹ گئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع میں تو کوئی شرط نہیں لگائی گئی، جو کچھ بات چیت ہوئی، بیع مکمل ہو جانے کے بعد ہوئی، اس کا بیع پر کوئی اثر نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "(ولا بيع بشرط) شروع في الفساد للواقع في العقد بسبب الشرط، لنهيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيع وشرط، لكن ليس كل شرط يفسد البيع، نهر. وأشار بقوله بشرط إلى أنه لا بد من كونه مقارناً للعقد؛ لأن الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد، قيل: يلتحق عند أبي حنيفة، وقيل: لا، وهو الأصح كما في جامع الفصولين". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في البيع بشرط فاسد: ۵/۸۴، سعيد)

"وقيد بكون الشرط مقارناً للعقد؛ لأن الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد، قيل يلتحق عند =

خرید کردہ تجوری میں سے کچھ روپیہ ملا، وہ کس کی ملک ہے؟

سوال[۱۱۰۸۹]: زید وعمرو دو بھائیوں کی ملکیت میں ایک لوہے کی تجوری (۱) تھی، جس کو دونوں بھائیوں نے متفقہ طور پر خالد کے ہاتھ تجوری خالی کرنے کے بعد فروخت کردی، خالد نے تجوری کو زید وعمرو کے پاس رکھوادیا، کہ کوئی ٹھیلہ وغیرہ لے آؤں، تو اس کو لادلے جاؤں گا، کئی دن گزر گئے، اس درمیان میں کسی شخص نے خالد کو بتایا کہ اس تجوری میں جو قفل لگا ہوا تھا، جس کو دونوں بھائیوں نے تجوری بیچنے کے وقت علیحدہ کرلیا تھا، اس قفل کی بھی بائع سے مانگ کرتا کہ تجوری مکمل ہوجائے۔

خالد جس دن تجوری اٹھانے آئے تو اس نے بائع سے قفل بھی مانگا، جس پر زید نے انکار کردیا، دونوں طرف سے اصرار اور انکار کئی دفعہ ہوا، چنانچہ آخر میں خالد نے کہا قفل دے دو، اگر تجوری کھولنے کے بعد کچھ نکلے گا، تو میں آپ کو دے دوں گا، مگر اس پر بھی زید نے انکار کیا اور اعتمادی لہجہ سے کہا کہ اگر اس میں اکنی تو کیا ایک لاکھ روپیہ بھی نکلے گا، تو میں نے آپ کو سب کچھ دے دیا، خالد کو قفل نہ ملا، وہ تجوری لے کر اپنے گھر آگیا اور چونکہ تجوری کا بین جس سے تجوری کا دروازہ کھلتا بند ہوتا ہے، وہ بیع کے بعد تجوری کو پلٹنے اور چڑھانے میں ٹوٹ گیا تھا، لہٰذا خالد نے گھر لے جاکر کسی اوزار سے اس کو کھولا، تجوری کھولنے پر کچھ رقم اس کے کسی خانہ میں خالد کو ملی، جس کی صحیح تعداد مجھ کو معلوم نہیں۔ اب مشتری خالد اس کو اپنی ملک بتاتا ہے اور زید کا بھائی عمرو کہتا ہے کہ وہ میرا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ تجوری فروخت کرنے کے بعد اور زید کے اس جملہ کے بعد کہ ''جو کچھ نکلے وہ تمہارا ہے''، تو وہ نکلی ہوئی رقم کس کی مانی جاوے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع تجوری کی ہوئی ہے اور جو چیز اس کے ساتھ ایسی لگی ہوئی ہو کہ جدا نہ کی جاتی ہو، جیسے: ہضمی قفل ہو،

= أبي حنيفة، وقيل: لا، وهو الأصح كما في جامع الفصولين في الفصل التاسع والثلاثين".
(البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶/ ۱۴۲، رشيديه)

(وكذا في جامع الفصولين، الفصل التاسع والثلاثون في المتفرقات: ۲/ ۲۲۳، المطبعة الأزهرية)

(۱) ''تجوری: لوہے کی الماری، جس میں زرومال اور قیمتی چیزیں حفاظت کے لئے رکھی جاتی ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۷۱، فیروز سنز لاہور)

نیز اس کی چابی کہ بغیر چابی کے قفل بے کار ہے، بائع کو اس رقم کا علم ہی نہیں تھا، جو اس کے کسی خانہ میں رکھی ہوئی تھی، بلکہ وہ اس کو اپنے نزدیک خالی کر چکا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اب اس میں کچھ نہیں، اسی لئے اس نے بطور ترقی کہا کہ ''اگر ایک لاکھ روپیہ بھی نکلے گا تو میں نے سب کچھ آپ کو دے دیا''، ظاہر ہے کہ تجوری کی بیع میں تجوری کے ساتھ ایک لاکھ روپیہ دینے کے لئے وہ ہرگز آمادہ نہیں ہوسکتا، بلکہ اس نے علی سبیل الفرض کہا ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہ اس میں روپیہ موجود نہیں (۱)، البتہ بائع کے اس قول کو ہبہ قرار دیا جاسکتا ہے، اگر وہ ہبہ کی نیت رکھتا ہو، اس لئے ہبہ ہوکر مشتری کی ملک ہوجائے گی (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) لہٰذا مذکورہ رقم بائع کی ہوگی:

''والأصل: أن ما كان في الدار من البناء، أو ما كان متصلاً بالبناء يدخل في بيع الدار من غير ذكر بطريق التبعية، وما لايكون متصلاً بالبناء لايدخل في بيع الدار من غير ذكر ...... ولا يدخل القفل في بيع الحانوت والدور والبيوت وإن كان الباب مقفلاً، ذكر الحقوق والمرافق أو لم يذكر، ويدخل مفتاح الغلق استحساناً''. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الخامس فيما يدخل تحت البيع من غير ذكره صريحاً الخ: ۳/۳۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، فصل: ۵/۴۸۹، ۴۹۰، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب البيع، فصل فيما يدخل تحت البيع تبعاً وما لايدخل: ۴/۵۴۷، ۵۴۸، سعيد)

(۲) ''وأما أصل الحكم: فهو ثبوت الملك للموهوب له في الموهوب من غير عوض؛ لأن الهبة تمليك العين من غير عوض، فكان حكمها ملك الموهوب من غير عوض''. (بدائع الصنائع، كتاب الهبة: ۸/۱۰۵، دارالكتب العلمية بيروت)

''وشرعاً: (تمليك العين مجاناً) أي: بلاعوض ...... (وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم)''. (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۷، ۶۸۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الهبة: ۷/۴۸۳، رشيديه)

باب بیع الحقوق المجردة

(حقوقِ مجردہ کی بیع کا بیان)

کتاب کی حقِ طباعت کا حکم

سوال[۱۱۰۹۰]: ۱...... عمرو زید سے کہتا ہے کہ کتاب متنازع فیہ کا حقِ طباعت مجھ کو دیا جائے، اس لئے کہ یہ کتاب میری وجہ سے چھپی ہے، اگر میں رقم نہ لگاتا تو کتاب طبع نہ ہوتی، زید اس کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ معاملہ صرف پہلی طباعت کے لئے کیا تھا، آئندہ کے لئے وعدہ نہیں تھا، یہ ذہن میں رہے کہ آئندہ کے لئے عدمِ وعدہ کا ہونا عمرو کو مسلم ہے، لہٰذا میں آئندہ کے لئے آپ کو اپنی طباعت نہیں دے سکتا، آپ فیصلہ فرمائیں، کہ از روئے شرع کیا حکم ہے؟

۲...... زید نے اشتہاری سلسلہ میں جو رقم خرچ کی ہے، اس رقم کا ذمہ دار کون ہے؟ زید اور عمرو دونوں ہیں، یا صرف ایک ہے؟ اس طرح فساد میں جو کتابیں تلف ہوگئی، ان کا نقصان کس کے ذمہ ہوگا، دونوں کو ہوگا یا ایک کا ہوگا؟ نیز اب جو کچھ بھی کتابیں موجود ہیں، اس کے منافع میں زید کا نصف نفع کا اختیار ہے یا نہیں؟

۳...... جلد سازی کی اجرت ابھی باقی ہے اور جلد ساز بکر اپنی اجرت کا زید سے مطالبہ کر رہا ہے، اب ایسی صورت میں جب کہ جلد ساز کی تحویل میں ہوتے ہوئے کتابیں فساد میں تلف ہوگئی، تو جلد ساز از روئے شریعت اجرت پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو صرف زید سے یا عمرو کی اجرت دینے کا ذمہ دار ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... اصل مسودہ کی قیمت جو بھی چاہے، تجویز کردے، کیونکہ وہ اس کی ملک ہے اور خریدار سے جس قیمت پر معاملہ بنے، خرید لے(۱)، لیکن کتاب طبع ہوکر جب بازار میں آگئی، تو جو شخص بھی اس کا نسخہ خریدے، وہ

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل =

خرید کر اس کو طبع کر سکتا ہے، اصل مصنف کو یا کسی اور کو منع کرنے کا حق نہیں (۱)۔ حقِ طبع مال متقوم نہیں۔

۲......اشتہار کا صرفہ اصل مال کے ساتھ منضم ہوگا، جو کتابیں تلف ہوگئیں، ان کا نقصان نفع پر پڑے گا، نقصان منہا کرنے کے بعد جو کتابیں باقی رہیں، ان کا نفع حسبِ قرارداد نصف، نصف دونوں کا ہوگا (۲)۔

= المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلک: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۱) صحیح یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب کے حقِ تصنیف کو محفوظ کر سکتا ہے، کوئی اور چھپوا نہیں سکتا ہے۔

"عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها أن النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: من عمر أرضا ليست لأحد، فهو أحق". (جامع الأصول، الكتاب السادس في إحياء الموات، رقم الحديث: ۱۳۰: ۱/۳۴۷، دارالفكر بيروت)

"وذلک لما روی أبوداود عن أسمر بن مضرس رضي الله تعالیٰ عنه قال: أتيت النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، فبايعته فقال: من سبق إلی ما لم يسبقه مسلم فهو له". وإن كان العلامة المناوي رحمه الله تعالیٰ رجع أن هذا الحديث وارد في سياق إحياء الموات، ولكنه نقل عن بعض العلماء أنه يشمل كل عين وبئر ومعدن، ومن سبق لشيء منها فهي له، ولا شک أن العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب".

ولما ثبت أن حق الابتكار حق تقره الشريعة الإسلامية بفضل أسبقيته إلی ابتكار ذلک الشيء ...... ونظراً إلی هذه النواحي أفتی جمع من العلماء المعاصرين، بجواز بيع هذا الحق". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، بيع الحقوق المجردة، حق الابتكار وحق الطباعة: ۱/۱۲۱-۱۲۳، دارالعلوم كراچی)

"والمؤلف قد بذل جهداً كبيراً في إعداد مؤلفه، فيكون أحق الناس به، سواء فيما يمثل الجانب المادي، وهو الفائدة المادية التي يستفيد من علمه، أو الجانب المعنوي، وهو نسبة العمل إليه". (الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثاني، النظريات الفقهية، المبحث الرابع، أحكام الحق، حق التأليف والنشر والتوزيع: ۴/۲۸۶۱، رشيديه)

(۲) "وما هلک من مال المضاربة فهو من الربح دون رأس المال؛ لأن الربح تابع، وصرف الهلاک =

۳...... جلد ساز اپنی اجرت کا مستحق اس وقت ہوتا جب کہ کتابیں جلد کر کے واپس کر دیتا، لہٰذا جو کتب تجلید کے بعد ضائع ہوگئیں، واپس نہیں کی گئیں، ان کی جلد سازی کی اجرت واجب نہیں، اس کو مطالبہ کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۱ھ۔

☆...... ☆...... ☆...... ☆...... ☆

= إلى ماهو التبع أولى كما يصرف الهلاك إلى العفو في الزكاة ...... فإن فضل شيء كان بينهما؛ لأنه ربح". (الهداية، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب: ۲۶۶/۳، ۲۶۷، شركت علميه ملتان)

"وما هلك صرف الربح أولاً فإن زاد على الربح لم يضمه المضارب؛ لأنه أمين ...... وما فضل قسم، ومانقص لم يضمنه المضارب". (شرح الوقاية، كتاب المضاربة، باب المضارب الذي يضارب: ۲۶۵/۲، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب: ۶۵۲/۵، سعيد)

(۱) "بخلاف ما إذا وقعت الإجارة على العمل كالخياطة والقصارة؛ لأن العمل في البعض غير منتفع، فلا يستوجب الأجر بمقابلته حتى يفرغ من العمل فيستحق الكل ...... ويشترط فيه التسليم إلى المستأجر ...... وفي الخياطة ونحوها لا يكون مسلماً إليه إلا إذا سلمه إلى صاحبه حقيقة". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۸۸/۶، رشيديه)

"الإجارة التي تنعقد على العمل يبقى له أثر في العين فإنه لايجب عليه إيفاء الأجر، إلا بعد إيفاء العمل كله ...... إلا أنه لو هلك المتاع قبل تسليم الخياط أو الصباغ إياه إلى صاحبه ولو بعد الفراغ من العمل سقط الأجر، كما أنه لو هلك المبيع قبل تسليم البائع إياه إلى المشتري سقط الثمن، فكان ابتداء تحقق استيجاب الأجر في استئجار نحو القصار والخياط بالفراغ من العمل وإن كان بقاءه، وتقرره بتسليم المتاع إلى صاحبه". (فتح القدير، كتاب الإجارات، باب الأجر متى يستحق: ۷۵/۹-۷۷، رشيديه)

(وكذا في النتف، كتاب الإجارة، معلومية الوقف والعمل، ص: ۳۳۸، حقانيه پشاور)

باب مایتعلق بالحصص

(حصص کی خرید وفروخت)

شیئر (حصہ) خریدنا

سوال[۱۱۰۹]: ہم ایک فیکٹری میں تیرہ سو کا شیئر ڈال کر اس کا نفع حساب سے جو بھی آوے، لے سکتے ہیں یا نہیں؟ فیکٹری میں ہم نقصان کے بھی حق دار ہیں، فیکٹری میں نقصان صرف آگ لگ جانے یا حادثہ سے ہی آسکتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس فیکٹری میں جائز تجارت ہوتی ہے اور سودی کاروبار نہیں ہوتا، تو تیرہ سو کا حصہ خرید کر نفع اور نقصان میں شریک ہونا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/ ۸۷ھ۔

(۱) "وشرعيتها بالكتاب والسنة والمعقول؛ أما الكتاب فقوله تعالىٰ: ﴿فهم شركاء في الثلث﴾ (النساء: ۱۲) وهو خاص بشركة العين، وأما السنة: فما في سنن أبي داود عن السائب، أنه قال للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: كنت شريكي في الجاهلية ...... (وتصح مع التساوي في المال دون الربح وعكسه) وهو التفاضل في المال والتساوي في الربح ...... ولنا قوله عليه السلام: "الربح على ما شرطا والوضيعة على قدر المالين". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/ ۲۷۹-۲۹۲، رشيديه)

"ولو شرطا العمل عليهما جميعاً صحت الشركة، وإن قل رأس مال أحدهما وكثر رأس مال الآخر، واشترطا الربح بينهما على السواء، أو على التفاضل، فإن الربح بينهما على الشرط، والوضعية أبدا على قدر رؤوس أموالها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الثالث في شركة العنان، =

کمپنی کے حصص خریدنا

سوال[۱۱۰۹۲]: مائننگ کمپنیوں، ٹریم ٹرانسپورٹ، ریلوے کمپنیوں کے حصص (شیئر) خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تحقیق کرنے کی خاص ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ ہمارے نوے فیصدی مسلمان اس میں مبتلا ہیں اور ایسی کمپنیوں کے شیئر خرید وفروخت کرتے ہیں، لیکن کفایت المفتی: ۱۲۲/۸، پر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ قدس اللہ سرہ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ ان کمپنیوں کے شیئر خریدنا جائز نہیں (۱)، حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ نے فتاویٰ امدادیہ: ۱۵۵/۳، میں کپڑے اور روئی بنانے کی ملوں کے شیئر یعنی حصص خریدنے کو درست تحریر فرمایا ہے (۲)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مال خریدنے اور اس کو بیچنے یا مال تیار کرنے کے لئے جو کمپنیاں ہیں، اس کے حصص خریدنا درست ہے (۳)، معاملہ صاف ہوجانا چاہیے، بعض کمپنیاں ایسی ہیں کہ وہ مال نہیں خریدتی ہیں، نہ تیار کرتی ہیں، بلکہ

= الفصل الثاني في شرط الربح والوضعية وهلاک المال: ۳۲۰/۲، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الشركة، جزء: ۱۱: ۱۶۲/۶ – ۱۷۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) (کفایت المفتی، کتاب الشرکۃ والمضاربۃ، تیسرا باب، کمپنی کے حصص کی خرید وفروخت: ۱۱۸/۸-۱۲۰، دار الاشاعت)

(۲) (امداد الفتاویٰ، کتاب الشرکت، فصل رابع، سوال نمبر ۵۲۴: ۵۰۵/۳، دار العلوم کراچی)

(۳) "أما شركة العنان: فهي أن يشترک اثنان في نوع من التجارات بر أو طعام أو يشتركان في عموم التجارات، ولا يذكران الكفالة خاصة، كذا في فتح القدير، ...... حتى تجوز هذه الشركة بين كل من كان من أهل التجارة كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الثالث في شركة العنان: ۳۱۹/۲، رشيديه)

"سمى هذا النوع مثل الشركة عناناً؛ لأنه يقع على حسب ما يعن لهما في كل التجارات أو في بعضها دون بعض، وعند تساوي المالين أو تفاضلهما ...... فأما العنان فجائز بإجماع فقهاء الأمصار، ولتعامل الناس ذلک في كل عصر من غير نكير ......". (بدائع الصنائع، كتاب الشركة: ۷۵/۵، ۷۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۲۹۰/۵، ۲۹۱، رشيديه)

روپیہ قرض پر چلاتی ہیں، ان کے حصوں کو خریدنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۶/ ۱۴۰۰ھ۔

نیلام میں آپس میں قیمت ایک میعاد پر طے کرلینا

سوال[۱۱۰۹۳]: ۱...... الف...... چند ساتھی جو نیلام کا کاروبار کرتے ہیں، وہ آپس میں یہ طے کرلیتے ہیں کہ اس مال کو جو کہ مثلاً: دس ہزار روپے کی مالیت کا ہے، جمع سات ہزار روپے میں خرید لیں، اس طرح کہ کوئی شخص جمع یا سات ہزار روپے سے زائد کی بولی نہیں بولے گا، اس طرح مالک سمجھ کر یہ مال اتنی ہی مالیت کا ہے، بولی ختم کردیتا ہے۔

ب...... بعدہ، سب شریک آپس میں بولی بولتے ہیں اور انہی میں سے ایک آدمی اس مال کو زائد رقم میں خرید لیتا ہے، اس طرح پہلی بولی سے خریدے ہوئے مال میں جو منافع ہوتا ہے، وہ سب آپس میں تقسیم کرلیتے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ کہ شق ''الف'' میں سے طے کرلینا اور شق ''ب'' میں اس زائد منافع کا لینا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

۲...... چند آدمی جو نیلام کا مال خرید لیتے ہیں، اصلی مالک کے کارندوں سے مل جاتے ہیں اور مال کو کم بولی پر خرید لیتے ہیں، مالک اپنے کارندوں پر اعتماد کرتا ہے کہ جب کارندے مال خریدنے والے پارٹی سے ثبوت لے کر مال کو اس کی قیمت میں کم میں فروخت کردیتے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اس طرح کا کاروبار

---

(۱) جو کمپنیاں روپیہ قرض پر چلاتی ہیں، وہ قرض پر سود لیتی ہیں اور قرض پر سود لینا حرام ہے، لہٰذا ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنا بھی درست نہیں۔

''(قوله: كل قرض جر نفعاً حرام) أي: إذا كان مشروطاً كما علم ما نقله عن البحر، وعن الخلاصة، وفي الذخيرة: وإن لم يكن النفع مشروطاً في القرض، فعلى قول الكرخي لابأس به''. (ردالمحتار، كتاب البيوع، فصل في القرض، مطلب كل قرض جر نفعاً حرام: ۱۶۶/۵، سعيد)

''كل قرض جر منفعة، فهو وجه من وجوه الربا''. (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة: ۵۷۵/۱، دارالعلوم كراچى)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمى)

ازروئے شرع صحیح ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... جمع یاسات ہزار سے بولی زائدنہ بولنااورزائد پرنہ خریدناتودرست ہے،لیکن دھوکہ دینے کی نیت سے یہ سازش کرنادرست نہیں(۱)،خریدنے کے بعدطریقۂ مذکورہ پر بولی بولنایازائد قیمت پرکسی ایک کاخریدلینا، جب کہ وہ خریدنے والااوردیگرشرکاءسب ہی اس میں شریک تھے،درست نہیں،کہ اس صورت میں خود ہی بائع ہے،خود ہی مشتری(۲)،البتہ جس کوخریدناہے،وہ اپناحصہ برقراررکھنے کے بعدبقیہ شرکاءکے حصوں کوخریدے، جس قیمت پرمعاملات ہوجاوے،اورہرکاشریک آزادانہ اپناحصہ فروخت کردے،تودرست ہے(۳)۔

---

(۱) ''عن أبي بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ملعون من ضار مؤمناً أو مَكَرَ به''. (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، ص: ۴۲۸، قديمى)

''عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: صعد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المنبر، فنادى بصوت رفيع، فقال: يا معشر من أسلم بلسانه ولم يفض الإيمان إلى قبله! لا تؤذوا المسلمين ولا تعيروهم'' الحديث. (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الثاني، ص: ۴۲۹، قديمى)

(وكذا في فيض القدير: ۱۱/۵۵۲۵، رقم الحديث: ۸۲۰۲، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكه)

(۲) ''أما شرائط الانعقاد فأنواع، منها في العاقد ...... وأن يكون متعدداً فلا يصلح الواحد عاقداً من الجانبين، كذا في البدائع''. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه وحكمه وأنواعه: ۳/۲، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۴، سعيد)

(۳) ''باع نصف البناء مع نصف الأرض جاز سواء باعه من أجنبي أو من شريكه''. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، مطلب: في بيع أحد الشريكين: ۳/۱۵۶، رشيديه)

''يجوز بيع أحدهما نصيبه من شريكه في جميع الصور''. (البحرالرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۸۰، رشيديه) .... =

۲...... یہ دھوکہ اور رشوت سب ناجائز ہے(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۳/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب مهم في بيع الحصة الشائعة من البناء أو الغراس: ۴/۳۰۱، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون﴾ (البقرة: ۱۸۸)

"عن عبدالرحمن بن عوف رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار". (مجمع الزوائد، كتاب الأحكام، باب في الرشوة: ۴/۱۹۹، إدارة القرآن كراچی)

(وسنن أبي داود، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة: ۲/۱۴۸، إمداديه)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۳۶۷، رقم الحديث: ۲۱۸۹۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ملعون من ضار مؤمناً أو مكربه". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، ص: ۴۲۸، قديمی)

فصل في بيع الاستجرار

(بیعِ استجرار کا بیان)

رقم پہلے دے کر سامان آہستہ آہستہ خریدنا

سوال[۱۱۰۹۴]: ایک شخص نے ایک شخص کو ۵۰۰ روپے دیئے اس شرط پر کہ وہ اسے ایک روپے فی کلو کے حساب سے دودھ دیتا رہے گا، جب تک کہ رقم ادا نہ ہو جائے، یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اور بیع سلم کے اندر یہ شکل آتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بیع سلم کی شرائط تو اس میں موجود نہیں (۱)، فقہاء نے اس صورت کو مکروہ لکھا ہے (۲)، جو رقم پیشگی دی

---

(۱) "(وأما شرائطه فنوعان) ...... (فأحدها) بيان الجنس أنه دراهم أو دنانير ...... (والثاني) بيان النوع ...... (والثالث) بيان الصفة أنه جيد أو ردي أو وسط ...... (والرابع) بيان قدر رأس المال ...... (والخامس) كون الدراهم والدنانير منتقدة ...... (وأما الشروط التي في المسلم فيه) (فأحدها) بيان جنس المسلم فيه ...... (والثاني) بيان نوعه ...... (والثالث) بيان الصفة ...... (والرابع) أن تكون معلوم القدر بالكيل أو الوزن أو العدد أو الذرع ...... (والخامس) أن يكون المسلم فيه مؤجلاً بأجل معلوم حتى أن سلم الحال لايجوز ...... عن محمد رحمه الله تعالىٰ: أنه قدر أدناه بشهر، وعليه الفتوىٰ كذا في المحيط ......". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم، الفصل الأول الخ: ۱۷۸/۳-۱۸۰، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب البيوع، باب السلم: ۲۱۴/۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيوع، باب السلم: ۲۶۶/۶-۲۷۱، رشيديه)

(۲) "قال في الولوالجية: دفع دراهم إلى الخباز، فقال: اشتريت منک مائة من من خبز، وجعل يأخذ كل يوم خمسة أمناء، فالبيع فاسد، وما أكل فهو مكروه؛ لأنه اشترى خبزاً غير مشار إليه، فكان البيع مجهولاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: البيع بالتعاطي: ۵۱۶/۴، سعيد) .... =

گئی ہے، وہ قرض ہے، رفتہ رفتہ اس کے اجزا کے عوض دودھ کی بیع ہوتی رہتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الفتاوىٰ الولوالجية، كتاب البيوع، الفصل الثاني في الشروط التي تفسد البيع، والشروط التي لاتفسد البيع إلى آخره: ۱۷۴/۳، فاروقيه پشاور)

لیکن مذکورہ صورت میں بیع لاحق کی شرط لگانا متعارف ہے اور حنفیہ کے نزدیک ایسی شرط جو متعارف ہوجائے، وہ جائز ہوتی ہے، اگرچہ وہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو اس لئے مذکورہ صورت بھی درست ہے۔

"والذي يظهر لي أن هذا المبلغ دفعة تحت الحساب، وهي: وإن كانت قرضاً في الاصطلاح الفقهي ...... ولكنها قرض يجوز فيه شرط البيع اللاحق، لكونه شرطاً متعارفاً ...... فهذا قرض تعورف فيه شرط البيع، والشرط كلما كان متعارفاً، فإنه يجوز عند الحنفية، وإن كان مخالفاً لمقتضى العقد، كما في شراء النعل بشرط أن يحذوه البائع". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، البيع بالتعاطي والاستجرار، الاستجراز بمبلغ مقدم، ص: ۶۷، دارالعلوم كراچی)

"ولابيع بشرطٍ لا يقتضيه العقد ولا يلائمه، وفيه نفع لأحدهما، أو لمبيع من أهل الاستحقاق، ولم يجرِ العرف به، ولم يرد الشرع بجواز. أما لو جرى العرف به كبيع نعل مع شرط تشريكه أو ورد الشرع به كخيار شرط فلا فساد كشرط أن يقطعه البائع ويخيطه قباء مثال لما لايقتضيه العقد وفيه نفع للمشتري أو يستخدمه مثال لما فيه نفع للبائع". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۸۵/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر الخ: ۱۳۳/۳، رشيديه)

فصل في بيع الفضولي
(بیع فضولی کا بیان)

بیع فضولی کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۱۰۹۵]: مسماۃ محفوظ النساء نے اپنا مکان اپنے پوتے اور پوتی کو حصہ مساوی ۱۹۳۵ء میں ہبہ کردیا، ہبہ نامہ رجسٹری شدہ موجود ہے، لیکن ۱۹۵۱ء میں پوتا پاکستان چلا گیا، جس کی وجہ سے نصف حصہ کسٹوڈین کو ملا، کسٹوڈین نے نصف حصہ کے مالک ہونے کا حکم ۱۹۵۴ء میں نافذ کردیا، لیکن ۱۹۵۹ء میں کسٹوڈین نے کل مکان نیلام کردیا، دلی میں اپیل کیا، حاکم نے نیلام منسوخ کردیا اور ناجائز قرار دیا، کسٹوڈین میرٹھ نے نصف حصہ مکان ۱۹۶۱ء میں پوتی کے نام بیع کردیا، رجسٹری کرائی گئی، بیع نامہ موجود ہے، ایسی صورت میں خریدار مکان منشی اعجاز حسین اس مکان کا مالک رہے گا یا شرعاً بےحق ہوجائے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس وقت کسٹوڈین نے کل مکان نیلام کردیا، اس وقت اگر منشی اعجاز حسین نے اس نیلام کو خریدا تھا، پھر اپیل کرنے پر نیلام منسوخ کردیا گیا، کیونکہ پورے مکان کو نیلام کرنا غلط تھا(۱)، ملک غیر کو بغیر اجازت مالک بیع

---

(۱) اس لئے کہ بعض مکان، ملکِ غیر تھا اور غیر کے ملک میں تصرف کرنا درست نہیں۔

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچی)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمی)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بآخر مجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

کرنے سے بیع فضولی ہوکر اجازتِ مالک پر یہ بیع موقوف رہتی ہے(۱)،تو اب منشی اعجاز حسین اس مکان کا نیلام خریدنے سے مالک نہیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "إذا باع الرجل مال الغير عندنا يتوقف البيع على إجازة المالك". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثاني عشر في أحكام البيع الموقوف الخ: ۳/۱۵۲، رشيديه)

"(ومن باع ملك غيره فللمالك أن يفسخه، ويجيزه إن بقي العاقدان، والمعقود عليه وله وبه لو عرضاً) يعني: أنه صحيح موقوف على الإجازة بالشرائط الأربعة". (البحرالرائق، كتاب البيع، فصل في البيع الفضولي: ۶/۲۴۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، فصل في الفضولي: ۵/۱۰۷، سعيد)

(۲) "أما شرائط الانعقاد ...... ومنها في المبيع ...... وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه فلا ينعقد بيع ولو في أرض مملوكة ولا بيع ما ليس مملوكاً له". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۲، رشيديه)

"وأما شرائط المعقود عليه ...... وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه". (البحرالرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۵، سعيد)

باب الإقالة

(اقالہ کا بیان)

مبیع کی واپسی پر قیمت کم کرنا

سوال[۱۱۰۹۶]: اگر کسی نے کوئی چیز زید کو فروخت کردی، اگر زید ایک مہینہ یا پندرہ روز کے بعد اسے واپس کرے، اگر فروخت کنندہ اس کو واپس لیتے ہوئے اس سے کچھ پیسے بوجہ واپس لینے کے لے تو کیا پیسہ اس طرح لینا ٹھیک ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

واپس میں تو ایسا کرنا درست نہیں (۱)، البتہ مستقلاً بیع کا معاملہ کرلیا جاوے، تو قیمت میں کمی درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "قوله: (وتصح بمثل الثمن) حتى لو كان الثمن عشرة دنانير، فدفع إليه دراهم، ثم تقايلا، وقد رخصت الدنانير رجع بالدنانير لا بما دفع ...... (قوله: وبالسكوت عنه) المراد أن الواجب هو الثمن الأول سواء سماه أولا، قال في الفتح: والأصل في لزوم الثمن، أن الإقالة فسخ في حق المتعاقدين، وحقيقة الفسخ ليس إلا رفع الأول، كأن لم يكن فيثبت الحال الأول، وثبوته برجوع عين الثمن إلى مالكه كأن لم يدخل في الوجود غيره، وهذا يستلزم تعين الأول، ونفي غيره من الزيادة والنقص وخلاف الجنس". (ردالمحتار، كتاب الإقالة، مطلب: تحرير مهم في إقالة الوكيل بالبيع: ۱۲۵/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثاني عشر في الإقالة: ۱۵٦/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإقالة: ۱۷۳/٦، رشيديه)

(۲) "وفي الفتاوىٰ العتابية: ولو قبض الثمن ثم اشتراه بأقل جاز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل العاشر في بيع شيئين أحدهما لايجوز البيع فيه وشراء =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۵/۳/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= ما باع بأقل مما باع: ۱۳۲/۳، رشیدیه)

"والوضيعة: بيع بمثل الثمن الأول مع نقصان معلوم، والكل جائز، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية والوضيعة: ۱۶۰/۳، رشيديه)

"والرابع: الوضيعة بأنقص من الأول، ولم يذكرهما لظهورهما، وهما جائزان لاستجماع شرائط الجواز والحاجة ماسة إلى هذا النوع من البيع.....". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية: ۱۷۷/۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۱۳۲/۵، سعيد)

باب المرابحة والسلم

الفصل الأول في المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

کپڑا خرید کر زائد قیمت پر فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۹۷]: تجارت میں بھاؤ کر کے دھندا کرنا، مثلاً: کپڑا اگر ۲۰ روپیہ کا ملا ہے، گاہک کو ۳۵ روپیہ بتایا، بعد میں بھاؤ کم کر کے ۲۵ روپے میں دے دیا، اس میں جو پانچ روپیہ کا منافع ہوا، وہ حلال ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کپڑا جس قیمت میں خریدا ہے، ضروری نہیں کہ اس قیمت پر فروخت کیا جائے، بلکہ اس پر نفع لینا درست ہے(۱)، جس کپڑے کی قیمت پچیس روپے ہے، بیوپاری کو یہ نہ کہا جائے کہ میں نے تیس روپے میں خریدا ہے، کہ یہ جھوٹ ہوا، جو کہ ناجائز ہے(۲)، بلکہ یہ کہا جائے کہ میں ۳۵ روپے میں فروخت کروں گا، پھر وہ

---

(۱) "المرابحة بيع ما ملكه بما قام عليه وبفضل". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة: ۱۳۲/۵، ۱۳۳، سعيد)

"المرابحة بيع ما شراه به وزيادة". (ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، باب المرابحة الخ: ۱۰۶/۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في كنز الدقائق، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، ص: ۲۴۵، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: "اية المنافق ثلاث" ...... ثم اتفقا: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أو تمن خان". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول: ۱/۱۷، قديمى)

"وعن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

قیمت کم کردے تو یہ طرفین کی رضامندی پر ہے(۱)، جتنے پر بھی معاملہ ہوجائے گا، بیع درست ہوگی، نفع بھی درست ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۶/ ۱۴۰۰ھ۔

پوسٹ کارڈ وغیرہ زیادہ قیمت لے کر بیچنا

سوال[۱۱۰۹۸]: پوسٹ کارڈ یا لفافہ یا لفافہ کے ٹکٹ ایک تاجر ڈاک خانہ سے خرید کر اپنی دکان پر رکھتا ہے اور ضرورت مندوں کو ہر لفافہ کارڈ پر پانچ پیسہ نفع چڑھا کر لیتا ہے، آیا وہ نفع لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کس علت سے، وجہ اور علت ہی کے مقصد سے سوال مقصود ہے، کیونکہ ہم تو اس کو علی حالہ جائز ہی سمجھتے تھے، مگر بعض سے نقل عدم جواز کا کیا گیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کسی نے ٹکٹ یا کارڈ یا لفافہ خرید لیا تو وہ اس کا مالک ہوگیا (۲)، اس کو نفع کے ساتھ فروخت کرنے

= ...... وإياكم والكذب، وإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، ومايزال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عندالله كذاباً". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الأول: ۲/ ۴۱۲، قديمي)

(۱) "أما تعريفه، فمبادلة المال بالمال بالتراضي كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه الخ: ۳/ ۲، رشيديه)

"وشرعاً: (مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله) ...... (على وجه) مفيد (مخصوص) أي: بإيجاب أو تعاط". (الدرالمختار، كتاب البيوع: ۴/ ۵۰۲، ۵۰۳، سعيد)

"(هو مبادلة المال بالمال بالتراضي)". (البحرالرائق، كتاب البيوع: ۵/ ۴۳۰، رشيديه)

(۲) "وأما حكمه، فثبوت الملك في المبيع المشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/ ۳، رشيديه)

"وأما أحكامه: فالأصلي له الملك في البدلين لكل منهما في بدل". (البحرالرائق، كتاب البيع: ۵/ ۴۳۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/ ۵۰۶، سعيد)

کا حق ہے(۱)، مگر یہ دیکھ لیا جائے کہ یہ قانون کی خلاف ورزی تو نہیں، کبھی معلوم ہو جانے پر جرمانہ یا قید کی ذلت برداشت کرنی پڑے، اپنے آپ کو ذلت کے کام میں ملوث کرنا درست نہیں (۲)۔ فقط۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۲/۱۴۰۰ھ۔

کپڑا خرید کر زائد قیمت پر فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۹۹]: بیوپاروں سے دھندا، مثلاً: ۳۰ روپیہ کا کپڑا اگر کسی بیوپاری کو بیچنے کے لئے ۳۵ روپیہ میں دیا، اس نے جھوٹ سچ بول کر، غلط ڈھنگ سے بیچ کر ۳۵ روپیہ دے دیئے، اس میں جو ۵ روپے منافع ہوا، وہ حلال ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیوپاری کو یہ کہہ کر دیا جائے کہ یہ کپڑا میں نے ۳۵ روپے میں خریدا ہے، تم اس کو ۳۵ ہی میں

---

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۴/۱، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۷/۱، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۴۴۸/۵، سعيد)

(۲) اگر حکومت نے پابندی لگائی ہے اور اس میں کوئی دینی یا دنیاوی مفسدہ بھی نہیں، تو حکومت کا حکم ماننا واجب ہے۔

"(أمر السلطان إنما ينفذ) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته، عن الحموي أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا: أن طاعة الإمام في غير معصية طاعة واجبة، فلو أمر بصوم يوم وجب". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۴۲۲/۵، سعيد)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة: ۳۳۲/۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول: القواعد الكلية، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه كراچی)

فروخت کرنا، تو یہ جھوٹ ہے، منع ہے، کیونکہ خرید اہوا ۳۰ کا ہے(۱)، اگر یہ کہہ کر دیا ہے کہ یہ کپڑا جس قیمت میں چاہے، فروخت کرو، مجھے ۳۵ روپے دے دینا، پھر اس نے چاہے ۳۵ میں فروخت کیا یا زائد میں، تو یہ شرعاً درست ہے، نفع بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۶/ ۱۴۰۰ھ۔

ایک روپیہ پر کتنا نفع لینا درست ہے؟

سوال[۱۱۱۰۰]: بیوپار میں ایک روپیہ پر زیادہ سے زیادہ کتنے منافع لینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شریعت میں اس کے متعلق کوئی پابندی نہیں، مگر اتنا نفع لینا، جو عرفاً زیادہ شمار ہوتا ہو اور خاص کر غریب حاجت مند سے خلاف مروت اور مکروہ ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه : "اية المنافق ثلاث" ...... ثم اتفقا: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أو تمن خان". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول: ۱/ ۱۷، قديمي)

"وعن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ...... وإياكم والكذب، وإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، ومايزال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عندالله كذاباً". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الأول: ۲/ ۴۱۲، قديمي)

(۲) "المرابحة بيع ما ملكه بما قام عليه وبفضل". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة: ۵/ ۱۳۲، ۱۳۳، سعيد)

"المرابحة بيع ما شراه به وزيادة". (ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، باب المرابحة الخ: ۳/ ۱۰۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في كنز الدقائق، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، ص: ۲۴۵، رشيديه)

(۳) "ومن اشترى شيئاً، وأغلى في ثمنه، فباعه مرابحة على ذلك جاز، وقال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: إذا زاد زيادة لا يتغابن الناس فيها فإني لا أحب أن يبيعه مرابحة حتى يبين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب =

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۶/ ۱۴۰۰ھ۔
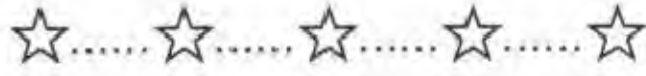
☆......☆......☆......☆......☆

= البيوع، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية: ۳/ ۱۶۱، رشيديه)

"عن علي ابن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه قال: سيأتي على الناس زمان عضوض يعض الموسر على ما في يديه، ولم يؤمر بذلك، قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم﴾". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۱۴/ ۲۰۳، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في بيع المضطر: ۵/ ۲۵۲، إمداديه)

الفصل الثاني في السلم

(بیع سلم کا بیان)

کسان کا ساہوکار سے رقم لے کر کپاس پیشگی فروخت کرنا

سوال[۱۱۱۰۱]: ''الف'' نامی کسان ہے، ''ب'' نامی ساہوکار(۱) ہے، بارش میں کسان اپنی کھیتی میں ہر قسم کا بیج بوتا ہے، جب پودے پک جاتے ہیں تو اس کے دیگر کام پولائی، مزائی وغیرہ کے پیسوں کی ضرورت پڑتی ہے، کسان کے پاس پیسہ نہیں رہتا، لہٰذا وہ ساہوکار کے پاس جاتا ہے اور پیسہ طلب کرتا ہے، ساہوکار پیسہ دینا چاہتا ہے، مگر اس شرط پر کہ کپاس کا بھاؤ ۴۰ یا ۴۵ روپے من پر (۴۰ کلو کا من) اور جوار ۱۰/ یا ۱۲/ روپے من اس حساب سے دوں گا، جتنے من کا پیسہ درکار ہو، لے لو، کسان قبول کر کے ضرورت کے مطابق روپیہ لے لیتا ہے، اس کے بعد فصل پر وعدہ کے مطابق دیتا ہے اسی بھاؤ سے، جس وقت کسان پیسہ لے رہا ہے، اس وقت ہر چیز کا بھاؤ دوگنا ہے، مگر ضرورت کی وجہ سے کم نرخ قبول کر کے لے رہا ہے، اس کو مہاراشٹر میں ''جلپ'' کہتے ہیں، یہ لین دین جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ بیع سلم کا ہوگیا، اگر ہر جنس کی قسم، وزن، نرخ، وصولیابی کی جگہ اور وقت اسی طرح متعین کرلیں، کہ اختلاف اور نزاع پیدا نہ ہو، تو درست ہے(۲)، جو روپیہ پیشگی لیا گیا ہے، وہ اس جنس کی قیمت ہے، قرض نہیں، لیکن

---

(۱) ''ساہوکار: مہاجن، بینکر، صراف، سود پر روپیہ چلانے والا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۱۵، فیروز سنز لاہور)

(۲) ''(وشرطه) أي: شروط صحته التي تذكر في العقد سبعة، (بيان جنس) كبر أو تمر، (و) بيان (نوع) كسقي أو بعلي (وصفة) كجيد أو ردي، (وقدر) ككذا كيلاً، لا ينقبض ولا ينبسط (وأجل، وأقله) في السلم (شهر) به يفتى''. (الدر المختار، كتاب البيوع، باب السلم: ۵/۲۱۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم: ۱۷۹/۳، ۱۸۰، رشيديه) =

غریب ضرورت مند مستحق رحم ہوتا ہے، اس سے نرخ میں اتنی کمی کرنا، مروت کے خلاف ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

پیشگی دھان خریدنے کے بعد مقررہ وقت پر دھان نہ ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال[۱۱۱۰۲]: زید نے عمر کو کچھ روپیہ دیا، اس شرط پر کہ وہ زید کو فصل خریف کے موقع پر فی روپیہ چار کلو کے حساب سے دھان دے گا، اتفاق سے عمر کے پاس اتنا دھان نہیں ہوا کہ وہ زید کو دے سکے، اب زید نے عمر سے کہا، میرا وہ روپیہ جو پہلے دے چکا ہوں اور آج کے حساب سے جو قیمت بچتی ہے، ان سب کا آئندہ فصل کے موقع پر دھان لوں گا، تو کیا متعاقدین کی مذکورہ صورت کے ساتھ بیع وشراء کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح اب معاملہ جائز نہیں، روپیہ دیتے وقت جو معاملہ کیا تھا، اس کی پابندی لازم ہے یا جس قدر روپیہ دیا جاتا تھا، معاملہ فسخ کر کے وہ روپیہ واپس کر دیا جائے، كذا في الدر المختار، باب بيع السلم(۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۲/۱/۵ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیو بند، ۹۲/۱/۶ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب السلم: ۲۶۶/۶-۲۶۹، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب البيوع، باب السلم: ۹۶/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب السلم: ۱۴۱/۳، ۱۴۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم إن الله بما تعملون بصير﴾ (البقرة: ۲۳۷)

"والوجه الآخر أن يضطر إلى البيع لدين يركبه أو مؤنة ترهقه فيبيع ما في يده بالوكس من أجل الضرورة، فهذا سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يقتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة". (بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في البيع المضطر: ۲۵۲/۵، مكتبه إمداديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۲۰۵/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "(ولا) يجوز لرب السلم (شراء شيء من المسلم إليه برأس المال بعد الإقالة) في عقد السلم =

قرض دے کر پیشگی مکئی خریدنا

سوال[۱۱۱۰۳]: ۱...... ہمارے ملک میں یہ پیشہ اور رواج ہے، مثلاً: ماہِ اپریل کو ایک سو روپیہ قرض دار کو دے دیا اور اسے ملاپ کرکے، یعنی زبانی اقرار کرلیا کہ ماہ نومبر یا دسمبر کو مکئی لوں گا، وہ کہتا ہے کہ سو روپیہ میں دس من دوں گا، یہ طریقہ چلتا ہے، قرض دار جس وقت سو روپیہ لیتا ہے، اس وقت مکئی کا نرخ ڈیڑھ روپیہ فی سیر ہوتا ہے اور جس وقت مکئی قرض پر دیتا ہے، تو اس وقت عام نرخ دو سیر فی روپیہ ہوتا ہے اور لینے والا اپنا کیا ہوا دس روپیہ من لیتا ہے، کیا یہ سود ہے؟ اور یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

۲...... ایک شخص قرض پر روپیہ لیتا ہے، قرض دار کو دینے والا روپیہ دیتا ہے، اس بیع میں فائدہ سمجھ کر کہ بھائی تم کو روپیہ دوں گا۔ عام نرخ سے فی سیر دو روپیہ کم لوں گا، مثلاً: دس روپیہ فی سیر عام نرخ ہے، لیکن میں تجھے فی سیر آٹھ روپیہ یا سات روپیہ فی سیر دوں گا، یہ سود ہے یا نہیں؟ براہِ کرم شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... سو روپیہ دینا اور طے کرلینا کہ اتنے روز بعد فلاں مہینہ میں اس روپیہ کی مکئی فلاں نرخ سے لوں گا اور فلاں جگہ لوں گا اور سب باتیں اس طرح کرلی جائیں کہ پھر نزاع نہ ہو، تو شرعاً یہ معاملہ درست ہے(۱)،

= الصحيح، فلو كان فاسداً جاز الاستبدال كسائر الديون، (قبل قبضه) بحكم الإقالة، لقوله عليه السلام: "لا تأخذ إلا سلمك أو رأس مالك" أي: إلا سلمك حال قيام العقد أو رأس مالك حال انفساخه، فامتنع الاستبدال". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب السلم: ۵/۲۱۹، سعيد)

"فإن تقايلا السلم، لم يشتر رب المال من المسلم إليه برأس المال شيئاً: يعني قبل قبضه بحكم الإقالة، لقوله عليه السلام: "لا تأخذ إلا سلمك أو رأس مالك" أي: إلا سلمك حال قيام العقد أو رأس مالك حال انفساخه". (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب السلم: ۴/۱۵۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب البيوع، باب السلم: ۳/۹۹، إمداديه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب السلم: ۳/۱۴۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "(وأما شروط التي في المسلم فيه) (فأحدها) بيان جنس المسلم فيه حنطة أو شعيرة ...... (والرابع أن يكون معلوم القدر بالكيل أو الوزن أو العدد أو الذرع كذا في البدائع ...... (والخامس) أن يكون المسلم فيه مؤجلاً بأجل معلوم ...... (والتاسع) بيان مكان الإيفاء فيما له حمل ومؤنة كالبر ونحوه......". =

اگر چہ عام نرخ جو کچھ بھی ہوں۔ لیکن اگر سوروپیہ قرض دے دیا، پھر کسی وقت اس سے مل کر کسی کا معاملہ کیا، تو یہ صحیح نہیں (۱)۔

۲...... جب روپیہ قرض دیا ہے، تو اس وقت یہ طے کرنا کہ اس کے عوض فلاں چیز لوں گا، غلط اور منع ہے، البتہ جب قرض واپس کرنے کا وقت آئے اور بجائے روپیہ واپس کرنے کے کوئی اور چیز اس کے عوض دینا چاہے تو اس وقت دونوں رضامندی سے معاملہ کرلیں اور نرخ طے کرلیں (۲)، لیکن اس کا خیال کرلیں کہ نرخ طے کرنے میں قرض کی وجہ سے نرخ پر فرق نہ کیا جائے، بلکہ جو عام نرخ ہو، وہی طے کرلیا جائے، ورنہ سود ہو جائیں گے (۳)۔ سود کو اللہ ورسول نے حرام قرار دیا ہے۔

= (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم: ۳/۱۷۹، ۱۸۰، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب البيوع، باب السلم: ۵/۲۱۴، ۲۱۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع، باب السلم: ۶/۲۶۶، ۲۶۷، رشيديه)

(۱) "الديون تقضى بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب: ماقاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود: ۲/۳۸۹، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۶، قديمى)

"(هو عقد مخصوص يرد على دفع مثلي) خرج القيمي الآخر (ليرد مثله)". (الدرالمختار، كتاب البيوع، فصل في القرض: ۵/۱۶۱، سعيد)

(۲) "والثاني: بيع العين بالدين نحو بيع السلع بالأثمان المطلقة، وبيعها بالفلوس الرائجة والمكيل والموزون والمعدود المتقارب ديناً". (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب السلم: ۴/۴۹۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع: ۶/۲۴۷، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في العناية شرح الهداية هامش فتح القدير، كتاب البيوع: ۶/۲۴۷، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: كل قرض جر منفعة فهو ربا". (فيض القدير: ۹/۴۴۸۷، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"عن علي أمير المؤمنين رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "كل قرض جر منفعة فهو ربا" أخرجه الحارث بن أبي أسامة في مسنده، قال الشيخ: حديث حسن لغيره". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، =

﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ الآية(١).

"لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اٰكل الربوا، وموكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال هم سواء" (رواه مسلم مشكوة، ص: ٢٤٤)(٢).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۸/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= باب: كل قرض جر منفعة فهو ربا: ۱۴/۵۱۲، ۵۱۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، مطلب: كل قرض جر نفعاً حرام: ۱۶۶/۵، سعيد)

(١) (البقرة: ۲۷۵)

(٢) (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/۲۷، سعيد)

(ومشكاة المصابيح، باب الربوا: ۱/۲۴۴، قديمى)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في أكل الربوا: ۱/۲۲۹، سعيد)

فصل في الاحتكار

(ذخیرہ اندوزی کا بیان)

تجارت میں ذخیرہ اندوزی کرنا

سوال[۱۱۱۰۴]: تجارت میں ذخیرہ اندوزی کیسی ہے؟ ذخیرہ اندوزی کب تک جائز یا ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ذخیرہ اندوزی سے اگر یہ مراد ہے کہ اپنی بستی کا غلہ خرید کر اپنے پاس محفوظ کرلیا جائے اور باوجود ضرورت کے فروخت نہ کیا جائے کہ جب زیادہ گراں ہوجائے گا، تب فروخت کرے گا تو یہ صورت شرعاً ناجائز اور موجب لعنت ہے(۱)۔

"المحتكر ملعون" الحديث(۲).

اگر کچھ اور مراد ہے، تو اس کو صاف لکھئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۹۳ھ۔

---

(۱) "يعني يكره الاحتكار في بلد يضر بأهلها، لقوله عليه الصلاة والسلام: "الجالب مرزوق والمحتكر ملعون" ولأنه تعلق به حق العامة، وفي الامتناع عن البيع إبطال حقهم، وتضييق الأمر عليهم فيكره".

(البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۷۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة: ۴/۲۰۰، دار المعرفة بيروت)

(۲) (سنن ابن ماجة، كتاب التجارات، باب الحكرة والجب، ص: ۱۵۶، قديمي)

"وعن معمر بن عبدالله بن فضلة رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه =

ذخیرہ اندوزی

سوال[۱۱۱۰۵]: میں اگر فصل آنے پر ہزار پانچ سو روپے کا غلہ خریدلوں اور اس کو انتظار میں گھر میں بھرا ہوا رہنے دوں کہ بے فصل مہنگا فروخت کروں گا تو غلہ گراں فروخت ہوگا، تو اس کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی مہنگائی کا انتظار کرنا، جس سے مخلوق کو پریشانی لاحق ہو، جائز نہیں، حدیث پاک میں سخت وعید آئی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= وسلم يقول: لا يحتكر إلا خاطئ". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في الاحتكار: ۱/۲۳۹، سعيد)

(وسنن أبي داود، كتاب الإجارة، باب في النهي عن الحكرة: ۲/۱۳۲، إمداديه)

(۱) "وكره احتكار قوت البشر كتين وعنب ولوز، والبهائم كتبن وقت في بلد يضر بأهله لحديث: "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون" فإن لم يضر، لم يكره". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۸، سعيد)

"لقوله عليه السلام: "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون". (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۷۰، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الكراهية: ۴/۲۱۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

باب الصرف

(نقدی کی بیع کا بیان)

کمی زیادتی کے ساتھ سونے چاندی اور نوٹ کی بیع

سوال[۱۱۱۰۶]: کاغذ کے روپے کی بیع، کاغذ کے روپے کی عوض میں یا گلٹ کے روپے کے عوض میں، کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: خلیل الرحمٰن مدرسہ مرادیہ کھالا پار مظفر نگر، ۱۳/۷/۸۷ھ

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی کی بیع چاندی کے عوض ہو، تو برابر اور تقابل شرط ہے، یہی حال سونے کا ہے(۱) اور غالب چاندی، چاندی کے حکم میں ہے اور غالب سونا سونے کے حکم میں ہے(۲) اور جب جنسیں بدل جائیں تو برابری

---

(۱) عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الذهب بالذهب والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد، فقد أربى، الأخذ والمعطي فيه سواء". (مشكاة المصابيح، باب الربا، الفصل الأول، ص: ۲۴۴، قديمي)

"الدراهم والدنانير لا تتعينان في عقود المعاوضات عندنا، ولايجوز بيع الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، إلا مثلاً بمثل، تبراً كان أو مصوغا أو مضروباً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الأول في بيع الذهب والفضة: ۲۱۸/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصرف: ۳۲۱/۶، ۳۲۲، رشديه)

(۲) "الدراهم إذا كانت مغشوشة فإن كان الغالب هو الفضة فهي كالدراهم الخالصة، وإن غلب الغش فليس كالفضة ...... وحكم الذهب المغشوشة كالفضة المغشوشة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض: ۱۷۹/۱، رشيديه) ....=

شرط نہیں، چاندی اگر مغلوب ہو اور غش غالب ہو، تو وہ غش کے حکم میں ہے، یہی حال سونے کا ہے(۱)، روپیہ میں آج کل چاندی بالکل نہیں ہے اور اگر ہے، تو بہت مغلوب اور کالعدم ہے، یہی حال ریزگاری کا ہے۔

"وغالب الفضة والذهب فضة وذهب، حتى لا يصح بيع الخالصة بها، ولا بيع بعضها ببعض إلا مساوياً وزناً، ولا يصح الاستقراض بها إلا وزناً، وغالب الغش ليس في حكم الدراهم والدنانير، فيصح بيعها من جنسها متفاضلاً الخ" كنز(۲).

"أي: وزناً وعدداً؛ لأن الحكم للغالب، فلا يضر التفاضل لجعل الغش مقابلاً بالفضة، أو الذهب الذي في الآخر، ولكن يشترط التقابض قبل الافتراق؛ لأنه صرف في البعض بوجود الفضة، أو الذهب من الجانبين، ويشترط في الغش أيضاً؛ لأنه لايتميز إلا بضرر، وكذا إذا بيعت بالفضة الخالصة أو الذهب الخالص، لا بد أن يكون الخالص أكثر من الفضة أو الذهب الذي في المغشوش، حتى يكون قدره بمثله، والزائد بالغش على بيع

= "(وغالب الفضة والذهب، فضة وذهب، وما غلب غشه) منهما (يقوم) كالعروض".

(الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۰، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، الأثمان المطلقة: ۲/۱۰۳، رشيديه)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۲) (كنز الدقائق، كتاب الصرف، ص: ۲۶۳، حقانيه ملتان)

"(وما غلب فضته وذهبه فضة وذهب) حكماً (فلا يصح بيع الخالص به، ولا بيع بعضه ببعض إلا متساوياً وزناً و) كذا (لا يصح الاستقراض بها إلا وزناً) كما مر في بابه (والغالب) عليه (الغش منهما في حكم عروض) اعتباراً للغالب (فصح بيعه بالخالص، إن كان الخالص أكثر) من المغشوش، ليكون قدره بمثله والزائد بالغش كما مر (وبجنسه متفاضلاً) وزنا وعدداً". (الدرالمختار، كتاب الصرف: ۲۶۵/۵، ۲۶۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصرف: ۳/۱۴۰، دارالمعرفة بيروت)

الزيتون بالزيت" بحر: ٦/ ٢٠٠، كتاب الصرف (١).

نوٹ اصالۃً مال نہیں، بلکہ اس مال کا حوالہ ہے، جو اس میں درج ہے، نوٹ کی بیع کمی زیادتی کے ساتھ اپنی اصل کے اعتبار سے درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں "تمليك الدين عمن ليس عليه الدين" لازم آتا ہے، جس کو فقہاء نے ممنوع لکھا ہے، لیکن جس زمانہ میں یہاں نوٹ کی ابتداء ہوئی، اس وقت روپیہ چاندی کا چالو تھا اور پورا ایک تولہ ہوتا تھا، اس چاندی کے روپیہ کا یہ نوٹ حوالہ تھا، تو نوٹ کی بیع وشراء درحقیقت اس کاغذ کی بیع وشراء نہیں تھی، بلکہ اس کاغذ میں لکھے ہوئے چاندی کے روپے کی بیع وشراء تھی، جس میں کمی زیادتی جائز نہیں تھی (۲)۔

مگر پھر روپیہ میں تغیر ہوگیا، اس میں چاندی کی تعداد بھی کم ہوگئی، دوسری دھات ملائی گئی اور وزن بھی کم ہوگیا، تو پورا ایک تولہ نہیں رہا، پھر یہاں تک ہوا کہ روپیہ سے چاندی ختم ہی ہوگئی، یہی حال ریزگاری کا ہے اور چھوٹے نوٹ سے حوالہ اور ذمہ داری کی عبارت بھی ختم کردی گئی اور نوٹ کا چلن اتنا ہوا کہ اس کے مقابلہ میں روپیہ بہت قلیل کالمعدوم ہوگیا اور نوٹ کا اب یہ حال ہے کہ بالکل اسی طرح چلتا ہے جس طرح روپیہ، کسی شخص کا نوٹ لینے اور دینے سے بازاری معاملات میں انکار کی گنجائش نہیں۔

بینک اور ڈاک خانہ سے آدمی جب اپنا روپیہ وصول کرتا ہے، تو وہاں سے نوٹ ہی ملتا ہے۔ اور بڑی بڑی جائیدادوں کے جو بیع نامہ ہوتے ہیں، ان میں نوٹ ہی لیا اور دیا جاتا ہے، بڑے بڑے عہدہ داروں کو جو تنخواہیں ملتی ہیں، انہیں بھی نوٹ ہی لیا اور دیا جاتا ہے اور اتنی تعداد کے روپیہ بائع ومشتری کے پاس ہوتے ہی نہیں، بلکہ ڈاک خانہ اور بینک میں بھی نہیں، اس چلن کے اعتبار سے یہ نوٹ ہی بمنزلہ سکہ کے ہوگیا اور سکہ چاندی کا نہیں ہے، جیسے فلوسِ نافقہ کہ وہ چاندی کے نہیں ہوتے ہیں، تو جس طرح کہ ایک روپیہ کی ریزگاری کا کمی زیادتی کے ساتھ لینا دینا درست ہے، اسی طرح ایک روپیہ کے نوٹ کی ریزگاری کی زیادتی کے ساتھ درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۸/ ۱۴۰۷ھ۔

---

(۱) (البحرالرائق، کتاب الصرف: ۶/ ۳۳۴، رشیدیہ)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۵۳۳

(۳) واضح رہے گزشتہ زمانوں میں روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اور ریزگاری دوسری دھات سے بنتی تھی، اس لئے ان کے درمیان کمی بیشی =

نوٹ کی ادھار بیع

سوال[۱۱۱۰۷]: زید نے عمر کو ایک روپیہ کا نوٹ توڑواتی کے لئے دیا اور عمر نے فی الفور چھتر پیسے واپس کئے اور پچیس ادھار لے لئے، تو کیا ایسا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ اس اصل کے اعتبار سے مال نہیں، بلکہ مال کا حوالہ ہے، لیکن آج کل روپیہ کم یاب ہے، اس وجہ سے یہ نوٹ ہی روپیہ کی درجہ میں ہے، اس سے لین دین سب روپیہ کی طرح ہے، حتیٰ کہ روپیہ میں اس کو مختلف وجوں سے ترجیح ہے، اس لئے اس میں بیع الکالی بالکالی نہیں (۱)، روپیہ چاندی نہ ہونے کی وجہ سے بیع صرف

= درست تھی، لیکن موجودہ دور میں روپیہ لوہے اور کاغذ سے بنتا ہے، اس لئے ریزگاری کے ساتھ تبادلہ کے وقت کمی بیشی ناجائز ہے۔

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلک في العدالي والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه، يفتح باب الربا". (الهداية، كتاب الصرف: ۳/۱۱۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

"بيع فلوس معينة بالتفاضل كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينها، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالىٰ: أنه لايجوز أيضاً ...... والذي يظهر لهذا لعبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالىٰ أولىٰ بالأخذ في زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها في كل شيء، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بتعينها لانفتح باب الربا بمصراعيه لكل من هب ودب، فينبغي أن يختار قول محمد رحمه الله تعالىٰ". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۱/۵۸۸، دارالعلوم كراچي)

(۱) اس لئے کہ بیع الکالی بالکالی کا معنیٰ ہے، بیع الدین بالدین، جب کہ مذکورہ صورت میں بیع الدین بالدین نہیں، کیونکہ زید نے عمر کو ایک روپیہ دیا ہے اور عمر نے قبضہ کرلیا ہے، لہٰذا بیع الکالی بالکالی نہیں ہوا۔

"لو باع الفلوس بالفلوس، ثم افترقا قبل التقابض بطل البيع، ولو قبض أحدهما ولم يقبض الآخر أو تقابضا ثم استحق ما في يدي أحدهما بعد الافتراق فالعقد صحيح على حاله، كذا في الحاوي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني، الفصل الثالث في بيع الفلوس: ۳/۲۲۴، رشيديه)

"في المحيط: لو باع الفلوس بالفلوس أو بالدراهم أو الدنانير، فنقد أحدهما دون الآخر جاز". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب الربا: ۶/۲۱۹، ۲۲۰، رشيديه) .... =

کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ پس ادھار کی زیادتی سب درست ہوگی (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۲ھ۔

ایک نوٹ کی بیع دو نوٹ کے بدلے

سوال [۱۱۱۰۸]: ایک نوٹ دے کر دو نوٹ لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ آج کل اپنے رواج کے اعتبار سے مستقل مال کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ اموالِ ربویہ میں سے نہیں، جس میں مثلاً بمثل لازم ہو، تفاضل کی گنجائش ہے، جیسا کہ بیع فلوس میں بعض ائمہ نے بیان فرمایا ہے (۲)، مگر اس کا انتظام کرلیں، کہ خلافِ قانون ہوکر جرم نہ بن جائے اور پھر سزا بھگتنی پڑے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۶/۱۹ھ۔

= (وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصرف، الفصل الثاني في بيع الدين بالدين وبالعين: ۸/۳۰۰، رشيديه)

(۱) نوٹ کا حکم فلوس نافقہ کا ہے اور فلوس میں تفاضل کے ساتھ بیع ناجائز ہے۔

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلک في العدالي والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه يفتح باب الربا". (الهداية، كتاب الصرف: ۳/۱۱۰، شركت علميه ملتان)

"بيع فلوس معينة بالتفاضل، كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينها، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالىٰ: إنه لايجوز أيضاً ...... والذي يظهر لهذا العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالىٰ أولى بالأخذ في زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها في كل شيء، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بتعينها لانفتح باب الربا بمصراعيه لكل من هب ودب، فينبغي أن يختار قول محمد رحمه الله تعالىٰ". (تكلمة فتح الملهم، كتاب المساقات والمزارعة، باب الربا: ۱/۵۸۸، دارالعلوم كراچی)

(۲) راجع العنوان السابق

دس تولہ چاندی دے کر زیور خریدنا

سوال [۱۱۱۰۹]: ایک آدمی دس تولہ چاندی لاکر کہتا ہے کہ اس کا زیور چاہیے، زیور سنار کے پاس تیار ہے اور وہ سنار ٹانکا کاٹ کر برابر بدل دیتا ہے یا دونوں کی قیمت لگا کر بدل دیتا ہے، اس میں کون سی بات درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب چاندی کی بیع چاندی ہی کی زیور کے بدلہ میں ہو تو برابر ہونا ضروری ہے، کمی بیشی درست نہیں (۱)، لیکن اگر ایک جانب میں چاندی کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہو، مثلاً: کچھ پیسے یا کوئی اور سکہ چونی اٹھنی وغیرہ کا ہو، تو دوسری جانب میں زیادتی درست ہے (۲)، مثلاً: ایک طرف دس تولہ چاندی اور آٹھ آنہ پیسے ہوں اور دوسری طرف بارہ تولہ چاندی ہو، تو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۵/۲۵ھ۔

---

(۱) "ولا يجوز بيع الذهب بالذهب، والفضة بالفضة إلا مثلاً بمثل تبراً كان أو مصوغاً أو مضروباً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه: ۲۱۸/۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع، باب الصرف: ۲۵۷/۵، ۲۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصرف: ۳۲۱/۶، رشيديه)

(۲) "وكذا إذا باع سيفاً محلى بالفضة مفردة أو منطقة مفضضة أو لجاما أو سرجاً أو سكيناً مفضضة أو جارية على عنقها طوق فضة بفضة مفردة، والفضة أكثر، حتى جاز البيع كان بحصة الفضة صرفاً، ويراعى فيه شرائط الصرف، وبحصة الزيادة التي هي من خلاف جنسها بيعاً مطلقاً فلا يشترط له ما يشترط للصرف، فإن وجد التقابض وهو القبض من الجانبين قبل التفرق بالأبدان تم الصرف والبيع جميعاً". (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، باب بيع السيف المحلى بالفضه ونحوها: ۴۵۵/۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصرف: ۳۲۲/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثاني: ۲۲۱/۳، رشيديه)

روپیہ دے کر سونا خریدنا

سوال[۱۱۱۱۰] : ۱......ایک شخص کو سونا چاندی تیار کرانا تھا، اس نے کہا، پانچ تولہ سونا تیار کرانا ہے، تم کو سونا اپنے پاس سے لگانا ہے، بھاؤ طے کرلو، ہم نے بھاؤ طے کرلیا، اس نے پانچ سو روپیہ ہم کو بنانے میں دیا، اس طرح بھاؤ طے کرنا اور بنا کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

ادھار سونا وچاندی کی خرید وفروخت

سوال[۱۱۱۱۱] : ۲......ایک آدمی کو ۲۰/تولہ چاندی اور ۲/تولہ سونے کا زیور بنا کر دیا، حساب کرنے پر ہمارے ایک ہزار کے نوٹ گاہک کے ذمہ باقی رہے، اس نے کہا میں یہ روپیہ دو ماہ بعد دوں گا، تو یہ ادھار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۳......ایک آدمی ۲۰/تولہ چاندی اور چار تولہ سونا زیور بنوانے کے لئے لایا، ہم نے زیور تیار کیا، اس زیور بنانے میں ہماری دو تولہ چاندی اور ایک تولہ سونا زیادہ پڑا، اس کی قیمت لگانے پر گاہک کی طرف ہمارے پانچ سو روپے کے نوٹ باقی رہے، یہ ادھار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس پانچ سو روپیہ کو زیور بنانے کی اجرت قرار دے دیا جائے، تب بھی درست ہے(۱)، آج کل روپے (نوٹ) یا سکہ رائج الوقت سے چاندی سونا اگر خریدا جائے تو یہ بیع صرف نہیں، جس میں برابری اور تقابل فی المجلس (ہاتھ در ہاتھ) ہونا ضروری ہو(۲)۔

---

(۱) "وما صلح أن يكون ثمناً في البيع، كالنقود، والمكيل، والموزون صلح أن يكون أجرة في الإجارة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الأول في تفسير الإجارة الخ: ۴/۴۱۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۷/۵۰۶، رشيديه)

(۲) رائج الوقت سکہ اور نوٹ چونکہ سونے، چاندی کے جنس سے نہیں ہے، اس لئے اگر سکے یا نوٹ کے بدلے سونا، چاندی خریدا جائے تو اس میں برابر اور ہاتھ در ہاتھ لینا ضروری نہیں۔

"عن عبادة بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : =

۳..... جائز ہے(۱)۔

۴..... جائز ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۵/ ۱۴۰۰ھ۔

☆..... ☆..... ☆..... ☆..... ☆

= "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل سواء بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد".

(صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/ ۲۵، قديمى)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا: ۴/ ۴۵۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب الربا: ۶/ ۲۱۲، ۲۱۳، رشيديه)

(۱) ادھار بیع صرف میں ناجائز ہوتا ہے اور مذکورہ صورت میں چونکہ بیع صرف نہیں ہے، اس لئے ادھار جائز ہے۔ (كما مر في الحاشية المتقدمة)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

باب البیع بالوفاء

(بیع بالوفاء کا بیان)

بیع بالوفاء کا حکم

سوال[۱۱۱۱۲]: زید اپنا ذاتی مکان اپنے بھانجے بکر کو بیچنا چاہتا ہے، فی الوقت رقم فراہم نہ ہونے کے باعث بکر اپنا ایک مکان عارضی طور پر کچھ مدت کے لئے کسی کو دے کر رقم لینا چاہتا ہے، تا کہ ماموں کو مکان کی رقم دے سکے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ از روئے شرع کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ رقم بھی حاصل ہو جائے اور مکان بھی مستقل طور پر نہ جا سکے اور مکان دینے اور لینے والا بھی گنہگار نہ ہوئے، بعض حضرات سے معلوم ہوا کہ حالاتِ زمانہ کے پیش نظر علماء نے بیع بالوفاء کی اجازت دی ہے، آپ مطلع فرمائیں کہ بیع بالوفاء سے کیا مراد ہے اور اس کی صوت کیا ہے؟ اور کیا بیع بالوفاء میں مکان وغیرہ مدت متعینہ کے ختم پر بائع کو واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

واضح رہے کہ کوئی بھی اپنے فائدے کے بغیر کوئی مکان وغیرہ لینے کو تیار نہیں، اگر رہن رکھا جائے تو مرتہن دھوکہ سے شئ مرہونہ سے نفع حاصل کر سکتا ہے، جس کو سود بتایا جاتا ہے، اس لئے آپ مطلع فرمادیں کہ ایسی صورت بھی ہے کہ مکان مستقل طور پر نہ جائے اور اس سے حصول رقم کی جائز شکل نکل آئے، بکر مکان فروخت کرنا نہیں چاہتا ہے، اجراء کار کے لئے کسی کو دے کر رقم سے استعارہ چاہتا ہے اور بعد فراہمی رقم متعلقہ شخص کو رقم دے کر پھر اپنے قبضہ میں لے لے، از روئے شرع وضاحت فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع بالوفاء کا نام اگر چہ بیع ہے، مگر وہ درحقیقت رہن ہی ہے(۱)، مرتہن کو شئ مرہون سے انتفاع ناجائز

---

(۱) "وفي حاشية الفصولين: "هو أن يقول: بعت منک علی أن تبیعه مني متی جئت بالثمن، فهذا بیع =

ہے(۱)، بیع بالوفاء کوسود کا حیلہ نہ بنایا جائے، مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستقل ایک رسالہ ''الفلک المشحون'' تحریر فرمایا ہے، جس میں انتفاع بالمرہون کی صورتیں لکھی ہیں (۲)، ضرورت پر بیع قطعی کردی جائے، پھر جب اللہ تعالیٰ پیسہ دیں، تو دوبارہ خرید لیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند ۲۱/۹/۸۸ھ۔

= باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء: ۲۷۶/۵، سعيد)

"أقول: وفي جواهر الفتاویٰ، في الباب الأول: بيع بالوفاء أن يقول: بعت منک علی أن تبيعه مني متی جئت بالثمن، قال رضي الله تعالیٰ عنه : هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكروا، وهو الصحيح". (حاشية جامع الفصولين، الفصل الثاني عشر: ۲۳۴/۱، إسلامي كتب خانه كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب البيع، الفصل العشرون في البيعات المكروهة: ۳۲۰/۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "لايحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقی له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الرهن: ۴۸۲/۶، سعيد)

"ولا ينتفع المرتهن استخداما وسكنی ولبساً وإجارةً وإعارةً؛ لأن الرهن يقتضي الحبس إلی أن يستوفي دينه دون الانتفاع". (البحرالرائق، كتاب الرهن: ۴۳۸/۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الرهن: ۲۷۳/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) (مجموعة رسائل اللكنوي، الفُلک المشحون فيما يتعلق بانتفاع المرتهن بالمرهون، الخاتمة في فروع مختلفة متعلقة بانتفاع المرتهن بإذن الراهن وبغير إذنه: ۳/۳۱۴ ۳۱۵، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "وإن ذكر البيع من غير شرط، ثم ذكر الشرط علی وجه المواعدة، جاز البيع، ويلزمه الوفاء بالوعد؛ لأن المواعيد قد تكون لازمةً فتجعل لازمةً لحاجة الناس". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، فصل في الشروط المفسدة: ۱۶۵/۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء: ۲۷۷/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ الكاملية، كتاب البيوع، مطلب: في بيع الوفاء، ص: ۸۳، حقانيه پشاور)

کیا بیع الوفاء حقیقۃً رہن ہے؟

سوال[۱۱۱۱۳]: ۱......زید نے اپنی کسی ضرورت کی بناء پر اپنی کاشت کی اراضی عمر کو اس شرط پر بیع کردی کہ تین سال کی مدت معینہ کے اندر اندر جس وقت بھی میرے پاس رقم ہوجاوے اور میں لینا چاہوں، تو عمر کو یہ اراضی اسی ثمن مذکور میں واپس دینا ہوگی اور ثمن میں کمی بیشی نہ ہوگی، اگر مدت معینہ میں زید کے پاس روپیہ فراہم نہ ہوسکا اور مدت ختم ہوگئی، تو پھر یہ اراضی عمر ہی کے لئے مستقل بیع سمجھی جائے گی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عرف میں اس کو آڑی بیع کہتے ہیں، آیا یہ صورت مسئولہ خیار شرط میں داخل ہے، جو عندالصاحبین جائز ہے یا اس سے خارج ہے، حوالہ کے ساتھ بیان فرمادیں۔

۲......دوسری صورت اسی آڑی بیع کی اور ہے، وہ یہ ہے کہ زید نے جو بیع نامہ کیا ہے، اس میں تین سال واپس نہ لینے کی شرط ہوتی ہے کہ تین سال تک بائع بیع کو واپس نہیں لے سکتا، تین سال کے بعد اگر چاہے، اس ثمن سابق میں بیع کو لوٹا سکتا ہے، اس کی بھی میعاد ہوتی ہے، مثلاً: تین سال کے بعد دو سال تک واپس لینے کی میعاد ہوتی ہے اور دو سال پر مشتری سے نہیں لے سکتا اور یہ بیع مستقل مشتری کی ملکیت ہوجاوے گی۔

۳......اگر دونوں صورتیں ہی ناجائز قرار دی جائیں، تو پھر کوئی تیسری شکل تحریر فرمائیں جو شرعاً جائز ہو اور ایک غریب ضرورت مند اپنے کام میں لا سکے اور زمین سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے، کرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......بیع بالوفاء ہے، ردالمحتار میں اس پر تفصیلی بحث موجود ہے، قول المختار یہ ہے کہ یہ صورۃ بیع ہے، مگر حکماً رہن ہے، لہٰذا اس سے انتفاع درست نہیں ہے(۱)۔

---

(۱) "وفي حاشية الفصولين عن جواهر الفتاویٰ: هو أن يقول: بعت منک علی أن تبيعه مني متی جئت بالثمن، فهذا البيع باطل وهو رهن، وحكمه وحكم الرهن وهو الصحيح". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء: ۵/۲۷۶، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ البزازية علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، نوع فيما يتصل بالبيع الفاسد: ۴/۴۰۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي علی الدرالمختار، كتاب البيوع، باب الصرف: ۳/۱۴۴، دارالمعرفة بيروت) =

"کل قرض جر نفعاً حرام اھ" درمختار(۱)۔

۲......اس کا حکم بھی وہی ہے، جو نمبر ا میں بیان ہوا ہے(۲)۔

۳......رہن یا بیع کا معاملہ ختم کر کے اجارہ کا معاملہ کرلیا جاوے، مثلاً: ایک ہزار روپیہ کی ضرورت ہے، تو اپنی زمین متعین تین سال کے لئے اجارہ پر دے دی جاوے اور ایک ہزار روپیہ پیشگی کرایہ وصول کرلیا جائے، تین سال تک کاشت کر کے آمدنی کرے، پھر واپس کر دے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، مطلب: بيع الوفاء: ۲۰۸/۳، ۲۰۹، رشيديه)

(۱) "كل قرض جر نفعاً حرام". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۱۶۶/۵، سعيد)

"وقال عليه الصلاة والسلام: "كل قرض جر منفعة، فهو ربا". (فيض القدير، رقم الحديث: ۶۳۳۶: ۴۲۸۷/۹، مكتبه مصطفىٰ الباز رياض)

"عن علي أمير المؤمنين رضي الله تعالىٰ عنه، مرفوعاً: "كل قرض جر منفعة فهو ربا، وكل شرط فيه الزيادة، فهو حرام بلاخلاف". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب: كل قرض جر منفعة فهو ربا: ۴۹۹/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب المساقات والمزارعة: ۵۷۵/۱، دارالعلوم كراچی)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب المداينات، الفن الثاني، ص: ۲۵۷، قديمی)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۵۴۳

(۳) "(و) تصح إجارة (أرض للزراعة مع بيان مايزرع فيها، أو قال: على أن أزرع فيها ما أشاء) كي لا تقع المنازعة". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها: ۲۹/۶، سعيد)

"وليس للمؤجر إخراجه، حتى ينقضي إلا بعذر، كما لو عجل أجرة شهرين فأكثر لكونه كالمسمىٰ، زيلعي، (إلا أن يسمى الكل) أي: جملة شهور معلومة، فيصح لزوال المانع". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۰/۶، ۵۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالا يجوز، الفصل الأول فيما يفسد العقد فيه: ۴۴۰/۴، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة الخ: ۵۱۸/۷، رشيديه)

بیع الوفاء

سوال[۱۱۱۱۴]: اپنی مملوکہ زمین اس شرط پر فروخت کرتے ہیں کہ چند سال کی مدت میں جب روپیہ واپس کردیئے جائیں گے، تو زمین واپس لی جائے گی، اس کو عرف میں کٹ تبادلہ کہتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ متذکرہ بالاصورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

واپسی کی شرط پر فروخت کرنا بیع فاسد ہے جائز نہیں ہے، اس کو بیع بالوفاء کہتے ہیں، جو کہ رہن کے حکم میں ہے(۱)۔ایسی زمین سے مشتری کو نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے(۲)(كذا في ردالمحتار)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "وفي حاشية الفصولين: هو أن يقول: بعت منک علی أن تبيعه مني متی جئت بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه وحكم الرهن، وهو الصحيح". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء: ۲۷۶/۵، سعيد)

"أقول: وفي جواهر الفتاویٰ، في الباب الأول: بيع بالوفاء أن يقول: بعت منک علی أن تبيعه مني متی جئت بالثمن، قال رضي الله تعالیٰ عنه: هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكروا". (حاشية جامع الفصولين، الفصل الثاني عشر: ۲۳۴/۱، إسلامي كتب خانه كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب البيع، الفصل العشرون في البيعات المكروهة: ۳۶۰/۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقی له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الرهن: ۴۸۲/۶، سعيد)

"ولا ينتفع المرتهن استخداماً وسكنی ولبساً وإجارة وإعارة؛ لأن الرهن يقتضي الحبس إلی أن يستوفي دينه، دون الانتفاع". (البحرالرائق، كتاب الرهن: ۴۳۸/۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الرهن: ۲۷۳/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

بیع بالوفا کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۱۱۱۵]: ایک مسلمان اپنی جائیداد یا مکان کسی دوسرے مسلم کو فروخت کر دیتا ہے کہ اتنے عرصہ بعد رقم ادا کر کے مذکورہ جائیداد واپس خرید لوں گا اور اگر تاریخ معینہ تک نہ خرید سکا، تو اس کے بعد حق خریداری ختم اور جائیداد تمہاری، خریدار مذکورہ فروخت کرنے والوں کو اس کا مقررہ کرایہ وصول کرتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ تو رہن میں اور اس میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ شرعاً بیع قطعی نہیں ہے، بلکہ بیع بالوفا ہے، جو کہ رہن کے حکم میں ہے، اس صورت میں کرایہ وصول کرنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۸ھ۔

واپسی کی شرط پر بیع کرنا

سوال[۱۱۱۱۶]: میں نے اپنی ایک شدید اور فوری ضرورت کے لئے اپنے ایک مخلص دوست مسمی زید سے ۷۰۰۰/ ہزار روپیہ قرض لیا اور اس رقم کے عوض دس مربعہ زمین زید مذکور کے ہاتھ فروخت کر دی، بیع کے وقت مسجد میں امام مسجد کے روبرو زید نے میرے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ جب تمہارے پاس رقم مہیا ہو جائے گی تو میں زمین تم کو واپس کر دوں گا، گویا دس مربعہ زمین کی بیع سات ہزار روپے کے عوض اسی شرط اور معاہدے پر زید مذکور کے ہاتھ فروخت کر دی۔

یہ تمام سترہ مربعہ زمین میرے ہی قبضہ میں رہی اور اس پر مختلف اوقات میں فصل کی کاشت کرتا رہا اور کبھی کبھی زید مذکورہ کو فصلانہ بھی دیا، اگر چہ کاشت کی بٹائی یا ٹھیکہ کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا، بلا معاہدہ زمین میرے قبضہ میں تھی۔

اب تقریباً سات سال کے بعد جب زید نے مجھ سے سترہ مربعہ زمین کا قبضہ مانگا، تو میں نے کہا کہ

---

(۱) راجع العنوان السابق، رقم الحاشية: ۱

آپ کا زمین کی واپسی کا معاہدہ ہے اور میں زمین واپس لینا چاہتا ہوں، تو زید نے کہا کہ اب تم زمین کا قبضہ دے دو، میں معاہدے سے منحرف نہیں ہوں، معاہدے کی بات قبضہ دینے کے بعد کرنا، میں نے جواباً کہا، کہ شریعت کو فیصل مان لو، فتویٰ منگوا لو، جو شریعت کا حکم ہو، ہم دونوں اس کی پابندی کریں گے، لیکن زید نے شریعت کا حکم ماننے اور فتویٰ منگوانے سے گریز کیا اور قبضہ لینے پر اصرار کیا، چنانچہ میں نے قبضہ دے دیا اور کہا کہ میں قبضہ دیتا ہوں، لیکن میرا مطالبہ باقی ہے۔

قبضہ دینے کے چند روز بعد میں نے پھر زید کو مسجد میں بلا کر معاہدہ یاد دلایا تو زید نے کہا کہ میں معاہدہ پر قائم ہوں، زمین کی قیمت اب دس ہزار روپیہ مربعہ ہے، میں ''دو ہزار'' چھوڑتا ہوں، آٹھ ہزار روپیہ فی مربعہ قیمت دے کر اپنی زمین واپس لے لو، تو میں نے کہا کہ معاہدی واپسی کا ہوا ہے اور واپسی کا مفہوم سب سمجھتے ہیں کہ وہ پہلی قیمت پر واپسی ہوتی ہے، نہ کہ نئی بیع۔ زید نے اس کو تسلیم نہیں کیا، میں نے پھر اس سے کہا کہ شریعت کا فتویٰ منگوا لو، تو اس نے جواب دیا کہ مجھے فتویٰ منگوانے کی کیا ضرورت ہے؟

۱..... سوال یہ ہے کہ ''سترہ'' مربعہ زمین کی بیع جو کہ واپسی کی شرط پر ہوئی تھی، یہ بیع صحیح ہے یا فاسد؟

۲..... زید اس معاہدہ کو تسلیم کرتا ہے کہ واپسی کی شرط تسلیم کی گئی تھی، اگرچہ یہ بات اس وقت صاف نہیں کہی گئی تھی، کہ واپسی قیمت پر ہوگی، لیکن عرفاً اور شرعاً واپسی کی طلب پہلی ہی رقم پر واپسی ہے یا نئی بیع؟

۳..... کیا اس معاہدے کے ہوتے ہوئے زید قیمت اول پر زمین واپس کرنے کا پابند ہے یا نہیں؟ اور کیا زید کے لئے بحالتِ موجودہ وہ زمین رکھنا حلال ہے؟

۴..... گزشتہ سات سال میں جو میں اس زمین پر کاشت کرتا رہا، کیا زید مذکور کو اس کی بٹائی دینا میرے ذمہ واجب الادا ہے؟ جب کہ بٹائی کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا، بلا معاہدہ زمین میرے قبضہ میں تھی۔

۵..... اگر کیا شریعت کے حکم اور فتویٰ سے گریز کرنے پر ایمان میں خلل تو نہیں آتا؟

۶..... نیز یہ بھی تحریر فرمائیں اگر زید مذکور اس فتویٰ کو دیکھنے کے بعد متنازعہ زمین واپس نہ کرے تو؟

الف..... کیا اس کے لئے یہ زمین اپنے تصرف میں رکھنا حلال ہوگا؟

ب..... کیا یہ زمین ان کی ملکیت متصور ہوگی؟

ج..... کیا یہ ملکیت طیب اور پاکیزہ ہوگی؟

۷...... تحریر فرمائیں کہ زید کا یہ کہنا کہاں صحیح ہے، کہ واپسی کی شرط کا مطلب نئی بیع ہے، پہلی قیمت پر واپسی نہیں ہے؟

۸...... یہ زید وعدہ خلافی کا مرتکب ہوا ہے یا نہیں؟ اور وعدہ خلافی کا گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... بیع میں یہ ہوتا ہے کہ مبیع ملک بائع سے نکل کر ملک مشتری میں چلی جاتی ہے (۱) اور بائع کو اس میں تصرف کا حق نہیں رہتا (۲)، یہاں آپ بیع کے بعد بھی خود ہی کاشت کرتے رہے اور مشتری سے بٹائی یا ٹھیکہ کی بات نہیں کی گئی۔ پس اگر آپ نے یہ شرط کر لی تھی کہ زمین میرے ہی قبضہ میں رہے گی، اس میں تصرف کروں گا، تو یہ بیع صحیح نہیں ہوئی (۳)۔ اس کا فسخ کرنا اصل قیمت پر لازم ہوگا (۴)۔

---

(۱) "وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۲/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۴، سعيد)

(۲) "ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، كتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچی)

"وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يحل مال امرىء مسلم إلا بطيب نفس منه" وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسق، وقتاله كفر، وحرمة ماله كحرمة نفسه ...... (فثبت) أن الفعل عدوان محرم في المال كما في النفس". (كتاب المبسوط، كتاب الغصب، الجز الحادي عشر: ۶/۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تفسير الغصب الخ: ۵/۱۱۹، رشيديه)

(۳) "(و) لا (بيع بشرط) عطف على إلى النيروز، يعني الأصل الجامع في فساد العقد بسبب شرط (لا يقتضيه العقد، ولا يلائمه وفيه نفع لأحدهما أو) فيه نفع (لمبيع) ......". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۸۴، ۸۵، سعيد)

"وإن كان الشرط لم يعرف ورود الشرع بجوازه في صورة، وهو ليس بمتعارف إن كان لأحد المتعاقدين فيه منفعة، أو كان للمعقود عليه منفعة والمعقود عليه من أهل أن يستحق حقاً على الغير فالعقد فاسد كذا في الذخيرة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي =

نیز بیع میں واپسی کی شرط کرنے سے بھی بیع فاسد ہو جاتی ہے(۱)، اگر بیع تو بلا شرط واپسی کے کی گئی، مگر بعد میں ایک معاہدہ علیحدہ سے واپسی کا کرلیا گیا، تو بیع صحیح ہوگئی (۲)، مگر آپ کو کاشت کرنے اور پیداوار کھانے کا حق نہیں تھا، یہ آپ نے غلط کام کیا ہے(۳)۔ یہ سب خرابی حکم شرعی کی پابندی نہ کرنے سے پیدا ہوئی۔

۲...... بیع میں واپسی کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہوگئی، جس کا فسخ کرنا واجب ہے(۴)، نہ یہ بیع جدید

= تفسد البيع والتي لاتفسده: ۱۳۴/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۴۰/۶، رشيديه)

(۴) "أخره عن الصحيح لكونه عقداً مخالفاً للدين كما أوضحه في الفتح، وسيأتي أنه معصية يجب رفعها". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۴۹/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۱۲/۶، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۶۲/۳، دارالمعرفة بيروت)

(۱) "ولو اشترى شيئاً ليبيعه من البائع، فالبيع فاسد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، مطلب في الشروط المفسدة: ۱۳۴/۳، رشيديه)

"وفي حاشية الفصولين عن جواهر الفتاوىٰ: هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا البيع باطل وهو رهن". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء: ۲۷۶/۵، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الرهن ومطالبه، بيع الوفاء منزل منزلة الرهن الخ: ۲۵۳/۲، ۲۵۴، إمداديه)

(۲) "هذا وفي الخيرية فيما لو أطلق البيع ولم يذكر الوفاء، إلا أنه عهد إلى البائع أنه إن أوفى مثل الثمن يفسخ البيع معه أجاب: هذه المسئلة اختلف فيها مشايخنا على أقوال. ونص في الحاوي الزاهدي: أن الفتوىٰ في ذلك أن البيع إذا أطلق ولم يذكر فيه الوفاء، إلا أن المشتري عهد إلى البائع أنه إن أو في مثل ثمنه فإنه يفسخ معه البيع، يكون باتاً حيث كان الثمن ثمن المثل لو بغبن يسير اهـ وبه أفتى في الحامدية أيضاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب بيع الوفاء: ۲۷۷/۵، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، فصل في الشروط المفسدة: ۱۶۵/۲، رشيديه)

(وكذا في جامع الفصولين، الفصل الثامن عشر في بيع الوفاء الخ: ۲۳۴/۱-۲۳۷، اسلامی کتب خانہ کراچی)

(۳) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۵۴۸

(۴) راجع رقم الحاشية: ۴

ہے، نہ اقالہ (واپسی) ہے۔

۳...... جو روپیہ آپ نے لیا، آپ زید کو دے دیں اور زید زمین آپ کو دے دے، یہ فسخ بیع ہے (۱)۔

۴...... زمین فروخت کرنے کے بعد سات سال تک آپ اس میں کاشت کرتے اور کھاتے رہے، یہ آپ نے ناجائز کام کیا، ناجائز کھایا، روپیہ بھی آپ نے کھایا اور زمین بھی اپنے قبضہ میں رکھی (۲)۔

۵...... جو شخص فتویٰ دریافت کرنا ہی نہیں چاہتا، اس کے متعلق ایسی بات جس سے ایمان میں خلل آئے، ہرگز نہیں چاہیے وہ آپ کے متعلق دریافت کرے گا کہ آپ سات برس تک حرام آمدنی کھاتے رہے اور فتویٰ نہیں پوچھا، تو سخت مشکل پیش آئے گی۔

۶...... الف، ب، ج تحریر کردہ جوابات میں ان کا جواب آ گیا۔

۷...... بیع ہی واجب الفسخ ہے، تو اب واپسی کی تشریح بے محل ہے۔

۸...... واپسی کی شرط کے ساتھ بیع کر کے دونوں گنہگار ہوئے (۳)۔ واپسی کی تشریح جو کچھ زید کرتا ہے، اسی کے لئے وہ اب بھی اس پر قائم ہے، وعدہ کرتے وقت یہ نیت رکھنا کہ میں اس کو پورا نہیں کروں گا، کبیرہ گناہ ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "الفسخ شرعاً: رفع عقد علی وصف كان قبله بلا زيادة ونقصان". (التعريفات الفقهية، ص: ۲۱۴، میر محمد کتب خانہ کراچی)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۵۴۸

(۳) راجع رقم الحاشية: ۴، ص: ۵۴۹

(۴) "وعده أن يأتيه، فلم يأته، لا يأثم، قال بعض الفضلا: فإن قيل: ما وجه التوفيق بين هذين القولين، فإن الحرام يأثم بفعله، وقد صرح في القنية بنفي الإثم، قلت: يحمل الأول على ما إذا وعد وفي نيته الخلف فيحرم؛ لأنه من صفات المنافقين: والثاني على ما إذا نوى الوفاء وعرض مانع". (الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۷/۳، إدارة القرآن كراچی)

"عن زيد بن أرقم رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي له، فلم يف، ولم يجيء للميعاد، فلا إثم عليه قال الأشراف: هذا دليل على أن النية الصالحة يثاب الرجل عليها، وإن لم يقترن معها المنوي وتختلف عنها اهـ ومفهومه أن من وعد =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۷/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= وليس من نيته أن يفي، فعليه الإثم، سواءٌ وفى به أولم يف، فإنه من أخلاق المنافقين، ولا تعرض فيه لمن وعد ونيته أن يفي ولم يف بغير عذر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب الوعد، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۴۸۸۱: ۸/۶۱۵، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۳/۱۸۹، رقم الحديث: ۳۴۹۷، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

باب الربوا

(سودکابیان)

سودی قرض کی آمدنی کاحکم

سوال[۱۱۱۱۷]: ایک شخص نے کچھ روپیہ زیور رکھ کرسود پر لےکرتجارت میں لگایا،اس کے ادائیگی کے بعداس شخص نے دل سےتوبہ کرلی، کہ آئندہ نہ سوددوں گانہ لوں گا،کیااس کے بعدکسی متقی کواس کے یہاں کھانا پینا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زیوررہن رکھ کرروپیہ قرض لینااوراس پرسود دینا گناہ ہے(۱)،لیکن اس قرض والے روپیہ سے جو تجارت کی گئی ہے،تواس کی آمدنی ناجائزنہیں(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین،دارالعلوم دیوبند،۱۸/۶/۸۷ھ۔

---

(۱) "قال علیه الصلاة والسلام: "کل قرض جر منفعة، فهو ربا". (فیض القدیر، رقم الحدیث: ۶۳۳۶: ۹/۴۴۸۷، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"کل قرض جر نفعاً، فهو حرام". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل في القرض: ۵/۱۶۶، سعید)

(وکذا في تکملة فتح الملهم، کتاب المساقات والمزارعة: ۱/۵۷۵، دارالعلوم کراچی)

(۲) "ثم في کل موضع لایجوز القرض، لایجوز الانتفاع به، لکن یجوز بیعه، کذا في الفصول العمادیة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر في القرض الخ: ۳/۲۰۱، رشیدیه)

سود پرلی ہوئی رقم قرض ہے،اس میں فی نفسہ کوئی خبث نہیں ہے،بلکہ خبث ان کے درمیان سودی معاملہ اوراس کے=

سودی قرض سے بنائے ہوئے کپڑے استعمال کرنا

سوال[۱۱۱۱۸] : احقر کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے اور ہم دو بھائی اور ایک بہن ہیں اور احقر چھوٹا ہے، جائیداد موروثہ پر بھائی صاحب ہی کی نگرانی ہے اور ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی، احقر مدرسہ اسلامیہ فیض العلوم حیدرآباد میں ملازم ہے۔ گو بھائی صاحب زراعت پیشہ ہیں، لیکن حال ہی میں انہوں نے احقر کے کپڑے بنائے ہیں، ان سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ سودی قرض لے کر کپڑے بنائے ہیں، احقر کا مقصد تھا کہ اپنا حقِ جائیداد، یعنی آمدنی سے اپنا حصہ حاصل کروں، لیکن انہوں نے بغیر حساب آمدنی بتلائے کپڑے بنوا دیئے اور نقد ۷۵/ روپے دیئے، پوچھنے پر انہوں نے بتلایا کہ سودی قرض لا کر دیئے ہیں، اب احقر کو اشکال ہو رہا ہے کہ ان کپڑوں اور روپیوں کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود لینا اور دینا کبیرہ گناہ ہے(۱)، لیکن جو روپیہ نقد آپ کو قرض لے کر دیا ہے، وہ سود نہیں ہے، اس

= بعد مقرض کو حاصل ہونے والے نفع میں ہے، لہٰذا سود پر لی ہوئی رقم (قرض) سے کاروبار چلا کر مستقرض کو جو نفع ہوتا ہے، وہ حرام نہیں کہلائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

"وقال الحنفية: يبطل الشرط، لكونه منافياً للعقد، ويبقى القرض صحيحاً، وقولهم ببطلان الشرط لكونه منافياً للعقد، فيه تصريح بأن القرض إذا كان مشروطاً بالمنفعة يلزم منه انقلابه بيعاً، ولذا أبطلوا الشرط حفظاً للعقد عن الانقلاب، وإلا لم يكن لإبطاله معنى، مرادهم بكون القرض صحيحاً والشرط باطلاً، أن المستقرض إذا قبض الدراهم التي استقرضها بالشرط يصير دينا عليه، لا تكون أمانة غير مضمونة، وأما أن الإقراض والاستقراض بالشرط جائز فكلا، فقد صرح في "الدر" عن "الخلاصة" القرض بالشرط حرام والشرط لغو، وفيه أيضاً: واعلم أن المقبوض بقرض فاسد كمقبوض بيع فاسد سواء، اهـ". (إعلاء السنن، كشف الدجى عن وجه الربا: ۵۳۴/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۱۶۹/۵، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الربوا سبعون جزءً، أيسرها أن ينكح الرجل أمه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث: ۲۴۶/۱، قديمی)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أربعة حق =

طرح قرض لے کر جو کپڑا اپنا کر دیا ہے، وہ بھی سود نہیں ہے، آپ کے لئے جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۱۷ھ۔

سوسائٹی میں پیسہ جمع کرنا

سوال[۱۱۱۱۹]: دیوبند اور سہارنپور میں جو سوسائٹی قائم ہے، جس میں مسلمان پیسہ جمع کرتے ہیں، کیا اس میں پیسہ جمع کرنا جائز ہے؟ جب کہ وہ پیسہ کے مطابق ماہانہ خرچ بھی وصول کرتے ہیں، اس طرح کہ اگر کوئی شخص رکھ کر پیسہ لیتا ہے تو ''فیصد'' پر ایک روپیہ بھی اس کو دینا پڑا، تو کیا یہ ایک روپیہ لینا جائز ہے؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حفاظت کے لئے پیسہ وغیرہ جمع کرنا جائز ہے(۲)، حساب اور حفاظتی انتظام کے لئے کاپی وغیرہ میں

= علی اللہ أن لا یدخلهم الجنة، ولا یذیقهم نعیمها: مُد مِن الخمر واٰکل الربوا، واٰکل مال الیتیم بغیر حق، والعاق لوالدیه". (المستدرک للحاکم، کتاب البیوع: ۲/۳۷، دارالفکر بیروت)

"عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: اٰکل الربوا وموکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: هم سواء" رواه مسلم. (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الأول، ص: ۲۴۴، قدیمی)

(۱) "(فیصح استقراض الدراهم والدنانیر، وکذا) کل (مایکال، أو یوزن، أو یعد متقارباً فصح استقراض، جوز وبیض)، وکاغذ عدداً". (الدرالمختار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل في القرض: ۵/۱۶۲، سعید)

"ویجوز القرض في الفلوس؛ لأنها من العددیات المتقاربة کالجوز والبیض". (بدائع الصنائع، کتاب القرض: ۶/۵۱۸، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر في القرض والاستقراض والاستصناع: ۳/۲۰۱، رشیدیه)

(۲) "أما تفسیرها شرعاً: فالإیداع هو تسلیط الغیر علی حفظ ماله، والودیعة مایترک عند الأمین، کذا في الکنز...... وأما حکمها: فوجوب الحفظ علی المودع، وصیرورة المال أمانة في یده، ووجوب أدائه =

اوراس کی قیمت وصول کرتے ہیں، یہ درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حلال کمائی سے حاصل شدہ زمین میں سودی رقم سے دکان بنوانا

سوال[۱۱۱۲۰]: زید نے اپنی حلال کمائی کی جگہ میں سود کی رقم سے کرائے کی دکانیں تعمیر کیں اور اس کی آمدنی سے زندگی گزارتا ہے، جائز ہے یا نہیں؟ سود کی رقم ادا کرنے کی صورت میں اس کی آمدنی جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کو جائز کرنے کی کیا صورت ہے، کوئی دلیل پیش کریں تو عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جس قدر سود لیا ہے، اتنی مقدار ان لوگوں کو واپس کردے، جن سے سود لیا ہے، یا واپسی دشوار ہو، یا ان لوگوں کا علم نہ ہو تو اتنی مقدار غرباء پر صدقہ کردے(۲)، پچھلے سال جس حلال کمائی کی زمین میں سودی روپیہ سے

= عند طلب مالكه، كذا في الشمني". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول في تفسير الإيداع الخ: ۳۳۸/۴، رشيديه)

"قوله: (الإيداع هو تسليط الغير على حفظ ماله) يعني صريحاً، أو دلالة ...... وحكمها: كون المال أمانة عنده مع وجوب الحفظ عليه، والأداء عند الطلب، واستحباب قبولها". (البحر الرائق، كتاب الوديعة: ۴۶۴/۷، ۴۶۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإيداع: ۶۶۲/۵ - ۶۶۴، سعيد)

(۱) "وما أنفق المودع على الوديعة بأمر القاضي فهو دين على صاحبها يرجع به عليه، إذا حضر". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب العاشر في المتفرقات: ۳۶۰/۴، رشيديه)

"(قوله: ولو أنفق الخ) ولو لم ينفق عليها المودع بالفتح حتى هلكت يضمن، لكن نفقتها على المودع بالكسر". (ردالمحتار، كتاب الإيداع: ۶۷۵/۵، سعيد)

"وفي آخر كتاب الغصب من شرح الطحاوي رحمه الله تعالىٰ: المودع إذا شرط الأجر للمودع على حفظ الوديعة، صح". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الوديعة، الفصل السادس في المتفرقات: ۲۸۹/۴، رشيديه)

(۲) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر =

تعمیر کی ہے، وہ سب اور اس کی آمدنی اس کے حق میں درست ہوجائے گی، خلط کو فقہاء نے استہلاک لکھا ہے، جوکہ موجب ملک ہے، یعنی غیر کا روپیہ جوکہ ناجائز تھا، اس کو اپنے جائز روپیہ میں مخلوط کر لینے سے اس ناجائز پیسے پر ملکیت حاصل ہوجائے گی (۱)، البتہ اتنی مقدار کو واپس کرنا یا تصدق لازم ہوگا (۲)۔ شامی، کتاب الحج میں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے (۳)، نیز جلد رابع (۴)، کتاب البیوع اور جلد خامس (۵) میں بھی مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۶/۸۹ھ۔

شبہ ربا سے احتراز

سوال [۱۱۱۲۱]: زید نے ایک غیر مسلم کو دس ہزار روپے بطور پیشگی دودھ کے دیئے اور پیشگی دینے

= الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۲/۳۸۵، سعيد)

"قال علماءنا: إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام، إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً، فإن أيس من وجوده، فليتصدق بذلک عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، البقرة: ۲۷۹: ۳/۲۴۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، كتاب الزكاة، : ص ۱۵، مكتبه القدس)

(۱) "لو أن سلطاناً غصب مالاً وخلط، صار ملكاً له حتى، وجبت عليه الزكاة، وورث عنه على قول أبي حنيفة؛ لأن خلط دراهمه بدراهم غيره عنده استهلاک". (البحرالرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۵۹، رشيديه)

"(ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله، مَلَكه، فتجب الزكاة فيه، ويورث عنه)؛ لأن الخلط استهلاک إذا لم يكن تمييزه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۹۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل العاشر في بيان مايمنع وجوب الزكاة: ۲/۲۱۸، قديمى)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۵۵۵

(۳) (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب: فيمن حج بمال الحرام: ۲/۴۵۶، سعيد)

(۴) (ردالمحتار، كتاب اللقطة، مطلب: فيمن عليه ديون ومظالم جهل أربابها: ۴/۲۸۳، سعيد)

(۵) (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

سے قبل یہ طے کیا، غیر مسلم نے وعدہ کیا کہ میں آپ کو چالیس کلو دودھ روزانہ دیا کروں گا، دودھ کا نرخ ۵۰/۱ کے حساب سے دینا طے کیا اور یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر میں دودھ نہ دوں تو زید مذکور کو جو نفع دودھ بیچ کر ہوا کرے گا، اتنی رقوم میں ادا کرتا رہوں گا۔

اب خالد چالیس کلو دودھ ۱۸/ کلومیٹر دور لے جا کر ایک شہر میں فروخت کرتا ہے، اس کو دس روپے روزانہ بچتے ہیں، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ غیر مسلموں میں دودھ کو لے جاتا ہے اور بیچ کر دس روپے زید کو لاکر دیتا ہے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ غیر مسلم دودھ ۴۰/ کلو کے بجائے ۲۰/ کلو دودھ دیتا ہے، زید ۲۰/ کلو دودھ بیچ کر ۵/ روپے کماتا ہے اور پانچ وہ غیر مسلم جو ۲۰/ کلو دودھ نہیں دیتا، اس کے نفع کے دیتا ہے۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سود ہے، بعض کہتے ہیں کہ نہیں، یہ بیوپار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ شرعاً درست نہیں، شبہ ربوا ہے، اس کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالیٰ عنه: أن آخر ما نزلت آية الربوا، وأن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قبض ولم يفسرها لنا، فدعوا الربوا والريبة" رواه ابن ماجة، والدارمي". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، ص: ۲۴۶، قديمي)

"وعن عمر بن الخطاب رضي الله تعالیٰ عنه ...... فدعوا الربا والريبة ...... (مشكاة المصابيح) قوله: (فدعوا) أي: أيها الناس (الربا والريبة) أي: شبهة الربا أو الشک في شيء مما اشتملت عليه هذه الأيات أو الأحاديث، فإن الشک في شيء من ذلک ربما يؤدي إلى الكفر". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الربا: ۶/۵۷، ۵۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الثالث، رقم الحاشية: ۴: ۱/۲۴۶، قديمي)

فصل في مصرف مال الربوا

(سودی پیسے کے مصرف کا بیان)

سود کا روپیہ آ گیا، اس کو کہاں استعمال کیا جائے؟

سوال[۱۱۱۲۲]: ۱...... سود کا پیسہ گھر کے پائخانہ یا عام پاخانہ یا مسجد کے پائخانہ میں استعمال کرے، تو جائز ہے یا نہیں؟

۲...... سود کا پیسہ غریب کافر کو دے دے، تو جائز ہے یا نہیں؟

۳...... سود کا پیسہ غریب کو بغیر ثواب کی نیت کے دے دے، تو صحیح ہے کہ نہیں؟

۴...... سود کے پیسے سے راستہ بنائے یا غریب کا گھر بنائے یا راستہ میں لائٹ لگائے تو جائز ہے یا نہیں؟

۵...... غریب کافر یا غریب مسلمان کو سود کے پیسہ سے کپڑا لے دے، تو جائز ہے یا نہیں؟

۶...... سود کا پیسہ کرکٹ یا فٹ بال اور کسی کھیل میں دے دے، تو جائز ہے یا نہیں؟

۷...... سود کا پیسہ اسکول کے باغ کے واسطے دے دے تو جائز ہے یا نہیں؟

۸...... سود کے پیسہ سے کنواں بنانے یا عام شئ بنانے یا چکی بنانے کے لئے دے دے، تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... سود لینا دینا سب حرام ہے(۱)، اول تو جس سے لیا ہے، اسی کو واپس کر دیا جائے، اگر کسی طرح بینک

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (البقره: ۲۷۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا اتقوا الله وذروا ما بقى من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ (البقره: ۲۷۸)

"﴿وأخذهم الربوا وقد نهوا عنه﴾ كان الربا محرماً عليهم، كما حرم علينا". (مدارک التنزيل وحقائق التأويل: ۱/۲۰۲، ال عمران: ۱۳۰، قديمى)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : اكل الربوا وموكله =

وغیرہ سے سودی پیسہ آگیا ہے، تو اس کو بغیر نیت ثواب غریبوں کو دے دے، مسجد یا پاخانہ وغیرہ میں نہ لگائے (۱)۔

۲...... مسلم غریب کو دے دے (۲)۔

۳...... بغیر نیت ثواب دے (۳)۔

۴...... غریب کو دے دے، پھر وہ چاہے، اس کو مکان بنانے میں خرچ کرے یا لائٹ وغیرہ لگانے میں یا راستہ بنانے میں۔

۵...... اس کو پیسہ ہی دے دے، وہ اپنی مرضی سے جو چاہے، کپڑا وغیرہ خریدے اور مسلم غریب کو دے۔

۶...... مسلم غریب کو دے، خود کسی اور کام میں خرچ نہ کرے۔

۷...... وہاں خرچ نہ کرے۔

۸...... مسلم غریب کو دے، خود کسی اور کام میں نہ خرچ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۸/ ۸۹ھ۔

= وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء، رواه مسلم". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربا: ۱/ ۲۴۴، قديمی)

(۱) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۶/ ۳۸۵، سعيد)

"قال علماء نا: إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام، إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً، فإن أيس من وجوده، فليتصدق بذلك عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، البقرہ: ۲۷۹ : ۳/ ۲۴۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/ ۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، كتاب الزكاة، :ص ۱۵، مكتبة القدس)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۳) "رجل دفع إلى فقير من المال الحرام شيئاً، يرجوا به الثواب يكفر". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب: في التصدق من المال الحرام: ۲/ ۲۹۲، سعيد)

"قال في الدرالمختار: أن التصدق بالمال الحرام ثم رجاء الثواب منه حرام وكفر". (العرف الشذي على جامع الترمذي: ۱/ ۳، سعيد)

(وكذا في معارف السنن، أبواب الطهارة، مسئله فاقد الطهورين: ۱/ ۳۳، سعيد)

مجبوری کی حالت میں سودی قرض لے کر مکان تعمیر کرنا

سوال[۱۱۱۲۳] : ۱...... احمدآباد، بڑودہ وغیرہ کے حالیہ فسادات میں شر پسندوں نے اس حد پر تباہی مچائی، جس جگہ مسلم اقلیت میں اکادکا آباد تھے اور جس جگہ جتھہ (۱) کی صورت میں محلّہ کی آبادی مسلم ہوں، وہاں شر پسند آتے ڈرتے ہیں یا آتے نہیں، بہرحال اس نقصان کے پیش نظر یہ صورت قائم ہوتی ہے کہ وہ اکادکا بسنے والے مسلمان مسلم جتھوں اور محلوں میں آکر آباد ہوجائیں، یہاں پر ایک صاحب کے پاس بہت بڑی زمین ہے، جس پر تیس پینتیس مکانات تعمیر ہوکر اتنے ہی خاندان آباد ہوسکتے ہیں اور مسلمانوں کا ایک اجتماعی جتھا تیار ہوسکتا ہے۔

مگر آج کل شہروں میں ۱۵، ۲۰، ۲۵ روپے فٹ زمین ملتی ہے اور مسلم لوگ اتنی قیمت پر خریدنے سے معذور ہیں کہ مذکورہ بالا قیمت سے آٹھ دس ہزار روپیہ خرچ کرکے مکان تعمیر کرسکیں، اس کی ایک شکل عام طور پر لوگ اختیار کرتے ہیں، وہ یہ کہ رہائش کے لئے مکانات تعمیر کرنے کے لئے حکومت قرض (لون) سودی قرض کی شکل میں دیتی ہے، جس کو تعمیر مکان کے بعد کئی سالوں میں بالاقساط ادا کرنا ہوتا ہے، یعنی اگر چار چار ہزار جمع کریں، تو حکومت چھ ہزار اپنے پاس سے قرض دے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ حضرات ہاؤسنگ کمیٹی قائم کرکے اس کو باقاعدہ رجسٹر کراکے رہائش کے سلسلہ میں حکومت سے سود پر قرض لے سکتے ہیں یا نہیں؟ حکومت سے قرض لئے بغیر مذکورہ بالا زمین پر یہ لوگ آباد نہیں ہوسکتے، اس کے لئے واحد صورت یہی ہے، تو کیا ایسی شکل میں یہ قرض لیا جاسکتا ہے اور شرعاً گنجائش ہے کہ نہیں؟ ہاؤسنگ کمیٹی قائم کرکے مکان آٹھ دس ہزار میں تعمیر ہوجاتا ہے، ورنہ چالیس پچاس ہزار سے کم میں اس دور میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲...... "الضرورات تبیح المحذورات" کے پیش نظر اضطرار اور ضرورت شدید کے پیش نظر سودی قرض لینے کی تو بالاتفاق گنجائش ہے، مگر اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اضطرار اور ضرورت شدیدہ کے لئے کیا معیار ہوگا؟

(۱) "جتھا: گروہ، دھڑا، ٹولی، جماعت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۸۳، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲،۱......سودی قرض سودی معاملہ کا حرام ہونا منصوص ہے(۱)،مضطر کے لئے حرام شی کی حرمت مرتفع ہوجاتی ہے، جان بچانے کے لئے حرام شی کا کھانا ضروری ہوجاتا ہے، جب کہ اس کے سوا چارہ کار نہ رہے، مگر اتنی ہی مقدار کی اجازت ہوتی ہے، جس کے ذریعہ جان بچ سکے، اس سے زیادہ کی نہیں (۲)۔

تجربہ اور مشاہدہ سے جب یہ بات معلوم اور ثابت ہے کہ ایسے مسلمانوں کے تحفظ کی بظاہر اسباب یہی صورت ہے کہ ان کے لئے مکانات ایسی محفوظ جگہ بنادیئے جائیں اور مکانات کی شکل وصورت مذکورہ کے علاوہ کوئی نہیں، تو بدرجہ مجبوری معذوری ہے(۳)، لیکن ایسا کرنے سے بات درجہ معذوری تک نہیں رہتی، بلکہ بڑھتی اور پھیلتی ہے اور پھر بغیر مجبوری کے بھی ایسے معاملات کر لئے جاتے ہیں اور ذہنوں میں بس ایک پہلو رہ جاتا ہے کہ مسلمان پسماندہ رہ جائے گا اور دوسروں کی نظر میں حقیر رہ جائے گا اور اس سے ذہن فارغ ہوجاتے ہیں کہ وہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل الله البیع وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الربوا إن کنتم مؤمنین﴾ (البقرة: ۲۷۸)

"﴿وأخذهم الربوا وقد نهوا عنه﴾ کان الربا محرماً علیهم، کما حرم علینا". (مدارک التنزیل وحقائق التأویل: ۱/۲۰۲، ال عمران: ۱۳۰، قدیمی)

"عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : اٰکل الربوا وموکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: هم سواء" رواه مسلم". (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الربا، ص: ۲۴۴، قدیمی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما أهل به لغیر الله فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا إثم علیه إن الله غفور رحیم﴾ (البقرة: ۱۷۳)

"وفی القنیة من الکراهیة: یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (البحر الرائق، کتاب البیع: ۲/۱۱۲، رشیدیه)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، الفن الأول، قبیل القاعدة السادسة، ص: ۹۳، قدیمی)

(۳) راجع الحاشیة المتقدمة انفاً

زمرہ صلحاء مقبولین میں پسماندہ رہ جائے گا اور اللہ ورسول کی نظروں میں حقیر رہے گا، عزت وذلت کا معیار ان کے نزدیک نظر اغیار ہے، نہ کہ نظرِ حبیب پروردگار اور ﴿أيبتغون عندهم العزة فإن العزة لله جميعا﴾ الآية(١) کو فراموش کردیتے ہیں اور سورۂ منافقون کا واقعہ ﴿لئن رجعنا إلى المدينة ليخرجن الأعز منها الأذل ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين﴾ الآية(٢) کی طرف گاہے التفات نہیں ہوتا۔

پھر معاملہ مذکورہ کی حرمت وقباحت ہر اذہان سے ختم ہوجاتی ہے، حرام چیز کی قباحت کا قلوب سے نکل جانا اتنا بڑا نقصان ہے کہ جس کی مکافات دشوار ہے۔

﴿كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون﴾ الآية(٣).

---

(١) (النساء: ١٣٩)

"﴿أيبتغون﴾ أي: المنافقون ﴿عندهم﴾ أي: القوة والمنعة وأصلها الشدة، ...... ﴿فإن العزة لله جميعا﴾ أي: أنها مختصة به تعالىٰ يعطيها من يشاء وقد كتبها سبحانه لأوليائه فقال عز شأنه: ﴿ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين﴾". (روح المعاني، النساء: ١٣٩: ١٧٢/٥، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير، النساء: ١٣٩: ٧٥٣/١، ٧٥٤، دار السلام رياض)

(٢) (المنافقون: ٨)

"﴿أيبتغون﴾ أي: المنافقون ﴿عندهم﴾ أي: القوة والمنعة وأصلها الشدة، ...... ﴿فإن العزة لله جميعا﴾ أي: أنها مختصة به تعالىٰ يعطيها من يشاء، وقد كتبها سبحانه لأوليائه، فقال عز شأنه: ﴿ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين﴾". (روح المعاني، النساء: ١٣٩: ١٧٢/٥، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير، النساء: ١٣٩: ٧٥٣/١، ٧٥٤، دار السلام رياض)

(٣) (المطففين: ١٤)

"وقوله عزوجل: ﴿بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون﴾ بيان لما أدى بهم إلى التفوه بتلك العظيمة أي: ليس في اياتنا ما يصحح أن يقال في شأنها مثل تلك المقالة الباطلة، بل ركب قلوبهم وغلب عليها ما استمروا على اكتسابه من الكفر والمعاصي، حتى صار كالصدا في المرأة فحال ذلك بينهم وبين معرفة الحق، فلذلك قالوا ما قالوا". (روح المعاني، المطففين: ١٤: ٧٢/٣٠، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ٤٨٥/٤، المطففين: ١٤، سهيل اكيڈمی لاهور)

علاوہ ازیں ایسا بھی سننے اور دیکھنے میں آیا ہے کہ قرض کی مقررہ قسطیں کسی غفلت یا حادثہ کی وجہ سے وقت پر ادا نہیں کی گئیں، تو بنی ہوئی سب عمارت ہی ضبط کرلی گئی، اس کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

فصل في مايتعلق بالتأمين على الحياة

(بیمۂ زندگی کا بیان)

زندگی کا بیمہ

سوال[۱۱۱۲۴]: زندگی کے بیمہ کے سلسلہ میں ۱۱/ دسمبر اور ۱۴/ دسمبر ۶۵ءکو" قومی آواز" میں یہ نکلا تھا کہ ملک بھر کے مولانا مولوی صاحبان کے غور وفکر کے بعد یہ مان لیا کہ زندگی کا بیمہ جائز ہے اور مسلمانوں کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے، کیا اس سلسلہ میں آپ اپنی رائے دے سکتے ہیں؟ جس سے کہ میں دوسروں کو کچھ بتا سکوں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر" قومی آواز" میں ایسا شائع ہوا ہے، تو وہ غلط ہے، آپ لکھنؤ مدرسہ ندوۃ العلماء سے وہ تجویز منگا کر دیکھیں، جس میں ان علماء کے نام لکھے ہیں، جنہوں نے اس کو بالکل ناجائز اور حرام قرار دیا ہے اور ان کے بھی نام لکھے ہیں، جنہوں نے اس کی اجازت دی ہے اور اجازت کے لئے جو شرطیں لکھی ہیں، ان کو بھی دیکھیں تو اصل حقیقت معلوم ہوجائے گی، تجویز چھپی ہوئی ہے، بلا قیمت مل جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۸۶ھ۔

بیمہ کے ذریعہ ملنے والی رقم کی وصیت

سوال[۱۱۱۲۵]: فروری کے" الفرقان" لکھنؤ میں خصوصی حالات اور شرائط کے ساتھ بیمہ زندگی کے اباحت کی تائید کی، برائے کرم تحریر فرمایئے کہ مروج ذیل شرائط کے تحت زندگی کا بیمہ کروانا چاہیے یا نہیں؟ میری تنخواہ کافی ہے، مگر کچھ نہیں بچتا، میری ملازمت اس پر ہے کہ پنشن نہیں ملے گی، بلکہ کچھ فنڈ ملے گا، میں چاہتا ہوں، کچھ رقم پس پشت رہے، تاکہ ملازمت کے خاتمہ پر وہ رقم میرے کام آئے، میں بیمہ کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا

چاہتا، مثلاً: سود ملے یا میرے انتقال کے وقت پر بیمہ کومقرر کردہ رقم جو اصل اقساط کوادا کردہ رقم سے زائد ہوتی ہے، اس لئے میں وصیت بھی اپنے پس ماندگان کوکر جاؤں گا کہ اقساط کی صورت میں جو رقم میری ہے، وہی لیں اورزائدرقم خیرات کردے۔

میرا مقصود بیمہ سے نفع حاصل کرنا نہیں، بلکہ صرف کچھ رقم پس انداز کرنا ہے، جو میں خود اپنے ہاتھوں نہیں کرسکتا، تو میں بیمہ کرسکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں اگرچہ آپ کا مقصود سود حاصل کرنا اوراس سے نفع اٹھانا نہیں ہے، محض اپنے بعد کچھ پس انداز کرنا ہے اوربشکل سود حاصل ہونے والی رقم کے صرفہ کرنے کی وصیت کا ارادہ ہے، لیکن آپ کی جمع کردہ رقم کو پس سودی تجارت میں صَرف کرے گی، یہ اس کی اعانت ہے، اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے(۱)، نیز وصیت کا پورا کرنا ورثہ کے اختیار میں ہے اور وہ ایک ثلث ترکہ میں وصیت کے نافذ کرنے کے شرعاً ذمہ دار ہیں، اس سے زیادہ نہیں (۲) اور جب رقم ملے گی، اس میں سودی رقم کی مقدار ایک ثلث سے کم ہوگی یا زیادہ، اس کا حال معلوم نہیں ہے، اس لئے یہ اطمینان نہیں کیا جاسکتا، سودی رقم پوری کی پوری صدقہ ہی کردی جائے گی۔غرض بیمہ میں سود حاصل کرنے یا سود کی اعانت کرنے یا سود سے فائدہ اٹھانے اور قمار سے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علي الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"قال ابن كثير تحت هذه الآية: يأمر تعالىٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات وهو البر، وترك المنكرات وهو التقوى، وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم". (تفسير ابن كثير: ۲/ ۱۰، دارالسلام رياض)

(وكذا في التفسيرات الأحمدية، ص: ۳۳۱، حقانيه پشاور)

(۲) "وتنفذ وصاياه من ثلث ماله، وفي الفرائض للخسامي: ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما يبقى بعد الكفن والدين إلا أن يجيز الورثة أكثر من الثلث". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/ ۳۶۶، رشيديه)

"(ثم) تقدم (وصيته) ..... (من ثلث مايبقى)". (الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/ ۷۶۰، ۷۶۱، سعيد)

"ثم تنفذ وصاياه من ثلث مايبقى بعد الكفن والدين إلا أن تجيز الورثة أكثر من الثلث". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/ ۴۴۷، رشيديه)

نجات نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔

---

(۱) بیمہ میں سود بھی ہے اور جوا بھی اور یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں، لہٰذا بیمہ بھی ممنوع ہے۔

"ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار، وأن المخاطرة قمار، وأن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة، وقد كان مباحاً إلى أن ورد تحريمه". (أحكام القرآن للجصاص: ۲/ ۴۶۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال أخيه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/ ۴۰۳، سعيد)

"الربا: هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعي، شرط لأحد المتعاقدين في المعاوضة". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۵/ ۱۶۸، سعيد)

بیمۂ زندگی کے عدم جواز میں کوئی شبہ ہی نہیں، اس لئے کہ اس میں سود اور غرر (دھوکہ) ہے، سود تو ظاہر ہے اور دھوکہ اس لئے ہے کہ اگر قسطیں ادا کرنی روک دے، تو ادا شدہ قسطیں بھی ڈوب جاتی ہیں، مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اشیاء کا بیمہ اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اس پر قمار کی تعریف صادق آتی ہے کہ یا تو بیمہ دار نے جو رقم بھری ہے، وہ بھی گئی یا پھر وہ رقم اپنے ساتھ اور رقم بھی لے آئے گی ...... الحاصل یہ کہ بیمہ کا کاروبار سود اور قمار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين اٰمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا﴾

وقال الله تعالىٰ: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان﴾

وفي الحديث: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: اكل الربا ومؤكله وشاهده وكاتبه" (رواه البخاري)".

(کفایت المفتی، کتاب الربا، دوسرا باب: بیمہ کرانا: ۸/ ۹۲، دارالاشاعت کراچی)